www.KitaboSunnat.com
مِنہاج المُسلم
اسلامی طرزِ زندگی
تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قرآن وسُنت کی تعلیمات
تالیف/ فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری حفظہ اللہ
ترجمہ/ شیخ الحدیث مولانا مُحمد رفیق الاثری
دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
پوسٹ بکس نمبر 22743 ریاض 11416 مملکت سعودی عرب
ٹیلیفون 4033962 فیکس 4021659

برانچ آفس

دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
50 لوئر مال۔ لاہور پاکستان ٹیلیفون-7354072

پہلا ایڈیشن دسمبر 1997 بمطابق شعبان 1418 ہجری

تالیف
فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری حفظہ اللہ
مدرس المسجد النبوی الشریف مدینہ منورہ

ترجمہ
شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق الاثری
شیخ الحدیث دار الحدیث محمدیہ
جلال پور پیر والا ملتان

نظر ثانی
قاری عبدالحلیم بلال
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)
مولانا عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

دار السلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
لاہور
الریاض

فہرست مضامین

نویں فصل

دسویں فصل

زکوٰۃ کا بیان

گیارہویں فصل

روزہ کے احکام ٤٣٦

پانچویں فصل

گیارہویں فصل

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ ۔ أَمَّا بَعْدُ:

آج سے چودہ سو سال پہلے سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جب علم کی قندیل روشن فرمائی تو پاسبانان عزیمت و پیشوایان ملت بیضاء اٹھے' نبوی صداؤں پر لبیک کہتے ہوئے میدان عمل میں اترے اور شمع رسالت کی روشنی لے کر ہر صحرا و وادی میں اترے' بحروبر کے ادق اور پرخطر راستوں پر قربانی کے نذرانے پیش کرتے ہوئے راہرو منزل ہوئے۔

ان اکابرین کی یہ مشترکہ اور عالم گیر کوششیں جہاں ہمارے لئے تاریخی جھروکوں میں ایک سنہری باب کھولتی ہیں' وہاں یہ ہم پر عذر توڑ حجت بھی قائم کرتی ہیں۔ آج کتنے ہی اہم قسم کے مسائل ہیں کہ جن کی بابت تعلیم یافتہ طبقہ مصر ہے کہ انہیں سنت نبوی کی جگہ سنت یورپ پر عمل کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ آخر کیوں؟

وجہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ ہمیں اپنی طرز زندگی اور اسلوب حیات کو کس سانچے میں ڈھالنا تھا! اور اب وہ کون سے عناصر ہیں جو اس ملی فریضہ کی ادائیگی میں حائل ہو رہے ہیں اور سد راہ بنے ہوئے ہیں؟

قارئین کرام! علم نبوی ایک مشترکہ میراث ہے' اگر ہم اسے تربیت اولاد اور اپنے ذاتی عمل کے لئے بنیاد نہیں بنائیں گے تو جاہلیت اولیٰ کے لوگوں سے ہمارا کیا فرق رہ جائے گا؟

اسی علمی شمع کو روشن کرنے کیلئے عرصہ دراز سے ہماری یہ تمنا تھی کہ جس طرح عربی زبان میں کتب اسلامیہ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور عام و خاص اس سے فیض یاب ہوتے ہیں' اسی طرح کی مفید کتب اردو زبان میں بھی ہوں۔ چنانچہ ہم نے اللہ کے فضل سے بعض اہم کتب کا انتخاب کیا اور ان کتب میں ایک اہم کتاب ”منہاج المسلم“ ہے جس کے مؤلف و مصنف' عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیت فضیلۃ الشیخ ابوبکر بن موسیٰ جابر الجزائری حفظہ اللہ ہیں۔ ایک مدت پہلے ان کی اس کتاب کا جستہ جستہ مطالعہ کیا تو دوران مطالعہ خواہش ہوئی کہ اس عظیم الشان کتاب کو اردو میں بھی شایان شان طریقے سے شائع ہونا

چاہیئے۔ اس کتاب کے مؤلف کے لئے یہی سب سے بڑا شرف ہے کہ وہ مسجد نبوی میں درس دیتے ہیں۔ علم کے پیاسے ان کے درس میں جوق در جوق آتے ہیں۔ راقم کو بھی ان کی مجالس میں شامل ہونے کا موقع ملا ہے۔ انداز بڑا سادہ مگر دل سے نکلی ہوئی باتیں لوگوں کے دل و دماغ میں اتر جاتی ہیں۔ مجھے اپنے محترم دوست بریگیڈیئر جنرل (ریٹائرڈ) الشیخ عبدالحلیم السلفی کی معیت میں فضیلۃ الشیخ ابوبکر الجزائری کے گھر پر ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے ہی ادارے کا تعارف کروایا' تحریری طور پر کتاب کو شائع اور اردو ترجمہ کرنے کی اجازت لے کر دی۔ الشیخ عبدالحلیم السلفی مدینہ کے باسی ہیں' سعودی عرب کی فوج میں شعبہ مذہبی امور میں ایک شعبہ کے انچارج رہے ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے' وہ شیخ ابوبکر حفظہ اللہ کے شاگرد خاص ہیں۔

فاضل مؤلف انتہائی متواضع اور زہد و تقویٰ سے متصف شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جس سے بھی اپنے دین کی خدمت کا کام لینا مقصود ہو اس کے لئے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ آپ ۱۹۲۱ء میں صحراء الجزائر کی ایک بستی "لیوہ" میں پیدا ہوئے۔ ابھی عمر ایک سال سے بھی کم تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ نیک اور صالح والدہ نے اپنی زندگی اس ہونہار بچے کے لئے وقف کر دی۔ صحیح اسلامی خطوط پر اس یتیم بچے کی تربیت کی۔ چنانچہ ۱۲ سال سے بھی کم عمر میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ پھر الجزائر کے دارالحکومت میں آ گئے وہاں ایک سکول میں مدرس کے طور پر کام کیا اور ساتھ ساتھ علامہ الشیخ الطیب ابو قیر کے درسوں میں مسلسل شرکت کرتے رہے اور ساتھ ساتھ عقیدہ توحید اور سنت نبوی کی شمع کو روشن کرتے رہے۔ ۱۳۷۲ء ہجری یعنی کم و بیش ۱۹۵۲ء میں فرانسیسی استعمار نے جب دعوت و تبلیغ پر کاری ضرب لگائی تو شیخ ابوبکر الجزائری نے ہجرت کر کے مدینۃ الرسول (ﷺ) کا رخ کیا۔ یہاں اس وقت شاہ سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت تھی اور مدینہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ موصوف نے پہلے مدینہ منورہ میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا پھر مدنیہ یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے اور ریٹائر ہونے تک وہاں کام کرتے رہے۔ اس دوران رابطۃ العالم الاسلامی کے تحت بعض اداروں میں بطور مشیر و معاون کام کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے لکھنے پڑھنے کا ذوق عطا کیا تھا۔ عوام کے لئے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں' جن کی تعداد اسی (۸۰) کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ بڑی کتابیں بھی لکھیں جن کی تعداد دس سے اوپر ہے۔ ان میں "منہاج المسلم" "عقیدۃ المومن" اور سیرت رسول میں "ھذا الحبیب" تفسیر میں "ایسر التفاسیر" جیسی کتب زیادہ مشہور ہوئیں۔

جہاں تک زیر مطالعہ کتاب کا تعلق ہے' یہ منہاج المسلم کا اردو ترجمہ ہے جو انہوں نے "مغرب" (مراکش) کے شہر "وجدہ" کے بعض احباب کے تقاضوں پر لکھی۔ ان احباب کا تقاضا تھا کہ وہ ایسی کتاب لکھیں جو ایک قانون کی کتاب سے مشابہ ہو اور ان تمام باتوں پر مشتمل ہو جو ایک اچھے مسلمان کو اس

کے عقیدے' اس کے اخلاق' آداب' عبادات اور معاملات میں رہنمائی کرے اور یہ کتاب و سنت کے دائرے میں لکھی جائے' کوئی بات کتاب و سنت سے ہٹ کر نہ ہو اور لوگوں کی دینی رہنمائی بالکل صحیح اور اصل ماخذ کے ساتھ ہو۔ چنانچہ دو سال کی لگاتار محنت اور جدوجہد کے بعد اس کتاب کو مرتب کیا۔ جس کا پہلا باب عقیدہ سے' دوسرا آداب سے' تیسرا اخلاقیات سے' چوتھا عبادات سے اور پانچواں معاملات سے متعلق ہے۔

اس کتاب کو مرتب کرتے ہوئے انہوں نے کسی خاص مسلک یا مکتبۂ فکر کو سامنے نہیں رکھا بلکہ کتاب و سنت کو اس کا ماخذ قرار دیا۔ بلاشبہ عربی زبان میں اس کتاب کی اشاعت لاکھوں میں ہے۔

چنانچہ الشیخ الجزائری کی اس کاوش کو ہم نے اپنی ترجیحات میں جگہ دی اور جب ترجمہ کی نوبت آئی تو ہماری نگاہ ضلع ملتان (پاکستان) کی ایک ممتاز شخصیت' نامور عالم دین جناب مولانا محمد رفیق اثری صاحب پر پڑی جو کہ "دارالحدیث محمدیہ" جلالپور پیروالہ میں عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ سے عرصۂ تلمذ طے کرنے کے بعد وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد مدیر تعلیم قرار پائے' میدان تالیف میں بھی آپ ایک ممتاز مقام پر فائز ہیں۔ میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کٹھن مرحلہ میں جہد مسلسل اور عمل پیہم سے ترجمہ کو آخر تک مکمل کیا۔

ترجمہ کے بعد ضرورت پیش آئی کہ کتاب میں موجود اجتہاد پر مبنی بعض آراء کی قرآن و سنت کی روشنی میں اصلاح کی جائے۔ سو اس ناقدانہ جانچ پڑتال کے لئے اہل علم کے ایک بورڈ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ جن اہل علم نے ہماری اس گزارش کو پذیرائی بخشی ان میں مشہور علمی شخصیت جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ خان مدنی صاحب اور محترم فضیلۃ الشیخ جناب فاروق اصغر صارم صاحب شامل ہیں' میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کے بعض مقامات پر مفید حواشی رقم کئے۔

واضح رہے کہ اس قسم کی تبدیلی و اصلاح سے مؤلف موصوف کی شان میں کوئی تنقیص لازم نہیں آتی۔ نہ ہی یہ ان کے بیان کردہ فضل و کمال پر خط تنسیخ یا صفات عالیہ پر حرف کشائی ہے' کیونکہ کسی بھی فرد بشر کی رائے میں غلطی کا پایا جانا عین فطرت ہے اور اسے غلطی سے پاک سمجھنا فطرت کے خلاف ہے۔

ہمارے دین کی اساس محض دو چیزوں پر ہے اور وہ قرآن و سنت ہیں۔ تیسرے نمبر پر کوئی بھی ماخذ علی وجہ الاستقلال ہرگز اور کسی قیمت پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اور صرف قرآن و حدیث حق معلوم کرنے میں ابدی معیار ہیں اور ان کی موجودگی میں کسی دوسری طرف التفات کرنا اہل علم کے اجماع سے حرام ہے۔

کیونکہ قرآن من جانب اللہ ہے' اس کی حجیت میں شک کفر اکبر ہے۔ جہاں تک حدیث رسول کا تعلق ہے تو اگر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ صرف رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی معصوم عن الخطا ہے تو

پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا معصوم نہیں کہ اسے کسی بھی مسئلہ میں حجت مانا جا سکے۔

ائمہ عظام کا احترام ہمارے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے مگر حقائق کی پہچان میں معیار وہ خود نہیں بلکہ ان کا مذہب ہے جو ہمیں اسی طرف لے جاتا ہے جو آج ہم سب کا نصب العین ہونا چاہیئے۔

چنانچہ متقدمین ائمہ کرام بھی اسی نظریہ کے حامل اور اسی کے قائل و فاعل رہے۔ امام اول ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے «إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ» "جب بھی صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔"

امام مالک بن انس رحمہ اللہ مسجد نبوی میں درس دیتے ہوئے فرمایا کرتے کہ «لَيْسَ أَحَدٌ بَعْدَ النَّبِيِّ إِلاَّ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيَتْرُكُ إِلاَّ النَّبِيِّ» "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والا خواہ کوئی بھی ہو اس کی بات جہاں قبول کی جا سکتی ہے وہاں اسے چھوڑا بھی جا سکتا ہے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات مانی جائے گی۔"

جن مایہ ناز شخصیات نے کتاب کا تحقیقی جائزہ لینے میں گراں قدر محنت صرف کی' میں تہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔ میں دارالسلام لاہور برانچ کے مینجر اور اپنے برادر نسبتی حافظ عبدالعظیم اسد صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے شبانہ روز محنت سے اس کام کو مکمل کروایا۔ اسکی ٹائپ سیٹنگ' پروف ریڈنگ اور قابل اشاعت بنانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

اس کتاب کے ترجمہ و تصحیح میں کم و بیش دو سال کا عرصہ لگ گیا۔ ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اس کو ہر لحاظ سے دیدہ زیب اور خوبصورت بنایا جائے۔ میں قارئین سے درخواست کروں گا کہ اس بارے میں اپنی آراء سے ہمیں ضرور نوازیں۔ معزز علماء کرام اگر کوئی علمی خامی دیکھیں تو متنبہ فرمائیں' ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔ یہ بات بھی باعث مسرت ہے کہ اس کتاب کو "دارالسلام" انگلش زبان میں بھی عنقریب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

خادم کتاب و سنت
عبدالمالک مجاہد
مدیر دارالسلام۔ الریاض' لاہور

عرض ناشر

(طبع دوم)

پیارے قارئین!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ:

اللہ کی کرم نوازی ہے کہ "منہاج المسلم" (اردو) کا دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایڈیشن کو جس طرح قبول عام حاصل ہوا اس سے ہمارے حوصلوں کو مہمیز ملی۔ کتاب کی بے حد اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسے ظاہری اور معنوی ہر دو اعتبار سے خوب سے خوب تر بنانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ متعدد عبارتوں کو عام فہم بنایا گیا ہے۔ بہت سے نئے حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے جن میں ممتاز علماء کرام کے افادات کو بھی شامل کیا گیا ہے ان میں:

(۱) مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

(۲) مولانا عبدالسلام کیلانی فاضل مدینہ یونیورسٹی و مبعوث دارالافتاء سعودی عرب۔

(۳) مولانا محمد عبدالجبار صاحب

(۴) مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ---- اور دیگر علماء کرام «حفظهُمُ الله» شامل ہیں۔

اس ایڈیشن کی تصحیح و تنقیح برادر مکرم مولانا عبدالصمد رفیقی (فاضل مدینہ یونیورسٹی) کی شب و روز محنت اور اخلاص و عقیدت کا ثمرہ ہے جس سے اس کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کے لیے نجات آخرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

علاوہ ازیں اس میں "مقدمۃ المؤلف" کا خوبصورت اضافہ بھی شامل ہے جو مکرم جناب پروفیسر احمد ساقی حفظہ اللہ کی پر خلوص کاوش کا آئینہ دار ہے جن کے ترجمے نے مقدمہ کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ادارہ مستقبل قریب میں "منہاج المسلم" کو مکمل تحقیق و تخریج کے ساتھ بھی شائع کرنے کا پروگرام رکھتا ہے جس پر کام جاری ہے۔ انشاء اللہ۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں اور قیمتی آرا سے نوازیں تاکہ ہم ان کی روشنی میں آگے بڑھتے رہیں۔

وَصَلَّي اللهُ تَعَالَى عَلَي حَبِيْبِهِ الْمُصْطَفٰى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ

عبدالمالک مجاہد (مدیر)

نومبر ۱۹۹۷ء

عرض مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ ۔ أَمَّا بَعْدُ:

اسلام' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دین ہے جو انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾(آل عمران۳/ ۱۹)

"کتاب و سنت" میں عقائد و اعمال کی پوری تفصیل محفوظ ہے جسے اپنا کر انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو سکتے ہیں' دعاۃ و مصلحین کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس نظام کی صحیح اور سچی تعبیر اچھے اور عمدہ اسالیب کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کی جائے۔

فضیلۃ الشیخ ابوبکر الجزائری حفظہ اللہ جن کا شمار اس دور کے ممتاز علماء دین میں ہوتا ہے' سے ان کے مخلص اور نیک ساتھیوں نے مطالبہ کیا کہ امت مسلمہ کے لئے ایک ایسی کتاب مرتب فرما دیں جو زندگی کے جملہ امور میں ان کی رہنمائی کرے جو کہ عقائد و آداب زندگی' معاملات اور اپنے رب کی عبادت کے درست نظام پر مشتمل ہو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نازل کردہ انوار مبارکہ اور حکمت محمدیہ کی ضیا سے مستنیر اور روشن ہو۔

فاضل مؤلف نے اپنے دوستوں کے اس مطالبے کو عربی زبان میں ایک اہم کتاب "منہاج المسلم" تالیف کر کے پورا فرما دیا۔

یہ کتاب اسلامی مآخذ "کتاب و سنت" کی روشنی میں مرتب کردہ انتہائی آسان' مفید اور جامع ہے' البتہ فصیح و بلیغ عربی میں ہونے کی بناء پر اردو دان طبقہ اس سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ دارالسلام پبلیشرز کے ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد صاحب حفظہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجھے

اس کتاب کے اردو ترجمہ کا کہا۔

کتاب کی افادی اہمیت کے پیش نظر روزمرہ معمولات سے وقت نکال کر اسے اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کہ ترجمہ عام فہم' سادہ اور کتاب کے اصل مقصد کا حامل ہے' البتہ بعض مقامات پر فاضل مؤلف کے بیان کردہ فقہی مسائل پر مدلل طریق سے اپنا مؤقف بھی حواشی میں واضح کر دیا ہے۔ تاہم کسی بھی انداز کی کمی بیشی یا غلطی محسوس ہو تو افاضلین سے مؤدبانہ عرض ہے کہ بندہ کو ضرور اطلاع مرحمت فرمائیں تاکہ اصلاح کی جاسکے۔

ذمہ داران ادارہ کا میں بے حد شکر گزار ہوں کہ باوجود کم علمی و ناتجربہ کاری اور "منم کہ من دانم" مجھے اس قابل سمجھا کہ یہ اہم ذمہ داری نبھاؤں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ کار میں اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وہوالموفق۔

دعاگو

محمد رفیق الاثری

۱۴۱۸/۵/۸ھ

شیخ الحدیث جامعہ دارالحدیث محمدیہ

جلال پور پیروالا' ضلع ملتان' پاکستان

مقدمۃ المؤلف

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَإِلٰهِ الأَوَّلِيْنَ وَالأٰخِرِيْنَ، وَصَلَاةُ اللهِ وَسَلَامُهُ وَرَحْمَاتُهُ وَبَرَكَاتُهُ عَلَى صَفْوَةِ خَلْقِهِ، وَخَاتَمَ أَنْبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَأَصْحَابِهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَمَغْفِرَتُهُ لِلتَّابِعِيْنَ وَتَابِعِيْهِمْ بِإِحْسَانٍ إِلَي يَوْمِ الدِّيْنِ.

"رب کائنات ہی کیلئے تمام ستائش' تعریف و توصیف اور مدح سرائی ہے جو اگلے' پچھلے تمام لوگوں کا حقیقی معبود ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود و سلام اور اس کی رحمتیں و برکتیں ہوں اس کی تمام مخلوق سے برگزیدہ' چنے ہوئے اور پسندیدہ ترین انسان' خاتم الانبیاء والمرسلین اور ہمارے سردار و آقا حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر۔ تابعین عظام اور ان لوگوں پر بھی جو نیکی کے کاموں میں تاقیامت ان کی پیروی کریں اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت ہو۔

اسلامی مغربی ممالک کے دورے کے موقع پر چند ہمدرد دوستوں نے کتاب و سنت کی دعوت اور ان سے وفاداری کے سلسلہ میں مجھے مشورہ دیا کہ وہاں کی مسلم اصلاحی تنظیموں کیلئے میں قانون اور آداب زندگی کے موضوع پر ایک ایسی کتاب مرتب کروں جو صالح عقائد' نجی زندگی' اخلاقی پختگی' عبادات اور معاملات پر مشتمل ہو۔ اس کتاب کو مرتب کرتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کو تحریر کیا جائے اور کوئی معاملہ دائرۂ کتاب و سنت سے خارج نہ ہو اور کسی بھی حالت میں کتاب و سنت کی روشنی سے متجاوز نہ ہو' کیونکہ زمان و مکان کی قید سے بالاتر کتاب و سنت ہی مسلمانوں کی فلاح کا راستہ' اور خیر و برکت کا منبع ہے۔

میں نے ان دوستوں کی خواہش کا احترام کیا اور مطلوبہ کتاب "پسندیدہ طرز زندگی" کو مرتب کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے نصرت و دیانت کا طلبگار ہوا۔ دیار مقدسہ میں واپسی کے فوراً بعد' وقت کی قلت اور مصروفیت کی کثرت کے باوجود' اس سلسلے میں حوالہ جات کو جمع کرنے اور ان کی کانٹ چھانٹ کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ اس نیک مقصد کیلئے تفکرات سے بھرپور زندگی سے میں جو ہفتہ وار چند ساعتیں بچاتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان میں اتنی برکت ڈالی کہ دو سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ میری امید اور دوستوں کی خواہش کے عین مطابق کتاب مکمل ہو گئی۔

جی ہاں! یہ کتاب ہر علاقے کے مسلمانوں کیلئے پیش کی جا رہی ہے اگر میں اس کا مؤلف نہ ہوتا تو میں ضرور ایسی تعریف و توصیف کرتا جس سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا' اس میں لوگوں کی دلچسپی بڑھ جاتی اور یہ زیادہ قابل توجہ ہو جاتی۔ اس کتاب کے بارے میں میرا عندیہ ہے کہ یہ ایک ایسی ناگزیر کتاب ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گھر اس سے خالی نہیں رہنا چاہیئے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب میں بہت سی فصول ہیں۔ عبادات و معاملات کے ابواب کی فصول میں کہیں مواد زیادہ ہو گیا ہے اور کہیں کم۔ پہلا باب عقیدے کے بارے میں ہے دوسرا آداب سے متعلق تیسرے کا عنوان اخلاق ہے چوتھے کا موضوع عبادات ہے اور پانچویں میں معاملات زیر بحث ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس لئے میں حق بجانب ہوں کہ اس کا نام "منہاج المسلم" رکھوں اور تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش کروں کہ وہ اس کتاب کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کی منشاء اور توفیق سے میں نے اس کتاب میں ایک دلکش مسلک اپنایا۔ اعتقادات کے باب میں اسلاف کے عقیدے سے تجاوز نہیں کیا۔ اسی عقیدے کی صحت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اسی عقیدے پر نجات کا انحصار ہے' کیونکہ یہی حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا عقیدہ ہے اسلام کا فطری عقیدہ' ملت حنیفہ کا عقیدہ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس عقیدے کے ساتھ تمام رسولوں کو بھیجا اور جس عقیدے میں کتب الٰہیہ نازل ہوئیں۔

میں نے فقہ کے باب میں' جو عبادات و معاملات کا باب ہے' ہر ایسے مسائل کو جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ آئمہ عظام' امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کی تدوین شدہ کتابوں سے مناسب اور صحیح ترین مسلک اختیار کرنے کی سعی کی ہے اور اس جستجو میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اسی بنا پر مجھے پختہ یقین ہے اگر کوئی مسلمان اس کتاب "المنہاج" کے کسی پہلو پر بھی عمل کرے خواہ اس کا تعلق کسی بھی باب سے ہو عین شریعت الٰہیہ اور ہدایت نبوی ﷺ کے مطابق ہو گا۔

برادران اسلام! میں اگر چاہتا' تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے' اس کتاب کے فقہی مسائل کو کسی ایک امام کے مسلک پر بھی مدون کر سکتا تھا اس طرح میں اس مشقت سے بچ جاتا جو مجھے مسائل کے سلسلے میں متعدد حوالوں کی تلاش' مختلف اقوال کی صحت کو جانچنے کی جدوجہد اور باہم متفاوت یا متفقہ آراء کی چھان

بین کے سلسلے میں کرنا پڑی' یہ کام واقعی تھکا دینے والا تھا۔ میں بھی سہل پسندی کا راستہ اپنا سکتا تھا' جو آج کل مروج ہے اور لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں' مگر میں نے مشکل راستہ صرف اس لئے اختیار کیا تاکہ مسلمانوں کو ایک راستے پر لاسکوں جہاں ان کے اذہان' ان کے افکار اور ان کی ارواح باہم متحد ہو جائیں اور ان کے درمیان محبت و موانست کے راستے استوار ہو جائیں اور ان میں ذہنی صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جائے جس سے وہ حق اور سچ تک پہنچ سکیں میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ میں نے اس منزل اور مقصود کو پالیا ہے۔

اس محنت شاقہ کے بعد بھی اگر کوئی شخص مجھ پر اعتراض کرے کہ میں نے کسی فتنے کو ایجاد کیا ہے یا اسلام سے ہٹ کر کسی اور طریق کو روشناس کرایا ہے تو رب ذوالجلال سے شکایت کرنے میں حق بجانب ہوں گا اور ہر اس شخص کے خلاف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہوں جو مسلمانوں کو اس صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرے جس کی طرف میں نے اس کتاب "المنہاج" میں ان کو دعوت دی ہے۔ اللہ رب العزت کی قسم ہے کہ میں نے اپنے علم کے مطابق شعوری یا غیر شعوری طور پر کتاب و سنت کی تعلیمات سے تجاوز نہیں کیا اور آئمہ کرام کے ان اجتہادات سے' جن پر وہ خود بھی عمل کرتے رہے اور بے شمار مسلمانوں نے بھی ان پر عمل کیا' بال برابر بھی اعراض نہیں کیا۔

میرا تو صرف یہی مقصود ہے کہ مسلمان فرقہ بندی کو چھوڑ کر متحد ہو جائیں اور پیچیدہ راستوں کو چھوڑ کر صراط مستقیم پر جمع ہو جائیں۔

اے اللہ! اے مؤمنوں کے دوست اور صالحین کے نگہبان! کتاب "المنہاج" لکھنے کے عمل کو قبول فرما---- میری اس کوشش کو پسندیدہ سعی مشکور بنا دے---- جو بھی اس کتاب سے مستفید ہو اور اس پر عمل کرے اس کو نفع پہنچا---- اور تو' اے میرے رب! شک و شبہ میں مبتلا' متذبذب' اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ذریعے نجات دے---- اے اللہ! وہ بندے جنہیں تو اپنی ہدایت کے لائق سمجھتا ہے انہیں اس کے ذریعے ہدایت فرما---- صرف تو ہی' اے مالک! اس بات پر قدرت رکھتا ہے---- اے اللہ! ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ان کی آل اور ان کے ساتھیوں پر رحمتیں نازل فرما---- آمین!

ابوبکر جابر الجزائری

مدینہ منورہ / ۲۱-۲-۱۳۸۴ھ

۱-۷-۱۹۶۴ م

عقائد

- ایمان باللہ
- ربوبیت باری تعالیٰ
- الوہیت باری تعالیٰ
- اسمائے حسنیٰ وصفاتِ کاملہ
- ایمان بالملائکہ
- کتب سماویہ
- قرآنِ مقدس
- انبیاء ورسل
- رسالتِ سیّد وُلدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
- آخرت
- قبر جزا وسزا
- تقدیرِ الٰہی
- توحید
- وسیلہ
- اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان
- اَمر بالمعروف نہی عَنِ المنکر
- حُبِّ صحابہؓ واہلبیتؓ واطاعتِ اُمراء وحُکّام

پہلی فصل

اللہ تعالیٰ پر ایمان

یہ موضوع انتہائی اہم اور قدر و منزلت کا حامل ہے' کیونکہ مسلمان کی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے اور اس کا سانچہ اسی کے مطابق ڈھلتا ہے لہٰذا اسے ایک مسلمان کی عام زندگی میں "اصل الاصول" کی حیثیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کس طرح لایا جائے؟

ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین کامل رکھتا ہے کہ وہ موجود ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا بنانے والا' پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا' ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود' اور کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ وہ صاحب عظمت و جلال اور جملہ صفات کامل سے متصف اور ہر عیب و نقص سے مبرا ذات ہے۔ مسلمانوں کو یہ عقیدہ محض اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق اور پھر درج ذیل عقلی اور نقلی دلائل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن و سنت سے دلائل:

(ا) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی' مخلوق کی نشوونما اور اپنے اسماء و صفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ يُغْشِى ٱلَّيْلَ ٱلنَّهَارَ يَطْلُبُهُۥ حَثِيثًا وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ وَٱلنُّجُومَ مُسَخَّرَٰتٍۭ بِأَمْرِهِۦٓ ۗ أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾ (الأعراف۷/ ٥٤)

"تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا' وہی رات کو دن سے ڈھانپتا ہے کہ وہ تیزی سے اس کے پیچھے (چلی آتی) ہے اور (اسی نے) سورج' چاند اور تارے پیدا کئے' ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں' دیکھو (یہ سب)

اسی کی تخلیق ہے اور حکم (بھی) اسی کا ہے۔ بڑا ہی برکتوں والا ہے اللہ جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

اور جب وادی کے دائیں کنارے برکت والی جگہ پر درخت میں سے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو فرمایا:

﴿ يَـٰمُوسَىٰٓ إِنِّىٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴾ (القصص۲۸/ ۳۰)

"اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں' سارے جہانوں کا پروردگار۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ ﴾ (طہ۲۰/ ۱٤)

"بیشک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میرے ذکر کے لئے نماز پڑھا کرو۔"

اپنی عظمت کا اظہار اور اپنے اسماء و صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَـٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَـٰدَةِ ۖ هُوَ ٱلرَّحْمَـٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَـٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَـٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلْخَـٰلِقُ ٱلْبَارِئُ ٱلْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴾

(الحشر۵۹/ ۲۲_۲٤)

"وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں' چھپی اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا' وہی بہت رحم کرنے والا (اور) مہربان ہے ○ وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں' بادشاہ (حقیقی) پاک' سلامتی والا' امن دینے والا' نگہبان' (سب پر) غالب' زبردست اور بڑائی والا ہے۔ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ خالق ہے' پیدا کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے' اسی کے (سب) اچھے نام ہیں' آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے اور وہ (سب پر) غالب اور حکمت والا ہے۔"

اپنی تعریف میں فرمایا: ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴿٢﴾ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٣﴾ مَـٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴾ (الفاتحۃ۱/ ۲_٤)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے' جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے' بہت رحم کرنے والا' مہربان (اور) جزا کے دن کا مالک ہے۔"

مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ إِنَّ هَـٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱعْبُدُونِ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۹۲)

"یقیناً یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں (تنہا) تمہارا رب ہوں' پس میری ہی عبادت کرو۔"

سورۂ مومنون میں فرمایا ﴿ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥٢)

"اور میں تمہارا پالنہار ہوں' پس مجھ سے ڈرو۔"

آسمانوں اور زمین میں اپنے ماسوا کسی دوسرے حقیقی رب اور معبود کے موجود ہونے کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَـٰنَ ٱللَّهِ رَبِّ ٱلْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴾ (الأنبیاء٢١/ ٢٢)

"اگر ان (زمین و آسمان) میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی (سچے) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ پس اللہ عرش (عظیم) کا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔"

(۲) تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام نے اللہ کی ہستی اور ساری کائنات کے لئے اس کی ربوبیت کی خبر دی ہے کہ وہی ان کا خالق ہے اور اسی کا ان میں تصرف ہے مزید ان انبیاء و رسل نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی خبر بھی دی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ہر نبی اور رسول کے پاس اپنا قاصد بھیجا' یا اس سے ہم کلام ہوا یا اس کے دل میں القاء کیا جس سے انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام اور وحی کا یقین ہوا۔

مخلوقات میں سے برگزیدہ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کی خبر دی ہے' جھٹلا دینا عقلاً محال ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انہوں نے جھوٹ پر اتفاق کر لیا ہو یا بغیر تحقیق و علم اور بلا یقین و جزم ایک غیر محقق و غیر مستند بات کا اعلان کر دیا ہو' جبکہ انبیاء کا یہ گروہ پاکبازی' عقل و دانش اور سچائی میں تمام انسانوں سے فائق اور بہتر ہے۔

(۳) کروڑوں انسان اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں' اس کی عبادت کرتے ہیں جبکہ انسانی مزاج میں ہے کہ ایک دو آدمیوں کی خبر کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے' علاوہ ازیں یہ جس ذات پر ایمان رکھتے' اس کی خبر دیتے' اس کی عبادت کرتے اور اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں' عقل و فطرت بھی اس کی صحت کی گواہی دیتی ہے۔

(۴) لاکھوں علماء نے بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات و اسماء اور ہر چیز کے لئے اس کی ربوبیت و قدرت کاملہ کا اعتراف کیا ہے اور اسی بنیاد پر اس کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں اور محبت و بغض کا معیار بھی اسی کو گردانتے ہیں۔

عقلی دلائل:

(ا) کائنات میں مختلف جہانوں کا وجود' ان میں اختلاف و تنوع اور مخلوق کا کثیر تعداد میں ہونا' خالق

حقیقی کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اس کے سوا کسی نے بھی ان کی تخلیق و ایجاد کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان سب کا ازخود ہونا' بلکہ کسی بھی معمولی سی چیز کا موجد کے بغیر پایا جانا' عقلاً محال اور غیر دانشمندانہ بات ہے۔ یہ تو ایسے ہی جیسے کوئی کھانا بغیر پکانے والے کے تیار ہو جائے اور کوئی بچھونا (دستر خوان وغیرہ) کسی بچھانے والے کے بغیر ہی زمین پر بچھ جائے جب یہ ناممکن ہے تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے بڑے جہان' آسمان' افلاک' سورج' چاند اور تارے جن کے حجم و مقدار اور باہمی فاصلے مختلف ہیں' ازخود پیدا ہو گئے ہوں؟ زمین اور زمینی مخلوق انسان' جن' حیوان' ان کے رنگ' زبان کے اختلاف' ادراک و فہم کا تفاوت اور خصوصی عادات و علامات کو دیکھیں اور مختلف رنگ و منفعت کی حامل زمینی معدنیات اور بہنے والے چشمے' ندیاں' دریا' سمندر' زمین میں اگے ہوئے پودے' درخت جن کے پھلوں کا ذائقہ' رنگ اور مہک مختلف ہے اور ہر چیز کی اپنی خصوصیت اور اپنا مزاج ہے' یہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے' جو اپنے امرو تدبیر سے ان کو کنٹرول کر رہی ہے اور اس وسیع و عریض کائنات کا یہ نظام اسی کی مرضی و منشاء سے' بغیر کسی خلل کے چل رہا ہے۔

(۲) ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جسے ہم پڑھتے ہیں اور اس میں غورو فکر کرتے ہیں اور اس کے معانی سمجھتے ہیں یہ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ کیا کوئی کلام' بولنے والے کے بغیر ہو سکتا ہے؟ اور کیا قائل کے بغیر قول کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

یہ عظیم کلام ایسی ٹھوس شریعت پر مشتمل ہے' جو آج تک انسانی دریافت میں ممتاز اور ایسے محکم قوانین پر مبنی ہے' جس سے انسانیت کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں صحیح ترین علمی نظریات ہیں' لاتعداد غیبی امور سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے' تاریخی حوادث کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ شریعت اپنے ہر انداز میں سچ ثابت ہوئی ہے' اس کا کوئی حکم و قانون اپنی افادی حیثیت میں زمان و مکان کی طوالت کے باوجود ناکام نہیں ہوا۔ اس کا کوئی بھی علمی انکشاف آج تک غلط نہیں قرار دیا جا سکا اور پوشیدہ امور جن کی نشاندہی اس شریعت میں ہوئی' آج تک ان کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوا اور کوئی بھی مؤرخ بیان کردہ تاریخی حقائق و واقعات کو جھٹلا یا ان کا انکار نہیں کر سکا۔ کیا حکمت و صداقت پر مشتمل ایسا کلام کسی انسان کا ہو سکتا ہے؟ یہ محال اور انسانی طاقت و قدرت سے کوسوں دور ہے۔ یقیناً یہ انسان کے خالق ہی کا کلام ہے' جو اس کے وجود' اقتدار اور علم و حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) کائنات کی تخلیق و تکوین اور نشوونما میں اس لطیف' مگر مضبوط نظام پر غور کیجئے کہ کس طرح زندہ کائنات ایک ہی مربوط نظام میں پروئی ہوئی ہے' جس سے وہ سرمو انحراف نہیں کر سکتی۔ مثلاً انسان رحم میں نطفہ ڈالتا ہے' پھر اس میں عجیب انداز سے تدریجی مراحل طے ہوتے ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا دخل نہیں ہوتا اور پھر ایک مکمل انسان بن کر باہر آ جاتا ہے۔ اس کی تخلیق و تکوین' نشوونما اور

بڑھوتری' بچپن' جوانی' کہولت اور بڑھاپے میں عبرت و نصیحت کے بے شمار پہلو ہیں۔ فطرت کے یہ اصول جو انسان و حیوان میں کار فرما ہیں' اشجار و نباتات کے اندر بھی ہیں اور اسی طرح بلند و بالا افلاک اور آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی۔ یہ سب ایک ہی ضابطۂ کار کے پابند ہیں اور اس سے باہر نہیں جا سکتے۔ ایک ہی دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں' جس سے وہ نکل نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کائنات تباہ اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

ایک مسلمان اسی طرح کے منطقی' عقلی اور نقلی دلائل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا' اس کی ربوبیت کو تسلیم کرتا اور اسے سب لوگوں کا حقیقی معبود مانتا ہے اور ایک مسلمان کی زندگی تمام معاملات میں اسی ایمان و یقین کی بنیاد پر استوار ہوتی اور ڈھلتی ہے۔

دوسری فصل

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان

مومن اس بات پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کو پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ بات اولاً اللہ رب کریم نے ہمیں بتائی ہے۔ ثانیاً نقلی اور عقلی دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل:

(ا) اپنی ربوبیت کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے' ایک جگہ اپنی تعریف میں فرمایا:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ﴾ (الفاتحة١/ ٢)

"سب تعریف اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

اور اپنی ربوبیت کے اثبات میں فرمایا:

﴿ قُلْ مَن رَّبُّ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ قُلِ ٱللَّهُ ﴾ (الرعد١٣/ ١٦)

"کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو کہ اللہ (ہی) ہے۔"

اور اپنے رب اور معبود حقیقی ہونے کا یوں اظہار کیا:

﴿ رَبِّ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝٧ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴾ (الدخان٤٤/ ٧_٨)

"آسمانوں' زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' کا پروردگار (وہی) ہے' اگر تم یقین کرتے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں' وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (وہی) تمہارا اور تمہارے پہلے آباؤ

اجداد کا رب ہے۔"

اس میثاق کے تذکرہ میں' جو اولاد آدم سے اس وقت کیا گیا جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے' کہ اس کی ربوبیت کا اقرار کریں' اسی کی عبادت کریں اور اس میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا۟ بَلَىٰ شَهِدْنَآ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۷۲)

"جب تیرے رب نے بنی آدم (یعنی) ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور انہیں ان کے اوپر گواہ بنایا' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا' ہاں! کیوں نہیں (تو ہمارا رب ہے) ہم اقرار کرتے ہیں۔"

مشرکین پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ مَن رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ ٱلسَّبْعِ وَرَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۸۶-۸۷)

"(ان سے سوال کرتے ہوئے) کہہ دیجئے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ تو کہیں گے' اللہ۔ تو فرمادیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔"

(۲) انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے بھی رب کائنات کی ربوبیت کی شہادت دی ہے' اقرار کیا ہے اور عام لوگوں کو یہ پیغام پہنچایا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۲۳)

"اے ہمارے پالنے والے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی:

﴿ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِى وَٱتَّبَعُوا۟ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُۥ وَوَلَدُهُۥٓ إِلَّا خَسَارًا ﴾ (نوح ۷۱/ ۲۱)

"اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور ان (بڑوں اور مالداروں) کی پیروی کی ہے جنہیں ان کے مال و اولاد نے نقصان ہی پہنچایا ہے۔"

نوح علیہ السلام کی ایک اور دعاء:

﴿ رَبِّ إِنَّ قَوْمِى كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَٱفْتَحْ بَيْنِى وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِى وَمَن مَّعِىَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الشعراء ۲٦/ ۱۱۷-۱۱۸)

"اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی ہے' پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ

کر دے' اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات دے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے حرم مکہ مکرمہ میں' اپنے اور اپنی اولاد کیلئے ان الفاظ میں دعا کی:

﴿ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا ٱلْبَلَدَ ءَامِنًا وَٱجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ ﴾ (إبراهيم١٤/ ٣٥)

"اے میرے پالنے والے! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا۔"

یوسف علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ثنا کرتے ہوئے اپنی دعا میں فرمایا:

﴿ رَبِّ قَدْ ءَاتَيْتَنِي مِنَ ٱلْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ ٱلْأَحَادِيثِ فَاطِرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّۦ فِي ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِٱلصَّٰلِحِينَ ﴾ (يوسف١٢/ ١٠١)

"اے میرے مربی وپالنہار! تو نے مجھے سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دی۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے' دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کار ساز ہے۔ اسلام پر مجھے موت دے اور صالحین میں شامل فرما۔"

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک دعا میں یوں اظہار کیا:

﴿ رَبِّ ٱشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَٱحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا۟ قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَٱجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴾ (طه٢٠/ ٢٥-٢٩)

"اے میرے پالنے والے! میرا سینہ کھول دے' میرے معاملات میں آسانی عطا فرما' اور میری زبان کی گرہ کھول دے' (تاکہ) یہ (لوگ) میری بات سمجھ لیں اور میرے اہل میں سے میرا وزیر مقرر کر۔"

ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِنَّ رَبَّكُمُ ٱلرَّحْمَٰنُ فَٱتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوٓا۟ أَمْرِي ﴾ (طه٢٠/ ٩٠)

"اور یقیناً تمہارا رب رحمان ہے' پس میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔"

طلب رحم میں زکریا علیہ السلام کی درخواست اس انداز کی تھی:

﴿ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّي وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴾ (مريم١٩/ ٤)

"اے میرے رب! میری ہڈی بوسیدہ ہو گئی ہے اور سر سفید ہو گیا ہے اور اے رب! میں تجھ کو پکار کر کبھی محروم نہیں رہا۔"

مزید یہ دعا کی: ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٩)

"اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے اچھا وارث ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ایک استفسار کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ١١٧)

"میں نے انہیں صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا' کہ اللہ کی عبادت کرو' جو میرا اور تمہارا رب ہے۔"

اور اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ ٱلْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ ٱلنَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴾ (المائدة٥/ ٧٢)

"اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو' جو میرا اور تمہارا رب ہے' جس نے اس کے ساتھ شرک کیا' یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں ہو گا۔"

کرب و تکلیف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات طیبہ کا ورد فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمُ»

(صحيح مسلم، كتاب الذكر، باب دعاء الكرب)

"عظمت والے اور بردبار اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اور) وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور) وہ آسمانوں اور زمین کا رب اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔"

پس یہ مذکور اور دیگر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین رکھتے تھے' اسی کو مدد کیلئے پکارتے تھے۔ اور یہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذی شعور' معرفت میں کامل اور قول کے سچے تھے اور روئے زمین کی تمام مخلوقات سے بڑھ کر' انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت حاصل تھی۔

(۳) علم و دانش اور حکمت و فراست کے حامل کروڑوں انسانوں کا کائنات کے رب کی ربوبیت پر پختہ یقین اور اعتراف و اعلان بھی اس عقیدہ کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔

(۴) اسی طرح بے شمار عقل مند اور سلیم الفطرت انسانوں کا یہ یقین کامل کہ اللہ ہی جملہ مخلوق کا مربی اور پالنہار ہے۔

عقلی دلائل:

چند صاف ستھرے عقلی اور منطقی دلائل' جو اللہ عزوجل کی ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں' حسب ذیل ہیں:

(۱) ہر چیز کی تخلیق وپیدائش' اللہ تعالیٰ نے بلا شرکت غیرے کی ہے' اس لئے کہ تمام انسانوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ تخلیق وابداع کا کوئی مدعی ہے نہ اللہ کے سوا کسی کو یہ طاقت ہی حاصل ہے۔ مکمل اجسام و اجرام تو کجا' معمولی اشیاء' مثلاً انسانی یا حیوانی جسم میں بال' پرند کے بازو کا چھوٹا سا پر' تر و تازہ ٹہنی پر پتہ' یہ سب اسی کی کرشمہ سازی اور صناعی کے شاہکار ہیں۔ اس کے خالق مطلق ہونے کا بایں الفاظ اظہار کیا گیا ہے:

﴿ أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾ (الأعراف۷/ ٥٤)

"سنو! تخلیق اور اختیار اسی کا ہے۔ اللہ برکت والا (اور) کل جہانوں کا مربی ہے۔"

نیز ارشاد ہوا: ﴿ وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (الصافات۳۷/ ۹٦)

"اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔"

اپنی خالقیت کی تعریف میں فرمایا:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَجَعَلَ ٱلظُّلُمَٰتِ وَٱلنُّورَ ﴾ (الأنعام٦/ ۱)

"سب تعریف اللہ کیلئے ہے' جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور روشنی بھی بنائی۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى يَبْدَؤُا۟ ٱلْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ ٱلْمَثَلُ ٱلْأَعْلَىٰ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴾ (الروم۳۰/ ۲۷)

"اور وہی تو ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لئے بہت آسان ہے' آسمانوں اور زمین میں اسی کی صفات اعلیٰ ہیں اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔"

دیکھئے! اللہ سبحانہ کا ہر چیز کو پیدا کرنا' کیا اس کے موجود ہونے اور ہر چیز کے رب ہونے کی دلیل نہیں ہے؟ کیوں نہیں' اے ہمارے رب! ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

(۲) روزی رساں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین کے اطراف میں پھرنے والے جانور' پانی میں تیرنے والی مخلوق' یا چھپی جگہوں میں پوشیدہ زندہ حقیقتیں' ان سب کی روزی کا خالق اللہ کی ذات ہے اور اسی کی رہنمائی سے اس کے حصول کی معرفت' لینے کی کیفیت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ چیونٹی جیسے معمولی کیڑے سے لے کر انسان جیسی کامل نوع تک' سب اپنے وجود و تکوین' اپنی غذا وروزی میں ایک اللہ کے محتاج ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ ان کا موجد' بنانے والا' غذا مہیا کرنے والا اور روزی رساں ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اس حقیقت کو کتنے اچھے انداز سے ثابت کر رہی ہیں:

﴿ فَلْيَنظُرِ ٱلْإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا ٱلْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا ٱلْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنۢبَتْنَا فِيهَا

حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَٰكِهَةً وَأَبًّا﴾

(عبس ٨٠/ ٢٤-٣١)

"انسان اپنے کھانے (کی چیزوں) پر غور کرے کہ ہم نے (اوپر سے) خوب پانی برسایا' پھر زمین کو پھاڑا۔ اس میں دانے' انگور' سبزی' زیتون' کھجور' گھنے باغ اور میوہ جات اگائے اور جانوروں کیلئے چارہ پیدا کیا۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّن نَّبَاتٍ شَتَّىٰ ﴿٥٣﴾ كُلُوا۟ وَٱرْعَوْا۟ أَنْعَٰمَكُمْ﴾ (طه ٢٠/ ٥٣-٥٤)

"اور آسمان سے پانی اتارا' پھر اس سے ہم نے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالیں' (کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔"

اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿فَأَنزَلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنَٰكُمُوهُ وَمَآ أَنتُمْ لَهُۥ بِخَٰزِنِينَ﴾

(الحجر ١٥/ ٢٢)

"پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں پلاتے ہیں' اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔"

روزی رساں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (هود ١١/ ٦)

"اور زمین پر رینگنے والی ہر مخلوق کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ انکے (زندگی کے) ٹھکانے اور سونپے جانے کی جگہ کو بھی جانتا ہے۔"

جب بغیر کسی نزاع واختلاف کے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سب کو روزی مہیا کر رہا ہے تو پھر سب مخلوق کا پالنے والا بھی وہی ٹھہرا۔

(۳) انسانی فطرت سلیمہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شہادت دیتی ہے۔ ہر صاحب ذوق انسان' جس کے مزاج میں فتور پیدا نہیں ہوا' اپنے آپ کو ایک بے نیاز اور طاقتور بادشاہ کے سامنے عاجز محض سمجھتا ہے اور اس کی تدبیر وتصرفات میں مجبور ولاچار بھی اور وہ پکار پکار کر یہ اقرار کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اور ہر چیز کا مالک اور پالنے والا ہے۔ یہ حقیقت اگرچہ مسلمہ ہے' کوئی فطرت سلیمہ کا حامل انسان اس کا انکار نہیں کرتا' تاہم قرآن کریم نے بت پرستوں کے عقائد سے بھی اس حقیقت کا مزید اثبات کیا ہے کہ وہی خالق اور وہی مربی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ ٱلْعَزِيزُ ٱلْعَلِيمُ﴾

(الزخرف۴۳/ ۹)

"اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا؟ تو کہیں گے کہ ان کو غالب علم والے (اللہ تعالیٰ) نے پیدا کیا ہے۔"

نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۶۱)

"اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج' چاند کو کس نے (تمہارے لئے) مسخر کیا؟ (تمہارے فائدے میں لگایا؟) یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۸۶-۸۷)

"کہہ دیجئے سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ ہی ہے۔"

(۴) ہر چیز کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس میں اسی کا تصرف چلتا ہے اور اسی کی تدبیر کار فرما ہے' یہ بھی اس کی ربوبیت کی نشانی ہے۔ دیکھئے! تمام انسان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کائنات اور انسان درحقیقت کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے' ننگا ہوتا ہے' تن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا اور جب اس دنیا سے جاتا ہے تو بھی خالی ہاتھ' چند گز کپڑا اس کے جسم کو ڈھانپے ہوتا ہے' تو کیسے کہا جائے کہ انسان کسی چیز کا مالک ہے۔

اشرف المخلوق انسان کی حالت جب یہ ہے تو باقی مخلوق کس طرح اشیاء کی مالک گردانی جاسکتی ہے؟ چنانچہ ثابت ہوا کہ حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس میں کوئی جھگڑا یا شک وشبہ نہیں۔ تصرف وتدبیر کا حال بھی اسی انداز کا ہے۔ رب کائنات کی ربوبیت میں اس کی صفات' خلق' رزق' ملک' تصرف اور تدبیر وغیرہ سب ہی داخل ہیں اور بت پرستوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ قرآن پاک نے ان کا یہ عقیدہ کئی سورتوں میں بیان کیا ہے۔

ارشاد عالی ہے: ﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴾

(یونس۱۰/ ۳۱-۳۲)

"کہہ دیجئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے؟ اور معاملات کی تدبیر کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ پس یہی اللہ تمہارا

پالنے والا برحق ہے اور حق کے علاوہ تو صرف گمراہی ہے۔"

تیسری فصل

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان

ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے اور ان دلائل سے قطع نظریہ عقیدہ محض اللہ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے' وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے' اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

قرآن و سنت سے دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ کا بذات خود' فرشتوں اور اہل علم کا گواہی دینا کہ اصل معبود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:﴿شَهِدَ ٱللَّهُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِٱلْقِسْطِ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ﴾ (آل عمران۳/ ۱۸)

"اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں' فرشتے بھی یہی کہتے ہیں اور علم والوں کا یقین بھی یہی ہے کہ وہ (اللہ) انصاف پر قائم ہے۔ اس غالب' حکمت والے کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔"

(۲) اور بھی متعدد آیات مبارکہ میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ﴿ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۵۵)

"اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ وہ زندہ اور کائنات کا نظام تھامنے والا ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۶۳)

"اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ بہت رحم کرنے والا' مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى﴾ (طه۲۰/ ۱۴)

"میں ہی تو اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری ہی عبادت کر۔"

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا:

﴿ فَٱعۡلَمۡ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (محمد ٤٧/ ١٩)

"پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے۔"

اپنے بارے مزید حقائق کے اظہار میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِي لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِۖ هُوَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِي لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡمَلِكُ ٱلۡقُدُّوسُ ﴾ (الحشر ٥٩/ ٢٢-٢٣)

"وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں' وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ وہ بہت رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ وہی اللہ ہے' جس کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں' وہ بادشاہ (حقیقی) اور (عیبوں سے) پاک ہے۔"

(۳) اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے بھی یہی اطلاع بہم پہنچائی اور اقوام عالم کو اس عقیدے کے قبول کرنے کی دعوت دی ہے کہ لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

چنانچہ نوح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ يَٰقَوۡمِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥٓ ﴾ (الأعراف ٧/ ٥٩)

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔"

اسی طرح نوح' ہود' صالح اور شعیب علیہم السلام کا اپنی اپنی اقوام کو پیغام تھا:

﴿ يَٰقَوۡمِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥٓ ﴾ (الأعراف ٧/ ٦٥)

"اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے عبادت و بندگی کیلئے جب ان سے ایک بت بنانے کی درخواست کی تو فرمایا:

﴿ أَغَيۡرَ ٱللَّهِ أَبۡغِيكُمۡ إِلَٰهٗا وَهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴾ (الأعراف ٧/ ١٤٠)

"کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تم کو جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔"

یونس علیہ السلام نے اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے عرض کی:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبۡحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ (الأنبياء ٢١/ ٨٧)

"تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ تو پاک ہے' میں ہی قصوروار ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے "تشہد" میں اقرار کیا:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ»

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔"

عقلی دلائل :

(۱) یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق اور پالنے والا ہے تو عبادت بھی اسی کا حق ہے۔ دیکھئے رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے' دیتا اور روک لیتا ہے' نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ تو مخلوق کی عبادت کا وہی مستحق ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں' اس سے محبت کریں' اس کی تعظیم وتقدیس بجا لائیں' ضروریات میں اسی کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے ڈرتے بھی رہیں۔

(۲) مخلوقات میں ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہی ان کو روزی مہیا کر رہا ہے' ان کے احوال ومعاملات میں تصرف فرماتا ہے۔ تو یہ بات کیسے معقول قرار دی جاسکتی ہے کہ مخلوق کے کچھ افراد اپنے جیسی دوسری مخلوق کی عبادت اور بندگی کرنے لگ جائیں' جبکہ وہ بھی ان کی طرح محتاج ہے؟ مخلوق میں جب کوئی بھی الٰہ و معبود بننے کا استحقاق نہیں رکھتا تو معبود برحق صرف ایک خالق و مالک ہی ہوا۔

(۳) "صفات کاملہ" مطلق طور پر اللہ عزوجل کیلئے ہی ثابت ہیں۔ وہ قوی ہے' قادر ہے' بلند ہے' سب سے بڑا ہے' سننے اور دیکھنے والا ہے' شفقت کرنے والا اور مہربان ہے' باریک بین اور خبردار ہے۔ بندے دلی محبت و تعظیم بجا لائیں تو ایسی ہی ذات کیلئے' ان کے اعضاء وجوارح جھکیں اور اطاعت قبول کریں تو ایسے ہی مالک مطلق کیلئے۔

چوتھی فصل

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں اور صفات عالیہ کو تسلیم کرتا ہے اور ان میں کسی کو شریک نہیں بناتا اور نہ ہی تاویل و تعطیل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کے اسماء وصفات کو تشبیہ دے کر ان کی کیفیت اور مثل کا قائل بھی نہیں۔ وہ جملہ صفات' جن کا اللہ تعالیٰ نے اظہار کیا اور اس کے رسول ﷺ نے اثبات کیا' اللہ تعالیٰ کیلئے ان کا اثبات کرتا ہے اور عیب ونقص کی جملہ صفات سے اس کو مبرا اور پاک قرار دیتا ہے۔ اس پر عقلی و نقلی (قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے منقول) دلائل موجود ہیں :

قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ سے دلائل :

(۱) اللہ رب العزت نے اپنے نام اور صفات کا تذکرہ خود فرمایا ہے :

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۸۰)

"اور اللہ کے سب اچھے نام ہیں تو ان کے ساتھ اس سے دعاء کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو' جو اس

کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ﴾ (الإسراء ١٧/ ١١٠)

"کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو، جس نام سے بھی پکارو، اس کے سب نام اچھے ہیں۔"

اللہ جل مجدہ نے اپنی یہ صفات ذکر کی ہیں کہ:

وہ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا، حکمت والا، طاقتور اور غالب ہے، باریک بین اور باخبر ہے، قدردان اور حلم والا ہے، بخشنے والا مہربان ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا ہے اور وہ اپنے عرش پر مستوی ہے، اس نے آدم ؑ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ وہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، ایمان داروں پر راضی ہے اور ان کے علاوہ اس کی اور بھی بے شمار ذاتی و فعلی صفات ہیں مثلاً اس کا آنا اور نازل ہونا۔ یہ سب قرآن پاک میں نازل کیا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں ان کی خبر دی ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مزید صفات کی بابت بھی آگاہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث مبارکہ میں مذکور ہے۔

آپؐ کا فرمان ہے: «يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ ان دو مردوں پر ہنستا ہے، جن میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں۔" (قاتل بھی مسلمان ہو کر شہید ہو جاتا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

«لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقَى فِيهَا وَهِيَ تَقُوْلُ: هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ؟ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا رِجْلَهُ - وَفِي رِوَايَةٍ - قَدَمَهُ فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جہنم میں لوگ برابر ڈالے جاتے رہیں گے اور یہ کہے گی "اور زیادہ ہیں؟ پھر اللہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں مبارک اور ایک روایت میں ہے کہ قدم مبارک رکھیں گے تو جہنم کے حصے ایک دوسرے کی طرف سمٹ آئیں گے اور (جہنم) کہے گی بس بس۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَي السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حَتَّى يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَاسْتَجِيْبَ لَهُ؟، مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ؟، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا پر جب رات کی آخری تہائی باقی ہوتی ہے' اتر کر فرماتا ہے "کون مجھے پکارتا ہے' میں اس کو جواب دوں؟ کون مجھ سے سوال کرتا ہے' میں اسے عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟۔"

نیز فرمایا:«لله أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ»(صحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے' جسے اپنی سواری (گم ہونے کے بعد) مل جاتی ہے۔"

ایک لونڈی سے نبی ﷺ نے دریافت کیا:

«أَيْنَ اللهُ؟ فَقَالَتْ: فِي السَّمَآءِ، قَالَ: أَنَا مَنْ؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»(صحيح بخاري)

"اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ لونڈی نے کہا "آسمان پر۔" فرمایا "میں کون ہوں؟" کہنے لگی "آپ اللہ کے رسول ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "اسے آزاد کر دے' یہ مومنہ ہے۔"

نیز فرمان نبویؐ ہے:

«يَقْبِضُ اللهُ الأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوْكُ الأَرْضِ؟»(صحيح بخاري)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمین اپنی مٹھی میں لے گا اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا' پھر فرمائے گا' میں بادشاہ ہوں' زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟"

(۳) صحابہؓ' تابعینؒ' ائمہ اربعہؒ اور سلف صالحینؒ بھی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے بلا تاویل قائل تھے۔ وہ نہ تو صفات کا انکار کرتے تھے اور نہ ہی ظاہر معانی سے انحراف۔ کسی صحابی رسول سے ثابت نہیں ہے کہ اس نے کسی صفت کی تاویل کی ہو' یا انکار کیا ہو یا کہا ہو کہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب ظاہری مفہوم کے مطابق ان کے معانی کی حقانیت کا یقین کرتے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات "حادث مخلوق" کی صفات کی طرح نہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ سے آیت:

﴿ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ﴾ "رحمان عرش پر مستوی ہے۔" کے بارے میں استفسار ہوا تو کہا "استواء" معلوم ہے۔ "کیف" (کیفیت) مجہول ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے "میں اللہ اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا ہے' پر اس کی مراد و منشاء کے مطابق ایمان لایا ہوں' اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور جو آپؐ کی طرف سے آیا ہے' اس پر آپؐ کی مراد اور منشاء کے مطابق ایمان لایا ہوں۔"

امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے "اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر آئے گا' وہ تعجب کرتا ہے' وہ ہنستا ہے' وہ ناراض ہوتا ہے' وہ راضی ہوتا ہے' ناپسند کرتا ہے اور محبت کرتا ہے' اور امام صاحب یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم حقیقت و کیفیت بیان کئے بغیر' ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔ یوں سمجھیں ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزول کرتا ہے۔ وہ عرش پر مستوی ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔ مگر ہم اس کے نزول' اسکی رؤیت اور اس کے استواء کی کیفیت نہیں جانتے اور نہ اس کا حقیقی مفہوم و مطلب ہماری دریافت میں ہے۔ ہم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جس نے یہ بات خود کہی ہے اور اپنے رسول (ﷺ) کی طرف وحی کی ہے اور ہم رسول اللہ ﷺ کی تردید بھی نہیں کرتے (بلکہ ان کی تصدیق کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے ثابت شدہ ان صفات کے علاوہ ہم کسی صفت کے قائل نہیں اور نہ اس میں کسی حدبندی اور انتہاء کے قائل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔"

عقلی دلائل:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی صفات اور نام بتائے ہیں۔ ہمیں ان کے ذکر واقرار سے منع نہیں کیا اور نہ ہمیں ان میں تاویل و تحریف کا حکم دیا ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ ہم انہیں ظاہر پر محمول نہ کریں تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس اتصاف سے وہ مخلوق کے مشابہ ہو گیا؟ لہٰذا ان کی تاویل کرنا لازم ہے اور ان کا ظاہری معنی مراد نہیں' پھر تو ہم صفات کے منکر بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی کے مرتکب ہوں گے۔ جب کہ کج روی پر شدید ترین وعید ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَذَرُوا ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾

(الأعراف ۷/ ۱۸۰)

"اور ان لوگوں کو چھوڑو' جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کارناموں کی سزا پائیں گے۔"

(۲) "تشبیہ" کے اندیشہ سے جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے' وہ دو خرابیوں کا مرتکب ہوا' اولاً اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دی۔ ثانیاً تشبیہ سے ڈرا تو وہ "نفی" و"تعطیل" کا مرتکب ہوا۔ یعنی جن صفات کا دل میں اثبات کیا تھا' ان کی نفی اور تردید کر دی کہ وہ باری تعالیٰ ان صفات سے متصف نہیں ہے۔ چنانچہ وہ درج ذیل دو کبیرہ جرائم کا مرتکب ہوا:

(۱) تشبیہ صفات (۲) تعطیل صفات

اس صورت میں معقول اور بہتر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ صفات اور رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ صفات کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان سے متصف ہے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات

مخلوق کی صفات کی طرح نہیں' جیسا کہ اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں۔

(۴) اللہ جل جلالہ کی صفات ماننے سے تشبیہ لازم نہیں آتی' اس لئے کہ عقل اس بات کو باور کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں جو مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ لفظ کے اطلاق میں البتہ یکسانیت ضرور ہے' تاہم خالق کی صفات خالق کے ساتھ خاص ہیں اور مخلوق کی مخلوق کے ساتھ۔

ایک مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتا ہے تو کبھی بھی اس کا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مانند ہے' البتہ ہاتھ کا اطلاق دونوں کیلئے ہے' اس لئے کہ خالق اور مخلوق ذات' صفات اور افعال میں ایک دوسرے کے مغایر یعنی مختلف ہیں۔

ارشاد عالی ہے:﴿ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۝١ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ﴾ (الإخلاص ١١٢/ ١-٤)

"کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے:﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴾ (الشوری ٤٢/ ١١)

"اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

پانچویں فصل

فرشتوں پر ایمان

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ فرشتے اشرف وافضل مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے پیدا کیا' جبکہ انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے ذمہ (مختلف) کام لگا رکھے ہیں' جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان میں بعض بندوں پر محافظ اور ان کے عمل لکھنے والے ہیں اور بعض بہشت اور نعمت ہائے بہشت پر مقرر کردہ ہیں اور بعض جہنم اور عذاب جہنم کے نگران ہیں اور ان میں سے بعض صبح وشام (رات دن) اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کرنے والے بھی ہیں' جو کبھی نہیں تھکتے۔ نیز بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے بعض مقرب فرشتے ہیں' جیسے جبرئیل' میکائیل' اور اسرافیل اور بعض عام فرشتے ہیں۔ یہ حقائق اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں' جبکہ عقلی ونقلی دلائل (کتاب و سنت کی عبارات) کا تقاضا یہی ہے۔

کتاب وسنت سے دلائل:

(ا) اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ ملائکہ پر ایمان لاؤ۔

ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴾ (النساء٤/ ١٣٦)

"جو اللہ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے' وہ دور بھٹک گیا۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ ﴾ (البقرة٢/ ٩٨)

"جو شخص اللہ کا' اس کے فرشتوں' اس کے پیغمبروں اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔"

اللہ وحدہ لا شریک نے فرمایا: ﴿ لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ﴾ (النساء٤/ ١٧٢)

"عیسیٰ (علیہ السلام) اور مقرب فرشتے اللہ کی عبادت سے عار نہیں کریں گے۔"

قدرت ہائے جلیلہ کے مالک نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَٰنِيَةٌ ﴾ (الحاقة٦٩/ ١٧)

"اور اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔"

عظیم حکمت والے رب نے ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحَٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلَٰٓئِكَةً ﴾ (المدثر٧٤/ ٣١)

"ہم نے جہنم کے داروغے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں۔"

مقدس ناموں سے متصف ہستی نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَٰمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾ (الرعد١٣/ ٢٣۔٢٤)

"اور ہر دروازہ سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے' (اور جنتیوں سے کہیں گے کہ) تمہارے صبر کے صلے میں تمہارے لئے سلامتی ہو۔"

نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرة٢/ ٣٠)

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا "میں زمین میں "خلیفہ" بنانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا "کیا تو اس میں اس کو (خلیفہ) بنائے گا' جو اس میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟ ہم تیری تعریف

کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔" اللہ نے جواب دیا "میں جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

(۲) رات کی نماز میں دعا کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ»(صحيح مسلم)

"اے جبرئیل' میکائیل اور اسرافیل کے مالک! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے' غیب اور حاضر کے جاننے والے' تو ہی اپنے بندوں کے درمیان جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں' فیصلہ کرے گا۔ اپنے حکم سے حق کے بارے میں مجھے ہدایت دے' جس میں اختلاف برپا ہے۔ بے شک تو جسے چاہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔"

آپ نے فرمایا: «أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ، مَا فِيْهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلاَّ وَعَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ»(ابن أبي حاتم وهو معلول)

"آسمان چرچرا رہا ہے اور چرچرانا اس کا حق ہے' (کیونکہ) ایسی چار انگلی کے بقدر بھی جگہ خالی نہیں ہے' جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ موجود نہ ہو۔"

نیز ارشاد عالی شان ہے:«إِنَّ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ، ثُمَّ لاَ يَعُوْدُوْنَ»(أصله فى صحيح البخاري وصحيح مسلم)

"بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ پھر دوبارہ نہیں آپاتے۔"

نیز ارشاد عالی ہے:«إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلاَئِكَةٌ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ، فَإِذَا جَلَسَ الإِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَجَآءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ»(رواه مالك بسند صحيح)

"جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر (کھڑے ہو کر) پہلے آنے والوں کو لکھتے رہتے ہیں۔ جب امام (خطبہ کیلئے) بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور وعظ و نصیحت سننے کیلئے آجاتے ہیں۔"

فرمان نبوی ہے:«يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ أَحْيَانًا رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِيْ فَأَعِيْ مَا يَقُوْلُ»(صحيح بخاري)

"کبھی کبھار فرشتہ انسانی شکل میں آکر مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور میں اس کی باتیں یاد کر لیتا

ہوں۔"

نیز فرمایا: «يَتَعَاقَبُ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ»(صحيح بخاري)

"رات اور دن کے فرشتے تمہارے پاس ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں۔"

اور آپ نے فرمایا: «خَلَقَ الْمَلَائِكَةَ مِنْ نُوْرٍ، وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَ خَلَقَ آدَمَ مِمَّا وَصَفَ لَكُمْ»(صحيح مسلم)

"(اور اللہ تعالیٰ نے) فرشتوں کو نور سے پیدا کیا' جنوں کو آگ کے شعلہ سے اور آدم کو اس چیز سے جو اس نے تمہیں بتادی ہے (یعنی مٹی سے)۔"

(۳) جنگ بدر کے دن بہت سے مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا اور جبریل امین علیہ السلام کو بھی کئی مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا' جبکہ وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے۔ اس بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی "حدیث جبریل" مشہور ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جانتے ہو سائل کون تھا؟ صحابہ نے عرض کی' اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "یہ جبریل تھے' جو تمہیں تمہارے دین کی باتیں سکھانے آئے تھے۔"

(۴) ہر دور کے کروڑوں ایمان والوں نے فرشتوں کو تسلیم کیا ہے اور شک وشبہ کے بغیر اس بارے میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے بیان کردہ حقائق کی تصدیق کی ہے۔

عقلی دلائل:

(۱) عقل فرشتوں کے وجود کا انکار نہیں کرتی۔ عقل تو ان چیزوں کو رد اور باطل قرار دیتی ہے' جو اجتماع ضدین کا سبب ہوں یا جس سے ایک ہی وقت میں کسی چیز کا موجود اور معدوم ہونا لازم آتا ہو' جیسا کہ اندھیرا اور روشنی وغیرہ' جبکہ فرشتوں کے وجود کو مان لینے سے مندرجہ بالا امور میں سے کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

(۲) سب دانا اس بات پر متفق ہیں کہ کسی چیز کا اثر اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ فرشتوں کے آثار کثیرہ بھی ان کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ دیکھئے ان میں روح الامین علیہ السلام ہیں' جن کے ذریعہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے پاس وحی آتی تھی' یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جو ان کے وجود پر دلالت اور توثیق کرنے والا ہے۔ جانداروں کی روح بھی فرشتے ہی قبض کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک "اثر" ہے جو ان کے موجود ہونے پر واضح دلیل ہے۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿ قُلْ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلْمَوْتِ ٱلَّذِى وُكِّلَ بِكُمْ﴾ (السجدة ۳۲/ ۱۱)

"کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے' تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔"

انسان کا جنوں اور شیاطین کی شرارتوں اور اذیت رسانی سے محفوظ رہنا' جبکہ وہ ان کے درمیان

موجود رہتا ہے۔ وہ اسے دیکھ لیتے ہیں' مگر انسان انہیں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اسے اذیت و تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں' مگر یہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' حتیٰ کہ یہ ان کے شر کو بھی دور نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں' جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس سے تکلیف کو دور کرتے ہیں چنانچہ :

ارشاد ربانی ہے: ﴿ لَهُۥ مُعَقِّبَٰتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ يَحْفَظُونَهُۥ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ ﴾
(الرعد ۱۳/ ۱۱)

"اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے ہیں' جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

(۳) ایک چیز نظر کی کمزوری' یا دیگر کسی عارضے کی بنا پر دکھائی نہ دے تو اس سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دیکھئے عالم مشاہدہ میں کتنی اشیاء ایسی ہیں جن کے دیکھنے سے نگاہ قاصر ہے۔ مگر اب مشاہدہ میں ایسے امور بھی ہیں' جنہیں نگاہ دیکھنے سے پہلے قاصر تھی' مگر اب واضح طور پر مائیکرو سکوپ کے ذریعہ انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

چھٹی فصل

آسمانی کتابوں پر ایمان

ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ جملہ کتب اور صحیفوں پر ایمان رکھے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جو دین اور شرائع کی حیثیت سے نازل ہوا ہے۔ ان کتب میں سے سب سے بڑی درج ذیل چار کتابیں ہیں:

(الف) القرآن الکریم — ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ عظیم کتاب ہے۔

(ب) التوراۃ — جو اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

(ج) الزبور — جو اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

(د) الانجیل — اللہ کے بندے اور رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اترنے والی کتاب۔

قرآن پاک ان میں سب سے عظیم کتاب ہے اور ان سب کے مضامین ومعانی کا محافظ ہے' جس نے پہلی سب شریعتوں اور احکام کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس بات پر نقلی اور عقلی دلائل یہ ہیں:

نقلی یعنی کتاب وسنت سے دلائل:

(ا) مندرجہ بالا کتابوں پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ

وَٱلْكِتَـٰبِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِن قَبْلُ﴾ (النساء٤/ ١٣٦)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزمان) پر نازل کی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کیں' ان سب پر ایمان لاؤ۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ ۝٣ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ ٱلْفُرْقَانَ﴾ (آل عمران٣/ ٢-٤)

"اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں' وہ زندہ اور کائنات کو تھامنے والا ہے۔ اس نے تجھ پر حق والی کتاب نازل کی' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے انسانوں کی ہدایت کیلئے تورات اور انجیل نازل کیں اور (اب) حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

"اور ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا﴾ (النساء٤/ ١٦٣)

"اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔"

ارشاد ہے: ﴿ وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ۝١٩٢ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ۝١٩٣ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ۝١٩٤ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِينٍ ۝١٩٥ وَإِنَّهُۥ لَفِى زُبُرِ ٱلْأَوَّلِينَ﴾ (الشعراء٢٦/ ١٩٢-١٩٦)

"اور بے شک یہ کتاب جہانوں کے پالنے والے نے اتاری ہے "روح الامین" نے اسے تیرے دل پر اتارا ہے' تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو جائے' واضح عربی زبان میں ہے اور یہ پہلی کتابوں میں (بھی مذکور) ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ إِنَّ هَـٰذَا لَفِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ۝١٨ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ﴾ (الأعلى٨٧/ ١٨-١٩)

"یہی (تعلیم) پہلے صحیفوں میں ہے (یعنی) ابراہیم و موسیٰ ؑ کے صحیفوں میں۔"

(۳) رسول اللہ ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں آسمانی کتابوں کے بارے میں مندرجہ بالا معلومات مہیا فرمائی ہیں۔

فرمایا: «إِنَّمَا بَقَاءُكُمْ فِيمَنْ سَلَفَ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوْبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ (التَّوْرَاةِ) التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوْا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ، ثُمَّ عَجَزُوْا

فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا، ثُمَّ أُوْتِيَ أَهْلُ(الإِنْجِيْلِ) الإِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا بِهِ حَتّٰى صَلَّتِ الْعَصْرَ، ثُمَّ عَجَزُوْا فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا، ثُمَّ أُوْتِيْتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأُعْطِيْتُمْ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابِ: أَقَلُّ مِنَّا عَمَلاً وَأَكْثَرُ أَجْرًا، قَالَ اللهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوْا: لاَ، قَالَ: هُوَ فَضْلِيْ أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ»(صحيح بخاري)

"پہلے لوگوں کے مقابلہ میں امت محمدیہ کی زندگی نماز عصر سے غروب آفتاب تک کے مابین وقت کے برابر ہے۔ توراۃ والوں کو توراۃ عطا ہوئی تو دوپہر تک انہوں نے عمل کیا' پھر عاجز آگئے اور ایک ایک قیراط (اجرت) کے مستحق ٹھہرے' پھر انجیل والوں کو انجیل ملی اور نماز عصر پڑھنے تک عمل کرتے رہے' پھر عاجز ہوئے اور ایک ایک قیراط کے مستحق بنے۔ پھر تمہیں قرآن ملا اور غروب آفتاب تک عمل کیا اور دو دو قیراط کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اہل کتاب نے (یہ بات سن تو) کہا "عمل کا وقت تھوڑا ہے اور اجرت زیادہ؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا میں نے تمہارے حق میں کمی کی ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں۔" فرمایا "پھر یہ میرا فضل ہے' جسے چاہوں (زیادہ) دوں۔"

نیز ارشاد فرمایا: «خُفِّفَ عَلٰى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ الْقُرْآنُ(الْقِرَاءَةُ) فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ(التَّوْرَاةَ، أَوِ الزَّبُوْرَ) قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ، وَلاَ يَأْكُلُ إِلاَّ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ»(صحيح بخاري)

"داؤد علیہ السلام پر (آسمانی کتاب تورات یا زبور کی) تلاوت آسان ہوگئی تھی۔ وہ گھوڑوں پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین لگانے سے قبل (توراۃ یا انجیل کی) تلاوت مکمل کر لیتے اور اللہ تعالیٰ کے یہ نبیؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان مقدس ہے:

«لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»(صحيح بخاري)

"رشک صرف دو آدمیوں پر کرنا چاہیے' ان میں ایک وہ ہے جو دن رات قرآن پڑھتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ: كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ ﷺ»(مستدرك حاكم ومؤطأ)

"میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں' اگر تم نے اس پر عمل کیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں

ہو گے : (وہ) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول (ﷺ) کی سنت ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے :

«لاَ تُصَدِّقُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوْهُمْ، وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ»(صحيح بخاري)

"اہل کتاب کی تصدیق اور تکذیب نہ کرو اور کہو ہم اس کو' جو ہماری طرف اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے' مانتے ہیں' ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مطیع ہیں۔"

(۴) ہر دور میں اطراف عالم کے علماء' حکماء اور اہل ایمان اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں اور پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف کتابیں وحی کی ہیں اور ان میں اپنی صفات عظیمہ' غیبی احوال' احکام دین' وعدے اور وعیدیں درج کی ہیں۔

عقلی دلائل :

(۱) انسانی جسم اور روح کا کمزور اور اپنے رب کا محتاج ہونا' اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی اصلاح وفلاح کیلئے تشریعات اور قوانین پر مشتمل کتابیں نازل کی جائیں' جن سے انسان کمال حاصل کر سکے اور دنیاوی واخروی زندگی کی ضروریات پوری کر سکے۔

(۲) چونکہ بندوں اور اللہ کے درمیان رسول ہی واسطہ ہوتے ہیں اور وہ بھی دیگر انسانوں کی طرح ایک خاص وقت تک زندہ رہتے اور پھر وفات پاجاتے ہیں' اس لئے اگر ان کے پیغامات کتابوں کی صورت میں موجود نہ ہوتے تو ان کی وفات کے بعد ضائع ہو جاتے اور لوگ پیغام اور واسطے کے بغیر دنیا میں رہ جاتے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں' تاکہ وحی ورسالت کا اصل مقصد فوت نہ ہونے پائے۔

(۳) اگر ایک داعی الی اللہ رسول کے پاس کتاب نہ ہو' جو رب کی طرف سے شریعت وہدایت اور بھلائی کی حامل ہوتی ہے' تو آسانی سے لوگ اس کی تکذیب کردیں اور پیغام ربانی کا انکار کر دیں۔ اس لئے اتمام حجت کیلئے یہ بات بھی کتاب الٰہی کے نازل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

ساتویں فصل

قرآن کریم پر ایمان

مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' جو اس نے مخلوق میں سے چیدہ اور انبیاء ورسل علیہم السلام میں سے افضل' ہمارے نبی ﷺ پر اتاری ہے' جیسا کہ دیگر کتابیں سابقہ انبیاء ورسل (علیہم السلام) پر نازل کی ہیں۔ قرآن کریم نے پہلی آسمانی کتب کے احکام منسوخ کر دیئے ہیں اور

آپؐ کی رسالت نے پہلی رسالتوں کو ختم کر دیا ہے۔ یہ کتاب ربانی تشریع پر مشتمل ہے۔ اس کے اتارنے والے نے وعدہ کیا ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا وہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرے گا اور اعراض کرنے والوں کو بدبختی کی وعید سنائی ہے۔ یہ واحد کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ نے ضمانت دی ہے کہ اس میں کمی بیشی اور تبدیلی نہیں ہو سکتی اور قیامت تک یہ دنیا میں رہے گی۔ درج ذیل نقلی و عقلی دلائل سے ہم ان دعووں کا ثبوت پیش کرتے ہیں:

کتاب وسنت سے دلائل:

(ا) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فرمان میں ہمیں بتایا ہے:

﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ لِيَكُونَ لِلْعَـٰلَمِينَ نَذِيرًا ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۱)

"بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (یعنی قرآن) اتارا تاکہ وہ جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ ٱلْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلْغَـٰفِلِينَ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۳)

"(اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعے سے' جو ہم نے تمھاری طرف بھیجا ہے' تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور اگرچہ تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔"

ایک اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴾ (النساء ٤/ ١٠٥)

"(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے' تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں اور خیانت کرنے والوں کا حمایتی نہ بننا۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَـٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَـٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَـٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (المائدۃ ٥/ ١٥-١٦)

"اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو کچھ تم کتاب میں سے چھپاتے تھے' وہ اس میں سے بہت سی باتیں تمہیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے' جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے کام کرتے ہیں' اپنے حکم سے

ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور (ایمان) کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔"
ایک اور ارشاد عالی ہے:﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴾ (طه٢٠/ ١٢٣-١٢٤)
"پس جو میری ہدایت پر چلے گا' وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا' اس کیلئے تنگ زندگی ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"
یہ فرمان ربانی بھی ملاحظہ فرمائیں:
﴿ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾ (فصلت٤١/ ٤١-٤٢)
"اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے' اس پر جھوٹ کا دخل نہ تو آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے' حکمت اور تعریف والے (اللہ) کی طرف سے یہ اتاری ہوئی ہے۔"
جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ وعدہ ہے:
﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر١٥/ ٩)
"بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"
(۲) رسول اللہ ﷺ جن پر وحی نازل ہوئی' نے بتایا:
«أَلاَ إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ»
(سنن أبي داود والدارمي وابن ماجة)
"مجھے کتاب (قرآن) اور اس کے ساتھ اس کی مثل دیا گیا ہے۔"
نیز فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»(سنن أبي داود، سنن ترمذي، وسنن ابن ماجة وهو حسن)
"تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"
نیز ارشاد ہے «لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»(صحيح بخاري)
"صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہئے' ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہے' وہ دن رات اسے پڑھتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے' وہ اسے دن رات (اللہ کی راہ میں) لٹاتا ہے۔"
اور آپ نے فرمایا: «مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلاَّ وَقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ

عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہر نبی کو نشانیاں دی گئی ہیں' جن کی انسانوں نے تصدیق کی۔ مجھے وحی کی نشانی عطا ہوئی' جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروکار زیادہ ہوں گے۔"

اور فرمان نبوی ہے:«وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلاَّ اتِّبَاعِيْ»(مسند أحمد والبيهقي في كتاب "شعب الإيمان" والدارمي بلفظ آخر)

"اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کئے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔"

(۳) کروڑوں مسلمانوں کا ایمان اور اعتقاد ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی ہے' جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی طرف بھیجی ہے اور اسی یقین کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور کثیر تعداد نے اسے حفظ بھی کر رکھا ہے اور اس کے شرائع واحکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

عقلی دلائل:

(ا) قرآن کریم مختلف علوم کا خزینہ ہے۔ کائنات کے بارے میں وقیع معلومات' تاریخی علوم' تشریعی اور قانونی ضابطے اور حربی وسیاسی اصول' سب کچھ اس عظیم کتاب میں موجود ہے' مگر اس کا پیش کرنے والا (امی) ان پڑھ ہے۔ کسی مکتب یا مدرسے میں اس نے تعلیم حاصل نہیں کی' یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ کتاب' اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے' کیونکہ عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ ایک ان پڑھ (امی) اتنے علوم پر دسترس حاصل کر سکے۔

(۲) اس کتاب کے نازل کرنے والے اللہ نے انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیا ہے کہ اس کی مثل لاکر دکھائیں۔

ارشاد گرامی ہے: ﴿قُل لَّئِنِ ٱجۡتَمَعَتِ ٱلۡإِنسُ وَٱلۡجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأۡتُواْ بِمِثۡلِ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ لَا يَأۡتُونَ بِمِثۡلِهِۦ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٖ ظَهِيرٗا﴾ (بني إسرائيل۱۷/ ۸۸)

"کہہ دو کہ اگر انس وجن اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے' اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔"

جبکہ فصحاء وبلغاء عرب بھی اس چیلنج میں شریک تھے کہ وہ دس سورتیں اس کی مانند لائیں' بلکہ ایک سورت ہی لا دیں۔ مگر یہ سب عاجز رہے اور اس کی مثل نہ لا سکے۔ یہ اس بات کی بہت بڑی اور قوی دلیل ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۳) قرآن پاک میں بعض ایسے امور غیبیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے' جن میں سے بعض قرآن کے بیان

کے مطابق وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ یہ بھی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔

(۴) اس سے پہلے بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں' جیسے توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ تو ان کے بعد قرآن کے "منزل من اللہ" ہونے کا انکار نہیں ہو سکتا' کیا عقل نزول قرآن کو محال قرار دیتی ہے' یا اس کو ممنوع بتاتی ہے؟ نہیں بلکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن پاک نازل شدہ ہے۔

(۵) قرآن مجید میں پیش کردہ تاریخی وقائع کا تحقیقی جائزہ لیا گیا تو وہ اس کے عین مطابق پائے گئے' نیز اس میں جو پیشین گوئیوں کا تذکرہ ہے' وہ بھی حقائق کے مطابق ہے۔ احکام و شرائع کو دیکھا گیا تو ان سے مطلوبہ نتائج یعنی امن' عزت' کرامت' اور علم و عرفان کا ورود مسعود وغیرہ حاصل ہوئے۔ خلفاء راشدین کا زریں دور اس کا شاہد عدل ہے' اس دعویٰ پر کہ "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی ہے اور اسی نے اپنی مخلوق میں سے افضل اور خاتم النبین پر اسے نازل کیا ہے" اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل مطلوب ہے؟

آٹھویں فصل

رسولوں پر ایمان

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ جل مجدہ نے انسانوں میں پیغمبر انتخاب فرمائے اور ان کی طرف اپنی شریعت وحی کی اور انہیں حکم دیا کہ اسے پہنچائیں' تاکہ قیامت کے دن انسانوں پر حجت قائم ہو۔ انہیں واضح احکام دیئے اور معجزات کے ساتھ ان کی تقویت فرمائی۔ سب سے پہلے نبی نوح (علیہ السلام) تھے اور سب سے آخری محمد ﷺ ہیں۔

سب انبیاء بشر تھے اور اکثر بشری عوارض انہیں لاحق تھے۔ وہ کھاتے' پیتے' بیمار ہوتے' تندرست ہوتے' بھول جاتے' یاد کرتے' زندہ رہتے اور وفات پاتے' مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں علی الاطلاق وہ برتر' اکمل اور بلا استثناء افضل تھے۔ جب تک جملہ انبیاء علیہم السلام کو تسلیم نہ کیا جائے' کوئی بھی شخص ایمان دار نہیں بن سکتا۔ عقلی و نقلی دلائل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

کتاب و سنت سے وجود انبیاء علیہم السلام پر دلائل :

(ا) اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور ان کی بعثت و رسالت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾

"اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾ (الحج ٢٢/ ٧٥)

”فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ سننے والے دیکھنے والے ہیں۔“

نیز ارشاد ہے:﴿ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴾ (النساء٤/ ١٦٣-١٦٥)

”بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے' جیسا کہ نوح اور اسکے بعد دوسرے انبیاء کی طرف کی تھی اور ہم نے ابراہیم' اسماعیل ' اسحاق اور انکی اولاد عیسیٰ' ایوب' یونس' ہارون' اور سلیمان (علیہم السلام) کو وحی بھیجی۔ داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی اور تجھ سے پہلے کے کئی رسولوں کے واقعات ہم تجھے بتا چکے ہیں اور کئی رسولوں کے حالات ہم نے تجھے نہیں بتائے اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا۔ یہ رسول (تھے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے' تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ عزت والا (اور) حکمت والا ہے۔“

مزید فرمایا:﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِٱلْبَيِّنَـٰتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلْقِسْطِ ﴾ (الحديد٥٧/ ٢٥)

”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا' اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) بھی' تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

نیز فرمایا: ﴿ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَسَّنِىَ ٱلضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴾

”اور ایوب (علیہ السلام) (کا ذکر کر) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِى ٱلْأَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٢٠)

”اور ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے' وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔“

مزید فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ ءَايَـٰتٍۭ بَيِّنَـٰتٍ ۖ فَسْـَٔلْ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِذْ جَآءَهُمْ ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ١٠١)

”اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو واضح نشانیاں دیں' تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان کے پاس آئے۔“

اور فرمان عالی ہے: ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مِيثَـٰقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَـٰقًا غَلِيظًا ﴿٧﴾ لِّيَسْـَٔلَ ٱلصَّـٰدِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۷۔۸)

"اور جب ہم نے انبیاء سے پختہ عہد لیا' تجھ سے اور نوح' ابراہیم' موسیٰ' اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام) سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا تاکہ وہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی طرف سے یہ خبر ارشاد فرمائی ہے:

«مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ أَنْذَرَ قَوْمَهُ الأَعْوَرَ الْكَذَّابَ (الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ)»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے' سب نے اپنی قوم کو کانے اور جھوٹے مسیح دجال سے ڈرایا ہے۔"

نیز فرمایا: «لاَ تُفَاضِلُوْا بَيْنَ الأَنْبِيَاءِ»(أيضًا)

"انبیاء ؑ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (یعنی اس انداز سے کہ اس سے کسی دوسرے کی توہین کا پہلو نکلے)۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی تعداد دریافت کی تو' آپ ﷺ نے فرمایا:

«مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ أَلْفًا، وَالْمُرْسَلُوْنَ مِنْهُمْ ثَلاَثُ مِائَةٍ وَثَلاَثَةَ عَشَرَ»

"ایک لاکھ بیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلاَّ أَنْ يَّتَّبِعَنِيْ»(مسند أحمد وسنن البيهقي ۔ حسن)

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کیلئے بھی میری اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔"

آپ ؐ کو «خَيْرَ الْبَرِيَّةِ» کے لقب سے مخاطب کیا گیا تو آپ ؐ نے انکساری سے فرمایا «ذَاكَ إِبْرَاهِيْمُ»

"یہ تو ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔"

یہ بھی آپ ؐ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَا كَانَ لِعَبْدٍ أَنْ يَّقُوْلَ: إِنِّيْ خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى»(رواه أحمد وهو في الصحيحين عن أبي هريرة رضي الله عنه)

"کسی بندے کیلئے مناسب نہیں کہ وہ کہے کہ "میں (یعنی رسول اللہ ؐ) یونس بن متی سے بہتر

ہوں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات آسمانوں پر انبیاء ؑ میں سے یحیٰؑ، عیسیٰ ' یوسف ' ادریس ' ہارون ' موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کی اور واپسی پر ان کے بعض احوال اور اپنی امامت کا تذکرہ فرمایا۔

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔"

(۳) مسلمانوں ' یہودیوں اور عیسائیوں میں سے کروڑوں انسان اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو مانتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ وہ کامل انسان تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اپنا پیغام پہنچانے کیلئے چنا تھا۔

عقلی دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرف رسول بھیجے ' تاکہ وہ اپنے رب کی پہچان کر لے ' اپنے انسانی کمالات تک رسائی حاصل کر سکے اور اس طرح دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو۔

(۲) اللہ جل جلالہ نے مخلوق کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاريات ٥١/ ٥٦)

"میں نے انسانوں اور جنوں کو اس لئے پیدا کیا ' تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں۔"

نظام عبادت واطاعت کا تقاضا ہے کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں ' تاکہ بندے معلوم کر سکیں کہ انہوں نے کس طرح عبادت کرنی اور کیسی اطاعت سرانجام دینی ہے۔ اس لئے کہ اسی اہم مقصد کیلئے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔

(۳) اطاعت کے نتیجہ میں نفس کی تطہیر اور نافرمانی سے خباثت مرتب ہوتی ہے اور اس پر جزا وسزا کا نظام ترتیب پاتا ہے ' اگر انبیاء علیہم السلام کی بعثت نہ ہوتی تو قیامت کے دن لوگ کہتے "اے اللہ! ہمیں تو تیری اطاعت کا ہی پتہ نہیں تھا کہ کیسے ہوتی ہے اور ہم نافرمانی و معصیت کو نہیں جانتے تھے کہ اس سے احتراز کرتے۔ تیرے ہاں ظلم نہیں ہے ' لہٰذا ہمیں آج سزا نہ دے۔"

چنانچہ اتمام حجت کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیغام پہنچانے والے مقرر کر دیئے ہیں۔

ارشاد عالی ہے: ﴿ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ

وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (النساء٤/ ١٦٥)

"پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

نویں فصل

رسالت محمدیہ پر ایمان

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ محمد بن عبد المطلب الہاشمی القریشی ﷺ' جن کا لقب "النبی الامی" ہے' اسماعیل بن ابراہیم الخلیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپؐ کی بعثت گورے اور کالے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ آپؐ کی نبوت سے سلسلۂ نبوت ختم ہوا اور آسمان سے وحی کا آنا موقوف ہو گیا۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور نہ کوئی رسول مقرر کیا جائے گا۔ معجزات کے ساتھ آپؐ کی تائید ہوئی ہے اور سب انبیاء علیہم السلام پر آپؐ کو فضیلت اور برتری حاصل ہے اور آپؐ کی امت سب امتوں سے شان اور مرتبے میں زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی محبت لازم اور آپؐ کی اتباع وپیروی فرض قرار دی ہے اور آپؐ کو ایسی خصوصیات عطا ہوئی ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں۔ جیسے وسیلہ' کوثر' حوض اور' مقام محمود۔(وغیرہ)

درج ذیل عقلی ونقلی دلائل سے یہ عقیدہ ثابت شدہ ہے:

قرآن وسنت سے دلائل:

(ا) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور فرشتوں نے آپ ﷺ کیلئے وحی کی شہادت دی ہے۔

ارشاد عالی ہے: ﴿لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا﴾ (النساء٤/ ١٦٦)

"لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپؐ پر نازل کی ہے' اللہ تعالیٰ اس کی نسبت گواہی دیتے ہیں کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ کے طور پر تو اللہ ہی کافی ہے۔"

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی رسالت عامہ' ختم نبوت' اطاعت ومحبت کا لزوم اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ان آیات میں ذکر کیا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ﴾ (النساء٤/ ١٧٠)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ رسول آ گیا ہے' پس تم (اس پر) ایمان لاؤ (اسی میں) تمہاری بھلائی ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلَىٰ فَتۡرَةٖ مِّنَ ٱلرُّسُلِ أَن تَقُولُواْ مَا جَآءَنَا مِنۢ بَشِيرٖ وَلَا نَذِيرٖۖ فَقَدۡ جَآءَكُم بَشِيرٞ وَنَذِيرٞۗ ﴾ (المائدة٥/ ١٩)

"اے اہل کتاب! تمہارے پاس رسولوں کے ایک طویل وقفے کے بعد ہمارا رسول آ گیا ہے' جو تمہارے لئے (ہمارے احکام) واضح کر رہا ہے' مبادا یہ کہو کہ ہمارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ سو (اب) تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے۔"

اور فرمایا: ﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴾ (الأنبياء٢١/ ١٠٧)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ ﴾ (الجمعة٦٢/ ٢)

"اسی نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا' جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں (گناہوں سے) پاک کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔"

یہ بھی فرمایا:

﴿ مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ ﴾ (الفتح٤٨/ ٢٩)

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡفُرۡقَانَ عَلَىٰ عَبۡدِهِۦ لِيَكُونَ لِلۡعَٰلَمِينَ نَذِيرًا ﴾ (الفرقان٢٥/ ١)

"بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر (حق وباطل میں) فرق کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٖ مِّن رِّجَالِكُمۡ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَۗ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٤٠)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں (کی نبوت) کے ختم کرنے والے ہیں۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ ٱقۡتَرَبَتِ ٱلسَّاعَةُ وَٱنشَقَّ ٱلۡقَمَرُ ﴾ (القمر٥٤/ ١)

"قیامت قریب آگئی اور چاند (دو) ٹکڑے ہو گیا۔"

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ ﴾ (الكوثر١٠٨/ ١)

"ہم نے تجھے کوثر دی ہے۔"

اور ارشاد ہے: ﴿ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ ﴾ (الضحى٩٣/ ٥)

"اور تجھے تیرا پروردگار وہ کچھ دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ عَسَىٰٓ أَن يَبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٗا مَّحۡمُودٗا ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٧٩)

"قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں داخل کر دے۔"

اور ارشاد ربانی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔"

نیز یہ بھی فرمان عالی شان ہے:

﴿ قُلۡ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ وَإِخۡوَٰنُكُمۡ وَأَزۡوَٰجُكُمۡ وَعَشِيرَتُكُمۡ وَأَمۡوَٰلٌ ٱقۡتَرَفۡتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٞ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَآ أَحَبَّ إِلَيۡكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٖ فِي سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّىٰ يَأۡتِيَ ٱللَّهُ بِأَمۡرِهِۦۗ ﴾ (التوبة٩/ ٢٤)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' قبیلہ اور اموال جنہیں تم کماتے ہو اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خطرہ ہے اور رہائش گاہیں جنہیں تم پسند کرتے ہو' (اگر) یہ سب تمہیں اللہ' اس کے رسول (ﷺ) اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہیں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) لے آئے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران٣/ ١١٠)

"تم ایک بہترین جماعت ہو جو انسانوں کیلئے پیدا کی گئی ہے۔"

ارشاد عالی ہے: ﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلۡنَٰكُمۡ أُمَّةٗ وَسَطٗا لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيدٗاۗ ﴾ (البقرة٢/ ١٤٣)

"اور اسی طرح ہم نے تم کو افضل امت بنایا' تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔"

اللہ وحدہ لا شریک لہ کا فرمان ہے:

﴿ قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ ﴾ (آل عمران٣/ ٣١)

"کہہ دو اگر تم اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو' اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

(۳) آپ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے' اب قیامت تک آپ کی اطاعت لازم ہے اور آپ کا پیغام سب انسانوں کیلئے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبَ ۔ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ»(صحيح بخاری وصحيح مسلم)

"میں نبی ہوں' یہ سچ ہے جھوٹ نہیں' اور میں عبد المطلب (کے بیٹے) کا بیٹا ہوں۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «إِنِّيْ عَبْدُاللهِ وَخَاتَمُ النَبِيِّيْنَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهِ»(مسند أحمد وصحيح ابن حبان)

"میں اللہ کا بندہ اور نبیوں (کے سلسلۂ نبوت) کو ختم کرنے والا ہوں۔ یہ فیصلہ اس وقت سے صادر شدہ ہے' جب آدم (علیہ السلام) اپنی مٹی میں تھے۔"

مزید ارشاد فرمایا: «مَثَلِيْ وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَجَمَّلَهُ إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ وَّاحِدَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهِ وَيَعْجَبُوْنَ لَهُ وَيَقُوْلُوْنَ: هَلاَّ وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ، فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"میری اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس طرح ہے' جیسا کہ وہ شخص' جس نے خوبصورت محل تیار کیا اور ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے دی۔ لوگ اس محل کو دیکھتے اور پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں "یہ اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی گئی ہے؟ سو وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"

نیز ارشاد ہے: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»(صحيح بخاری وصحيح مسلم واللفظ له)

"مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی اولاد' والدین اور سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ سمجھے۔"

اور آپ نے فرمایا: «كُلُّكُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ أَبٰى، قَالُوْا: وَمَنْ يَّأْبٰى يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى»
(صحيح بخاری)

"تم سب جنت میں داخل ہو گے' مگر جو انکار کر دے۔ لوگوں نے کہا "یارسول اللہ! کون انکار کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جس نے میری تابعداری کی وہ بہشت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی 'گویا اس نے انکار کیا۔"

نیز ارشاد فرمایا: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلاَ نَبِيَّ»(مسند أحمد وسنن الترمذي وصححه)

"سلسلۂ رسالت و نبوت منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ میرے بعد کوئی رسول ہے نہ نبی۔"

مزید فرمایا: «فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ»(صحيح مسلم وسنن ترمذى)

"مجھے دیگر انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فوقیت حاصل ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں' میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں' میرے لئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔"

نیز آپؐ کا ارشاد عالی شان ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيْرِيْ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ، وَمَنْ عَصَى أَمِيْرِيْ فَقَدْ عَصَانِي»(صحيح بخاري)

"جس نے میری اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی' اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو میرے امیر کی اطاعت کرتا ہے' وہ میرا مطیع ہے اور جو میرے امیر کی نافرمانی کرتا ہے' وہ میرا بھی نافرمان ہے۔"

اور ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْجَنَّةَ حُرِّمَتْ عَلَى الأَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ حَتَّى أَدْخُلَهَا، وَحُرِّمَتْ عَلَى الأُمَمِ حَتَّى تَدْخُلَهَا أُمَّتِيْ»(رواه الدارقطني وله طرق تجعله حسنا)

"میرے داخل ہونے سے پہلے جنت تمام انبیاء پر حرام کر دی گئی ہے اور میری امت کے داخل ہونے سے پہلے جنت تمام امتوں پر حرام کر دی گئی ہے۔"[1]

نیز فرمان نبویؐ ہے:

«إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ الأَنْبِيَاءِ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ وَلاَ فَخْرَ»(سنن الترمذي، سنن ابن ماجة ومسند أحمد)

"قیامت کے دن میں انبیاء علیہم السلام کا امام اور خطیب ہوں گا اور ان (کی امتوں) کی سفارش کروں گا اور اس میں کوئی فخر نہیں۔"

---

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے اور اسکی کوئی سند صحیح نہیں ہے لہٰذا اسے "حسن لغیرہ" کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

اور مزید ارشاد ہے: «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ» (صحیح مسلم)

"میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی۔"

(۴) تورات اور انجیل بھی آپ کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتی ہیں خود موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے بھی آپ ؐ کی آمد کی خوشخبری سنائی اور پیشین گوئی کی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ﴾ (الصف ٦١/ ٦)

"اور جب عیسیٰ ابن مریم ؑ نے کہا "اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے تھی اور تمہیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں' جو میرے بعد آئے گا' جس کا نام احمد ؐ ہو گا۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف ٧/ ١٥٧)

"وہ اس رسول ؐ کی اتباع کرتے ہیں جو امی نبی ہے' جس (کے اوصاف کو) وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں' وہ انہیں اچھائی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کیلئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام قرار دیتا ہے۔"

تورات میں لکھا ہے کہ "میں ان کے بھائیوں میں تیرے جیسا نبی بھیجوں گا۔ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ وہ ہر اس چیز کا حکم دے گا جو میں اسے حکم کروں گا اور میرے نام سے جو باتیں وہ کہے گا' اس کی اطاعت نہ کرنے والے سے میں انتقام لوں گا۔"

ہمارے نبی ﷺ کی نبوت و رسالت کی تورات میں یہ بشارت آج بھی موجود ہے' جو آپ ؐ کی اتباع اور اطاعت کو لازم قرار دیتی ہے اور یہ قوم یہود پر حجت ہے۔ وہ تاویل کرتے رہیں' انکار کرتے رہیں' مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ "میں ان کیلئے نبی بھیجوں گا" آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت کی شہادت دیتا ہے' اس لئے کہ اس الہام میں مخاطب موسیٰ علیہ السلام ہیں اور وہ نبی اور رسول تھے۔ تو ان کی مثل جو آئے گا وہ بھی نبی اور رسول ہو گا اور یہ فرمان کہ "ان کے بھائیوں میں نبی بھیجوں گا" کتنا واضح قرینہ ہے کہ اس سے مراد محمد ﷺ ہیں اور فرمان ایزدی کہ "میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" آپ ؐ کے سوا کس پر منطبق ہو سکتا ہے؟ کہ آپ ؐ ہی اللہ کا کلام قرآن سناتے ہیں اور اس کے حافظ ہیں اور رسول

اللہ ﷺ کے تعین کیلئے یہ بھی قرینہ ہے کہ آپؐ نے (وحی کے ذریعے) قیامت تک آنے والے بعض اہم غیبی امور کی خبر دی ہے' جبکہ کسی اور نبی کے کلام میں یہ باتیں نہیں ملتیں۔

اور تورات میں یہ بھی ہے کہ "اے نبی! ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا مبعوث کیا ہے۔ تو ان پڑھوں کا محافظ ہے اور میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام "توکل کرنے والا" رکھا ہے' تو بد خلق' درشت گفتار نہیں ہے اور نہ بازاروں میں اونچی آوازیں لگانے والا ہے' برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا' بلکہ عفو ودرگزر سے کام لیتا ہے اور انہیں اس وقت موت آئے گی جب گمراہ قوم ٹھیک ہو جائے گی' وہ کہیں گے" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھیں' بہرے کان اور بند شدہ دل کھول دے گا۔" (صحیح بخاری)

نیز تورات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "ان لوگوں نے اپنے معبودان باطلہ کی پرستش کر کے مجھے غضب ناک کر دیا ہے' میں انہیں ایک اور گروہ کے ذریعہ تبدیل کروں گا اور جاہل گروہ (شعب جاہل) کے ذریعہ میں ان کو غصہ دلاؤں گا۔"

"شعب جاہل" سے واضح طور پر عرب مراد ہیں کہ آپؐ کی آمد سے پہلے یہ محض جاہل تھے' اسی لئے یہودی عربوں کو ان پڑھ کہتے تھے۔

اسی طرح تورات میں یہ بھی تحریر ہے کہ "یہوذا سے چھڑی نہیں زائل ہوگی اور مدبر اسی برادری میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ آجائے جس کیلئے سب کچھ ہے اور اقوام جس کی انتظار میں ہیں۔"

ہمارے نبی محمد ﷺ کے سوا اقوام وملل کس کے انتظار میں تھیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہود تو بالخصوص شدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ البتہ حسد نے انہیں ایمان واتباع کی دولت سے محروم کر دیا۔

سورۂ بقرۃ میں اللہ جل مجدہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَانُوا۟ مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا۟ كَفَرُوا۟ بِهِۦ ۚ فَلَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ﴾ (البقرۃ ۲/ ۸۹)

"اور پہلے کافروں کے خلاف فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ پھر جب ان کے پاس وہ آگیا' جسے انہوں نے پہچان بھی لیا تو اس کا انکار کر دیا۔ پس ان انکار کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

اور انجیل میں درج ذیل خوشخبریاں موجود ہیں:

(ا) "انہی دنوں یوحنا یہود میں وعظ کرنے آیا اور کہا: توبہ کرو' آسمانوں کی بادشاہت کی آمد کا وقت قریب ہے۔"

"آسمانی بادشاہت" کا اشارہ حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے' جس میں آپؐ کی آمد کے قرب وقت' آپ کے بادشاہ ہونے اور آسمانی قانون کے مطابق حکومت کرنے کی بشارت ہے۔

(۲) ایک اور مثال میں ارشاد فرمایا ''آسمانی بادشاہت کی مثال رائی کے دانہ کی ہے' جسے انسان اپنے کھیت میں کاشت کرتا ہے اور یہ چھوٹا سا بیج ہوتا ہے' لیکن جب بڑھتا ہے تو بڑی سبزی بن جاتا ہے۔''

انجیل کی یہ عبارت قرآن پاک کی اس مثال کی عکاسی کر رہی ہے:

﴿ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ (الفتح ۴۸/ ۲۹)

''ان کی مثال انجیل میں اس کھیتی کی طرح ہے جس سے ایک باریک سوئی نکلی' پھر وہ مضبوط ہوئی' پھر موٹی ہوئی' پھر وہ تنے پر اس طرح کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی لگی' تاکہ کفار ان کی وجہ سے جلیں اور غضب ناک ہوں۔''

اس سے مراد محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں (رضی اللہ عنہم)۔

(۳) ''میں اب جارہا ہوں' اگر میں نہیں جاؤں گا تو وہ بہت تعریف والا نہیں آئے گا۔ میں چلا گیا تو اسے تمہاری طرف ضرور بھیجوں گا۔ جب وہ آئے گا تو سب جہان والوں کو گناہ پر تنبیہہ کرے گا۔''

انجیل کے اس جملہ میں کس واضح انداز سے محمد ﷺ کی آمد کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اگر اس سے آپ مراد نہ ہوں (تو پھر) فارقلیط (بہت حمد کرنے والا' یا بہت تعریف کیا ہوا یعنی محمد یا احمد) کون ہے؟ اور کس نے اقوام عالم کو معصیت وگناہ پر ڈانٹ دی ہے؟ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی' اس وقت دنیا والے فساد شرو کے سمندر میں تیر رہے تھے اور ان میں بت پرستی خیمہ زن تھی اور اہل کتاب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ آپ کے علاوہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے مالک' اللہ جل شانہ' کی طرف دعوت دی؟

عقلی دلائل:

(۱) اس سے کیا مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو رسول مقرر کر کے مبعوث کرے' جب کہ اس سے قبل سینکڑوں رسول اور ہزاروں نبی مقرر کئے گئے ہیں۔ عقلاً و شرعاً کوئی چیز اس سے مانع نہیں تو پھر آپ کی رسالت ونبوت کا کیونکر انکار کیا جائے؟

(۲) آپ کے زمانہ میں حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے جو اس بات کے متقاضی تھے کہ انسانوں کے پاس آسمانی پیغام پہنچے' اللہ تعالیٰ کا قاصد نئے سرے سے معرفت الٰہی کی تجدید کرے اور انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان کر لیں۔

(۳) زمین کی بہت بڑی آبادی میں اسلام کا تیزی سے پھیلنا اور لوگوں کا اپنے مذاہب ترک کر کے اسے اپنانا' آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۴) آپ کی تعلیمات کی سچائی اور درستی اور ان کا باصلاحیت ہونا' جن کے فوری بابرکت اور عمدہ

نتائج برآمد ہوئے' یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تعلیمات اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کا حامل اللہ تعالیٰ کا سچا رسول اور نبی ہے۔

(۵) آپ کے ذریعہ معجزات کا صدور اور خرق عادت امور کا وقوع پذیر ہونا بھی' اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے کام کسی غیرنبی اور رسول کے ہاتھوں سرزد نہیں ہو سکتے۔

ہم کچھ معجزات ذیل میں تحریر کرتے ہیں' جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں' بلکہ انہیں تواتر کا درجہ حاصل ہے' جسے کوئی بے عقل ہی رد کر سکتا ہے۔

* "چاند کا شق ہونا" جب ولید بن مغیرہ اور کفار قریش نے آپ سے صداقت و نبوت پر معجزہ طلب کیا' تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا' ایک حصہ پہاڑ کے اوپر جبکہ دوسرا اس کے نیچے جاگرا (پھر آپس میں مل گئے)۔ نبی ﷺ نے فرمایا "گواہ رہو!" اور قریش نے دوسرے علاقہ کے لوگوں سے بھی اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی چاند کی اس تبدیلی کی شہادت دی۔" قرآن پاک میں اس کا اظہار یوں ہوا ہے:

﴿ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴾ (القمر ٥٤/ ١-٣)

"قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قدیمی جادو ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔" یہ جادو ہے جو (عہد قدیم سے) چلا آ رہا ہے۔

* غزوۂ احد کے دن حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل کر رخسار تک آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی جگہ لگا دیا اور وہ پہلے سے بھی بہتر بن گئی۔

* غزوۂ خیبر کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے لعاب دہن لگایا اور ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہو گئیں کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئیں۔

* غزوۂ بدر میں ابن الحکم کی پنڈلی ٹوٹ گئی' اس پر آپ نے اپنا لعاب مبارک لگایا' وہ فوراً درست ہو گئی اور پھر کبھی درد کا احساس نہیں ہوا۔

* "درخت کا آپ کے لئے گفتگو کرنا۔" جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بدوی آپ کے قریب آیا تو آپ نے پوچھا "اے بدوی! تو کہاں جانا چاہتا ہے؟" اس نے کہا "اپنے گھر" آپ نے پوچھا "کیا تو کسی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے؟" اس نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "تو اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔" اعرابی نے کہا "اس بات پر کوئی دلیل؟" آپ نے فرمایا "یہ درخت بھی یہی کہتا

ہے۔" چنانچہ وادی کے کنارے کھڑا درخت زمین کو چیرتا ہوا آپ کے آگے کھڑا ہو گیا اور تین بار شہادت مذکورہ ادا کی۔

* کھجور کا تنا رو پڑا اور اس کی آواز تمام مسجد والوں نے سنی' جب رسول اللہ ﷺ خطبہ جمعہ منبر پر دینے لگے اور اس تنے سے دور ہو گئے تو آپ کے شوق اور محبت کے جذبات سے معمور یہ تنا رونے لگ گیا اور اونٹنی کی طرح اس میں سے آواز نکل رہی تھی' جسے تمام مسجد والوں نے سنا۔ آپ اس کے قریب ہو گئے اور ہاتھ مبارک اس پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)
* کسریٰ کے خلاف آپ نے فرمایا "اس نے ہمارا مکتوب پھاڑا ہے' اس کا ملک اسی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
* عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے آپ نے فقاہت دین کی دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ اس امت کے بہت بڑے فقیہ بنے۔
* آپ کی دعا سے "جو" کے دو مد میں اتنی برکت ہو گئی کہ اسی (۸۰) سے زائد افراد اس سے سیر ہوئے۔
* آپ کی دعا سے حدیبیہ کے دن پانی میں برکت ہوئی اور پانی کے ایک چھوٹے سے برتن میں آپ نے ہاتھ رکھا۔ انگلیوں کے درمیان سے پانی چشمہ کی طرح ابل پڑا۔ چنانچہ اس سے پندرہ سو کے قریب لوگوں نے سیر ہو کر پیا اور وضو کیا۔
* مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک "اسراء" اور بلند و بالا آسمانوں کا "معراج" اور "سدرۃ المنتہیٰ" تک "صعود" اور پھر آپ (اسی رات کے کچھ حصہ میں) اپنے بستر کی طرف لوٹے تو وہ اسی طرح گرم تھا۔
* اور سب سے بڑا معجزہ اور ابدی نشانی قرآن کریم ہے۔ اس میں پہلے لوگوں کے احوال اور آئندہ آنے والوں کی خبریں ہیں۔ نیز اس میں ہدایت اور نور ہے۔ رہتی دنیا تک اس کا اعجاز قائم ہے اور آپ کی صداقت نبوت پر ایک عظیم دلیل اور مخلوق میں یہ قیامت تک حجت ثابتہ ہے۔ نبی ﷺ کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا اور واضح معجزہ قرآن مقدس ہی تو ہے۔

آپ کا ارشاد ہے: «مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلاَّ وَقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم)

"ہر نبی کو معجزات عطا ہوئے' جنہیں انسانوں نے تسلیم کیا اور ایمان لائے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی

کی صورت میں نشانی عطا کی ہے' مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان سب سے زیادہ ہوں گے۔"

دسویں فصل

یوم آخرت پر ایمان

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیا کی یہ زندگی بالآخر ختم ہو جائے گی اور ایک آخری دن ہے جس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا۔ پھر دوسری زندگی شروع ہو جائے گی اور وہ آخرت کا دن ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مخلوق کو پھر سے اٹھائیں گے' تاکہ ان کا محاسبہ ہو' اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو جنت میں ہمیشہ کی نعمتوں سے نوازیں گے اور نافرمانوں کو جہنم میں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔

مگر اس سے پہلے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً مسیح دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج' نزول عیسیٰ علیہ السلام' خروج دابہ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

پھر صور پھونکا جائے گا اور سب چیزیں بے ہوش اور فنا ہو جائیں گی' پھر دوبارہ اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔ ہر کوئی رب کائنات کے آگے کھڑا ہو گا اور اعمال نامے ہاتھوں میں پکڑا دیئے جائیں گے۔ کسی کے دائیں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں' ترازو لگے گا' حساب شروع ہو جائے گا' پل صراط ہو گی اور پھر سارا معاملہ بالآخر جنتیوں کے جنت میں جانے اور جہنمیوں کے جہنم میں گرنے پر اختتام پذیر ہو گا۔ ان باتوں کی تصدیق کیلئے درج ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیے:

کتاب وسنت سے دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ قیامت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ (الرحمن ۵۵/ ۲۶۔۲۷)

"ہر وہ (مخلوق) جو اس زمین پر ہے' فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت اور بزرگی والی ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِيْن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۳۴۔۳۵)

"اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی انسان کیلئے دوام (ہمیشہ زندہ رہنا) نہیں بنایا' بھلا اگر تو مرجائے گا تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں برائی اور اچھائی سے آزماتے ہیں اور ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔"

اور فرمان ایزدی ہے: ﴿ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (التغابن ٦٤/ ٧)

"کافروں کا اعتقاد ہے کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے' آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں' میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے' پھر جو کچھ تم نے کیا ہے اس سے تمہیں آگاہ کیا جائے گا اور یہ اللہ کیلئے آسان ہے۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ (المطففین ٨٣/ ٤-٦)

"کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ ایک بڑے دن کیلئے اٹھائے جائیں گے' جس دن لوگ جہانوں کے پالنے والے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴾ (الشوریٰ ٤٢/ ٧)

"اور آپ اکٹھے ہونے کے دن سے' جس میں کوئی شک نہیں' خوف دلائیں (اس روز) ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ (الزلزال ٩٩/ ١-٨)

"جب زمین بھونچال سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا' اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس دن یہ زمین اپنی خبریں بتائے گی' کیونکہ تیرے رب نے اسے وحی کی ہے۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں میں نکلیں گے' تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ پس جس نے ایک ذرہ بھر نیکی کی ہو گی' وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ بھر برائی کی ہو گی' وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ﴾ (الأنعام ٦/ ١٥٨)

"(گویا) یہ لوگ اس کے سوا اور کسی بات کے منتظر نہیں ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں' تیرا رب آئے' یا تیرے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں۔ جس دن تیرے رب کی نشانیاں آئیں گی تو جو جان اس سے پہلے ایمان نہیں لائی یا اس نے اپنے ایمان میں اچھائی نہ کمائی تو (اس وقت) اسے

ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا بِـَٔايَـٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴾ (النمل ۲۷/ ۸۲)

"اور جب ان پر بات ثابت ہو جائے گی تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے' جو ان سے کلام کرے گا۔ بے شک لوگ ہماری آیتوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔"

مزید فرمایا: ﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَٱقْتَرَبَ ٱلْوَعْدُ ٱلْحَقُّ فَإِذَا هِىَ شَـٰخِصَةٌ أَبْصَـٰرُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ (الأنبياء ۲۱/ ۹۶-۹۷)

"یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچے ٹیلے سے تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ (قیامت کا) سچا وعدہ قریب ہو جائے گا تو اچانک کفر کرنے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔"

اور یہ فرمان بھی ہے: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ٱبْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوٓا ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًۢا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَـٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَـٰٓئِكَةً فِى ٱلْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ﴾ (الزخرف ۴۳/ ۵۷-۶۱)

"اور جب ابن مریمؑ کی مثال بیان کی گئی تو تیری قوم کے افراد اس سے لانے لگے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود بہتر ہیں یا یہ (عیسیٰؑ)؟ انہوں نے عیسیٰؑ کی مثال صرف جھگڑنے کیلئے دی' بلکہ یہ لوگ ہی جھگڑالو ہیں۔ وہ تو (ہمارا) ایسا بندہ تھا' جس پر ہم نے انعام کیا' بنی اسرائیل کیلئے اسے نمونہ بنایا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بناتے' جو زمین میں (تمہاری جگہ) رہتے۔ اور یہ قیامت کا علم ہے' پس اس میں شک نہ کرو۔"

اور ارشاد عالی سنئے: ﴿ وَنُفِخَ فِى ٱلصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا مَن شَآءَ ٱللَّهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَشْرَقَتِ ٱلْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ ٱلْكِتَـٰبُ وَجِا۟ىٓءَ بِٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيْنَهُم بِٱلْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۶۸-۷۰)

"اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے' مگر جسے اللہ چاہے گا (وہ اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً حوریں) پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی' کتاب رکھ دی جائے گی انبیاءؑ اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں

کیا جائے گا۔ ہر نفس کو اس کا کیا' پورا مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ خوب جانتا ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَـٰسِبِينَ ﴾ (الأنبياء ۲۱/ ٤٧)

"اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر رائی کے دانے کے قدر بھی (کسی کا عمل) ہو گا تو ہم اسے لائیں گے اور ہم حساب لینے کو کافی ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان احوال آخرت کی کیسی خوبصورت عکاسی کرتا ہے:

﴿ فَإِذَا نُفِخَ فِى ٱلصُّورِ نَفْخَةٌ وَٰحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ ٱلْأَرْضُ وَٱلْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَٰحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ ٱلْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَٱنشَقَّتِ ٱلسَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَٱلْمَلَكُ عَلَىٰٓ أَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَـٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَـٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَـٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّى ظَنَنتُ أَنِّى مُلَـٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِى جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔۢا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِى ٱلْأَيَّامِ ٱلْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَـٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ فَيَقُولُ يَـٰلَيْتَنِى لَمْ أُوتَ كِتَـٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَـٰلَيْتَهَا كَانَتِ ٱلْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنِّى مَالِيَهْ ۜ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّى سُلْطَـٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ ٱلْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِى سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَٱسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُۥ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلْمِسْكِينِ ﴾ (الحاقة ٦٩/ ١٣-٣٤)

"پس جب ایک بار صور پھونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ اٹھا کر دونوں توڑ دیئے جائیں گے۔ اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہو جائے گا' فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائیں گے۔ اس دن تم پیش کئے جاؤ گے' تمہاری کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔ پھر جسے دائیں ہاتھ میں نامہء اعمال دیا جائے گا' وہ کہے گا "آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو۔ میں گمان کرتا تھا کہ مجھے میرا حساب ضرور ملے گا۔" پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا' (یعنی) اونچی بہشت میں' اس کے پھل قریب ہوں گے۔ (ارشاد ہو گا) "مزے سے کھاؤ اور پیو کہ تم گذشتہ دنوں میں اچھے عمل آگے بھیج چکے ہو۔" لیکن جسے اس کا نامہء اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' وہ کہے گا "کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا! اے کاش! پہلی موت ہی فیصلہ کن ہو جاتی' میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ میرا رعب ودبدبہ بھی جاتا رہا۔" (حکم ہو گا) اسے پکڑو اور گلے میں طوق ڈال دو۔ پھر جہنم میں داخل کر دو۔ پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر یقین نہیں کرتا تھا اور

نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔"

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾ (مریم١٩/ ٦٨-٧٢)

"تیرے رب کی قسم! ہم انہیں اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے۔ پھر جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے' پھر ہر گروہ میں سے جو رحمان پر زیادہ سرکشی کرتے تھے' الگ کریں گے۔ ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں' جو اس میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں سے ہر ایک اس پر ضرور وارد ہو گا۔ یہ تیرے رب کی حتمی فیصلہ شدہ بات ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا کر چھوڑ دیں گے۔"

(۲) احادیث مبارکہ سے احوال قیامت کی ایک جھلک:

فرمان نبویؐ ہے: «لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ: يَالَيْتَنِي مَكَانَهُ»(صحيح بخاري، صحيح مسلم ومسند أحمد)

"اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک کہ کوئی مرد دوسرے مرد کی قبر کے پاس سے گزر کر یہ خواہش نہ کرے کہ اے کاش! میں اس کی جگہ ہوتا۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَكُوْنُ حَتَّى تَكُوْنَ عَشْرُ آيَاتٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَالدُّخَانُ، وَالدَّجَّالُ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ، وَيَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ، وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ تُرَحِّلُ النَّاسَ، وَنُزُوْلُ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ»(صحيح مسلم)

"دس نشانیوں (کے ظہور) سے پہلے قیامت بپا نہیں ہو گی۔ مشرق میں خسف (زمین میں دھنسنا) مغرب میں خسف اور جزیرۂ عرب میں بھی خسف' دھواں' دجال' دابۃ الارض' (زمین کا بہت بڑا جانور) یاجوج وماجوج' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' آگ جو قعر عدن سے نمودار ہو گی اور لوگوں کو چلائے گی اور عیسیٰ ابن مریمؑ کا آسمان سے اترنا۔"

نیز ارشاد فرمایا: «يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِيْ أُمَّتِيْ فَيَمْكُثُ أَرْبَعِيْنَ، فَيَبْعَثُ اللهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ، ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِيْنَ، لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مَنْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ،

حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِيْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهُ، فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِيْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ، لاَ يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَّلاَ يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا، فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ: أَلاَ تَسْتَجِيْبُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مَاذَا تَأْمُرُنَا؟ فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الأَوْثَانِ، وَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ، حَسَنٌ عَيْشُهُمْ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلاَ يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلاَّ أَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا، وَأَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ إِبِلِهِ، قَالَ: فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ، ثُمَّ يُنْزِلُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُّ فَتَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ أُخْرٰى، فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ، ثُمَّ يُقَالُ: أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ، ثُمَّ يُقَالُ: أَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ، فَيُقَالُ مِنْ كَمْ؟ فَيُقَالُ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ، فَذٰلِكَ يَوْمَ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا، وَذٰلِكَ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ»(صحيح مسلم)

"میری امت میں دجال آئے گا اور چالیس (برس) رہے گا۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجیں گے کہ گویا وہ شکل وصورت میں عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کرکے قتل کریں گے۔ پھر سات سال لوگ ایسے بسر کریں کہ دو آدمیوں میں بھی باہمی عداوت نہیں ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر کسی بھی ایسے شخص کو ختم کئے بغیر نہیں چھوڑے گی' جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو گا' حتیٰ کہ تم میں کوئی اگر پہاڑ کے جگر میں بھی داخل ہو جائے گا تو اسے بھی جالے گی۔ پھر انسانوں میں بدتر ہی باقی رہ جائیں گے جو پرندوں کی طرح بے عقل اور درندوں کی طرح پھاڑ کھانے والے ہوں گے' جنہیں نیکی اور بدی کی کوئی تمیز نہیں ہو گی۔ شیطان ان کے پاس آکر کہے گا "تم میری بات نہیں مانتے؟" وہ کہیں گے کیا حکم ہے؟ وہ انہیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا پھر ان کی روزی میں فراوانی ہو جائے گی اور زندگی بہتر ہو جائے گی۔ پھر صور پھونکا جائے گا (اس کی آواز) جو بھی سنے گا' اس کی گردن ڈھلک جائے گی اور سب سے پہلے اپنے اونٹوں کیلئے حوض درست کرنے والا وہ آواز سنے گا تو وہ بے ہوش ہو جائے گا اور (اس کے بعد) باقی سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش کی پھوار بھیجے گا جس سے انسانی جسم اگیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے' پھر کہا جائے گا "لوگو! اپنے رب کی طرف چلو اور انہیں ٹھہراؤ کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا" پھر آواز آئے گی "جہنم کی جماعت الگ کر دو۔" عرض کی جائے گی "کتنوں سے؟" ارشاد ہو گا "ہزار میں سے نو سو ننانویں۔" یہ وہ دن ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے

اور پنڈلی سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے۔"

نیز فرمایا: «لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلاَّ عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ»(صحیح مسلم)

"قیامت برے انسانوں پر ہی قائم ہو گی۔"

نیز ارشاد ہے: «مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُوْنَ، ثُمَّ يُنْزِلُ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، وَلَيْسَ مِنَ الإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلاَّ يَبْلٰى إِلاَّ عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحیح مسلم)

"دونوں صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارے گا اور لوگ سبزی کی طرح اگیں گے' انسان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی' صرف ریڑھ کی ہڈی کا منکا باقی رہے گا اور قیامت کے دن اس سے تخلیق ہو گی۔"

ایک خطبہ دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ إِلٰى رَبِّكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً، أَلاَ وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلْقِ يُكْسٰى، إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، أَلاَ وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ! أَصْحَابِيْ، فَيَقُوْلُ: إِنَّكَ لاَ تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"لوگو! تم اپنے رب کی طرف ننگے پاؤں' ننگے جسم اور بغیر ختنہ کے اٹھائے جاؤ گے۔ مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (جبکہ) میری امت کے کچھ مردوں کو لایا جائے گا اور انہیں بائیں راستہ کی طرف ڈال دیا جائے گا۔ میں کہوں گا "میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔" اللہ فرمائے گا "تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔"

اور مزید فرمایا: «لاَ تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ مَا عَمِلَ بِهِ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَا أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جَسَدِهِ فِيْمَا أَبْلاَهُ»(سنن الترمذي وقال: حسن صحيح)

"قیامت کے دن بندہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکے گا' جب تک چار چیزوں کا حساب نہ دے لے گا: زندگی کہاں ختم کی' علم پر کیسے عمل کیا' مال کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا اور اپنے جسم کو کہاں استعمال کیا؟"

نیز ارشاد نبویؐ ہے: «حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِيْحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لاَ يَظْمَأُ أَبَدًا»(صحيح بخاري، صحيح مسلم، سنن الترمذي وسنن ابن ماجة)

"میرے حوض کی مسافت ایک ماہ کا سفر ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی مہک کستوری سے زیادہ ہو گی' اس کے آب خورے آسمان کے ستاروں کی طرح ہوں گے' جو ایک بار اس سے پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہیں ہو گا۔"

جہنم کے تذکرہ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیوں روتی ہو؟" عرض کی "جہنم کے تذکرہ سے رونا آگیا۔ کیا آپ قیامت کے دن اپنے اہل کو یاد رکھیں گے؟"

فرمایا: «أَمَّا فِي ثَلاثَةِ مَوَاطِنَ فَلاَ يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا: عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيزَانُهُ أَمْ يَثْقُلُ؟ وَعِنْدَ تَطَايُرِ الصُّحُفِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ فِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ، أَمْ وَرَاءَ ظَهْرِهِ؟ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ حَتَّى يَجُوزَ»(سنن أبي داود ـ وإسناده حسن)

"تین جگہ کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا۔ ترازو لگتے وقت حتیٰ کہ جان لے' آیا ترازو میں اعمال بھاری ہیں یا ہلکے اور نامۂ اعمال کی تقسیم کے وقت کہ وہ دائیں ہاتھ میں آتے ہیں یا بائیں میں یا پیٹھ کے پیچھے سے؟ اور پل صراط پر سے گزرتے وقت یہاں تک کہ اسے پار کر لے۔"

اسی طرح ارشاد فرمایا: «لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَاهَا لأُمَّتِهِ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم)

"ہر نبیؑ نے اپنی امت کیلئے (دنیا میں) دعا کر لی ہے اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی سفارش کیلئے بچا رکھی ہے۔"

اور فرمایا: «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ، وَلاَ فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ، وَلاَ فَخْرَ، وَلِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ فَخْرَ»(تقدم تخريجه)

"میں اولاد آدم کا سردار ہوں' اس میں کوئی فخر نہیں ہے' قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ پر سے زمین پھٹے گی' اس میں کوئی فخر نہیں ہے۔ اور سب سے پہلے میں سفارش کروں گا' سب سے پہلے میری سفارش قبول ہو گی' اس میں کوئی فخر نہیں ہے' حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ ہو گا اور اس میں کوئی فخر نہیں ہے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ سَأَلَ الْجَنَّةَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ الْجَنَّةُ: اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، قَالَتِ النَّارُ: اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ»

(سنن ترمذي، سنن ابن ماجة، سنن نسائي وصححه ابن حبان والحاكم)

"جو شخص تین بار جنت کا سوال کرے' جنت کہتی ہے "اے اللہ! اسے جنت میں داخل کر" اور جو

جہنم سے تین بار پناہ مانگے' جہنم کہتی ہے "اے اللہ! اسے جہنم سے بچا۔"

(۳) لاکھوں انبیاءؑ ومرسلینؑ' حکماء وعلماء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا آخرت پر پختہ ایمان اور جو کچھ اس کے بارے میں وارد ومذکور ہے' اس پر مضبوط اعتقاد ویقین آخرت پر ایمان پر دلالت کرتا ہے۔

عقلی دلائل:

(ا) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ مخلوق کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے' کیونکہ اس کیلئے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوبارہ اسی حالت میں لوٹانا مشکل نہیں ہے۔

(۲) پھر مرنے کے بعد اٹھایا جانا اور جزا وسزا کا عمل کسی بھی عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ عقل محال اور ناممکن چیزوں کی تو نفی کرتی ہے' جیسا کہ دو ضدوں کا اجتماع اور دو مخالف چیزوں کا ایک ہی وقت میں اکٹھے ہو جانا جبکہ بعث وجزا اس قبیل سے نہیں ہیں۔

(۳) مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی حکمت جو زندگی کے ہر میدان میں نمایاں اور واضح ہے' اس بات کو محال قرار دیتی ہے کہ موت کے بعد مخلوق زندہ نہ ہو اور انسانی زندگی بغیر کسی نتیجہ اور جزا وسزا کے یونہی ختم ہو جائے۔

(۴) دنیا کی نعمتیں اور شقاوتیں ایک اور زندگی کا پتہ دیتی ہیں جس میں عدل' خیر اور کمال کا دور دورہ ہو گا بے گناہوں کی مظلومیت اور ان کی انصاف سے محرومیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ کوئی ایسا دن اور عدالت ہو جہاں ہر ظالم کیفر کردار کو پہنچے سو وہ اللہ کی عدالت ہے جو میدان محشر میں لگے گی۔

گیارہویں فصل

قبر کی جزاء وسزا پر ایمان

قبر کی آسائشیں اور عذاب برحق ہے' فرشتوں کے سوالات حق ہیں اور یہ سب کچھ سچ ہے کیونکہ عقلی ونقلی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں۔

کتاب وسنت سے دلائل:

(ا) اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان عالی میں اس کی اطلاع یوں دی ہے: ﴿ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَـٰرَهُمْ وَذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّـٰمٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (الأنفال۸/ ۵۰۔۵۱)

"اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں۔ ان کے چہرے اور سرینوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ اب عذاب آتش (کا مزہ) چکھو' یہ اس

(بدکرداری) کی وجہ سے ہے جسے تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"

اور ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلظَّـٰلِمُونَ فِى غَمَرَٰتِ ٱلْمَوْتِ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا۟ أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوٓا۟ أَنفُسَكُمُ ۖ ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ ٱلْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ ءَايَـٰتِهِۦ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَٰدَىٰ كَمَا خَلَقْنَـٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَـٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَـٰٓؤُا۟ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴾ (الأنعام٦/ ٩٣-٩٤)

"اے کاش! کہ تم اس وقت (کی کیفیت) کو دیکھو جب "ظالم" موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو! آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا' اس لئے کہ تم اللہ پر غلط باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے خود کو بڑا جانتے تھے' (آج) تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو' جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور جن نعمتوں میں ہم نے تمہیں خوش حالی دی' وہ سب پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھ رہے' جنہیں تم اپنے شفیع اور ہمارے شریک گردانتے تھے' تمہارے اور ان کے مابین تعلق ٹوٹ چکا ہے اور جو تم سمجھتے تھے وہ سب تم سے گم ہو گیا ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴾ (التوبة٩/ ١٠١)

"ہم ان کو دو بار سزا دیں گے' پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔"

مزید ارشاد عالی ہے: ﴿ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ ﴾ (غافر٤٠/ ٤٦)

"وہ صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور قیامت کے دن (کہا جائے گا) قوم فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔"

اور مزید فرمایا: ﴿ يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱلْقَوْلِ ٱلثَّابِتِ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْـَٔاخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ ٱللَّهُ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ ﴾ (إبراهيم١٤/ ٢٧)

"دنیا و آخرت کی زندگی میں اللہ ایمان والوں کو درست بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ میں احوال برزخ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ ـ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ـ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ

ﷺ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْكَافِرُ فَيَقُوْلاَنِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لاَ، أَدْرِيْ، كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ لَهُ: لاَ دَرَيْتَ وَلاَ تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهُ مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ»(متفق علیه)

"بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس مڑجاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو (ساتھ ہی) اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔ اسے بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں "اس مرد (محمد ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟" مومن کہے گا "میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔" اس کو کہا جائے گا "جہنم میں تو اپنی جگہ دیکھ لے' اس کے بدلہ میں تجھے اللہ نے بہشت میں جگہ دی ہے۔" وہ دونوں جگہوں کو دیکھے گا' مگر منافق یا کافر کو (جب) کہیں گے کہ "اس مرد کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟" تو وہ کہے گا "میں نہیں جانتا۔ جو لوگ کہتے تھے میں بھی کہہ دیتا تھا۔" جواب ملے گا "تو نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ پڑھا۔" پھر لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا وہ چیخے گا اور جن وانس کے علاوہ اردگرد کی باقی سب چیزیں اسے سنیں گی۔"

ایک اور فرمان نبویؐ ہے: «إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري)

"جب ایک انسان مرجاتا ہے تو صبح وشام اس کی جگہ (ہمیشہ کا ٹھکانہ) اس پر پیش کی جاتی ہے' اگر جہنمی ہے تو جہنم اور کہا جاتا ہے قیامت کے دن جی اٹھنے تک تیری یہی جگہ ہے۔"

اسی طرح ایک دعا میں آپؐ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»(صحيح بخاری)

"اے اللہ! میں عذاب قبر' عذاب جہنم' زندگی وموت کی آزمائشوں اور مسیح الدجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

«إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ، ثُمَّ قَالَ: بَلٰى، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيْمَةِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ»(صحيح بخاري)

''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے جرم میں نہیں' ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔''

(۳) کروڑوں علماء' صالحین' امت محمدیہؐ اور دیگر مذاہب کے افراد قبر کی نعمتوں اور عذاب کا یقین رکھتے ہیں۔

عقلی دلائل:

(ا) جو بندہ اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور یوم آخرت کا یقین کرتا ہے' وہ عذاب قبر اور نعمت قبر کا ضرور یقین کرے گا کہ یہ سب امور غیب سے متعلق ہیں اور اس کے بعض کے تسلیم کرنے سے عقل دوسری چیزوں کے تسلیم کرنے کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

(۲) پھر قبر کے عذاب و نعمت اور دو فرشتوں کے سوال کو عقل بالکل رد نہیں کرتی اور نہ ہی اسے محال گردانتی ہے' بلکہ عقل سلیم اس پر شاہد اور اس کا اثبات کرتی ہے۔

(۳) سویا ہوا انسان خواب دیکھتا ہے اور نیند میں خوش کن باتوں سے لذت حاصل کرتا ہے' بیدار ہو جائے تو ان لمحات کے فقدان پر متاسف اور غمگین بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح خواب میں بری باتیں اسے افسردہ کرتی ہیں اگر اس حالت میں بیدار ہو جائے یا کوئی دوسرا اسے بیدار کر دے تو خوشی کی لہر دوڑ آتی ہے اور نیند میں روح متاثر ہوتی ہے اور اسے تکلیف یا خوشی کا احساس ہوتا ہے' مگر قریب دیکھنے والے دوسرے اس کا ادراک یا احساس نہیں کرپاتے' اسی طرح برزخی تکلیف یا خوشی بھی اسی انداز کی ہے تو پھر اس کا انکار بھی قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔

بارہویں فصل

تقدیر پر ایمان

اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر اور حکمت و مشیت پر ہر مسلمان کا یقین کامل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم و اندازے کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی' حتیٰ کہ بندے کے اختیاری افعال بھی اس کی مشیت اور حکمت و تقدیر کے تابع ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ کسی بھی کام سے رکنے اور کرنے کی طاقت اسی کی طرف سے ارزاں ہوتی ہے درج ذیل عقلی اور نقلی دلائل سے یہ عقیدہ ثابت شدہ ہے:

تقدیر کے اثبات میں کتاب و سنت سے دلائل:

(ا) اللہ رب العزت نے اس بارے میں فرمایا:

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر ٥٤/ ٤٩)

"ہم نے ہر چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهُۥ وَمَا نُنَزِّلُهُۥٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴾ (الحجر ٢١)

"ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو معلوم اندازے کے مطابق اتارتے ہیں۔"

اور فرمان ربانی ہے: ﴿ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحديد ٥٧/ ٢٢)

"زمین پر تمہاری جانوں میں جو مصیبت آتی ہے' وہ قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں' کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے اور یہ (بات) اللہ کے لئے آسان ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١١)

"جو مصیبت بھی آتی ہے' وہ اللہ کے حکم ہی سے آتی ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا: ﴿ وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِي عُنُقِهِۦ ﴾ (بنی إسرائيل ١٧/ ١٣)

"اور ہم نے ہر انسان کے (اچھے برے) اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیئے ہیں۔"

اور ارشاد گرامی: ﴿ قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴾ (التوبة ٩/ ٥١)

"کہہ دے کہ ہمیں وہی تکلیف پہنچے گی' جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر ہی ایمان والوں کا بھروسہ ہونا چاہئے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ ۞ وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَٰتِ ٱلْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴾ (الأنعام ٦/ ٥٩)

"اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں' انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے' وہ ہر گرنے والے پتے کو بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں (کوئی) دانہ اور تازہ و خشک چیز گرتی ہے تو وہ بھی "کتاب مبین" میں (لکھی ہوئی) ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾ (التكوير ٨١/ ٢٩)

"اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ جہانوں کا پالنے والا چاہے۔"

نیز فرمان ایزدی ہے: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا ٱلْحُسْنَىٰٓ أُو۟لَٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴾ (الأنبياء ٢١/ ١٠١)

"جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھائی کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے' وہ اس (دوزخ) سے دور کر دیئے گئے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ ٱللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللَّهِ ﴾ (الکهف۱۸/ ۳۹)

"اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ چاہے۔ (وہی ملتا ہے) اللہ کے بغیر (کسی کے پاس) طاقت نہیں ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ ﴾ (الأعراف۷/ ۴۳)

"اور اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔"

(۳) تقدیر الٰہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل بیان انتہائی واضح ہے:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٍّ أَوْ سَعِيدٍ، فَوَالَّذِيْ لاَ إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"انسان چالیس دن ماں کے رحم میں نطفہ (کی صورت میں) پڑا رہتا ہے' پھر اتنی ہی مدت جما ہوا خون اور پھر اتنی ہی مدت گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے' اس کے بعد اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے' جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کے بارے چار باتوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے' روزی' زندگی' عمل اور یہ کہ بدبخت ہے یا سعادت مند۔ پس اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود (برحق) نہیں' تم میں سے ایک انسان جنتیوں والے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ فاصلہ باقی رہ جاتا ہے' پھر لکھائی اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے کام شروع کر دیتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان برے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جہنم اور اس کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر لکھائی اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام شروع کر دیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا "میں تجھے کچھ باتیں سکھا دیتا ہوں:

«إِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، إِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ،

وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الأَقْلاَمُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»(سنن ترمذي وصححه)

"اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت کر' اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ (کے دین) کی حفاظت کر' تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب سوال کرے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے طلب کر اور یہ جان لے کہ سب لوگ جمع ہو کر اگر تجھے نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے' مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب جمع ہو کر تیرا نقصان کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے' مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور کتابیں خشک ہو گئی ہیں۔"

نیز آپؐ نے فرمایا: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ تَعَالَى الْقَلَمُ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، فَقَالَ: رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: أُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَقُوْمَ السَّاعَةُ»

(مسند أحمد وسنن ترمذي)

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا' لکھ۔ قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا' قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ۔"

نیز فرمان نبویؐ ہے: «اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسٰى، قَالَ مُوْسٰى: يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُوْنَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوْسٰى، اِصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلاَمِهِ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ، تَلُوْمُنِيْ عَلٰى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِأَرْبَعِيْنَ عَامًا، فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰى»(صحيح مسلم)

"آدم و موسیٰ علیہما السلام کے مابین گفتگو ہوئی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا "اے آدم! آپ (علیہ السلام) ہمارے باپ ہیں' آپ نے ہمیں ناکام کر دیا اور بہشت سے نکال دیا؟ آدم علیہ السلام نے فرمایا تو موسیٰ (علیہ السلام) ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے لئے تجھے چنا اور تورات اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی' تو مجھے ایک ایسی بات پر ملامت کرتا ہے' جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقدر کر دی تھی۔ چنانچہ (اس بات میں) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

نیز ایمان کی تفصیل میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ»(صحيح مسلم)

"کہ تو اللہ' فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' آخرت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر

ایمان لائے۔"

نیز آپؐ کا ارشاد ہے: «اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»(صحیح مسلم)

"عمل کرو۔ ہر ایک کو اسی چیز کی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: «إِنَّ النَّذْرَ لاَ يَرُدُّ قَضَاءً»(الجماعة)

"نذر (اللہ تعالیٰ) کے فیصلے کو نہیں بدلتی۔"

عبداللہ بن قیسؓ کو رسول اللہؐ نے فرمایا:

«أَلاَ أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ: لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کیا میں تجھے ایک ایسا جملہ نہ سکھاؤں جو بہشت کے خزانوں میں سے ہے۔ (اور وہ) "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" ہے۔ یعنی (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملتی ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تعلیم دی کہ یوں نہ کہو "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور تو چاہے" بلکہ کہو "جو صرف اللہ وحدہ لاشریک چاہے۔" (ابن مردویۃ)

(۳) امت محمد (ﷺ) میں لاکھوں علماء، حکماء اور صالحین وغیرہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر کے قائل ہیں، اس کی حکمت و مشیت پر یقین کامل رکھتے ہیں اور یہ کہ ہر چیز کے بارے میں اسے علم حاصل ہے اور ہر چیز پر اس کی تقدیر جاری ہے۔ اس کی سلطنت میں وہی ہو سکتا ہے، جو وہ ارادہ کرے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا اور قلم نے قیامت تک کی ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے۔

عقلی دلائل:

(۱) قضاء و قدر، مشیت و حکمت اور ارادہ و تدبیر میں سے عقل کسی کا انکار نہیں کرتی، بلکہ عقل سے ان کا اثبات ہوتا ہے اور ہم اس کائنات میں اس کے واضح مظاہر دیکھتے رہتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت ہائے کاملہ کا یقین، اس کے قضا و قدر اور حکمت و مشیت کا متقاضی اور اس کو مستلزم ہے۔

(۳) ایک انجینئر چھوٹے سے کاغذ پر ایک محل کا نقشہ بنا کر اس کی تعمیر کا وقت متعین کرتا ہے اور اس پر کام شروع کر دیتا ہے۔ متعینہ مدت میں ہی وہ محل بغیر کمی و بیشی کے صفحۂ ہستی پر نمودار ہو چکا ہوتا ہے۔

تو پھر یہ کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے "جہان" کی قیامت تک کے لئے تقدیر (پہلے سے) لکھ دی ہے اور اس کی کمال قدرت و علم کامل سے اس کی تقدیر کے مطابق یہ عالم چل رہا ہے، مقدار،

کیفیت اور زمان و مکان میں کوئی معمولی بھی فرق نہیں آ سکتا' اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تیرہویں فصل

توحید' عبادت ہے

ہر مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ اولین و آخرین کا معبود اور کل کائنات کا مربی' ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کے سوا کوئی رب نہیں' عبادت کا ہر انداز اللہ جل شانہ' کے لئے مختص ہے' جو اس نے بندوں کے لئے شریعت قرار دیا ہے۔ عبادت کا کوئی بھی طریق اللہ کے سوا کسی کے لئے روا نہیں ہے۔ سوال اسی سے کیا جائے گا۔ مدد اسی سے مانگی جائے گی۔ نذرونیاز' خوف و رجا' انابت و محبت' تعظیم و توکل اور اسی طرح جملہ باطنی اعمال اسی کے لئے ہیں اور ظاہری اعمال نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور جہاد بھی سب اسی کے لئے خاص ہیں۔ نقلی و عقلی دلائل اس عقیدہ کی بنیاد ہیں۔

کتاب و سنت سے دلائل:

(ا) اللہ جل مجدہ نے اس کا حکم دیا ہے:

﴿ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِي ﴾ (طه ۲۰/ ۱٤)

"میرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ ﴾ (البقرة ۲/ ٤٠)

"اور مجھ سے ہی ڈرو۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعۡبُدُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ وَٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ۝ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فِرَٰشٗا وَٱلسَّمَآءَ بِنَآءٗ وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ فَأَخۡرَجَ بِهِۦ مِنَ ٱلثَّمَرَٰتِ رِزۡقٗا لَّكُمۡۖ فَلَا تَجۡعَلُواْ لِلَّهِ أَندَادٗا وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴾ (البقرة ۲/ ۲۱۔۲۲)

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو' جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا' تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اتارا' پس اس کے ذریعے تمہارے لئے پھلوں سے روزی نکالی۔ لہٰذا جانتے بوجھتے اللہ کے شریک نہ بناؤ۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَٱعۡلَمۡ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (محمد ٤٧/ ۱۹)

"یقین کیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

نیز فرمان ایزدی ہے: ﴿ فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ﴾ (فصلت ٤١/ ۳٦)

"پس اللہ کی پناہ طلب کر۔ یقیناً وہی سننے والا' جاننے والا ہے۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٣)

"اور اللہ ہی پر چاہیے کہ مومن بھروسا کریں۔"

(۲) اللہ رب العزت نے یہ خبریں بھی مرحمت فرمائی ہیں:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوتَ ﴾ (النحل ٣٦)

"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔"

نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٥٦)

"اور جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا یقیناً اس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا ہے' جو ٹوٹنے والا نہیں۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴾ (الأنبياء ٢١/ ٢٥)

"اور ہم نے آپؐ سے پہلے جو رسول بھیجے' ان کی طرف یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں' پس میری عبادت کرو۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ تَأْمُرُوٓنِّىٓ أَعْبُدُ أَيُّهَا ٱلْجَٰهِلُونَ ﴾ (الزمر ٣٩/ ٦٤)

"کہہ دو اے جاہلو! کیا تم مجھے یہی حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں۔"

اور ارشاد گرامی ہے: ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ (الفاتحة ١/ ٥)

"ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يُنَزِّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ بِٱلرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِۦ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦٓ أَنْ أَنذِرُوٓا۟ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱتَّقُونِ ﴾ (النحل ١٦/ ٢)

"وہ اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے' فرشتوں کو اپنے حکم سے وحی دے کر بھیجتا ہے کہ تم (ان کو) ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تو تم مجھ ہی سے ڈرو"

(۳) رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے یہ حکم دیا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ أَنْ يُّوَحِّدُوْا اللهَ تَعَالَى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ان کو تیری اول ترین دعوت' اللہ کی وحدانیت کی ہونی چاہیے۔"

نیز فرمایا: «يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ: اَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلاَ يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا»(متفق عليه)

"اے معاذ رضی اللہ عنہ ! تم جانتے ہو کہ اللہ کے بندوں پر کیا حقوق ہیں؟ کہا' اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "(یہ ہیں) کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔"

جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آپؐ نے حکم دیا:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»(سنن ترمذي)

"جب سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مانگ"

کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جیسے "آپؐ چاہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ چاہے" آپؐ نے فرمایا "صرف یہ کہو کہ جو اکیلا اللہ تعالیٰ چاہے۔" (تفسیر ابن کثیر/ البقرۃ / ۲۲)

اور فرمایا: «أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ، قَالُوْا: وَمَا الشِّرْكُ الأَصْغَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ، يَقُوْلُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جَازَى النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ: اِذْهَبُوْا إِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ مِنْ جَزَاءٍ؟»(مسند أحمد وهو حسن)

"مجھے تم پر سب سے زیادہ خطرہ چھوٹے شرک کا ہے۔ عرض کی گئی "اے اللہ کے رسولؐ ! چھوٹا شرک کیا ہے؟ فرمایا دکھلاوا! اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا تو فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم یہ عمل کرتے تھے۔ پھر دیکھو کیا ان کے پاس کوئی جزا ہے؟"

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ (التوبۃ۹/ ۳۱)

"انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے۔"

تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔" آپؐ نے فرمایا "کیا جب وہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی کوئی حرام کردہ چیز کو حلال اور حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو تم ان کی بات مان نہیں لیتے تھے؟" عدی نے کہا "ہاں!" آپ نے فرمایا "یہی تو ان کی عبادت ہے۔" (ترمذی)

نیز آپؐ نے فرمایا: «إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ، وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللهِ»(الطبرانی بسند حسن)

"مجھ سے مدد نہ مانگی جائے' (بلکہ) اللہ سے مدد طلب کی جائے۔"

یہ آپ نے اس وقت فرمایا' جب ایک صحابی نے کہا "ہم اس ایذا دینے والے منافق سے تحفظ کے لئے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد طلب کریں۔"

نیز آپ کا ارشاد ہے: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»(سنن ترمذي وحسنه)

"جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی' اس نے شرک کیا۔"

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے: «إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ»(مسند أحمد وسنن أبي داود)

"جھاڑ پھونک' تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے سب شرک ہیں۔"

عقلی دلائل:

(۱) خالق رازق' کائنات میں تصرف کرنے والا اور مدبر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بنابریں عبادت کا مستحق بھی وہی ایک ہے' اس کا کوئی بھی کسی بات میں شریک و ساجھی نہیں ہے۔

(۲) کل کائنات کو وہی پال رہا ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ پھر کون معبود ہو سکتا ہے' جس کی اس کے ساتھ عبادت کی جائے؟

(۳) جس کو بھی پکارا جائے' اس سے مدد طلب کی جائے' یا اس سے لوگ حفظ و پناہ طلب کریں' وہ اس کا مالک ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس کو پکارنا' اس سے مدد طلب کرنا' اس کے لئے نذر و نیاز دینا اور اس پر بھروسہ اور توکل کرنا باطل ہے۔

چودھویں فصل

وسیلہ کا بیان

ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال اور اچھے افعال سے راضی ہوتا ہے اور اپنے بندوں میں سے نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔ بندگان خدا کو حکم ہے کہ اس کا تقرب حاصل کریں' اور اسے اپنا محبوب گردانیں' اچھے انسان اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے اچھے عمل اور قول کو وسیلہ بناتے ہیں اور اسی طرح رب تعالیٰ کے اسماء و صفات عالیہ' اس کے ساتھ ایمان' اس کے رسول پر ایمان اور اس کے رسولؐ کی محبت' نیکوکار اور عام مومنین کے ساتھ محبت بھی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ جیسا کہ فرائض مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور دیگر نوافل کے ساتھ بھی اس کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔

کسی کی جاہ اور دوسرے بندوں کے عمل کو سوال کا واسطہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ یہ انسان کی اپنی کمائی نہیں ہے کہ اللہ سے اس کا واسطہ دے کر سوال کرے' یا اسے وسیلہ کے طور پر پیش کر سکے۔ بندوں کے لئے اللہ کی شریعت یہ ہے کہ بندے اپنے اعمال و ایمان کا واسطہ دیں۔ کسی دوسرے کے اعمال کو اس میں ذریعہ نہ بنائیں نقلی و عقلی دلائل پر اس عقیدہ و نظریہ کی بنیاد ہے۔

کتاب و سنت سے دلائل:

(ا) اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ ﴾ (فاطر ۳۵/ ۱۰)

"پاک کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل بھی جسے وہ بلند کر دیتا ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵۱)

"اے رسولو! پاک و حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَأَدْخَلْنَٰهُ فِى رَحْمَتِنَآ إِنَّهُۥ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴾ (الأنبياء ۲۱/ ۷۵)

"اور اسے ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے۔ یقیناً وہ صالحین میں سے ہے۔"

اور فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ ﴾ (المائدة ۵/ ۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ ﴾ (بني إسرائيل ۱۷/ ۵۷)

"جن کو یہ پکارتے ہیں' وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کونسا اللہ تعالیٰ کا قریب ترین ہے۔"

ایک جگہ فرمایا: ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾ (آل عمران ۳/ ۳۱)

"کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو' وہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ رَبَّنَآ ءَامَنَّا بِمَآ أَنزَلْتَ وَٱتَّبَعْنَا ٱلرَّسُولَ فَٱكْتُبْنَا مَعَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴾ (آل عمران ۳/ ۵۳)

"اے ہمارے پالنے والے! تو نے جو اتارا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی اطاعت کی' پس ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِى لِلْإِيمَٰنِ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِرَبِّكُمْ فَـَٔامَنَّا ۚ رَبَّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلْأَبْرَارِ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کرنے والا سنا' جو ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ "اپنے رب پر ایمان لاؤ" سو ہم ایمان لائے۔ "اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہماری برائیاں مٹا دے اور ہمیں نیک لوگوں میں موت عطا فرما۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَٰٓئِهِۦ ۚ

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأعراف٧/ ١٨٠)

"اور اللہ ہی کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ پس ان کے ساتھ اس کو پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں' یہ لوگ اپنے کئے کی عنقریب سزا پائیں گے۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَٱسْجُدْ وَٱقْتَرِب ۩﴾ (العلق٩٦/ ١٩)

"اور سجدہ کر کے (اللہ تعالیٰ کا) قرب حاصل کر۔"

(۴) رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ فَلاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا»(صحيح مسلم، سنن ترمذي ومسند أحمد)

"بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔"

اور فرمایا: «تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ»(سنن ترمذي وصححه)

"آسانی میں اللہ کی معرفت حاصل کر' وہ شدت میں تمہیں جانے گا۔"

حدیث قدسی میں ہے کہ:

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَلاَ يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّي أُحِبَّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے' ان میں کوئی عبادت مجھے اس عبادت سے زیادہ عزیز نہیں ہے' جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نفلی عبادت کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔"

نیز ارشاد ہے: «وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً»(صحيح بخاري ومسلم)

"اگر بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں' اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو تو میں دونوں بازوؤں کے بقدر اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہوں۔"

غار والوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان' جس کا معنی یہ ہے:

"تین ساتھی غار میں تھے' غار کا منہ چٹان سے بند ہو گیا۔ ایک نے اپنے والدین کی فرماں برداری کو وسیلہ بنایا۔ دوسرے نے حرام چیز ترک کرنے کو واسطہ بنایا اور تیسرے نے حقدار کو اضافے سمیت اس کے حق کی ادائیگی کو ذریعہ بنایا' اس سے قبل انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا' اپنے اپنے اعمال دیکھو' جو تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کئے ہوں اور ان کے واسطے سے دعا کرو' اللہ رب العزت اس مشکل سے

نجات دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی اور مذکورہ اعمال کو وسیلہ بنایا' چٹان بتدریج ان کے غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ صحیح سلامت باہر آ گئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نیز آپ کا فرمان ہے: «أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّـهِ وَهُوَ سَاجِدٌ»(صحيح مسلم)

"بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔"

ایک بابرکت دعا میں آپ کا ارشاد عالی ہے:

«أَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ، وَنُوْرَ صَدْرِيْ، وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ»(مسند أحمد وسنده حسن)

"اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں' جس کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا' مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا تو نے اسے علم غیب میں محفوظ کیا ہے کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینہ کی روشنی' میرے غم کو دور کرنے والا اور کرب و بے چینی ہٹانے والا بنا دے۔"

نیز فرمایا: «لَقَدْ سَأَلَ هٰذَا بِاسْمِ اللهِ الأَعْظَمِ، مَا سُئِلَ بِهِ إِلاَّ أَعْطٰى، وَمَا دُعِيَ بِهِ إِلاَّ أَجَابَ»(سنن ترمذي)

اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ایسے "اسم اعظم" کے واسطے سے سوال کیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ ضرور دیتا ہے اور پکارا جائے تو ضرور قبول فرماتا ہے۔"

(۳) قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے "توسل" کا ذکر موجود ہے۔ غور فرمائیے ان کا "توسل" اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء و صفات اور ایمان و عمل کے ساتھ تھا' اس کے علاوہ انہوں نے کسی کو واسطہ نہیں بنایا۔

یوسف علیہ السلام اپنے "توسل" میں فرماتے ہیں:

﴿ رَبِّ قَدْ ءَاتَيْتَنِى مِنَ ٱلْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِى مِن تَأْوِيلِ ٱلْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ أَنتَ وَلِىِّۦ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِى مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِى بِٱلصَّٰلِحِينَ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۱۰۱)

"اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی ہے اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے' اسلام کی حالت میں مجھے وفات دے اور صالحین کے ساتھ شامل فرما۔"

یونس علیہ السلام (مچھلی والے نبی) نے یوں دعا کی:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبۡحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

"تیرے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں' تو پاک ہے' یقیناً میں ہی قصور واروں میں سے ہوں۔"

اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی:

﴿ رَبِّ إِنِّي ظَلَمۡتُ نَفۡسِي فَٱغۡفِرۡ لِي فَغَفَرَ لَهُۥٓ ﴾ (القصص٢٨/ ١٦)

"اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' تو مجھے بخش دے" تو اللہ نے اسے بخش دیا۔"

اور یہ دعا بھی کی: ﴿ إِنِّي عُذۡتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم ﴾ (غافر ٤٠/ ٢٧)

"بے شک میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں۔"

ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے یوں عرض کی:

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ﴾ (البقرة٢/ ١٢٧)

"اے ہمارے پالنے والے! ہماری طرف سے قبول فرما۔ بے شک تو ہی سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

اور آدم و حوا علیہما السلام نے عرض کی:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴾ (الأعراف٧/ ٢٣)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

عقلی دلائل:

(۱) رب تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز' جبکہ بندہ محتاج ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ محتاج بندہ' کامیابی حاصل کرنے اور خطرناکیوں سے بچنے کے لئے سبب و ذریعہ تلاش کرے۔

(۲) بندہ افعال واقوال میں اللہ رب العزت کی پسند وناپسند سے واقف نہیں' یہی بات اس چیز کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واضح اقوال حسنہ واعمال صالحہ' جن کے کرنے اور برے اقوال وافعال جن سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے' کے ذریعے وسیلہ پکڑا جائے۔

(۳) کسی مرتبے والے انسان کا مرتبہ و مقام صاحب دعا کی محنت اور ہاتھوں کی کمائی سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس کی بات کی متقاضی ہے کہ دعا میں اللہ کی طرف اس کا وسیلہ نہ پکڑا جائے۔ اس لئے کہ کسی کا مرتبہ جیسا اور جتنا بڑا بھی کیوں نہ ہو' وہ اللہ کے حضور کسی دوسرے شخص کی قربت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چہ جائیکہ اس کے مرتبہ ومقام کے ذریعے بغیر مرتبہ والا اللہ کا قرب اور وسیلہ حاصل کرے۔ ہاں اگر ایک انسان کسی دوسرے انسان کے (مثلاً علمی) مرتبہ و مقام کا موجد ہے اور اپنی محنت و کاوش سے اس

کا عامل و فاعل ہے تو پھر اس کے مرتبہ کو اپنی دعاء میں واسطہ بنا سکتا ہے اس لئے کہ یہ اس کا اپنا کسب و عمل ہے بشرطیکہ اس نے رضاء الٰہی کے لیے یہ عمل کیا ہو (اسے پڑھایا ہو)

پندرہویں فصل

بندگان خدا کی کرامات اور پیروان شیطان کی گمراہیاں

* - اولیاء اللہ:

بندوں میں اللہ تعالیٰ کے ولی بھی ہیں' جنہیں اللہ نے اپنی عبادت کے لئے چن لیا ہے۔ ان سے وہ اپنی اطاعت کے کام کراتا ہے اور وہ انہیں شرف' محبت اور کرامت سے نوازتا ہے' اللہ ان کا دوست ہے' ان سے محبت کرتا ہے اور انہیں اپنے قریب کرتا ہے اور یہ لوگ اللہ کے ولی ہیں' اس سے محبت کرتے ہیں' اس کی تعظیم بجالاتے ہیں' اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کا پرچار کرتے ہیں۔ اس کی منع کئے ہوئے کاموں سے خود بھی اجتناب کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اللہ کی پسند ان کی پسند ہے اور اس کا بغض ان کا بغض ہے۔ جب وہ اللہ سے مانگتے ہیں' وہ انہیں دیتا ہے' جب مدد طلب کرتے ہیں' وہ مدد کرتا ہے' جب وہ اس کی پناہ کے طلب گار ہوتے ہیں تو وہ ان کو پناہ دیتا ہے۔ وہی ایمان و تقویٰ کے حامل ہیں' دنیاوی و اخروی کرامت و خوشخبری انہیں کے لئے ہے۔ ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے اور ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر ان کے درجات مختلف ہیں۔ جسے ایمان و تقویٰ میں وافر حصہ ملا' اللہ کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہے اور اس کی کرامت و عزت بہت زیادہ ہے۔ سب سے بڑے اولیاء' اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور ان کے بعد ایمان والے۔ ان کے ہاتھوں' اللہ تعالیٰ نے جو کرامات ظاہر کی ہیں' جیسے تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا' تکالیف اور بیماریوں کو دور کرنا' سمندروں میں سے گزر جانا اور جلتی آگ میں کود کر بھی نہ جلنا وغیرہ' یہ سب معجزات کی ہی قبیل سے ہیں تاہم معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ میں ایک قسم کا چیلنج ہوتا ہے جو کرامت میں نہیں ہوتا۔[1]

---

(1) تحدی (یعنی چیلنج) میں رسول اپنے مخاطبین کو فرماتا ہے کہ میں اگر اللہ کے حکم سے یہ کام کر دوں تو تم تصدیق کرو گے؟ اگر پھر بھی تسلیم نہ کیا تو اللہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔

اور سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انسان اطاعت خداوندی کی پابندی کرے' شرعی احکام کا عامل رہے اور محرمات و منہیات سے اجتناب کرے۔

اولیاء کی کرامات کے دلائل:

(ا) اللہ جل مجدہ نے اپنے ولیوں کے اعزازات کے بارے میں فرمایا:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴾ (یونس ١٠/ ٦٢-٦٤)

"یقیناً اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یعنی) جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے' ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے' اللہ جل شانہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' یہی تو بڑی کامیابی ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ ٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ يُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٥٧)

"اللہ ایمان لانے والوں کا دوست ہے' وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَا كَانُوٓا۟ أَوْلِيَآءَهُۥٓ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٤)

"اور یہ (کفار) اس (مسجد الحرام) کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں اس کے متولی تو صرف متقین ہیں۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ وَلِـِّۧىَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْكِتَٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى ٱلصَّٰلِحِينَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٩٦)

"بے شک اللہ (ہی) میرا ولی ہے' جس نے کتاب اتاری ہے اور وہی نیکی کرنے والوں کا کارساز ہے۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ ٱلسُّوٓءَ وَٱلْفَحْشَآءَ ۚ إِنَّهُۥ مِنْ عِبَادِنَا ٱلْمُخْلَصِينَ ﴾ (یوسف١٢/ ٢٤)

"اس طرح ہوا' تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔"

نیز شیطان کے بارے فرمایا:

﴿ إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ ﴾ (بنی إسرائیل١٧/ ٦٥)

"یقیناً میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہے۔"

مزید فرمان الٰہی ہے: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا ٱلْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ﴾ (آل عمران٣/ ٣٧)

"جب کبھی زکریاؑ اس کے ہاں عبادت خانہ میں داخل ہوئے تو اس کے پاس رزق پایا۔ کہا "اے مریم! یہ رزق تیرے لئے کہاں سے آیا؟" کہنے لگی "یہ اللہ کی طرف سے ہے۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى ٱلْفُلْكِ ٱلْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ ٱلْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَٱلْتَقَمَهُ ٱلْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ أَنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِى بَطْنِهِۦٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ (الصافات ٣٧/ ١٣٩-١٤٤)

”بے شک یونس ؑ رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا۔ پھر قرعہ اندازی کی اور وہ اس میں مغلوب ہو گیا۔ پس مچھلی نے اسے لقمہ بنایا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ اگر وہ تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتا تو لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں رہتا۔“

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَنَادَىٰهَا مِن تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِى قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّىٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ ٱلنَّخْلَةِ تُسَٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِى وَٱشْرَبِى وَقَرِّى عَيْنًا ﴾ (مریم ١٩/ ٢٤-٢٦)

”اس کو نیچے سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف حرکت دے‘ تیرے لئے تازہ کھجور گرائے گی۔ پس کھا‘ پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔“

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ قُلْنَا يَٰنَارُ كُونِى بَرْدًا وَسَلَٰمًا عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا۟ بِهِۦ كَيْدًا فَجَعَلْنَٰهُمُ ٱلْأَخْسَرِينَ ﴾ (الأنبياء ٢١/ ٦٩-٧٠)

”ہم نے کہا کہ اے آگ! ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ایک تدبیر کرنا چاہی پس ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَٰبَ ٱلْكَهْفِ وَٱلرَّقِيمِ كَانُوا۟ مِنْ ءَايَٰتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ إِذْ أَوَى ٱلْفِتْيَةُ إِلَى ٱلْكَهْفِ فَقَالُوا۟ رَبَّنَآ ءَاتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ ءَاذَانِهِمْ فِى ٱلْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَٰهُمْ ﴾ (الکہف ١٨/ ٩-١٢)

”کیا تو نے سمجھا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے۔ جب چند نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور کہا‘ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت دے اور ہمیں ہمارے معاملہ میں آسانی اور کامیابی مہیا فرمایا۔ تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کو سلائے رکھا‘ پھر ہم نے ان کو جگا اٹھایا۔“

(۲) اولیاء اللہ اور ان کی کرامات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَلاَ يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ

التَّيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو میرے ولی کے ساتھ عداوت رکھتا ہے' میں اسے اعلان جنگ کی اطلاع دیتا ہوں اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے' ان میں کوئی عبادت مجھے اس (عبادت) سے زیادہ عزیز نہیں' جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نفلی عبادت کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں' جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کی ٹانگ بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں۔"

نیز فرمان نبویؐ ہے: «إِنِّيْ لَأَثْأَرُ لِأَوْلِيَائِيْ كَمَا يَثْأَرُ اللَّيْثُ الْحَرِبُ»

"میں اپنے دوستوں کے لئے انتقام لیتا ہوں' جیسا کہ لڑاکا شیر اپنے ساتھیوں کے لئے انتقام لیتا ہے۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ لِلّٰهِ رِجَالاً لَوْ أَقْسَمُوْا عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم ڈال کر کوئی (کوئی بات کہیں) تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتے ہیں۔"

نیز اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لَقَدْ كَانَ فِيْمَا كَانَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ نَاسٌ مُحَدَّثُوْنَ، فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پہلی اقوام و ملل میں کچھ "ملہم" (یعنی جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص الہام ہوتا ہے) تھے میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔"

نیز فرمایا: «كَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ وَلَدَهَا فَرَأَتْ رَجُلاً عَلٰى فَرَسٍ فَارِهٍ فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَلَدِيْ مِثْلَ هٰذَا، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الطِّفْلُ وَهُوَ يَرْضَعُ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ مِثْلَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ اس نے ایک شخص کو عمدہ گھوڑے پر دیکھا تو کہنے لگی "اے اللہ! میرے بچے کو ایسا ہی بنانا۔" دودھ پیتے بچے نے شخص مذکور کی طرف نظر دوڑائی اور کہا "اے اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا۔"

بچہ کے بولنے میں اس کی اور اس کی ماں دونوں کی کرامت ہے۔ زاہد و عابد جریج رحمۃ اللہ علیہ (ولی) کے

واقعہ میں ماں نے کہا "اے اللہ! اسے موت سے پہلے فاحشہ عورتوں کا منہ دکھانا۔" اللہ تعالیٰ نے ماں کی دعا قبول کی۔ یہ اس کی کرامت تھی۔ "جریج" پر الزام تراشی ہوئی تو دودھ پیتے بچے کو کہا "تیرا باپ کون ہے؟" بچے نے کہا "بکریوں کا چرواہا" (صحیح بخاری)

اس میں جریج (ولی) کی کرامت ثابت ہے۔ اسی طرح تین غار والوں پر چٹان گر گئی اور نکلنے کا راستہ مسدود ہو گیا۔ اپنے صالح اعمال کے "توسل" سے انہوں نے دعا کی۔ اللہ رب العزت نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور نجات عطا کی۔ یہ ان صالحین کی کرامت تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور اسی طرح راہب اور لڑکے کے واقعہ میں موذی جانور نے راستہ بند کیا ہوا تھا۔ لڑکے نے اسے پتھر مارا تو وہ موذی جانور مر گیا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ اس لڑکے کی کرامت تھی اور بادشاہ نے لڑکے کو مختلف انداز سے قتل کرنا چاہا' مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ صالح اور نیک فرزند کی کرامت تھی۔ (صحیح بخاری)

(۳) ہزاروں علماء کے مشاہدات بھی کرامات اولیاء پر شاہد ہیں۔ معدودے چند یہ ہیں:

* عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کہتے تھے۔
* سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کھانا کھاتے تو کھانے یا برتن سے تسبیح کی آواز آتی تھی۔
* خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں مشرکین کے ہاں قیدی تھے۔ ان دنوں مکہ میں انگور نہیں تھے' مگر خبیب رضی اللہ عنہ انگور کھاتے دیکھے گئے۔
* براء بن عازب رضی اللہ عنہ اگر کسی معاملہ میں قسم کھا لیتے تو اللہ جل جلالہ اسے پورا فرما دیتے تھے۔ چنانچہ قادسیہ کے دن قسم کھائی کہ اللہ مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ دے گا اور میں سب سے پہلا شہید بنوں گا' سو ایسا ہی ہوا۔
* عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک کہنے لگے اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ' ساریہ نے آواز سنی اور پہاڑ کی طرف ہو گئے اور انہیں مدد حاصل ہوئی اور دشمن شکست کھا گیا۔ ساریہ واپس آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطلاع دی کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی تھی۔
* علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ دعا میں کہا کرتے تھے «يَاعَلِيْمُ يَاحَكِيْمُ يَاعَلِيُّ يَاعَظِيْمُ» ان کی دعا پوری ہوتی اور ایک موقع پر اپنا دستہ سپاہ لے کر سمندر میں کود گئے' لیکن ان کے گھوڑوں کی زینیں تر نہ ہوئیں۔
* حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک ایسے شخص کو بددعا دی جو انہیں ایذا دیتا تھا تو وہ اسی وقت مر گیا۔
* ایک شخص کا دوران سفر گدھا مر گیا' اس نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا

کی تو اللہ نے اس کا گدھا زندہ کر دیا اور اس نے سامان لادا اور سفر جاری رکھا۔

اسی نوع کی بے شمار کرامات منقول ہیں اور لاکھوں انسانوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے۔[1]

* پیروان شیطان:

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انسانوں میں شیطان نے کچھ اپنے ساتھی بنا رکھے ہیں' جن پر وہ غالب آ چکا ہے اور انہیں اللہ کی یاد سے غافل کیا ہوا ہے' برائی کو خوبصورت انداز میں ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے باطل ان کے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ حق بات سننے سے بہرے ہیں اور حق دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہیں' یہ لوگ کلی طور پر شیطان کے تابع ہو چکے ہیں' اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں' برائی' اچھائی کے روپ میں ان کو نظر آتی ہے' چنانچہ انہوں نے منکر کو معروف بنا دیا ہے اور معروف کو منکر۔ یہ لوگ ہر بات میں ولیوں کی ضد اور الٹ ہیں۔ وہ اللہ کے دوست ہیں اور یہ اللہ کے دشمن' انہیں اللہ کی محبت حاصل ہے اور وہ اس کو راضی کرنے کی سعی کرتے ہیں جبکہ یہ اللہ کو ناراض کر رہے ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت و غضب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے یہ دشمن کبھی فضا میں اڑتے ہیں یا پانی کی سطح پر چل کر دکھا دیتے ہیں تو یہ اللہ کے ان دشمنوں کو "استدراج" یعنی مہلت برائے آزمائش حاصل ہے اور یا پھر شیاطین اپنے ساتھیوں کے ساتھ حق دوستی ادا کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کی بنیاد درج ذیل دلائل ہیں:

(ا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوْلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَٰتِ أُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴾ (البقرة٢/ ٢٥٧)

"اور جو لوگ کفر کرتے ہیں' ان کے ساتھی طاغوت (شیطان) ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جہنم والے ہیں' (اور) اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِنَّ ٱلشَّيَٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَٰدِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"شیاطین اپنے ساتھیوں کے دل میں (پوشیدہ گمراہ کن باتیں) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ بحث کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ ٱلنَّارُ

(ا) ہندو پاک میں بعض قبروں پر مجاور جھوٹی کہانیاں بیان کرتے رہتے ہیں' جن کا مشاہدہ کرنے اور دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا' اس انداز کی جعلی اور خود ساختہ کرامات اس سے مراد نہیں ہیں۔

مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ﴾ (الأنعام٦/ ١٢٨)

"اور جس دن وہ ہم ان سب (جن و انس) کو اکٹھا کر کے (کہیں گے) "اے گروہ جن! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے" اور ان کے ساتھی انسان کہیں گے "اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے نفع حاصل کیا اور (بالآخر) ہم اپنی اس معیاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے' اس میں ہمیشہ رہو گے' مگر جسے اللہ بچانا چاہے۔"

نیز ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ ٱلرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُۥ شَيْطَٰنًا فَهُوَ لَهُۥ قَرِينٌ ﴿٣٦﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ ٱلسَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الزخرف٤٣/ ٣٦-٣٧)

"اور جو رحمان کی یاد سے غافل ہو جائے ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ پس وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے اور یہ شیاطین ان کو (سیدھے) راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم درست راستہ پر جا رہے ہیں۔"

نیز فرمان ایزدی ہے: ﴿ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف٧/ ٢٧)

"یقیناً ہم نے شیاطین کو ایمان نہ لانے والوں کا ساتھی اور دوست بنا دیا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الأعراف٧/ ٣٠)

"بے شک انہوں نے اللہ کے سوا شیاطین کو دوست بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ صحیح راہ پر چل رہے ہیں۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا۟ لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (فصلت٤١/ ٢٥)

"اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کو ان کے آگے اور پیچھے (کی بدکاریوں کو) مزین کر کے دکھایا تھا۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ ٱلْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِى وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّۢ﴾ (الكهف١٨/ ٥٠)

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا ماسوائے ابلیس کے۔ یہ جنوں میں سے تھا' اپنے رب کے حکم سے نکل گیا (فرمایا) کیا تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے بھی اس انداز کی معلومات بہم پہنچائی ہیں' ایک دن آپؐ نے تارا دیکھا جو کسی کو مارا گیا تھا۔ پھر روشنی ہوئی تو آپؐ نے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا دور جاہلیت میں تم اس

بارے میں کیا کہتے تھے؟ ساتھیوں نے جواب دیا "ہم کہتے تھے کوئی بڑا مر گیا ہے' یا کوئی بڑا پیدا ہوا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "کسی کی موت پر یہ نہیں پھینکا جاتا اور نہ ہی کسی کی زندگی پر۔ ہمارا رب تعالیٰ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں' پھر ان سے قریبی آسمان والے تسبیح کہتے ہیں اور اسی طرح ان سے متصل نیچے والے۔ پھر آسمان دنیا پر تسبیح کا غلغلہ پہنچتا ہے' پھر آسمان والے حاملین عرش فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے رب تعالیٰ نے کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے؟ وہ ایک دوسرے کو بتاتے ہیں حتیٰ کہ یہ بات آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے' شیاطین وہاں سے بات چراتے ہیں اور نیچے زمین پر اپنے ساتھیوں کی طرف پھینکتے ہیں' جو بات درست پہنچ جاتی ہے وہ حق ہے مگر وہ اس میں (اپنی طرف سے سو جھوٹ کا) اضافہ کر دیتے ہیں۔" (صحیح مسلم و مسند احمد وغیرہ)

کاہنوں کے بارے میں پوچھنے پر نبیؐ نے فرمایا "یہ کچھ بھی نہیں۔" سائل نے کہا "بعض اوقات یہ مستقبل کی باتیں بتاتے ہیں اور وہ سچ ثابت ہوتی ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "یہ سچی بات جنوں نے آسمان سے جھپٹی ہوتی ہے' جو اپنے ساتھیوں کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا دیتے ہیں۔"

اور آپؐ نے فرمایا: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِيْنُهُ»(صحيح مسلم)

"تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا ساتھی مقرر ہے۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ مِنَ الْعُرُوْقِ، فَضَيِّقُوْا عَلَيْهِ مَجَارِيَهُ بِالصَّوْمِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ابن آدم میں شیطان اس طرح چلتا ہے' جیسا کہ خون رگوں میں دوڑتا ہے۔ تم روزہ کے ذریعہ اس کی جولان گاہ کو تنگ کر دو۔"

(۳) لاکھوں انسانوں نے مختلف جگہوں پر اور مختلف اوقات میں عجیب و غریب شیطانی احوال دیکھے ہیں۔ بعض انسانوں کے پاس شیطان کھانے پینے کی مختلف چیزیں لاتا ہے اور مزید یہ کہ بعض کے کام کر دیتا ہے اور انہیں پوشیدہ باتیں بتاتا اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے ساتھی پر ہتھیار نہ چلنے دیا اور ایسے لوگ بھی پائے گئے ہیں جن کے پاس شیطان ایک نیک انسان کی شکل و صورت میں آیا' جس سے اس شخص نے مدد طلب کی تھی۔ ان باتوں سے شیاطین کا مقصد اسے گمراہ کرنا اور شرک و معصیت الٰہی پر آمادہ کرنا ہوتا ہے اور بعض لوگوں کو شیاطین دور دراز علاقوں میں لے گئے اور دور سے آدمیوں کو لے آئے' نیز اسی طرح کے دیگر اعمال جن کے کرنے پر شیاطین اور سرکش جن قدرت رکھتے ہیں۔

یہ شیطانی احوال اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب انسان شروفساد اور اللہ تعالیٰ کے انکار اور نافرمانی

میں بدمست ہو جاتا ہے اور اس میں ایمان' تقویٰ اور نیکی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں اس کی روح خبیث شیطانی ارواح کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے اور دونوں کے درمیان دوستی کے رشتے قائم ہو جاتے ہیں' پھر وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور معلومات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ اسی لئے قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا:

﴿ يَـٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢٨)

"اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں سے بہت (فائدہ) حاصل کیا ہے۔"

ان کے انسانی دوست کہیں گے:

﴿ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢٨)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے (بہت) فائدے حاصل کئے ہیں۔"

"ربانی اولیاء" کی کرامت اور شیطانی احوال میں فرق یہ ہے کہ اگر "خرق عادت" بات ایک متقی' پرہیز گار اور اللہ تعالیٰ کی شریعت پر چلنے والے کے ہاتھ پر سرزد ہوتی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے اعزاز اور ہمت افزائی ہے اور اگر ایسا کام ایک خبیث انسان' اللہ کی نافرمانی اور کفر و فساد میں منہمک شخص کے ہاتھوں پر ظاہر ہو رہا ہے تو یہ استدراج (یعنی معصیت میں ڈھیل دینے) کے قبیل سے ہے' یا پھر شیاطین کی کار فرمائی ہے اور اسے ان کی مدد و تعاون حاصل ہے۔ (والعیاذ باللہ)

سولھویں فصل

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب اور اس کے آداب

* امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے:

ایک مسلمان کا ایمان ہے کہ اچھے کاموں کا پرچار کرنا اور برے کاموں کو مٹانا اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب نیکی معدوم ہو رہی ہو اور برائی پھیل رہی ہو' بالخصوص ان لوگوں پر جو امر و نہی کی طاقت رکھتے ہیں۔ حقیقتاً ایمان باللہ کے بعد دینی ذمہ داریوں میں یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی کتاب عزیز میں ایمان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ﴾ (آل عمران٣/ ١١٠)

"جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئی ہیں تم سب سے بہتر ہو کہ تم اچھائی کا حکم کرتے' برائی کو مٹاتے

اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

اس عقیدہ کی بنیاد درج ذیل نقلی اور عقلی دلائل ہیں:

کتاب و سنت سے دلائل:

(ا) اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۴)

"اور تم میں ایک ایسی جماعت (ضرور) رہے جو اچھائی کی دعوت دے' نیکی کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

(۲) اللہ جل جلالہ نے اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ﴾ (الحج۲۲/ ۴۱)

"یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں گے' زکوۃ دیں گے' اچھی بات کا حکم کریں گے اور برائی سے منع کریں گے۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ ﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں (دینی لحاظ سے) ایک دوسرے کے (معاون اور) دوست ہیں' اچھائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔"

اللہ کے ولی حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو جو وصیتیں فرمائیں' ان کے بارے میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ (لقمان۳۱/ ۱۷)

"اے بیٹے! نماز قائم کر' اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روک اور تجھے جو تکلیف پہنچے' اس پر صبر کر' یقیناً یہ پختہ باتوں میں سے ہے۔"

بنی اسرائیل پر نفرین بھیجتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ

بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (المائدة٥/ ٧٨-٧٩)

"داؤد و عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت کی گئی ہے' اس لئے کہ یہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے' جن برے کاموں میں مشغول تھے' ان سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ واقعی یہ لوگ برا کر رہے تھے۔"

اور بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے کر نجات پا گئے اور جنہوں نے یہ فریضہ ادا نہ کیا وہ تباہ ہوئے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ (الأعراف٧/ ١٦٥)

"اور ہم نے ان کو نجات دی' جو برائی سے روکتے تھے اور ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا' جنہوں نے ظلم کیا' اس لئے کہ وہ نافرمان تھے۔"

(۳) رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے فرمان میں یہی حکم دیا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم)

"جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے (برا جانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

نیز فرمایا: «لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ»(رواه الترمذي وحسنه)

"تم ضرور اچھائی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے' ورنہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے' پھر تم اس کو پکارو گے (لیکن) وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔"

(۴) رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں نتائج کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ قَوْمٍ عَمِلُوْا بِالْمَعَاصِيْ، وَفِيْهِمْ مَنْ يَّقْدِرُ أَنْ يُّنْكِرَ عَلَيْهِمْ، فَلَمْ يَفْعَلُوْا، إِلَّا يُوْشِكُ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ»(رواه الترمذي ـ وقال: حسن صحيح)

"جو قوم گناہوں میں مبتلا ہو جائے اور ان میں اسے روکنے کی قدرت والے بھی موجود ہوں اور وہ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ جل شانہ ان سب کو اپنی طرف سے عذاب میں مبتلا کر دیں۔"

ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر پوچھی:

﴿لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدة٥/ ١٠٥)

"جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

تو آپؐ نے فرمایا: «يَا ثَعْلَبَةُ! مُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، فَإِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ الْعَوَامَّ، إِنَّ مِنْ وَّرَاءِكُمْ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، لِلْمُتَمَسِّكِ فِيْهَا بِمِثْلِ الَّذِيْ أَنْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ، قِيْلَ: بَلْ مِنْهُمْ يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: لاَ بَلْ مِنْكُمْ، لأَنَّكُمْ تَجِدُوْنَ عَلَى الْخَيْرِ أَعْوَانًا وَلاَ يَجِدُوْنَ عَلَيْهِ أَعْوَانًا»(سنن أبي داود، سنن ابن ماجة وسنن ترمذي وحسنه)

"اے ثعلبہ! اچھائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ جب دیکھو کہ کنجوسی کی روش جاری ہو چکی ہے اور خواہشات کی پیروی ہو رہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو تم اپنے آپ کو بچاؤ اور عوام سے دور ہو جاؤ۔ تمہارے پیچھے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے' تمہارے عقیدہ و عمل کو اپنانے والوں کے لئے تم میں سے پچاس آدمیوں کی طرح ثواب ملے گا۔" وہ پوچھ رہے تھے' اے اللہ کے رسول! کیا پچاس انہی میں سے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں' بلکہ تم میں سے۔ کیونکہ (آج) نیکی کرنے میں معاون دستیاب ہیں' جو ان کو دستیاب نہیں ہوں گے۔"

نیز آپؐ نے فرمایا: «مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّتِهِ قَبْلِيْ إِلاَّ كَانَ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهُمْ تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ، يَقُوْلُوْنَ مَالاَ يَفْعَلُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَالاَ يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، لَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ»(صحيح مسلم)

"ہر نبی کے بعد جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے مبعوث فرمایا' کچھ حواری اور مخلص ساتھی بھی ہوئے جو اس کے طریقہ پر چلے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہے۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو گفتار و کردار میں صفر اور ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں ہوتا تھا (آئندہ بھی یہی صورت حال ہو گی) جو ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے (یہ بھی نہیں کر سکا تو) اس کے بعد رائی کے دانہ کے بقدر بھی ایمان نہیں ہے۔"

آپؐ سے افضل جہاد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

«كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ»(مسند أحمد، سنن نسائي وسنن ابن ماجة وهو

صحیح)

"ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا افضل جہاد ہے۔"

عقلی دلائل:

(ا) تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اگر بیماری کا علاج نہ کیا جائے تو وہ جسم میں پھیل جاتی ہے اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح برائی کو اگر ابتداء ہی میں ختم نہ کیا جائے اور اسے معاشرے میں پھیلنے دیا جائے اور چھوٹے بڑے اس کے عادی ہو جائیں تو پھر اسے مٹانا اور اس کا ازالہ مشکل ہو جاتا ہے اور بالآخر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے' یہ قانون ایزدی ہے جس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سُنَّةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبْدِيلًا ﴾ (الفتح ۴۸/ ۲۳)

"(یہ) اللہ کا قانون ہے جو (پہلی قوموں میں) گزر چکا ہے' اور تو قانون الٰہی میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔"

(۲) یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اگر کسی مکان کی صفائی نہ کی جائے اور اس میں سے کوڑا کرکٹ دور نہ پھینکا جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ جگہ رہائش کے قابل نہیں رہتی' اس کی ہوا متعفن اور زہر آلود ہو جاتی ہے اور اس میں وبائی جراثیم کی خوب پرورش ہوتی ہے' کیونکہ میل کچیل اور غلاظتوں کی کثرت و بہتات کا یہی لازمی نتیجہ ہے۔

اسی طرح اگر اسلامی معاشرہ میں برائی کو پنپنے دیا جائے اور اچھائی کا پرچار معدوم ہو جائے تو کچھ مدت بعد لوگ گندے اور شریر النفس بن جائیں گے۔ اچھائی و برائی کا امتیاز مٹ جائے گا اور پھر اس زمین پر انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ چنانچہ مختلف اسباب و ذرائع سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴾ (البروج ۸۵/ ۱۲)

"تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔"

اور فرمایا: ﴿ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴾ (آل عمران ۳/ ۴)

"اور اللہ غالب ہے' انتقام لینے والا۔"

(۳) یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ انسانی نفوس جب قبیح اور خراب چیزوں کے عادی ہو جائیں تو وہ انہیں اچھی لگتی ہیں۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا جائے تو لوگ اچھے کام چھوڑ دیتے ہیں اور برے کام کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برائی عام ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کی عادات اور بتقاضائے بشری وہ برائی محسوس نہیں ہوتی' بلکہ الٹا اسے اچھائی اور عمدہ

بات سمجھ لیا جاتا ہے اور یہی بصیرت کا ختم ہونا اور یہی فکری مسخ ہے۔ (العیاذ باللہ)

اسی بنا پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے کہ یہ انسانی معاشرہ کی پاکیزگی اور درستی کا باعث ہے اور اقوام و ملل کے عزو شرف کا محافظ بھی۔

* آداب امر و نہی:

(۱) داعی یہ جانتا ہو کہ جس بات کا وہ حکم دے رہا ہے' وہ شریعت میں معروف اور نیکی ہے اسی طرح وہ برائی کی حقیقت بھی سمجھتا ہو' جس سے منع کرتا ہے اور جسے مٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ نیز وہ کام واقعتاً شریعت میں گناہ ہو اور اسے حرام قرار دیا گیا ہو۔

(۲) اصلاح کرنے والا خود اس پر عامل ہو اور جس بات سے منع کر رہا ہے' اس کے قریب نہ جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُواْ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴾ (الصف ٦١/ ٢-٣)

"اے ایمان لانے والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ ۞ أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ (البقرۃ٢/ ٤٤)

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو' حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو؟ کیا تم سمجھتے نہیں۔"

(۳) ایک مبلغ کو اچھے اخلاق کا مالک ہونا چاہئے' جو نرمی کے ساتھ حکم کرے اور منع کرے' اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شدت و تکلیف پہنچے تو دل میں محسوس نہ کرے اور نہ ہی غصے کا اظہار کرے' بلکہ اس بارے میں درگزر' عفو اور اعراض سے کام لے۔

ارشاد عالی ہے: ﴿ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴾ (لقمان٣١/ ١٧)

"اور اچھائی کا حکم دے' برائی سے منع کر اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر۔ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

(۱) برے کام جاننے کے لئے لوگوں کی جاسوسی نہ کرے۔ یہ بات غیر مناسب ہے کہ منکرات کی دریافت کے لئے لوگوں کے گھروں میں جھانکتے پھریں' یا کسی کا کپڑا اٹھا کر دیکھیں کہ اندر کیا ہے اور برتن

کا ڈھکنا اٹھاتے پھریں کہ برتن میں کیا ہے' بلکہ شارع علیہ السلام نے تو لوگوں کے عیوب چھپانے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اور تم خفیہ انداز سے ٹوہ نہ لگاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لاَ تَجَسَّسُوا»(صحيح بخاري)

"جاسوسی نہ کرو۔"

نیز فرمایا: «مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»(صحيح مسلم)

"جو شخص ایک مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

(۵) مبلغ جسے وعظ و تبلیغ کرنا چاہتا ہے' اسے نیکی اور برائی کی پہلے پہچان کرائے' اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نیکی اور برائی کو جانتا ہی نہ ہو' جبھی تو وہ اس کی خلاف ورزی کر رہا ہے' اس لئے اولاً برائی اور نیکی کی ضروری وضاحت کرنی چاہیئے۔

(۶) اچھائی کے حکم اور برائی سے منع کرنے کے بعد بھی اگر وہ نیکی پر عمل نہیں کرتا اور برائی والا برائی نہیں چھوڑتا تو شریعت کے مطابق ترغیب و ترہیب سے کام لے۔ اگر پھر بھی وہ تعمیل سے گریزاں ہے تو ڈانٹ اور سختی اپنائی جائے' اگر اس طرح بھی کام نہیں چلتا تو حکومت یا برادران اسلام کا تعاون حاصل کیا جائے۔

(۷) اگر اپنے ہاتھ اور زبان سے برائی کو ختم نہ کر سکے کہ اس صورت میں اسے اپنی جان و مال اور عزت کے ضائع ہونے کا ڈر ہے اور وہ مصائب پر صبر کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر دل سے ہی اس کو برا جانے' اس لئے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَي مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم)

"جو تم میں سے برا کام دیکھے' اسے اپنے ہاتھ سے روکے' اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے۔ ورنہ دل سے ضرور برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

سترہویں فصل

صحابہؓ کی محبت وافضلیت' ائمہؒ کی عظمت اور مسلمان حکام کی اطاعت

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور انہیں دوسرے مومنین اور عام مسلمانوں سے افضل جاننا ضروری ہے۔

اسلام میں مسابقت کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ فضیلت اور درجات کی بلندی میں مختلف ہیں اور ان میں خلفائے راشدین سب سے افضل ہیں یعنی حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' اور علی رضی اللہ عنہم۔

پھر عشرہ مبشرہ کو فوقیت حاصل ہے اور وہ ذیل میں مذکور ہیں۔ چاروں خلفائے راشدین' حضرت طلحہ' زبیر' سعد' سعید' ابوعبیدہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

پھر بدری صحابہ کا مقام و درجہ ہے اور بعد ازاں مذکورہ بالا عشرہ مبشرہ کے علاوہ بہشت بریں کی خوشخبری پانے والے دیگر صحابہ کرام مثلاً فاطمہ' حسن' حسین' ثابت بن قیس اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہم وغیرہ اور ان کے بعد بیعت الرضوان میں شریک چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام عظیم ہے۔

اسی طرح ہر مسلمان ائمہء اسلام کی تعظیم' احترام اور توقیر کا قائل ہے اور ان کے تذکرہ میں ادب و احترام ملحوظ رکھنا لازم گردانتا ہے اور یہ سب عظماء' دین و ہدایت کے پہاڑ تھے' ان میں قراء' فقہاء' محدثین اور مفسرین سبھی شامل ہیں۔ تابعین سے ہوں یا تبع تابعین میں ان کا شمار ہو' ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان سب پر اپنی رحمت نازل کرے اور ان سے راضی ہو۔

مسلمان پر حکام وقت کا احترام اور ان کی عزت و وقار ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے' ان کی معیت میں جہاد کرنا' ان کے پیچھے نماز کی ادائیگی درست ہے اور ان کے خلاف بغاوت کرنا حرام ہے' قصہ مختصر ہر ایک کے آداب ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَوْفَ يَأْتِي ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ (المائدة٥/ ٥٤)

"پس عنقریب اللہ (اپنے دین کی حفاظت) کے لئے ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔"

صحابہ کرامؓ کی صفت میں اللہ جل شانہ' نے فرمایا:

﴿ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ ۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح٤٨/ ٢٩)

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں نرم ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لاَ تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ يُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ» (سنن ترمذي وحسنه)

"میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرو' میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنانا۔ پس جو ان سے محبت کرے گا' وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض کرے گا' جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی' اس نے اللہ کو ایذا دی اور جو اللہ کو ایذا دیتا ہے قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے۔"

۲۔ مسلمان کا ایمان ہے کہ صحابہ کرامؓ دوسرے تمام ایمان والوں اور مسلمانوں سے افضل ہیں' ان کی شان میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴾ (التوبة٩/ ١٠٠)

"اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت لے جانے والے اور (سب سے) پہلے (ایمان لانے والے) اور جنہوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی' اللہ ان (سب) سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اس نے ان کے لئے باغ ہائے بہشت تیار کئے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ

ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ»(رواه أبوداود بإسناد حسن)

"میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔ تم میں کوئی ایک اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مد اور نصف مد کے برابر نہیں ہو سکتا۔"

(۳) مسلمان کا عقیدہ ہے کہ جملہ صحابہ کرامؓ اور بعد کے لوگوں سے علی الاطلاق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ان کے بعد بالترتیب حضرت عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

«وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ، وَلَكِنْ أَخِيْ وَصَاحِبِيْ»(صحيح بخاري)

"اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو رازداں دوست (خلیل) بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بارے میں فرماتے ہیں:

«كُنَّا نَقُوْلُ وَالنَّبِيُّ ﷺ حَيٌّ: أَبُوْبَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ يُنْكِرْهَا»(أيضًا)

"ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے۔ ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم۔ آپ تک یہ مقولہ پہنچا، مگر آپ نے اس کا انکار نہیں کیا۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«خَيْرُ هَذِهِ الأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ، وَلَوْ شِئْتُ لَسَمَّيْتُ الثَّالِثَ - يَعْنِيْ عُثْمَانَ»(أيضًا)

"اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور اگر میں چاہوں تو تیسرے (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) کا نام لے سکتا ہوں۔"

(۴) ان بزرگ ہستیوں کی فضیلت کا اقرار اور ان کے مناقب کا اعتراف کیا جائے۔ بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی شان و فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو، جب وہ ہلنے لگا تھا، مخاطب کر کے فرمایا:

«أُسْكُنْ أُحُدُ! إِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ»(صحيح بخاري)

"احد! ساکن ہو جا، تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

«أَمَا تَرْضٰی أَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی؟»(أیضًا)

"کیا تم راضی نہیں کہ تم میرے لئے اس طرح ہو جس طرح موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔ (علیہ السلام)"

نیز آپؐ نے فرمایا: «فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»(أیضًا)

"فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔"

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيِّيْ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ»(أیضًا)

"ہر نبی کے خصوصی معاون و دوست (حواری) ہوتے ہیں۔ میرا حواری زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہے۔"

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ أَحِبَّهُمَا فَإِنِّیْ أُحِبُّهُمَا»(أیضًا)

"اے اللہ! ان سے محبت فرما' میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے ارشاد ہوا:

«إِنَّ عَبْدَاللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ»(أیضًا) "عبداللہ نیک آدمی ہے۔"

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:

«أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا»(أیضًا) "تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔"

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

«أَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ»(أیضًا)"تم صورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔"

بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: «سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ»(أیضًا)

"میں نے تیرے جوتوں کی آہٹ بہشت میں اپنے آگے سنی ہے۔"

سالم مولیٰ ابی حذیفہ' عبداللہ بن مسعود' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں لوگوں کو حکم دیا:

«اِسْتَقْرِءُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلَی حُذَيْفَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ»(أیضًا)

"چار آدمیوں سے قرآن سیکھو (یعنی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' سالم مولیٰ ابی حذیفہ' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔"

سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یوں ارشاد ہوا:

«فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ»(أيضًا)

"عائشہؓ کی برتری عورتوں پر ایسے ہے، جیسے کہ ثرید (کھانے) کی برتری تمام کھانوں پر ہوتی ہے۔"

انصار کی شان میں ارشاد ہوا:

«لَوْ أَنَّ الأَنْصَارَ سَلَكُوْا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ فِي وَادِي الأَنْصَارِ، وَلَوْ لاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الأَنْصَارِ»(أيضًا)

"اگر انصار کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں بھی انہیں کی وادی میں چلوں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔"

نیز فرمایا: «الأَنْصَارُ لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللهُ»(صحيح بخاري)

"انصار سے مومن ہی محبت کرتا ہے اور منافق ہی ان سے بغض رکھتا ہے۔ جو ان سے محبت کرے گا، اللہ اس کو اپنا محبوب بنا لے گا اور جو ان سے بغض و عداوت رکھے گا، وہ اللہ کا مبغوض (و دشمن) ہو گا۔"

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

«اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ»(أيضًا)

"سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی موت پر عرش بھی جنبش میں آگیا۔"

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے تاریک رات میں باہر نکلے تو ان کے آگے روشنی ہو گئی جس میں یہ چلتے رہے۔ جب الگ الگ راستہ پر چلنے لگتے تو روشنی بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ اس میں ان دونوں کی منقبت اور فضیلت ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ ﴿لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟﴾»(أيضا)

"اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ سورۃ ((لم یکن الذین کفروا)) تجھے پڑھ کر سناؤں۔" ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "اللہ نے میرا نام لیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں!" تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔"

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ نے درج ذیل اعزاز سے نوازا:

«سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ مَسْلُوْلٌ»(أيضًا)

"یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک ننگی تلوار ہے۔"

حسن رضی اللہ عنہ کے لئے خصوصی طور پر فرمایا: «اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ

فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ»(أيضًا)

"یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اعلان ہوا: «لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنٌ، وَإِنَّ أَمِيْنَنَا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ! أَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ»(أيضًا)

"ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور اے امت کے لوگوں! ہمارے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔"

(۵) ان کی برائیوں کے تذکرہ سے احتراز کیا جائے اور ان کے باہمی منازعات و مشاجرات میں گفتگو سے خاموشی اختیار کرنی ضروری ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم گرامی ہے:

«لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ»(أيضًا)

"میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔"

نیز فرمایا: «لاَ تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ»(أيضًا)

"انہیں میرے بعد (عیب و برائی) کے لئے نشانہ مت بنانا۔"

نیز ارشاد ہوا: «مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَي اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ يُوْشِكُ أَنْ يَّأْخُذَهُ»(أيضًا)

"جس نے ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو ایذا دی' اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی' اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے۔"

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی عزت و احترام پر ایمان لانا بھی مسلمان کا شیوہ ہے اور یہ کہ یہ پاک اور ہر طرح کے الزامات سے مبرا ہیں۔ ان کے حق میں اظہار رضا فرض ہے' ایک روایت میں ہے کہ ان میں افضل خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ہیں۔

نیز قرآن پاک میں ارشاد عالی ہے:

﴿ ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمْ ۗ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"ایمان والوں پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استحقاق ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔"

قراء' محدثین اور فقہاء امت کے فضائل و مناقب:

(۱) ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ ان سے محبت کرے' ان کے لئے رحم کی دعا کرے' مغفرت طلب کرے اور ان کی شان و فضیلت کا اعتراف کرے۔ کیونکہ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ میں ان کا

تذکرہ ہوا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ﴾ (التوبة۹/ ۱۰۰)

"اور جن لوگوں نے نیکی میں ان (صحابہؓ) کی پیروی کی' اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ»(صحيح بخاری وصحيح مسلم)

"سب سے بہتر میرا دور ہے' پھر ان لوگوں کا جو اس دور کے بعد ہوں گے' پھر ان کا جو اس کے بعد ہوں گے۔"

عام قراء محدثین' فقہاء اور مفسرین رحمہم اللہ انہی تین قرون (زمانوں) میں سے تھے' جن کا تذکرۂ خیر رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں کیا ہے اور اللہ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے سے پہلے جانے والے ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلْإِيمَٰنِ ﴾ (الحشر۵۹/ ۱۰)

"(کہتے ہیں) اے ہمارے رب! ہماری اور ہم سے پہلے جانے والے ہمارے ایمان دار بھائیوں کی مغفرت فرما۔"

اس آیت کے حکم کی تعمیل میں سب مسلمان اور مومن' جملہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

(۲) اہل ایمان ان کا تذکرہ اچھائی کے ساتھ کرتے ہیں اور آداب ملحوظ رکھتے ہیں کہ وہ مجتہد اور دین میں مخلص تھے' بعد میں آنے والوں کی آراء کے مقابلہ میں ان کی رائے کو ایک برتری حاصل ہے' جس پر عمل کرنا چاہیئے' الا یہ کہ ان کی بات اللہ کے فرمان یا حدیث رسول اللہ ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مخالف ہو تو پھر اسے ترک کر دینا چاہیئے۔

(۳) ائمہ اربعہ "مالک شافعی' احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے مدون کردہ مسائل اور ان کے بیان کردہ احکام دین و شرع' درحقیقت اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ہی حاصل کردہ ہیں اور وہ قیاس و استنباط اس وقت کرتے تھے' جب صریح نص یا اشارہ و ایماء انہیں نہیں ملتا تھا۔

(۴) بنابریں مذکورہ بالا اکابرین امت کے بیان کردہ دین و فقہ کے مسائل کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا اللہ کی شریعت پر ہی عمل کرنا ہے۔ جب تک اس کی مخالفت میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ واضح طور پر موجود نہ ہو' اس صورت میں اللہ کی بات یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو کسی بھی مخلوق کے قول کی

بنیاد پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس لئے کہ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيۡنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ١)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْۚ ﴾ (الحشر ٥٩/ ٧)

"اور جو تمہیں رسول دے، اسے لے لو اور جس سے منع کرے، اس سے رک جاؤ۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمۡرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلۡخِيَرَةُ مِنۡ أَمۡرِهِمۡۗ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٦)

"اور جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) فیصلہ کر دیں، تو کسی مومن مرد اور عورت کے لئے (اس میں کوئی) اختیار نہیں رہتا۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، وہ مردود ہے۔"

نیز فرمان ایزدی ہے۔ «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّي يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ»(النووي وقال حسن صحيح)

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب تک تم میں سے کسی کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے، وہ (کامل) مومن نہیں ہو سکتا۔"

(۵) چونکہ یہ امام بھی انسان تھے، للذا ان کی بات درست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، غفلت، سہو، نسیان یا عدم احاطہ کی بنیاد پر ان سے بلاارادہ کسی مسئلہ کے بیان میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ للذا کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی رائے پر جمود اختیار کرے، بلکہ ان میں سے جس کی بات صائب اور درست ہو، اسے قبول کر لیا جائے۔ ان کے اقوال اسی صورت میں رد کئے جا سکتے ہیں جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف (ثابت) ہوں۔

(۶) فروعی دینی مسائل میں ان کے اختلاف کو ہر مسلمان قابل عذر سمجھتا ہے کہ انہوں نے یہ اختلاف جہالت اور تعصب کی بناء پر نہیں کیا، بلکہ یا تو کسی ایک کو حدیث نہیں ملی، یا اس نے حدیث کو منسوخ سمجھا یا اسے سمجھ نہیں سکا۔ کیونکہ لفظ کے مطالب و معانی سمجھنے میں اختلاف فہم ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ ﴾ (النساء ٤/ ٤٣) سے سمجھا کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ مگر دوسرے اس آیت کا یہ مفہوم نہیں لیتے،

بلکہ وہ اس سے مجامعت مراد لیتے ہیں اور عورت کو صرف ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں' بلکہ اس میں مزید ارادہ یا وجود لذت کو "نقض وضو" کے لئے ضروری کہتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اگر اپنے فہم میں تھوڑا سا تنزل اختیار کر لیں تو باقی ائمہ کے ساتھ موافقت بھی ہو جائے گی اور امت میں اختلاف کی خلیج بھی کم ہو گی' یہ کیوں ممکن نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ کے کلام میں ایک بات سمجھی' جس میں انہیں معمولی شک بھی نہیں ہے' اسے وہ محض کسی ذاتی رائے یا کسی دوسرے امام کے فہم کی وجہ سے تو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ تو اللہ کی بات کو انسان کے اقوال کی بنیاد پر چھوڑنا ہوا' جو کہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ ہاں اگر ان کا فہم کتاب و سنت کی نص کے صراحتاً مخالف ہے تو "نص ظاہری" کو تسلیم کرنا لازم ہے اور اپنا ذاتی فہم جو کہ "نص صریح" کے درجہ میں نہیں' اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اگر فہم پر "نص" کی دلالت قطعی ہوتی تو اس میں کوئی بھی اختلاف نہ کرتا' لہٰذا ان کا "فہم" قطعی درجہ میں نہیں ہے کہ جسے ترک نہ کیا جا سکے۔

حکام وقت کا مقام:

(ا) مسلمان اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی بنا پر ان کی اطاعت کو واجب سمجھتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو حکم والے ہوں ان کی بھی۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا، وَإِنَّ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ»(بخاري)

"سنو اور اطاعت کرو' چاہے تم پر حبشی غلام جس کا سر داکھ کی طرح پچکا ہوا ہو' امیر بن جائے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيْرِيْ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ وَمَنْ عَصَى أَمِيْرِيْ فَقَدْ عَصَانِيْ»(صحيح بخاري)

"جس نے میری اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی' اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی۔"

مگر ان کی اطاعت کو اللہ کی نافرمانی میں جائز نہ جانے' اس لئے کہ اللہ کی اطاعت تو سب کی اطاعت پر مقدم ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَلَا يَعۡصِينَكَ فِي مَعۡرُوفٖ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٢)

"اور نیکی میں تیری نافرمانی نہ کریں۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"(مخلوق کی) اطاعت صرف نیکی میں ہے۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے: «لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (مسند أحمد ومستدرك الحاكم وصححه)

"پیدا کرنے والے (اللہ) کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت (جائز) نہیں ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا: «لاَ طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ»

"اللہ کی نافرمانی میں کسی اور کی تابعداری نہیں ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: «السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَي الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سننا اور اطاعت کرنا پسند آئے یا نہ آئے' اس وقت تک مسلمان مرد پر (واجب) ہے' جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے' اگر اسے گناہ اور نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر سمع و اطاعت نہیں ہے۔"

(۲) حکام وقت کے خلاف بغاوت اور ان کے مقابلہ میں نافرمانی کا اعلان حرام جانے' اس لئے کہ مسلمانوں کے سربراہ کی اطاعت کا جوا اتار پھینکنا ناروا بات ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيْرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اپنے امیر میں کوئی (ناپسند) بات دیکھے تو اس پر صبر کرے' کیونکہ جو شخص سربراہ مملکت سے ایک بالشت دور نکل جائے' وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

نیز آپ نے فرمایا: «مَنْ أَهَانَ السُّلْطَانَ أَهَانَهُ اللهُ» (رواه الترمذي وحسنه)

"جو سلطان وقت کی اہانت کرے' اللہ جل شانہ اس کی اہانت کرے گا۔"

(۳) اس کے برعکس ان کے حق میں نیکی' درستی' توفیق اور شر سے بچاؤ اور غلطی میں واقع ہونے سے تحفظ کی دعا کرتا رہے' اس لئے کہ ان کی درستی امت کی درستی ہے اور ان کی تباہی قوم کی بربادی ہے' توہین و بے عزتی کے بغیر ان کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ»

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔"

اس پر ہم نے کہا کس کیلئے؟ تو آپ نے فرمایا:

«لله وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح مسلم)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے پیغمبروں، سربراہان امت مسلمہ اور عام مسلمانوں کے لئے۔"

(۴) مسلم سربراہان مملکت کے ساتھ مل کر جہاد کرے، ان کے پیچھے نماز پڑھے خواہ ان سے کفر کی حد سے کم فسق و محرمات کا ارتکاب ہو چکا ہو۔ برے امیر کی اطاعت کے بارے میں ایک شخص کے استفسار پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ»(مسلم)

"سنو اور اطاعت کرو، وہ اپنی ذمہ داری کے جواب دہ ہیں اور تم اپنی ذمہ داری نبھاؤ۔"

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَنْ لاَّ نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ إِلاَّ أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللهِ بُرْهَانٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر "سمع و اطاعت" پر بیعت کی، خوشی ہو یا ناخوشی، مشکل ہو یا آسانی بہرصورت اطاعت ہو اور یہ کہ حکومت کے اہل لوگوں کی مخالفت اور ان سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ فرمایا "الاّ یہ کہ تم صریح کفر دیکھو، جس میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی دلیل و حجت ہو۔"

آداب و حقوق

- آدابِ نیّت
- آدابِ الٰہی
- آدابِ قرآن
- آدابِ رسالت
- آدابِ شخصیت
- آدابِ حقوق العِباد
- آدابِ دوستی و دشمنی
- آدابِ مجلس
- آدابِ طعام
- آدابِ ضیافت
- آدابِ سفر
- آدابِ لباس
- آدابِ خصالِ فطرت
- آدابِ نیند

پہلی فصل

آداب نیت

مسلمان کی نظر میں "نیت" کا معاملہ دینی و دنیاوی امور میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے' اس لئے کہ سب اعمال اسی کی بنیاد پر سرزد ہوتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے وہ درست یا غلط قرار پاتے ہیں۔

ہر عمل کے لئے نیت اور اس کی درستی کا ضروری ہونا اولاً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ (البینۃ۹۸/ ۵)

"اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔"

اور فرمایا: ﴿ قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ﴾ (الزمر۳۹/ ۱۱)

"کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خلوص (نیت) کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں۔"

اور ثانیاً رسول اللہ ﷺ کے اس قول مبارک سے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَّا نَوَى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر مرد کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔"

نیز آپ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لاَ يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور حالتوں کو نہیں دیکھتا' وہ تو صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔"

دلوں کو دیکھنے سے مراد نیت کو پرکھنا ہے کہ یہی انسان کو عمل پر آمادہ کرتی ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ»(صحيح مسلم)

"جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور پھر اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا تو اس کے لئے نیکی لکھ دی

جائے گی۔"

لہٰذا اچھے جذبہ و ارادہ سے جو عمل کیا جائے وہ اجر و ثواب کا مستوجب ہو گا اور اس سے نیت صالحہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے:

مزید فرمایا: «اَلنَّاسُ أَرْبَعَةٌ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عِلْمًا وَمَالاً فَهُوَ يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ فِي مَالِهِ، فَيَقُوْلُ رَجُلٌ لَوْ آتَانِيَ اللهُ تَعَالَى مِثْلَ مَا آتَاهُ اللهُ لَعَمِلْتُ كَمَا عَمِلَ، فَهُمَا فِي الأَجْرِ سَوَاءٌ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً وَلَمْ يُؤْتِهِ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ، فَيَقُوْلُ رَجُلٌ لَوْ آتَانِيَ اللهُ مِثْلَ مَا آتَاهُ عَمِلْتُ كَمَا يَعْمَلُ، فَهُمَا فِي الْوِزْرِ سَوَاءٌ»(سنن ابن ماجة وسنده جيد)

"لوگ چار طرح کے ہیں ایک وہ شخص جس کو اللہ عزوجل نے علم و مال عطا کیا ہے' وہ اپنے مال میں اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے (یعنی مال خرچ کرتا ہے) دوسرا آدمی (جو اس سے محروم ہے) کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس طرح کا علم و مال دیا ہوتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا تو یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں۔ ایک اور آدمی جسے اللہ نے مال دیا ہے' مگر علم نہیں دیا' وہ اپنے مال میں ہی بھٹک رہا ہے تو (دوسرا) شخص کہتا ہے اگر اللہ نے مجھے بھی اس طرح کا مال دیا ہوتا تو میں بھی اس کی طرح کے "کارنامے" سرانجام دیتا' یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔"

اس حدیث سے واضح ہوا کہ محض نیت صالحہ سے ایک شخص کو عمل صالح کا ثواب ملا اور دوسرے کو بری نیت کی وجہ سے عمل فاسد کا گناہ حاصل ہوا' یہ نیت کی کرشمہ سازی ہی تو ہے۔

آپ نے تبوک میں فرمایا:

«إِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ أَقْوَامًا مَا قَطَعْنَا وَادِيًا وَلاَ وَطِئْنَا مَوْطِئًا يَغِيْظُ الْكُفَّارَ، وَلاَ أَنْفَقْنَا نَفَقَةً، وَلاَ أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ إِلاَّ شَرَكُوْنَا فِي ذٰلِكَ، وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ، فَقِيْلَ لَهُ: كَيْفَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ: حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ فَشَرَكُوْا بِحُسْنِ النِّيَّةِ»(رواه أبوداود والبخاري مختصراً)

"مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ہم نے جو بھی وادی طے کی اور جس جگہ کا بھی سفر کیا جس سے کفار رنجیدہ ہوتے ہیں اور جو بھی خرچ کیا' یا ہمیں بھوک لگی تو وہ مدینہ میں ہونے کے باوجود ان (امور) میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ نے فرمایا "وہ کسی عذر کی وجہ سے ہمارے ساتھ نہ آسکے اور اچھی نیت کی بنا پر ہمارے ساتھ (ثواب میں) شریک ہیں۔"

"حسن نیت" نے غیر غازی کو غازی کا مقام دلا دیا ہے اور غیر مجاہد کو مجاہد کے درجہ میں لا کھڑا کیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے:

«إِذَا الْتَقَي الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ، فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ فَقَالَ: لأَنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے لڑیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہوں گے" عرض کی گئی قاتل تو قتل کی وجہ سے اور مقتول کیوں؟ فرمایا "اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کے قتل کے درپے تھا۔"

خراب نیت اور فاسد ارادہ نے جہنمی قاتل اور مقتول دونوں کو برابر لاکھڑا کیا ہے اور اگر مقتول کی نیت قتل کی نہ ہوتی تو وہ جنتی ہوتا۔

نیز آپ نے فرمایا: «مَنْ تَزَوَّجَ بِصَدَاقٍ لاَ يَنْوِيْ أَدَاءَهُ فَهُوَ زَانٍ، وَمَنْ أَدَانَ دَيْنًا وَهُوَ لاَ يَنْوِيْ قَضَاءَهُ فَهُوَ سَارِقٌ»(مسند أحمد)

"جو مہر (مقرر کر) کے نکاح کرتا ہے (اور) اس کی ادائیگی کا ارادہ نہیں رکھتا' تو وہ زانی ہے اور جو قرض لیتا ہے اور ادا نہیں کرنا چاہتا تو وہ چور ہے۔"

اس میں ایک "جائز کام" بری نیت سے حرام ہو گیا ہے اور جو جائز کام ممنوع قرار دے دیا گیا ہے حالانکہ اس کام کے کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا' وہ محض نیت کے فساد سے حرج والا بن گیا ہے۔

اس سے نیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ بنا بریں اللہ کے احکام تسلیم کرنے والا انسان اپنے اعمال کی بنا اچھی نیت پر رکھتا ہے اور وہ کوئی بھی عمل بلا نیت سرانجام نہیں دیتا' کیونکہ نیت عمل کی روح اور قوام ہے۔ نیت درست تو عمل صحیح' نیت فاسد تو عمل باطل۔ بلکہ نیت کے بغیر عمل کرنے والا ریاکار اور متکلف ہے' جس پر اللہ کی ناراضگی اترتی ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ نیت اعمال کا رکن اور درستی کے لئے شرط اول ہے' تاہم نیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دیا جائے: «اللهم نويت كذا» "اے اللہ! میں نے فلاں نیت کی ہے" اور نہ ہی محض ذہن میں خیال لانے کا نام نیت ہے۔ بلکہ نیت دل کا فعل ہے' جس کے نتیجہ میں صحیح غرض' حصول نفع یا دفع نقصان حاصل ہوتا ہے کام کرنے کے سچے ارادہ کا نام نیت ہے' جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو اور اس کے احکام کی تعمیل مقصود ہو۔ مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اچھی نیت سے مباح عمل بھی اجروثواب کا باعث ہوتا ہے' جبکہ نیت کی نادرستی سے وہ معصیت اور گناہ ہو جاتا ہے اور انسان سزا کا مستحق بنتا ہے۔

یاد رہے کہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کبھی بھی نیکی نہیں بن سکتے' چاہے وہ نیکی کے ارادہ و نیت سے کئے جائیں' دیکھئے ایک شخص کسی دوسرے شخص کا دل خوش کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرتا

ہے۔ یہ اللہ کا نافرمان ہے' کیونکہ غیبت بہرصورت گناہ ہے اچھے ارادہ سے یہ نیکی نہیں بن جائے گی۔ اسی طرح ایک شخص نے حرام مال سے مسجد تعمیر کر دی' اسے ثواب نہیں ملے گا۔ رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہو کر کمانے والا شخص خیراتی مقاصد میں تعاون کا ارادہ بھی کرے تو اسے ثواب حاصل نہیں ہو گا۔ یا جہادی مہم میں سرمایہ لگانے کے ارادہ سے کسی ناجائز سکیم میں حصہ لے' یہ سب ناجائز اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی کے کام ہیں۔

صالحین کی قبروں پر ان کی محبت کے پیش نظر اگر کوئی شخص قبے تعمیر کرتا ہے' یا ان کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے اور ان کے لئے نذریں مانتا ہے تو یہ بھی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہے' چاہے وہ اپنے خیال میں نیکی کا کام کر رہا ہے' کیونکہ نیت سے وہی کام اطاعت قرار پاتا ہے جو مباح ہو اور اس کے کرنے کی شریعت میں اجازت ہو' حرام کام کسی طرح بھی اطاعت نہیں بن سکتا۔

دوسری فصل

اللہ تعالیٰ کا ادب

مسلمان جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں نطفہ کی صورت میں ٹھہرنے سے لے کر تدریجی مراحل طے کر کے اللہ عزوجل کے ہاں چلے جانے تک اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور نعمتیں اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے جو اس کے استحقاق و شان کے مطابق ہو اور اپنے اعضاء اس کی اطاعت کے کاموں میں لگائے رکھے' یہ ہے انسان کا اللہ جل شانہ' کی جناب میں ادب ملحوظ رکھنا۔ منعم حقیقی کے فضل و کرم کا انکار اور احسانات کی ناشکری' بے ادبی اور اس کے احترام کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ ﴾ (النحل ١٦/ ٥٣)

"اور تمہیں جو نعمتیں (میسر) ہیں' پس وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَإِن تَعُدُّوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحْصُوهَآ ﴾ (إبراهيم ١٤/ ٣٤)

"اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔"

نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾ (البقرة ٢/ ١٥٢)

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔"

اللہ رب العزت کو ماننے والا ایک انسان جب اپنے ذہن و فکر میں یہ عقیدہ راسخ پاتا ہے کہ رب

کائنات کو اس کی ذات اور اس کے سب احوال کا مکمل علم ہے تو اس کے دل میں معبود حقیقی کے رعب و ہیبت کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور رب جلیل کی عظمت و وقار کا یہ شعور اس کے دل کی گہرائیوں میں موثر ہوتا جاتا ہے' جس کے نتیجے میں انسان اس کی نافرمانی میں شرمندگی' ندامت اور خفت محسوس کرتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور گندے اور رذیل کام اس کے سامنے نہیں بجالا سکتا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴾ (نوح ٧١/ ١٣-١٤)

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے' حالانکہ اس نے تم کو مختلف حالات میں پیدا کیا ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴾ (التغابن ٦٤/ ٤)

"اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴾ (یونس ١٠/ ٦١)

"اور تم کسی بھی حال میں ہو یا قرآن پڑھ رہے ہو یا تم کوئی کام کر رہے ہو' مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں' جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو اور زمین اور آسمان کی ایک ذرہ برابر چیز بھی تیرے رب کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی۔"

اور ایک مسلمان جب یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہر لحاظ سے قادر ہے اور وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا' اس کے بغیر کوئی جائے پناہ و تحفظ نہیں ہے تو وہ ضرور اپنے سارے معاملات اسی کے سپرد کرے گا' اس کے آگے گر جائے گا اور اسی پر بھروسہ کرے گا اور یہی اپنے خالق و پروردگار کا ادب ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ کیا ادب و احترام ہے کہ جس سے فرار اور بھاگنا ناممکن ہے' اس سے بھاگنے کی کوشش کرے اور اپنے معاملات اس کے سپرد کرے جسے کوئی طاقت و قوت اور تصرف نہیں ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ﴾ (ہود ١١/ ٥٦)

"(اللہ) زمین پر رینگنے والی ہر چیز کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔"

نیز فرمایا: ﴿ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾ (الذاریات ٥١/ ٥٠)

"پس اللہ ہی کی طرف دوڑو' میں اس کی طرف سے تمہیں واضح ڈرانے والا ہوں۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٢٣)

"اور اگر تم مومن ہو تو ایک اللہ ہی پر بھروسہ اور توکل کرو۔"

اور جب ایک مسلمان غور و فکر کرتا ہے کہ اس کے تمام امور میں اللہ جل جلالہ کی کرم نوازی اور مہربانیاں ہیں اور جملہ مخلوق اسی کی رحمت سے مالا مال ہے تو وہ اپنے لئے امید و توقع کے جذبات پیدا کرے گا اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے پروردگار سے مزید فیضان رحمت کی درخواست کرے گا اور اس میں اپنے اچھے کلمات اور نیک اعمال کو وسیلہ بنائے گا۔ یہ اس کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کے حضور ادب و احترام کی ایک اور صورت ہے' اس لئے کہ جس کی رحمت وسیع ہے اور وہ ہر ایک پر حاوی ہے اس سے ناامیدی اور اپنے کو محروم تصور کرنا ادب نہیں' ارشاد حق تعالیٰ ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٦)

"اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ ﴾ (الشورى٤٢/ ١٩)

"اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ﴾ (يوسف١٢/ ٨٧)

"اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا"

اگر انسان اس طرف اپنی توجہ مبذول کر لے کہ اللہ کی پکڑ سخت ہے' اس کا انتقام بڑا شدید ہے اور وہ جلدی حساب لینے والا ہے تو ہر "بندۂ خدا" اس کی اطاعت کے کاموں میں لگ جائے اور نافرمانی سے احتراز کرے اور یہی اس کی جناب میں ادب ملحوظ رکھنا قرار پائے گا۔ کیونکہ ایک عاجز و بے نوا بندہ اور غلام۔ قادر مطلق' غالب' طاقتور اور قاہر ذات کی نافرمانی کرے؟ کوئی بھی عقلمند اسے ادب و احترام کا نام نہیں دے گا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ ﴾ (الرعد١٣/ ١١)

"اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی (ہوتا) ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴾ (البروج٨٥/ ١٢)

"بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴾ (آل عمران٣/ ٤)

"اللہ غالب انتقام والا ہے۔"

مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی اطاعت نہ کرنے کی صورت میں محسوس کرتا ہے کہ مالک کی وعید اسے پکڑ رہی ہے اور اس کا عذاب نازل ہوا چاہتا ہے' جبکہ اطاعت و فرماں برداری کی صورت میں اللہ جل شانہ' کے وعدے اسے پورے ہوتے نظر آتے ہیں اور اس کی رضا اسے لباس کی طرح حاوی محسوس ہوتی ہے تو یہ اس مسلمان کا اللہ کے بارے میں اچھا ظن ہے اور یہی ادب و احترام کا ایک مقام ہے' کیونکہ انسان "سوء ظن" کا شکار ہو جائے تو مالک کی نافرمانی اور بغاوت کرنے لگ جاتا ہے اور اس زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ میری اس حالت پر غیر مطلع ہے اور مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ ٱللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ ٱلَّذِى ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَىٰكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴾ (فصلت ٤١/ ٢٢-٢٣)

"اور لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہت سی باتوں کی خبر ہی نہیں اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا ہے۔ پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔"

اور یہ بھی اللہ جل جلالہ' کی جناب میں ادب نہیں کہ انسان تقویٰ و اطاعت تو اختیار کرے مگر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اچھے اعمال کا بدلہ نہیں دے گا اور نہ ہی وہ اطاعت و عبادت قبول کرے گا۔

جبکہ فرمان ایزدی ہے: ﴿ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَخْشَ ٱللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ ﴾ (النور ٢٤/ ٥٢)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (النحل ١٦/ ٩٧)

"جو مرد و عورت حالت ایمان میں نیک عمل کرتے ہیں' ہم انہیں (دنیا میں) اچھی اور پاکیزہ زندگی سے زندہ رکھیں گے اور انہیں (قیامت کے دن) ان کے اچھے اعمال کا جو وہ کرتے تھے' بہترین بدلہ دیں گے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ (الأنعام ٦/ ١٦٠)

"جو کوئی (اللہ کے حضور ایک) نیکی لے کر آئے گا' اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو (ایک) برائی لے کر آئے گا' اسے ویسی ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا' نافرمانی کے اسباب پیدا ہونے کی صورت میں

شرم و حیا کا احساس اجاگر ہونا' اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا' اپنے معاملات کے نتائج اسی کے سپرد کرنا' اس کی رحمت کی امید اور سزا و ناراضگی کا خوف بیدار ہونا' اس کے وعدوں کے ایفاء کا یقین کرنا اور گناہوں پر دھمکی اور وعید کے اترنے کا اندیشہ پیدا ہو جانا۔ یہ سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ''حسن ادب'' ہے اور اس میں جو جتنے اچھے مقام پر فائز ہو گا وہ درجات کی اتنی ہی بلندی کا مستحق ٹھہرے گا۔ ایسے انسان کے لئے اللہ جل شانہ کے ہاں عظیم مراتب اور اونچا مقام ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت و دوستی کا مستحق ہے' اس کی رحمت اور نعمت اس پر اترتی ہے اور انسان کے مطلوب و مقصود میں یہ سب سے اونچا مقام ہے۔ اے مالک! ہمیں اپنی محبت اور دوستی عطا فرما' اپنی نگہداشت سے ہمیں محروم نہ کر اور اے رب دو جہاں! ہمیں اپنے مقربین میں سے بنا دے۔ آمین یا رب العالمین!

تیسری فصل

کتاب اللہ کا ادب

ہر مسلمان کلام الٰہی کی تقدیس کا معترف ہے اور اس کا ایمان ہے کہ یہ مخلوق کے کلام سے افضل و اشرف ہے۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس کے اردگرد باطل نہیں پھٹک سکتا۔ جو اس کے مطابق بات کرے' وہ سچا ہے اور جو اس کے موافق فیصلہ کرے' وہ عادل ہے۔ قرآن کو ماننے والے اللہ کے مقرب ہیں' اس پر عمل کرنے والے کامیاب و کامران ہیں اور اس سے اعراض کرنے والے تباہ و برباد ہیں۔

ایک مسلمان کے دل میں کتاب اللہ کی عظمت و تقدیس اس سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے فضل و شرف اور قدوسیت کا بایں الفاظ اظہار فرمایا ہے:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِصَاحِبِهِ»(صحيح مسلم)

''قرآن پڑھو' یہ قیامت کے دن اس پر عمل کرنے والے کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔''

نیز فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»(صحيح بخاري)

''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

نیز فرمایا: «أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ»(سنن النسائی، سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم وإسناده حسن)

''قرآن والے اللہ تعالیٰ کے اپنے اور اس کے منتخب لوگ ہیں۔''

نیز فرمان نبوی ہے: «إِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ، فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَا جِلَاءُهَا؟ فَقَالَ: تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَذِكْرُ الْمَوْتِ»(رواه البيهقي في شعب الإيمان

وإسناده ضعيف)

"دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں' جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔" عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! دلوں کا زنگ کس طرح دور ہوتا ہے؟ فرمایا "تلاوت قرآن اور موت یاد کرنے سے۔"

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ضدی مخالف (ولید بن مغیرہ) آ کر کہنے لگا' اے محمد! مجھے قرآن پڑھ کر سنایئے' تو آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَـٰنِ وَإِيتَآئِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَٱلْبَغْىِ ۚ﴾ (النحل١٦/ ٩٠)

"بے شک اللہ عدل' نیکی اور قرابت داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی' منکرات اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔"

ابھی رسول اللہ ﷺ آیت کریمہ کی تلاوت سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ وہ نبی ﷺ کی جان کا دشمن دوبارہ پڑھنے کا کہنے لگا' وہ الفاظ و معانی کی جلالت کے زور و قدوسیت میں مدہوش ہو گیا اور ان کی قوت تاثیر نے اسے ایسا متاثر کیا کہ وہ قرآن کی عظمت و تقدیس کا قائل ہو کر کہنے لگا:

«وَاللهِ إِنَّ لَهُ لَحَلاَوَةً، وَإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلاَوَةً، وَإِنَّ أَسْفَلَهُ لَمُورِقٌ وَإِنَّ أَعْلاَهُ لَمُثْمِرٌ، وَمَا يَقُوْلُ هٰذَا بَشَرٌ»(رواه ابن جرير الطبري والبيهقي بإسناد جيد)

"اللہ کی قسم! اس میں مٹھاس ہے' اس میں تازگی ہے اور (یہ ایک ایسے درخت کی طرح ہے) جس کا نچلا حصہ سایہ دار اور اوپر والا حصہ پھل دار ہے' یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔"

بنا بریں مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ قرآن کے بیان کردہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیتا ہے اور اپنی عادات و اخلاق اس کے مطابق سنوارنے کی سعی کرتا ہے۔

آداب تلاوت:

قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ہر مسلمان پر درج ذیل امور کا التزام کرنا ضروری ہے:

(۱) بہترین حالت میں تلاوت کلام پاک کرے یعنی باوضو اور قبلہ رخ ہو کر اور ادب و وقار کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲) تلاوت میں جلدی نہ کرے' بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے' تین رات سے کم میں پورا قرآن نہ پڑھ ڈالے اس لئے کہ آپؐ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَرَأَهُ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلاَثٍ لَمْ يَفْقَهْهُ»(أصحاب السنن، وقال الترمذي: هذا حديث صحيح)

"جو اسے تین رات سے کم میں پڑھتا ہے' اس نے اسے نہیں سمجھا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ سات رات میں قرآن مجید ختم کریں۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود' عثمان بن عفان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی سات رات میں ایک بار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

۳۔ خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت کرے' حزن و غم کا اظہار کرے اور اپنے اوپر رونے کی کیفیت طاری کرے۔

آپؐ نے فرمایا: «اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَابْكُوْا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا»(ابن ماجة وسنده جيد)

''قرآن کی تلاوت کرو اور رؤو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی کیفیت ہی بنالو۔''

(۴) اچھی آواز سے تلاوت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»(مسند أحمد، سنن ابن ماجة، سنن نسائی ومستدرك حاكم وصححه)

''اپنی آواز کے ساتھ قرآن کو مزین کرو۔''

نیز فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''جو اچھی آواز سے قرآن نہیں پڑھتا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

نیز ارشاد ہے: «مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''اللہ جل جلالہ' کسی بات کو اتنی خوشی سے نہیں سنتے' جتنا کہ پیغمبر ﷺ کا قرآن پڑھنا خوش ہو کر سنتے ہیں جو کہ اچھی آواز سے اس کو پڑھتا ہے۔''

(۵) دکھاوے اور کسی کو سنانے کے جذبہ کی خواہش پیدا ہونے' یا کسی نمازی کی نماز میں خلل اندازی کا خطرہ ہو تو تلاوت آہستہ آواز سے کرے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: «اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ»(سنن الترمذي، سنن النسائی ومسند أحمد)

''جہری (بلند) آواز سے تلاوت کرنے والا' اس شخص جیسا ہے جو کھلم کھلا خیرات کرتا ہے۔''

اور یہ بات واضح ہے کہ خیرات پوشیدہ کرنی بہتر ہے' الّا یہ کہ اظہار میں کوئی فائدہ مدنظر ہو' جیسے لوگوں کو خیرات کرنے پر آمادہ کرنا وغیرہ۔ قرآن کا حکم بھی یہی ہے۔

(۶) قرآن کے معانی و مفاہیم پر غور و تدبر کے ساتھ تلاوت کرے' تعظیم ملحوظ رکھے' حضور قلب کے ساتھ پڑھے اور معانی و اسرار پر پوری توجہ دے۔

(۷) تلاوت کے وقت غفلت و اعراض کرنے اور اس کے احکام کی مخالفت کرنے والا نہ بنے کہ

کہیں خود ہی اس کی لعنت کا مستحق نہ بن جائے' مثلاً:

جب ایک انسان پڑھتا ہے:

﴿ أَلَا لَعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ (هود١١/ ١٨)

"خبردار اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے۔"

اور فرمان نبوی ہے: ﴿ لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَٰذِبِينَ ﴾ (آل عمران٣/ ٦١)

"اللہ کی لعنت جھوٹے لوگوں پر ہے۔"

تو اگر پڑھنے والا خود ظالم اور جھوٹا ہو تو یہ لعنت اسی پر واقع ہو گی۔ اللہ کی کتاب میں اعراض و غفلت کس قدر بری چیز ہے۔ درج ذیل روایت سے اس کا پتہ چلتا ہے:

تورات میں ہے' اے انسان! تجھے شرم نہیں آتی' جب تیرے کسی ساتھی کا مکتوب تیرے پاس آتا ہے تو راستہ سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ کر اسے غور و فکر سے پڑھتا ہے کہ کوئی بات رہ نہ جائے۔ جبکہ میری کتاب کے ساتھ تیرا سلوک یہ نہیں! میں نے اپنی کتاب میں بات واضح کر کے بیان کر دی اور بار بار ایک بات کو دہرایا ہے' تاکہ تو اس کا طول و عرض اچھی طرح سمجھ لے' مگر تو اس سے اعراض کرتا ہے تو میں تیرے ساتھیوں سے کم تر ٹھہرا؟ میرے بندے! جب تیرے ساتھی تیرے ساتھ بیٹھتے ہیں تو ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتا ہے اور غور سے ان کی بات سنتا ہے' اگر درمیان میں کوئی کلام کرنا چاہیئے یا کوئی اور چیز درمیان میں مخل ہو تو تو فوراً ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ خاموش ہو جا۔ مگر میرے ساتھ تیرا یہ رویہ کیوں نہیں ہے؟ میں تیری طرف متوجہ ہوں' تیرے ساتھ باتیں کر رہا ہوں اور تیرا دل کسی غیر کا مسکن بنا ہوا ہے' کیا تو مجھے اپنے بعض ساتھیوں سے بھی کم تر جانتا ہے؟"

(۸) تلاوت کرتے وقت پوری کوشش کرے کہ اللہ والوں کی صفات اس میں پیدا ہو جائیں اور انہیں کی علامتیں اس میں در آئیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا رات میں پہچانا جاتا ہے جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں' دن میں پہچانا جاتا ہے جب لوگ کھا پی رہے ہوتے ہیں' رونے سے اس کی پہچان ہوتی ہے' جبکہ لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں' پرہیزگاری اس کی علامت ہے' وہ خاموش طبع ہے۔ خشوع و خضوع سے متصف ہے اور اللہ کے خوف و رجا کی کیفیت اس پر طاری ہے' جبکہ عام لوگ ان صفات عالیہ سے عاری ہوتے ہیں۔"

محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بیداری اور نیند کی کمی کی بنا پر جسم کی زردی سے ہم قرآن کے قاری کو جانتے تھے۔"

وھیب بن ورد رحمہ اللہ کہتے ہیں "ایک آدمی کو کہا گیا تم سوتے کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا' قرآن کے عجائب نے میری نیند اڑا دی ہے" اور پھر ذوالنون کا یہ شعر پڑھا:

مَنَعَ الْقُرْآنُ بِوَعْدِهِ وَ وَعِيْدِهِ مُقَلَ الْعُيُوْنِ بِلَيْلِهَا لاَ تَهْجَعُ
فَهِمُوْا عَنِ الْمَلِكِ الْعَظِيْمِ كَلاَمَهُ فَهْمًا تَذِلُّ لَهُ الرِّقَابُ وَتَخْضَعُ

"قرآن کے وعدہ و وعید نے راتوں میں آنکھوں کی نیند ختم کر دی ہے۔ انہوں نے بڑے بادشاہ کے کلام کو سمجھ لیا ہے' تب ہی تو ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی اور جھکی ہوئی ہیں۔"

چوتھی فصل

رسول اللہ ﷺ کا ادب

ایک مسلمان کا شعوری احساس یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پوری طرح ادب ملحوظ رکھنا فرض اور لازم ہے' اس لئے کہ:

(ا) ہر مومن مرد عورت پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صراحتاً اپنے کلام میں نبی (ﷺ) کے آداب ملحوظ رکھنے کو لازم قرار دیا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱتَّقُواْ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱)

"اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے مت بڑھو۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرْفَعُوٓاْ أَصْوَٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُواْ لَهُۥ بِٱلْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَـٰلُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے ایسے زور سے نہ بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے کے سامنے بولا کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَٰتَهُمْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمْتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۳)

"بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آواز پست رکھتے ہیں' ان کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔"

نیز ارشاد ایزدی ہے: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُواْ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۴-۵)

"بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں' ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ

آپ کے نکلنے تک صبر کر لیتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔"

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ﴾ (النور ٢٤/ ٦٣)

"(مومنو!) پیغمبر کے بلانے کو اس طرح خیال نہ کرنا جس طرح تمہارا ایک دوسرے کو بلاتا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ﴾ (النور ٢٤/ ٦٢)

"مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے اور جب کسی اجتماعی کام کے لئے پیغمبر کے ساتھ ہوں تو وہ ان سے اجازت لئے بغیر نہیں چلے جاتے۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ ﴾ (النور ٢٤/ ٦٢)

"جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں' وہی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں' سو جب یہ لوگ کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کے لئے چاہیں آپ اجازت دے دیں۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (المجادلة٥٨/ ١٢)

"اے ایمان والو! جب تم رسولؐ کے ساتھ سرگوشی کرو تو سرگوشی کرنے سے پہلے (مساکین کو) خیرات کرو' یہ عادت تمہارے لئے بہتر اور پاک کرنے والی ہے۔ اگر تم کوئی چیز نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۴) ایمانداروں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت' لازم و فرض قرار دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﴾ (محمد٤٧/ ٣٣)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔"

اور مزید فرمایا: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (النور ٢٤/ ٦٣)

"پس اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ انہیں کوئی آزمائش یا دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔"

اور فرمایا: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ﴾ (الحشر٥٩/ ٧)

"اور رسول (ﷺ) تم کو جو دے، وہ لے لو اور جس سے منع کرے، اس سے رک جاؤ۔"

اور فرمایا: ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾ (آل عمران ۳/ ۳۱)

"کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہاری کوتاہیاں معاف کر دے گا۔"

جس کی فرمانبرداری لازم اور نافرمانی حرام ہو، ہر حال میں اس کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔

(۳) اللہ عزوجل نے آپ کو امام اور حاکم مقرر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٥)

"یقیناً ہم نے تجھ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کے دکھائے طریق پر لوگوں میں فیصلے کرو۔"

اور فرمایا: ﴿ وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ ﴾ (المائدة ٥/ ٤٩)

"اور اللہ نے جو اتارا ہے، اس کے مطابق ان میں فیصلہ کر اور ان کی خواہش کے پیچھے نہ چل۔"

اور فرمان ربانی ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴾ (النساء ٤/ ٦٥)

"تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں اور پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس سے اپنے تئیں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور (اسے) صحیح طور پر تسلیم کر لیں۔"

اور ارشاد ہوا: ﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٢١)

"یقیناً اللہ اور آخرت کی امید رکھنے والوں کے لئے اللہ کے رسول (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔"

(۴) رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کی محبت ضروری قرار دی ہے، چنانچہ آپ ؐ کا ارشاد عالی ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُم حَتَّي أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے ہاں اس کی اولاد، (ماں) باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔"

(۵) رب کائنات نے آپ کو خصوصی جسمانی و اخلاقی حسن و جمال سے نوازا ہے' نفس و ذات کے تمام تر کمالات آپؐ کو عطا کئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ سب مخلوق سے خوبصورت اور اکمل ہیں۔ ایسی ذات کا احترام کیوں ضروری نہ ہو؟

آپؐ کے ادب کو واجب قرار دینے والی چیزوں میں سے بعض امور کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ آپؐ کا ادب ملحوظ رکھنے کا مقصد کیا ہے؟ اور آپؐ کے احترام میں کیا امور داخل ہیں؟

(۱) ہر بات میں آپؐ کی پیروی' دین و دنیا کی سب راہوں میں آپؐ کے نقش قدم پر چلنا ہی آپؐ کا ادب ہے۔

(۲) آپؐ کی محبت' توقیر و تعظیم پر کسی اور کی محبت' توقیر اور تعظیم فائق نہیں ہے' چاہے مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔

(۳) جس سے آپؐ کی دوستی ہے' اس سے محبت اور جس سے دشمنی ہے' اس سے بغض اور جس کام کو آپؐ نے پسند کیا' اس پر رضا اور جس کام پر آپؐ ناراض ہوئے ہیں' اس پر غصہ بھی نبی ﷺ کا ادب ہے۔

(۴) آقائے نامدار (ﷺ) کے تذکرہ کے وقت نام کی جلالت و توقیر کو ملحوظ رکھنا' آپ پر درود پڑھنا' آپؐ کی عادات و صفات عالیہ کو بڑا جاننا بھی ادب ہے۔

(۵) دین و دنیا کی جس بات کی نبی اکرم (ﷺ) نے خبر دی ہے' دنیاوی و اخروی حیات کے جن خفیہ گوشوں کی آپؐ نے نشاندہی کی ہے' اس کی پوری تصدیق کرنا۔

(۶) آپؐ کے طریقۂ عالیہ کے احیاء کی سعی کرنا اور شریعت اسلامیہ کو پھیلانا نیز آپؐ کے پیغام کا ابلاغ اور آپؐ کی وصیتوں کا نفاذ بھی آپؐ کا ادب ہے۔

(۷) مسجد نبویؐ کی زیارت اور آپؐ کے روضہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر شرف یابی کی جسے توفیق ملے' وہ درود پڑھتے ہوئے آواز پست رکھے۔

(۸) آپؐ کی محبت کی بنیاد پر نیک لوگوں سے محبت اور ان سے دوستی اور فاسق و نافرمانوں سے بغض اور دشمنی رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان سے بغض رکھتے تھے' آپؐ کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے احترام و ادب کے یہ چند نتائج ہیں' جن کا ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور کمال و سعادت کا حصول اس پر موقوف ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپؐ کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپؐ کا تابع فرمان بنائے' دین کی نصرت میں ہم سے کام لے اور آخرت میں آپؐ کی شفاعت کا ہمیں مستحق بنائے۔ آمین!

پانچویں فصل

نفس کے حقوق و آداب

دنیا و آخرت کی سعادت اپنے نفس کی تادیب' اصلاح' تزکیہ اور تطہیر میں ہے اور شقاوت و بدبختی یہ ہے کہ نفس میں خرابی' میل اور خباثت و نجاست بھر جائے۔ درج ذیل آیات مبارکہ اس پر دلالت کناں ہیں:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ﴾ (الشمس ۹۱/ ۹۔۱۰)

"جس نے (اپنے) نفس کو پاک رکھا' وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا' وہ خسارے میں رہا۔"

اور مزید فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُجْرِمِينَ ۝ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴾ (الأعراف ۷/ ۴۰۔۴۲)

"بے شک جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں' ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ بہشت میں داخل ہوں گے' یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے (نیچے آتش) کا بچھونا ہو گا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا) اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَٱلْعَصْرِ ۝ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴾ (العصر ۱۰۳/ ۱۔۳)

"قسم ہے زمانہ کی! بے شک انسان نقصان میں ہے' مگر وہ لوگ (خسارے میں نہیں) جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اور آپس میں حق کی وصیت (تلقین) اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

اور رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: «كُلُّكُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ أَبَى، قَالُوْا: وَمَنْ يَأْبَى يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبَى» (صحيح بخاري)

"تم سب جنت میں داخل ہو گے' مگر جس نے انکار کیا' صحابہ کرام ؓ نے عرض کی' یا رسول اللہ! (ﷺ) (جنت میں جانے سے) کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو میری اطاعت کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے' گویا اس نے انکار کیا۔"

نیز فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا»(صحيح مسلم)

"سب لوگ صبح کے وقت نکل کر اپنی جان کا سودا کرتے ہیں۔ کوئی تو اسے آزاد کراتا ہے اور کوئی تباہ و برباد۔"

ہر مسلمان اس بات کا یقین کرتا ہے کہ نفس کی تطہیر و پاکیزگی ایمان اور عمل صالح سے ہوتی ہے اور اس کی پلیدی' خرابی اور فساد کفر اور گناہوں کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ ٱلنَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ ٱلَّيْلِ ۚ إِنَّ ٱلْحَسَنَـٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ﴾ (هود١١/ ١١٤)

"اور دن کے اطراف اور رات کے حصوں میں نماز قائم کر' بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔"

نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴾ (المطففين٨٣/ ١٤)

"بلکہ ان کے کئے ہوئے کاموں کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّي تَعْلُوَ قَلْبَهُ»(مسند أحمد واللفظ له، سنن ابن ماجة، وسنن الترمذي وقال حسن صحيح وسنن النسائى)

"مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ بن جاتا ہے' اگر توبہ کرے اور اس سے باز آ جائے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ میں بڑھتا رہے تو سیاہ دھبہ اس کے دل پر حاوی ہو جاتا ہے۔"

یہ وہی ران (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمان میں تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴾ (المطففين٨٣/ ١٤)

"نہیں' بلکہ ان کے کئے ہوئے کاموں کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا۔"

اور فرمان نبوی ہے: «اِتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»(مسند أحمد، سنن الترمذي ومستدرك حاكم)

"جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر اور برائی کے بعد نیکی کر' یہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے

اخلاق کا برتاؤ کر۔"

انہی وجوہات کی بنا پر مسلمان ہر وقت اپنے آپ کو ادب سکھانے' نفس کو پاک کرنے اور اس کی تطہیر میں لگا رہتا ہے کہ سب سے اہم یہی کام ہے اور ایسے کاموں کی عادت ڈالتا ہے' جو اس کے گناہوں کے میل کو دھو ڈالتے ہیں اور ہر گندے اور فاسد عقائد سے بچنے کی سعی کرتا رہتا ہے' ناجائز اقوال و افعال سے اجتناب ضروری گردانتا ہے' اس کا دن رات اسی "مجاہدۂ نفس" میں گزرتا ہے اور ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ نیک کاموں کی عادت بنانا اور برے کاموں سے خود کو دور رکھنا یہ اس کی پختہ عادت بنی ہوئی ہے اور وہ اصلاح و تادیب نفس کے لئے درج ذیل طریقے پر چلتا ہے:

(ا) توبہ:

اس سے مراد اللہ کی نافرمانیوں سے دور ہونا اور پہلے گناہوں پر ندامت اور آئندہ کے لئے یہ عزم صادق کہ یہ گناہ پھر کبھی نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ﴾ (التحریم٦٦/ ٨)

"اے ایمان لانے والو! اللہ کی طرف خالص (دل سے) رجوع کرو' امید ہے وہ تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں باغات میں' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' داخل کرے گا۔"

نیز ارشاد فرمایا: ﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَاأَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَي اللهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَي اللهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ»(صحیح مسلم)

"اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔ میں بھی دن میں سو بار اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔"

نیز فرمایا: «مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللهُ عَلَيْهِ»(صحیح مسلم)

"جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیں گے۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيئُ النَّهَارِ،

وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُى اللَّيْلِ، حَتَّي تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا»(صحيح مسلم)

"اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ سورج کے مغرب سے طلوع تک ایسا ہوتا رہے گا۔"

نیز ارشاد ہوا: «لله أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِيْ أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ، مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ، فَطَلَبَهَا حَتَّي أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِيَ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ فَأَنَامُ حَتَّي أَمُوْتَ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهِ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ وَعَلَيْهِ زَادُهُ وَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَلَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو مہلک ویرانے میں ہو۔ اس کے ساتھ اس کی سواری ہو جس پر کھانے' پینے کی چیزیں ہوں اور پھر وہ سو جائے' بیدار ہو کر دیکھے تو اس کی سواری غائب ہو' پھر اسے تلاش کرتے کرتے پیاس لگ جائے۔ آخر کار (دل میں) کہے کہ اسی جگہ جا کر لیٹ جاتا ہوں تاکہ میری موت واقع ہو جائے۔ اور وہ مرنے کے لئے کلائی پر سر رکھ کر لیٹ جائے جب بیدار ہوتا ہے تو اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے سامنے موجود ہے جس پر زاد راہ' طعام و مشروب لدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بڑھ کر خوش ہوتا ہے جو (گم ہونے کے بعد) اپنی سواری' جس پر اس کا زاد راہ ہو' کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔"

اور یہ بھی مروی ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو ان کی توبہ قبول ہونے پر مبارکباد دی تھی۔ (احیاء العلوم للغزالی)

(۲) مراقبہ:

مسلمان اپنی زندگی کے لحات میں اللہ عزوجل کو پیش نظر رکھتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ وہ اس کے ہر عمل پر مطلع ہے' اس کے خفیہ گوشوں پر اس کی نظر ہے اور وہ اس کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اس طرح اسے اللہ عزوجل کے جلال و کمال میں استغراق کی کیفیت حاصل ہوتی ہے' پھر اس کی یاد میں اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے' اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں وہ فرحت و سرور محسوس کرتا ہے' اس کے جوار و قرب میں رہنا اسے پسند آتا ہے اور وہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اغیار سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے مندرجہ ذیل فرمان میں مذکور "اپنے چہرے کو اللہ کے حوالے کرنے" کا مطلب یہی ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ (النساء٤/ ١٢٥)

"اور اس سے بہتر دین کس کا ہے؟ جو اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کرتا ہے اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے۔"

نیز اللہ سبحانہ' نے فرمایا: ﴿ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ﴾ (لقمان٣١/ ٢٢)

"اور جو اپنا چہرہ اللہ کے سپرد کر دے اور وہ نیکی کرنے والا ہے' پس اس نے مضبوط کڑا پکڑ لیا ہے۔"

اور درج ذیل آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے اسی کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٥)

"اور یقین کرو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے' پس اسی سے ڈرو۔"

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ (النساء٤/ ١)

"بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ﴾ (یونس١٠/ ٦١)

"اور تم جس حال میں ہوتے ہو اور قرآن پڑھتے ہو اور جو بھی عمل کرتے ہو' ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں' جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تو عبادت الٰہی اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ (پانے کا تصور) نہیں رکھتا تو (یہ ضرور ہونا چاہیئے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

سلف صالحین رحمہم اللہ کا یہی طریق کار رہا ہے اور اس طرح انہیں یقین کامل نصیب ہوا اور مقربین کے درجہ پر فائز ہوئے۔ چند اقوال مبارکہ ملاحظہ فرمائیے:

* جنید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نظر نیچی رکھنے میں کیا چیز معاون بن سکتی ہے؟ فرمایا "تمہارا یہ جاننا کہ تجھے دیکھنے والے کی نظر تیری نگاہ سے جو کسی کی طرف اٹھ رہی ہے' زیادہ تیز ہے۔"

* سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں "اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف نظر رکھ کہ جس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

اس سے امید قائم کر، جو وفا کا مالک ہے اور اس سے ڈر، جو سزا دینے پر قادر ہے۔"

* عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ایک شخص کو کہا "اے شخص! اللہ کے مراقبہ میں رہ" اس نے کہا کس طرح؟ فرمایا "ہمیشہ اس طرح رہ کہ گویا تو اللہ عزوجل کو دیکھ رہا ہے۔"

* عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں "میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک جگہ آرام کے لئے اترے، پہاڑ پر سے ایک چرواہا ہمارے پاس آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے (بغرض امتحان) کہا، اے چرواہے! ہمیں اپنی بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر دو۔ چرواہے نے جواب دیا، میں غلام ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اپنے سردار سے کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، غلام نے جواب دیا "اللہ تو دیکھ رہا ہے؟" عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور صبح چرواہے کے سردار سے ملے اور اسے خرید کر آزاد کر دیا۔

* ایک صالح شخص کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرا جو تیراندازی کر رہی تھی، جبکہ ایک شخص ان سے دور الگ بیٹھا تھا۔ وہ نیک شخص اس کے پاس گیا اور اس سے کلام کرنی چاہی، اس نے جواب دیا، اللہ کا ذکر مجھے زیادہ پسند ہے، نیک آدمی نے کہا "اکیلے ہی؟" اس نے جواب دیا "میرے ساتھ اللہ اور دو فرشتے ہیں۔" پھر پوچھا، ان لوگوں میں سے کون آگے بڑھا؟ جواب دیا، جس کو اللہ معاف کر دے، کہا راستہ کدھر ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور اٹھ کر چلا گیا۔

* کہتے ہیں زلیخا جب یوسف علیہ السلام کو خلوت میں لے گئی تو اپنے بت پر کپڑا ڈال دیا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا تو اس پتھر کا لحاظ کر رہی ہے اور میں بادشاہ جبار کا لحاظ کیوں نہ کروں؟

اور بعض نے اس کی بابت درج ذیل اشعار ذکر کئے ہیں:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ خَلَوْتُ وَلَكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

"جب تو کبھی کسی جگہ اکیلا ہو تو یہ نہ کہنا کہ میں اکیلا ہوں، بلکہ کہو میرے اوپر نگراں ہے۔"

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللهَ يَغْفَلُ سَاعَةً وَلَا أَنَّ مَا تُخْفِيْ عَلَيْهِ يَغِيْبُ

"اور نہ یہ سمجھ کہ اللہ ایک لحہ بھی غافل ہے اور نہ یہ کہ جو تو اس سے چھپاتا ہے، وہ چیز اس سے غائب ہے۔"

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْيَوْمَ أَسْرَعُ ذَاهِبٍ وَأَنَّ غَدًا لِلنَّاظِرِيْنَ قَرِيْبُ

"کیا تو نہیں دیکھتا کہ آج کتنی تیزی سے جا رہا ہے اور کل دیکھنے والوں کے کتنا قریب ہے۔"

(۳) محاسبہ:

ایک مسلمان اپنے آپ کا محاسبہ اس طرح کرے کہ وہ اس زندگی میں دن رات عمل کرتا رہے، تاکہ یہ عمل دار آخرت میں اس کے لئے مفید بن جائے اور اس کی عزت افزائی کا باعث بنے اور اسے

اللہ جل شانہ' کی رضا حاصل ہو سکے۔ دنیا عمل کا گھر ہے اور اللہ عزوجل کے مقرر کردہ فرائض اصل سرمایہ ہیں' جن کی حفاظت کرنی ہے۔ نوافل اصل سرمایہ سے زائد منافع ہے' جس کے لئے پوری توجہ دینی ہے اور گناہ و معاصی یہ سرمائے کا خسارہ ہے' جن سے بچنا ہے۔ ہر دن انسان اپنے یومیہ عمل کا محاسبہ اس طرح کرے کہ اگر فرائض میں کمی آ رہی ہے تو خود کو ملامت کرے' زجر و توبیخ کرے اور خود اس کی تلافی کی کوشش شروع کر دے' اگر اس کی قضا ہو سکتی ہے تو کرے' اگر قضا ممکن نہیں تو نوافل سے اس کمی کی تلافی کرے' اسی طرح اگر نوافل میں کمی محسوس کرتا ہے تو اس کمی کو پورا کرے اور اگر گناہوں کے ارتکاب سے خسارہ ہو رہا ہے تو استغفار' ندامت' انابت اور عمل خیر کے ذریعے خرابی کی اصلاح کرے۔ محاسبۂ نفس کا یہی مطلب ہے اور یہی نفس کی اصلاح' تزکیہ اور تطہیر کا ایک راستہ ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ﴾ (الحشر ۵۹/ ۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس دیکھے کہ کل کے لئے اس نے کیا آگے بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرو' بے شک اللہ تمہارے کئے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٌ﴾ میں نفس کے محاسبہ کا حکم ہے کہ اس نے کل' جس کا انتظار کیا جا رہا ہے' کے لئے کیا کچھ آگے بھیجا ہے؟

نیز فرمایا: ﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱)

"اے ایمان والو! سب اللہ کی طرف رجوع کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَتُوْبُ إِلَى اللهِ وَأَسْتَغْفِرُهُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ» (صحيح مسلم وسنن أبي داود)

"میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے سو بار بخشش طلب کرتا ہوں۔"

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «حَاسِبُوْا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا»

"اس سے قبل کہ تم سے حساب کیا جائے' خود اپنا محاسبہ کر لو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اپنے پاؤں پر درہ مارتے اور فرماتے "تو نے آج کیا کام کیا ہے؟"

باغ میں انہماک کی وجہ سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نماز سے غافل ہو گئے' نماز سے فارغ ہوتے ہی سارا باغ خیرات کر دیا۔ یہ محاسبۂ نفس انہوں نے خود کو سزا دینے اور تادیب کے طور پر کیا۔

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ چراغ کے پاس آتے اور اپنی انگلی آگ کے لو پر رکھ دیتے' تاکہ اسے آگ کی تپش کا احساس ہو اور پھر اپنے آپ کو کہتے "اے احنف! فلاں دن تو نے یہ کام کیوں کیا تھا؟ کس چیز نے

اس کام پر آمادہ کیا تھا؟"

ایک زاہد کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جنگ میں تھے کہ ایک عورت سامنے آ گئی' وہ اسے دیکھنے لگے' پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور آنکھ پر دے مارا اور اسے نکال دیا اور کہا "تو ضرر رساں چیز کو دیکھ رہی ہے۔"

ایک نیک آدمی ایک اونچے مکان کے پاس سے گزرا اور کہنے لگا' یہ کب تعمیر ہوا ہے؟ پھر اپنے آپ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا تجھے اس سے کیا؟ میں اس کی تجھے ایک سال روزہ رکھ کر سزا دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

ایک اور صاحب کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تپتی گرم ریت پر لیٹ جاتے اور کہتے "دیکھ لے آتش جہنم اس سے بھی زیادہ گرم ہے اور تو دن رات بے مقصد کاموں میں مشغول ہے۔"

ایک اور شخص نے اوپر کی طرف نظر اٹھائی تو مکان پر کھڑی ایک عورت پر نظر پڑ گئی' اس نے آئندہ پختہ عزم کر لیا کہ وہ زندگی بھر آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائے گا۔

اس امت کے صالحین" اپنی کمزوریوں کا اسی طرح جائزہ لیتے تھے اور پھر تقویٰ کا التزام کرتے اور نفس کی خواہشات سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر عمل کا نتیجہ تھا:

﴿ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ ﴾

(النازعات ۷۹/ ۴۰۔۴۱)

"اور جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے بچا لیا' پس اس کا ٹھکانا جنت ہے۔"

(۴) مجاہدہ:

ہر مسلمان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اس کا پہلا دشمن اس کا اپنا "نفس" ہے' جو اس کے پہلو میں چھپا ہوا ہے۔ یہ طبعی طور پر شرپسند ہے' اچھائی سے فرار اختیار کرتا اور برائی کا حکم دیتا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے:

﴿ ۞ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِىٓ ۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۵۳)

"اور میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا' یہ تو برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔"

اسے آرام و راحت میں رہنا پسند ہے' بے مقصد کاموں میں راغب ہے اور شہوات و خواہشات کی رو میں بہتا رہتا ہے' چاہے اس میں اس کی موت ہی واقع ہو جائے۔

"نفس امارہ" کی اس حقیقت سے آگاہی کے بعد ہی ایک انسان اپنے آپ کو اس کے خلاف جہاد کرنے پر تیار کر سکتا ہے اور اعلان جنگ کر کے مقابلہ میں اسلحہ نکالتا اور اس کی رعونتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور جوں ہی نفس "راحت طلب" ہونے لگتا ہے' اسے مشقت پر آمادہ کر کے' شہوات کی رغبت سے

محروم کر دیتا ہے اور جب اللہ کی اطاعت اور نیکی میں کمزوری دکھانے لگتا ہے تو اسے سزا دیتا ہے اور ملامت کرتا ہے اور لازماً وہ کام کرتا ہے جن میں نفس کوتاہی کر رہا تھا اور کمزوری دکھا رہا تھا۔ یہ تادیب مسلسل جاری رہتی ہے' یہاں تک کہ اس کا نفس مطمئن اور پاک و طاہر ہو جاتا ہے اور یہی "مجاہدۂ نفس" اصل مطلوب ہے۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ﴿ وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ٦٩)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں' ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ایک مسلمان جب اللہ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے تاکہ یہ نفس پاک' طاہر اور مطمئن بن جائے اور اللہ کے اعزازات و کرامات حاصل کرنے کا مستحق قرار پائے۔ تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی صالحین' مومنین اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور پھر وہ ان کی اقتدا میں ان کے راستہ کے نشانات پر چلتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت اتنا لمبا قیام کیا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے' جب آپ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

«أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا»(صحيح بخاري)

"کیا میں پسند نہ کروں کہ شکر گزار بندہ بن جاؤں۔"

قسم ہے رب قدوس کی! اس سے بڑھ کر اور کیا مجاہدہ ہو سکتا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اللہ کی قسم! میں نے اصحاب محمد ﷺ کو دیکھا ہے' آج میں ان کے مشابہ کوئی نہیں دیکھ رہا۔ وہ لوگ صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال' غبار آلود اور زرد رنگ ہوتے تھے اور رات کے وقت سجدہ و قیام میں ہوتے اور اللہ کی کتاب کی تلاوت فرماتے' کبھی کھڑے ہیں اور کبھی پیشانی کے بل سجدہ میں گرے ہیں۔ اللہ کے ذکر کے وقت اس طرح جھک جاتے ہیں جس طرح ہوا سے پودا جھک جاتا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتیں حتیٰ کہ کپڑے نم آلود ہو جاتے۔"

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں ایک دن بھی زندہ رہنا پسند نہ کرتا۔ دوپہر کے وقت اللہ کے لئے پیاسا ہونا' آدھی رات کے وقت اس کے لئے سجدہ اور ایسے لوگوں کی ہم نشینی جو صاف ستھرا کلام پسند کرتے ہیں' جیسا کہ اچھے پھل پسند کئے جاتے ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکنے پر اپنے نفس کو عتاب کیا اور اس کی پاداش میں دو لاکھ مالیت درہم کی زمین صدقے میں دے دی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اگر نماز باجماعت رہ جاتی تو اس رات نیند ترک کر کے ساری رات

عبادت میں گزار دیتے۔ ایک دن نماز مغرب کو اتنی دیر ہو گئی کہ دونوں تارے نظر آنے لگے تو دو غلام آزاد کر دیئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "اللہ ان لوگوں پر رحم کرے جن کو لوگ مریض سمجھتے ہیں' حالانکہ وہ بیمار نہیں۔" یہ سب "مجاہدۂ نفس" کے نتائج و آثار تھے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں: «خَيْرُ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُه»(سنن الترمذي وقال حسن)

"انسانوں میں اچھا وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔"

اویس قرنی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے' آج رات رکوع کی رات ہے اور ساری رات رکوع میں گزار دیتے اور اگلی رات کہتے' یہ رات سجدہ کی ہے اور پھر ساری رات سجدہ میں پڑے رہتے۔ (احیاء العلوم)

ثابت بنانی رحمہ اللہ کہتے ہیں "میں نے ایک زاہد کو اتنی عبادت کرتے دیکھا کہ تھکاوٹ کیوجہ سے وہ بستر تک گھٹنوں کے بل آ سکا۔ اور ایسے لوگ بھی دیکھے کہ قیام کی وجہ سے ان کے قدم متورم ہو جاتے۔ اتنی زیادہ عبادت کہ اگر انہیں کہہ دیا جائے کہ کل قیامت ہے تو اس سے مزید کی گنجائش ان کے پاس عبادت میں نہیں ہوتی۔ سردی کے موسم میں چھت کے اوپر ہوتے تاکہ ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے نیند نہ آئے اور موسم گرما میں چھت کے نیچے تاکہ گرمی سونے نہ دے اور کئی ایک سجدہ کی حالت میں ہی موت کی وادی میں چلے گئے۔"

مسروق رحمہ اللہ کی زوجہ کا بیان ہے کہ لمبے قیام کی وجہ سے مسروق رحمہ اللہ کی پنڈلیاں متورم ہو جاتیں اور میں اس کے پیچھے بیٹھتی' اس پر رحم کے جذبہ سے روتی رہتی اور ایسے زاہد بھی تھے جو چالیس سال کی عمر کے بعد بستر لپیٹ کر رکھ دیتے اور اس پر کبھی نہ سوتے۔

سلف صالحین میں سے ایک نابینا صالحہ عورت جنہیں عجرہ نابینی رضی اللہ عنہا کہا جاتا تھا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ صبح کے وقت غمگین آواز میں کہتی "تیرے عبادت گزار اپنی تاریک راتیں تیری رحمت کی تلاش میں کاٹ رہے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتی ہوں کسی اور سے نہیں' مجھے "السابقین" کی پہلی جماعت میں سے کر دے اور علیین میں اونچا مقام دے اور مقربین کا درجہ عطا کر مجھے اپنے صالحین بندوں سے ملا دے۔ تو ارحم الراحمین ہے' سب سے بڑا ہے' سب سے اکرم ہے' اے کریم!" پھر سجدہ میں گر پڑتی اور صبح تک پکارتی اور روتی رہتی۔

چھٹی فصل

حقوق العباد

(الف) والدین کے حقوق:

ہر مسلمان اپنے اوپر والدین کے حقوق تسلیم کرتا ہے' ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت کرتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ ضروری جانتا ہے۔ محض اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کی پیدائش کا باعث تھے اور انہوں نے بچپن میں اس کی دیکھ بھال اور خدمت کی ہے' بلکہ اس لئے بھی کہ اللہ جل مجدہ' نے ان کی فرماں برداری ضروری قرار دی ہے اور ان کے حقوق کو اپنے حقوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا ﴾ (بنی إسرائیل ۱۷/ ۲۳-۲٤)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اف" تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان کے ساتھ نرمی سے (اچھی) بات کر اور محبت سے ان کے لئے جھک جا اور (ان کے لئے دعا کرتے ہوئے) یہ کہہ کہ "اے رب! ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی ہے۔"

نیز اللہ سبحانہ' نے فرمایا: ﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱٤)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (اچھا سلوک کرنے کی) وصیت کی ہے کہ اس کی ماں نے اسے کمزوریوں میں اٹھایا اور دو سال تک دودھ پلایا۔ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ (تم کو) میری طرف لوٹنا ہے۔"

ایک شخص نے دریافت کیا "اے اللہ کے رسول اللہ (ﷺ)! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟" آپ نے فرمایا "تیری ماں۔" پھر عرض کی "اس کے بعد؟" فرمایا "تیری ماں۔" عرض کی "پھر اس کے بعد؟" آپ نے فرمایا "تیری ماں" کہا "پھر کون؟" آپ نے فرمایا "تیرا باپ۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، کنجوسی، بھیک اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے اور قیل و قال، سوالات کی کثرت اور مال ضائع کرنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔"

نیز فرمایا: «أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: اَلإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكَأً فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، أَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتَّي قَالَ أَبُوْبَكْرَةَ: قُلْتُ لَيْتَهُ سَكَتَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی؟ کیوں نہیں یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے فرمایا "(کسی کو) اللہ کا شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔" آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے "جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔" آپؐ بار بار یہی (الا وقول الزور وشهادة الزور) کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (دل میں) کہنے لگے "کاش کہ آپ خاموش ہو جائیں۔"

نیز ارشاد ہے "اولاد اپنے والد کے احسانات پورے نہیں کر سکتی، الآ یہ کہ اسے غلام پائیں اور خرید کر آزاد کرالیں۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "اللہ کو کون سا عمل محبوب ہے؟" فرمایا "والدین کی فرماں برداری" میں نے کہا "پھر کون سا؟" آپ نے جواب دیا "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی، آپ نے پوچھا "کیا تیرے والدین زندہ ہیں" اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا "ان کی خدمت کر، یہی جہاد ہے۔"
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ایک انصاری آدمی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی "میرے والدین کی موت کے بعد بھی ان کی اطاعت شعاری میں سے کوئی چیز باقی ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں! چار باتیں باقی رہتی ہیں:

۱۔ ان کے حق میں رحم و کرم اور مغفرت و بخشش کی دعا کرنا۔

۲۔ ان کے وعدے پورے کرنا۔

۳۔ ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔

۴۔ ان کی وجہ سے قائم رشتوں کو جوڑنا۔ (ان سے صلہ رحمی کرنا)
والدین کی وفات کے بعد یہ باتیں ابھی تیرے ذمہ باقی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)
نیز نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّى الْأَبُ» (صحیح مسلم)
"والد کے چلے جانے کے بعد اس کی بہتر فرماں برداری یہ ہے کہ اس کا بیٹا اس کے دوستوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔"

اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری میں ایک مسلمان اپنے والدین کے حقوق بالا کا اعتراف کرتا ہے تو درج ذیل آداب کو ملحوظ رکھنا لازم قرار پائے گا۔

(۱) والدین کی ہر بات میں فرماں برداری کرے۔ بشرطیکہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو' کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾ (لقمان۳۱/ ۱۵)
"اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک بنائے' جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں ہے' تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھے انداز سے ان کے ساتھ نباہ کر۔"
نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»
"اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے"
مزید فرمایا: «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»
"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

(۲) ان کی عزت و توقیر ملحوظ رکھے' ان کے آگے جھکا رہے' بات اور فعل میں ادب سے پیش آئے' ان کو ڈانٹے نہیں' ان کی آواز سے اونچی آواز نہ کرے' ان کے آگے نہ چلے' اپنی بیوی اور اولاد کو ان پر فوقیت نہ دے' انہیں نام لے کر نہ پکارے بلکہ "ابا جان" اور "امی جان" جیسے الفاظ کے ساتھ احترام سے بلائے اور سفر اختیار کرے تو ان کی اجازت اور رضامندی سے۔

(۳) جس طرح بھی ممکن ہو' ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے' ان کو کھانا کھلائے' کپڑے پہننے کو دے' بیمار ہو جائیں تو علاج کرائے' ان سے ہر طرح کی تکالیف دور کرے اور اپنے آپ کو ان پر قربان کرے۔

(۴) جو رشتے ان کی بنیاد پر بنے ہیں' ان سے تعلقات درست رکھے' والدین کے لئے دعا و استغفار کرتا رہے' ان کے وعدے پورے کرے اور ان کے دوستوں کے ساتھ احترام سے پیش آئے۔

(ب) اولاد کے حقوق:

اولاد کے بھی اپنے والد پر حقوق ہیں' جن کی ادائیگی اس کے لئے ضروری ہے اور کچھ آداب ایسے ہیں جن کو اولاد کے لئے اسے ملحوظ رکھنا لازم ہوتا ہے مثلاً ان کی والدہ کا انتخاب اچھا کرے' بچے کا بہتر نام رکھے' ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کرے' اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئے' ان کے لئے خرچ کرے' اچھی تربیت اور تادیب و تعلیم کا انتظام کرے' انہیں اسلامی احکام' فرائض کی ادائیگی اور سنن و آداب کے ملحوظ رکھنے کی مشق کرائے اور جب بالغ و جوان ہو جائیں تو نکاح کر دے اور پھر انہیں اختیار دے دے' چاہے باپ کے ساتھ رہیں چاہے الگ سے اپنا گھر بسائیں۔ کتاب و سنت کے مندرجہ بالا دلائل ان احکام کی وضاحت کرتے ہیں:

(ا) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۳)

"اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں (یہ حکم اس کے لئے ہے) جو پوری مدت دودھ پلانا چاہے اور باپ پر ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق روٹی اور کپڑا دینا ہے۔"

نیز فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾ (التحریم۶۶/ ۶)

"اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ' جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (اور) جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے' وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم ملتا ہے' اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اپنے اہل کو آگ سے بچانے کا حکم ارشاد ہوا ہے جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہی ممکن ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے کاموں کی معرفت حاصل کی جائے جو تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔ اولاد بھی اہل میں داخل ہے' آیت مبارکہ کی رو سے ان کی تعلیم و تربیت اور نیک کاموں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام بجالانے پر انہیں آمادہ کرتے رہنا اور شوق دلانا بھی لازم ٹھہرا اور گناہوں' نافرمانیوں' خرابیوں اور شرارتوں سے انہیں دور رکھنا بھی آیت کریمہ کی رو سے ضروری ہے تاکہ انہیں عذاب جہنم سے بچایا جا سکے اور اس سے پہلی آیت کہ "مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں" اس بات کی دلیل ہے کہ اولاد کا خرچ والد کے ذمہ ہے۔ اس لئے کہ دودھ پلانے والی کو نفقہ (خرچ) اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے۔

حکم ربانی ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ﴾ (بنی إسرائیل۱۷/ ۳۱)

"اور فقر کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔"

رسول اللہ ﷺ سے جب سب سے بڑے گناہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«أَنْ تَجْعَلَ لله نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، أَوْ تَزْنِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ کہ تو کسی کو اللہ کا برابر بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے' یہ کہ تو اس ڈر سے کہ تیری اولاد تیرے ساتھ کھائے گی' اسے قتل کر دے اور یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔"

قتل اولاد سے منع کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے جسم' عقل اور روح کی درستی کی حفاظت کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے عقیقہ کے بارے میں فرمایا:

«اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمَّي وَيُحْلَقُ»(سنن أبي داود، سنن النسائي، سنن ابن ماجة وسنن الترمذي)

"لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے' جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے گا' اور اس کا نام رکھا جائے گا اور سر کے بال اتارے جائیں گے۔"

نیز فرمایا: «اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : الْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الأَظْفَارِ وَنَتْفُ الإِبِطِ»(صحيح بخاري، صحيح مسلم، سنن الترمذي، سنن أبي داود، سنن النسائي وسنن ابن ماجة)

"پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔ ختنہ کرنا' زیر ناف بال صاف کرنا' مونچھیں منڈوانا' ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھاڑنا۔"

نیز ارشاد ہے: «أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوْا آدَابَهُمْ، فَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ هَدِيَّةٌ إِلَيْكُمْ»(سنن ابن ماجة بسند ضعيف)

"اپنی اولاد کی عزت کرو۔ ان کے آداب بہتر بناؤ۔ اس لئے کہ تمہاری اولاد تمہارے لئے (اللہ کا) ہدیہ ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«سَاوُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ، فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلاً أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ»(البيهقي والطبراني وحسنه الحافظ بسنده)

"عطیہ دینے میں اپنی اولاد میں برابری کرو۔ اگر میں کسی کو کسی پر فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔"

مزید فرمایا: «مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا

وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وحسنه)

"جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور اگر دس سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کے لئے مارو اور انہیں الگ الگ سلاؤ۔"

ایک حدیث میں اولاد کے والد پر حقوق کی بابت یہ بھی آیا ہے کہ وہ ان کی تربیت کرے اور اچھا نام رکھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "والد پر اولاد کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ انہیں لکھنا' پڑھنا اور تیر اندازی سکھائے اور انہیں حلال خوراک مہیا کرے۔"

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ "نکاح کے لئے صالح خاندانوں کا انتخاب کرو' اس لئے کہ نسلوں کی خفیہ تاثیر ہوتی ہے۔ ایک اعرابی اپنی اولاد پر احسان جتلاتے ہوئے کہتا ہے "میں نے تمہارے لئے تمہاری ماں کا بہتر انتخاب کیا تھا :

«وَأَوَّلُ إِحْسَانِيْ إِلَيْكُمْ تَخَيُّرِيْ لِمَا جِدَةِ الأَعْرَاقِ بَادٍ عَفَافُهَا»

"میرا تم پر اولیں احسان یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے اچھی نسل کی عفیفہ' پاک دامن عورت کا چناؤ کیا ہے۔"

(ج) بھائیوں کے حقوق:

ہر مسلمان کے نزدیک بھائیوں کے حقوق بھی آباؤ اجداد اور اولاد کی طرح ضروری ہیں۔ چھوٹے بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائیوں کا اسی طرح احترام کریں' جس طرح کہ وہ اپنے آباء کی عزت و توقیر کرتے ہیں' تاہم بڑے بھائیوں پر چھوٹے بھائیوں کے کچھ حقوق ہیں جیسا کہ ان پر ان کے والدین کے حقوق و واجبات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بڑے بھائیوں کا حق چھوٹے بھائیوں پر اسی طرح ہے جس طرح کہ والد کا حق اولاد پر۔" (بيهقي بسند ضعيف)

نیز فرمان نبوی ہے:

«بَرَّ أُمَّكَ وَأَبَاكَ، ثُمَّ أُخْتَكَ وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ»(مستدرك الحاكم)

"اپنی ماں' باپ' پھر بہن' بھائی' پھر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کر۔"

(د) خاوند اور بیوی کے حقوق:

ہر مسلمان اس بات کا معترف ہے کہ خاوند کے بیوی پر اور بیوی کے خاوند پر کچھ حقوق ہیں۔

قرآن میں ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

(البقرۃ۲/ ۲۲۸)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے کہ جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے' البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔"

اس آیت کریمہ نے خاوند' بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و آداب ثابت کئے ہیں' جبکہ خصوصی اعتبارات کی بنیاد پر مردوں کو (عورتوں پر) ایک درجہ کی خصوصیت حاصل ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَاءِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَاءِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا»(سنن أبي داود، سنن النسائي، سنن ابن ماجة وصححه الترمذي)

"سنو! تمہارے لئے تمہاری بیویوں پر حقوق ہیں اور تمہاری عورتوں کے تم پر حقوق ہیں۔"

ان میں بعض حقوق تو دونوں کے لئے مشترکہ اور برابر ہیں جبکہ بعض حقوق ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ مشترکہ حقوق درج ذیل ہیں:

۱۔ **امانت:** دونوں ایک دوسرے کے امین ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرے کی خیانت نہ کرے۔ معمولی چیز ہو یا زیادہ۔ خاوند' بیوی دو شریک ساتھیوں کی طرح ہوتے ہیں' ان میں امانت' خیرخواہی سچائی اور اخلاص کا پایا جانا زندگی کے ہر موڑ پر ضروری ہے۔

۲۔ **محبت اور رحم کا جذبہ:** دونوں میں اتنا ہونا چاہیئے کہ دکھ سکھ میں ساری زندگی ایک دوسرے کے کام آئیں اور خالص محبت و شفقت کا اظہار کرتے رہیں تاکہ اس ارشاد حق تعالیٰ کا مصداق بنیں:

﴿ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (الروم۳۰/ ۲۱)

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کر دیں' تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہو کر) سکون حاصل کرو' اس نے تمہارے درمیان محبت و شفقت پیدا کر دی۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی بھی تعمیل ہو جائے:

«مَنْ لاَ يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ»(الطبراني، سنده صحيح)

"جو رحم نہیں کرتا' اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

(۳) **باہمی اعتماد:**

دونوں میں اس انداز کا باہمی اعتماد ہونا ضروری ہے کہ ایک دوسرے پر کلی بھروسا کریں۔ خیرخواہی' سچائی اور اخلاص میں ایک دوسرے پر شک نہ کریں۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٠)

"ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّي يُحِبَّ لأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

زوجیت کے رابطہ نے اخوت ایمانی کے ربط کو مزید بڑھایا ہے اور اس میں پختگی اور اعتماد پیدا کیا ہے۔ اسی وجہ سے خاوند اور بیوی دونوں خود کو ایک ہی ذات سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات پر اعتماد نہ کرے اور اس کے لئے خیر خواہی کے جذبات نہ رکھے؟ اپنے آپ سے خیانت کون کرتا ہے اور خود سے دھوکا کون کر سکتا ہے؟

(۴) حقوق عامہ:

معاملات میں نرمی' چہرے کی شگفتگی' بات میں ادب و احترام اور یہی وہ اچھی معاشرت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور عورتوں سے معروف طریقے کے ساتھ نباہ کرو۔"

اور یہی وہ اچھی وصیت ہے' جو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمائی:

«وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا»(صحيح مسلم)

"اور عورتوں کے لئے اچھی وصیت قبول کرو۔"

یہ مذکورہ بالا حقوق و آداب' خاوند اور بیوی میں مشترکہ ہیں علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مذکور "پختہ عہد" کی تعمیل کرتے ہوئے ان کا التزام کرنا دونوں پر ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُۥ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَٰقًا غَلِيظًا ﴾ (النساء٤/ ٢١)

"اور کس طرح تم "مہر" واپس لو گے' جبکہ ایک دوسرے تک تم پہنچ چکے ہو اور انہوں نے تم سے مضبوط عہد لے لیا ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَلَا تَنسَوُا۟ ٱلْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾(البقرة٢/ ٢٣٧)

"اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا' اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا۔"

کچھ حقوق و آداب ان کے ایک دوسرے پر انفرادی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

(ا) بیوی کے حقوق:

(ا) خاوند معروف طریقے کے ساتھ عورت سے نباہ کرے' جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان (عورتوں) کے ساتھ دستور کے مطابق نباہ کرو۔"

یعنی جب کھانا کھائے تو اسے کھلائے' کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنائے' اس کی نافرمانی کا خطرہ محسوس کرے تو اللہ کے حکم کے مطابق (گالی گلوچ اور برا بھلا کہے بغیر سمجھائے) اگر کہا مان لے تو فبہا' ورنہ بستر کی جدائی اختیار کرے' اگر اس سزا سے درست ہو جائے تو بہتر' ورنہ چہرہ کے علاوہ معمولی ضرب اور تنبیہ اختیار کرے' نیز اس کا خون نہ بہائے اور نہ مارکٹائی کر کے اسے زخمی کرے اور نہ اس کا کوئی عضو توڑے۔

حکم ربانی ہے: ﴿وَٱلَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهْجُرُوهُنَّ فِي ٱلْمَضَاجِعِ وَٱضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا۟ عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نافرمانی تم محسوس کرو تو ان کو سمجھاؤ اور (اگر نہ سمجھیں تو) شب باشی میں الگ کر دو اور (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو) ان کو مارو اور اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو پھر ان پر (مار کا) کوئی راستہ نہ تلاش کرو۔"

رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا "ہمارے ایک کی بیوی کے اپنے خاوند پر کیا حقوق ہیں؟"

تو آپ نے فرمایا: «أَنْ تُطْعِمَهَا إِنْ طَعِمْتَ، وَتَكْسُوهَا إِنِ اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ إِلاَّ فِي الْبَيْتِ»(سنن أبي داود وإسناده حسن)

"کہ جب تو کھانا کھائے اسے کھلا' جب تو لباس پہنے اسے پہنا' اس کے منہ پر نہ مار اور برا نہ کہہ اور گفتگو ترک کرے تو صرف گھر کی حد تک۔"

مزید فرمایا: «أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»(سنن الترمذي وسنن ابن ماجة)

"خبردار! تم پر عورتوں کا حق ہے کہ تم انہیں اچھا لباس اور اچھا کھانا مہیا کرو۔"

نیز فرمایا: «لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً - أَيْ لاَ يُبْغِضْهَا - إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ آخَرَ»(صحيح مسلم ومسند أحمد)

"کوئی مومن ایمان والی عورت سے نفرت نہ کرے' (اس لئے کہ) اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری پسند آجائے گی۔"

بیوی کو ضروری دینی احکام سکھائے' اگر وہ نہیں جانتی' یا اسے اجازت دے کہ وہ مجالس علم و وعظ میں شریک ہو کر علم حاصل کرے۔ اس لئے کہ عورت کو کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت' اپنے دین اور روح کی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے'

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"

عورت بھی گھر والوں میں شامل ہے' لہٰذا ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اسے جہنم سے بچانا ضروری ہے اور عمل صالح کے لئے علم و معرفت کی ضرورت ہے۔ تاکہ علم کی بنیاد پر وہ اپنے عمل اور ایمان کو درست کر سکے اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ ـ أَسِيْرَاتٌ ـ عِنْدَكُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سنو! عورتوں کے بارے میں اچھی وصیت قبول کرو' وہ تمہارے پاس پابند ہو چکی ہیں۔"

اور ان کے لئے اچھی وصیت میں سے یہ بھی ہے کہ اسے اپنے دین کو درست کرنے کے لئے معلومات مہیا کی جائیں اور استقامت و اصلاح حال کے لئے اس کی تادیب و تربیت کا انتظام کیا جائے۔

(۳) اسلامی تعلیمات و آداب پر عمل پیرا ہونے کا اسے پابند کرے' بے پردہ باہر نکلنے اور غیر محرم مردوں کے اختلاط سے اسے منع کرے اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ اس کی حفاظت اور پوری نگہداشت کرے' اخلاقی اور عملی خرابیوں سے اسے بچائے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے بغاوت اور گناہ و فجور کی زندگی گزارنے کے لئے اس کے لئے کھلا میدان نہ چھوڑ دے' اس لئے کہ وہ ذمہ دار و نگہبان ہے' اس کی حفاظت اور صیانت اس کی ذمہ داری ہے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مرد اپنے اہل پر حاکم اور ذمہ دار ہیں اور ان کی ذمہ داری کے بارے میں ان سے پوچھا جائیگا۔"

(۴) اگر دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان انصاف روا رکھے۔ خورد و نوش' لباس' رہائش اور رات گزارنے میں ان کے مابین عدل اور برابری کرے۔ ان امور میں ظلم و زیادتی روا نہ رکھے' کیونکہ اللہ جل شانہ' نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء ٤/ ٣)

"اگر تمہیں خطرہ ہو کہ عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی (سے نکاح کرو) یا جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِيْ»(رواه الطبراني وإسناده حسن)

"تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے زیادہ بہتر ہو اور میں تمہاری نسبت اپنے اہل کے لئے زیادہ بہتر ہوں۔"

(۵) اپنی بیوی کا کوئی راز افشا نہ کرے اور نہ اس کے کسی عیب کا تذکرہ کرے' اس لئے کہ وہ اس کا امین ہے اور اس کی حفاظت' نگہداشت اور دفاع کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمان نبوی ہے: «إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ إِلَي امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»(صحيح مسلم)

"اللہ کے نزدیک اس انسان کا مقام قیامت کے دن بدترین ہو گا جو اپنی بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے بعد اس کا راز افشا کرتا ہے۔"

(۲) خاوند کے حقوق:

(۱) اللہ کی نافرمانی کے سوا عورت مرد کی ہر بات کی فرماں برداری کرے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ (النساء ٤/ ٣٤)

"اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو پھر ان پر (مار کا) کوئی راستہ نہ تلاش کرو۔"

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَي فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّي تُصْبِحَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب مرد اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے' وہ نہ جائے اور وہ ناراض ہی رات گزار دے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔"

نیز فرمایا: «لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وصححه الترمذي)

"اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔"

(۲) خاوند کے مال و متاع' عزت و ناموس اور گھر کے جملہ امور میں اس کی محافظ بنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾

(النساء٤/ ٣٤)

"نیک عورتیں خاوندوں کی تابع فرماں ہیں' غیب کی (اور ان کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (ان کے حقوق کی) حفاظت کرنے والی ہیں کہ اللہ نے (ان کے) حقوق محفوظ رکھے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: «وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ»(صحيح بخاري و مسلم)

"اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے۔"

نیز فرمایا: «فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَّ يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ، وَلاَ يَأْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ»

"تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور تمہارے گھروں کے اندر ان کو آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے۔"

(۳) خاوند کے گھر میں رہے' اس کی اجازت و مرضی کے بغیر نہ نکلے' اپنی نظر نیچی رکھے' اونچی آواز سے کلام نہ کرے' برائی سے اپنے ہاتھ کو روکے اور زبان کو فحش کلامی سے بچائے۔ رشتہ داروں کے ساتھ احسان میں وہی معاملہ اختیار کرے' جو اس کا خاوند اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے کہ جو عورت مرد کے والدین اور قرابت داروں کے ساتھ اچھی نہیں ہے' وہ خاوند کے لئے اچھی کہاں ہوئی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٣)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو۔"

نیز فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ مَرَضٌ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٢)

"تو (کسی اجنبی شخص کے ساتھ) نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ طمع کرے گا۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿لَّا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلْجَهْرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلْقَوْلِ﴾ (النساء٤/ ١٤٨)

"اللہ تعالیٰ اعلانیہ بری بات کہنے کو پسند نہیں کرتا۔"

نیز حکم ربانی ہے: ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور مومن عورتوں سے کہئے کہ اپنی آنکھیں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں' الا یہ کہ جو از خود ظاہر ہو جائے۔"

اور فرمان نبوی ہے: «خَيْرُ النِّسَاءِ الَّتِيْ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ»(الطبراني وإسناده

صحیح)

"بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تجھے خوش کرے' جب تو اسے حکم کرے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔"

نیز فرمایا: «لاَ تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ، وَإِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَي الْمَسْجِدِ فَلاَ يَمْنَعْهَا»(صحيح مسلم ومسند أحمد)

"اللہ کی بندیوں کو مساجد سے نہ روکو' اگر کسی کی عورت اس سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو منع نہ کرے۔"

مزید ارشاد فرمایا: «ائْذَنُوْا لِلنِّسَاءِ بِاللَّيْلِ إِلَي الْمَسَاجِدِ»(صحيح مسلم، مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن الترمذي)

"عورتوں کو رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔"

(ھ) قرابت داروں کے حقوق:

قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مسلمان کا وہی برتاؤ ہوتا ہے جو والدین' اولاد اور بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے' وہ خالہ کو ماں کی طرح سمجھتا ہے۔ چچا کو باپ کی حیثیت دیتا ہے' جس طرح والدین کے ساتھ نباہ کرتا ہے' ماموں اور چچا کے لئے اطاعت و فرماں برداری کے بھی وہی جذبات رکھتا ہے' غرضیکہ جس کے ساتھ بھی اس کی کسی انداز کی قرابت داری ہے' چاہے وہ مومن ہے یا کافر' ان کے ساتھ تعلقات جوڑتا اور ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور اسے اولاد اور والدین کے حقوق و آداب کی طرح لازم اور ضروری گردانتا ہے۔ بڑے کی عزت کرتا ہے اور چھوٹے پر رحم' بیماروں کی بیمار پرسی کرتا ہے اور مصیبت زدہ کی ہمدردی و غم خواری۔ کوئی حادثہ سے دوچار ہو جائے تو تعزیت و تسلی کے لئے جاتا ہے' وہ اس سے قطع تعلق کرتے رہیں تو یہ تعلقات جوڑے رہتا ہے' ان کے لئے نرم پہلو رکھتا ہے' چاہے اس پر ظلم و ستم اور سختی کریں اور یہ سب کچھ اس جذبہ کے تحت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم ہے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ﴾ (النساء٤/ ١)

"اور اللہ سے ڈرو جس کا نام لے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کا خیال رکھو۔"

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَأُوْلُواْ ٱلۡأَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ أَوۡلَىٰ بِبَعۡضٖ فِي كِتَٰبِ ٱللَّهِۚ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٦)

"اور رشتے دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔"

اور فرمان ایزدی ہے: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴾ (محمد٤٧/ ٢٢)

"تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔"

مزید ارشاد عالی ہے: ﴿ فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (الروم٣٠/ ٣٨)

"پس قرابت دار، مسکین اور مسافر کو ان کے حقوق دو۔ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

اور ارشاد ربانی ہے: ﴿ ۞ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾

"بے شک اللہ انصاف، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

نیز حکم ربانی ہے: ﴿ ۞ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک اختیار کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مساکین، قرابت دار ہمسائے، دور کے ہمسائے، پہلو کے ساتھی، مسافر اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ (النساء٤/ ٨)

"اور تقسیم (وراثت) کے وقت اگر (غیر وارث) قرابت دار، یتیم، مساکین آ جائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور انہیں اچھی بات کہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

«أَنَا الرَّحْمَنُ، وَهَذِهِ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنَ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي ومسند أحمد)

"میں بہت رحم کرنے والا ہوں۔ رحم (رشتہ) کو میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ جو اسے جوڑے گا، میں اسے جوڑ دوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑ دوں گا۔"

ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟" آپ نے فرمایا:

«أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَبَ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي، سنن ابن ماجة ومسند أحمد)

"اپنی ماں کے ساتھ' پھر اپنی ماں کے ساتھ' پھر اپنی ماں کے ساتھ۔ پھر باپ کے ساتھ' پھر قریب ترین اور پھر قریب تر رشتے دار کے ساتھ (اچھا سلوک کرو۔)"

رسول اللہ ﷺ سے اس عمل کا سوال ہوا جو بہشت میں داخل کرے اور جہنم سے دور کرے۔ تو آپ نے فرمایا: «تَعْبُدُ اللهَ وَلاَ تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلاَةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اور اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا' نماز قائم کر' زکوۃ دے اور صلہ رحمی کر۔"

خالہ کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّهَا بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ ماں کے قائم مقام ہے۔"

اور ایک جگہ فرمایا: «اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِيْ الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»(سنن النسائی، سنن ابن ماجة وسنن ترمذي وحسنه)

"مسکین کو خیرات دینا (صرف) صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔"

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا سوال کیا' جو کہ مشرکہ اور مکہ سے انہیں ملنے آئی تھی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

«نَعَمْ صِلِيْ أُمَّكِ»(سنن أبی داود ومسند أحمد)

"ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔"

(و) پڑوسیوں کے حقوق:

ہمسایہ کے حقوق و آداب میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان کی ادائیگی میں پوری کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْجَارِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلْجَنۢبِ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں' یتیموں' مساکین اور قرابت دار ہمسایہ اور غیر قرابت دار ہمسایہ (سب کے حقوق و آداب کی ادائیگی کرو)"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتَّي ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»(صحيح بخاري

وصحيح مسلم)

"جبریل (علیہ السلام) ہمسایہ کے بارے میں مجھے وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا۔"

اور فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' اسے چاہیئے کہ ہمسایہ کی عزت و تکریم کرے۔"

ہمسایوں کے حقوق کا کچھ خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

(ا) زبان اور فعل سے ہمسایہ کو ایذا نہ دے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دے۔"

اور فرمایا: «وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ، فَقِيْلَ لَهُ مَنْ هُوَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ: الَّذِيْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے' اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں ہے۔" صحابہ کرامؓ نے پوچھا "کون یا رسول اللہ ﷺ؟" فرمایا "جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔"

ایک عورت کے بارے میں آپ کو بتایا گیا کہ وہ (نفلی) روزے رکھتی ہے اور رات کا قیام کرتی ہے' مگر ہمسایوں کو ایذا دیتی ہے تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ فِي النَّارِ»(مسند أحمد ومستدرك حاكم وقال: إسناده صحيح)

"یہ عورت جہنم میں جائے گی۔"

(۲) ہمسایہ کے ساتھ اس طرح احسان کرو کہ وہ مدد مانگے تو اس کی امداد کرو' بیمار ہو جائے تو بیمار پرسی کرو' خوشی میں ہو تو مبارکباد دو' مصیبت زدہ ہو جائے تو تسلی دلاؤ' ضرورت مند ہے تو اس کی مالی امداد کرو' اسے سلام میں پہل کرو' بات نرمی سے کرو' اس کی اولاد کے ساتھ گفتگو میں نرمی اختیار کرو' اس کے دین و دنیا کی درستی میں اس کی رہنمائی کرو' ہر انداز میں اس کی جانب کا لحاظ رکھو' اس کے مال کی حفاظت کرو اور اس کی لغزشوں سے درگزر کرو' اس کے عیوب کی تلاش میں نہ رہو' کسی جگہ اور گزرگاہوں میں اس کی تنگی کا باعث نہ بنو' پرنالہ اس کی طرف ڈال کر اسے تنگ نہ کرو' اسی طرح کوڑا کرکٹ پھینک کر اس کو ایذا نہ دو۔ یہ سب باتیں ہمسایہ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کے ذیل میں آتی ہیں' جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے:

﴿وَٱلْجَارِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ (احسان کرو)"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ»(صحيح بخاري)

"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے' وہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ احسان کرے۔"

(۳) ہمسایہ کے پاس اچھے تحفے بھیج کر اس کی عزت و تکریم کرے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ»(صحيح بخاري)

"اے مسلمان عورتو! تم اپنی ہمسائی کے لئے کوئی چیز معمولی نہ سمجھو' چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔"

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ»(صحيح بخاري)

"ابوذر! جب شوربہ پکاؤ تو پانی زیادہ ڈال لو اور ہمسایوں کا خیال رکھو۔"

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا میرے دو ہمسائے ہیں کس کو تحفہ میں چیز بھیجوں؟ فرمایا:

«إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس کا دروازہ تیرے قریب ہے۔"

(۴) ہمسایہ کا احترام و اکرام اس طرح کرے کہ اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے اسے نہ روکے' اور اس کے قریب والی جگہ کو فروخت کرنے' یا کرایہ پر دینے سے پہلے اسے کہے اور اس سے مشورہ طلب کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَمْنَعَنَّ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَضَعَ خَشَبَةً فِىْ جِدَارِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے نہ روکے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ كَانَ لَهُ جَارٌ فِيْ حَائِطٍ أَوْ شَرِيْكٌ فَلاَ يَبِعْهُ حَتَّى يَعْرِضَهُ عَلَيْهِ» (مستدرك حاكم وصححه)

"جس کسی کی دیوار میں اس کا پڑوسی (حصہ دار ہو یا کوئی اور) شریک ہو تو وہ اسے فروخت کرنے سے پہلے اس (پڑوسی یا شریک) پر پیش کرے۔"

فائدہ کی دو باتیں:

اول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ ، وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ قَدْ أَسَأْتَ فَقَدْ أَسَأْتَ»(مسند أحمد وسنده جيد)

"جب تو ان (ہمسایوں) سے یہ کہتے ہوئے سنے کہ تو نے اچھا کیا ہے تو یقیناً تو نے اچھا کیا ہے اور جب تو انہیں یہ کہتے ہوئے سنے کہ تو نے برا کیا ہے تو واقعی تو نے برا کیا ہے۔"

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ اچھائی کر رہا ہے' یا برائی۔

دوم: اگر کسی شخص کو برے ہمسایہ کے ساتھ پالا پڑ جائے تو وہ صبر کرے' اس کا صبر کرنا اس سے خلاصی کا باعث بنے گا۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اپنے ہمسایہ کی شکایت کی تو آپ نے اس کو حکم دیا:

«اِصْبِرْ، ثُمَّ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ اطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيْقِ، فَطَرَحَهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَمُرُّوْنَ بِهِ وَيَقُوْلُوْنَ مَالَكَ؟ فَيَقُوْلُ قَدْ آذَانِي جَارِيْ، فَيَلْعَنُوْنَ جَارَهُ حَتَّي جَاءَهُ وَقَالَ لَهُ: رُدَّ مَتَاعَكَ إِلَي مَنْزِلِكَ فَإِنِّي وَاللهِ لاَ أَعُوْدُ»(رواه أبوداود وغيره وهو صحيح)

"صبر کر" پھر آپ نے تیسری یا چوتھی بار پوچھنے پر فرمایا "اپنا سامان راستہ میں ڈال دے۔" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا' وہاں سے گزرنے والے لوگ پوچھنے لگے "کیا بات ہے؟" تو جواب دیتا "مجھے میرا ہمسایہ تنگ کرتا ہے" وہ اس پر لعنت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ہمسایہ آ کر کہنے لگا "اپنا سامان گھر لے جاؤ میں پھر تمہیں کبھی تنگ نہیں کروں گا۔"

(ز) مسلمانوں کے حقوق:

ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے لئے اپنے اوپر واجب حقوق و آداب تسلیم کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی عبادت ہے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' اس لئے کہ یہ حقوق و واجبات حق تعالیٰ نے ہر مسلمان پر واجب کئے ہیں' تاکہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے انہیں انجام دے تو یہ درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت و فرماں برداری ہے اور بے شک اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

ان آداب میں درج ذیل امور بھی شامل ہیں:

(ا) جب ملے تو گفتگو سے پہلے سلام کہے اور مصافحہ کرے اور دوسرا جواب دے۔ سلام کے الفاظ یہ

ہیں:

«اَلسَّـلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»

"تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔"

اور جوابی الفاظ یہ ہیں «وَعَلَيْكُمُ السَّـلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ»

"اور تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔"

اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ﴾ (النساء٤/ ٨٦)

"اور جب تمہیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر جواب دو' یا اسی کو لوٹاؤ۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَي الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَي الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَي الْكَثِيْرِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے بڑی جماعت کو سلام کہیں۔"

مزید فرمایا: «إِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَعْجَبُ مِنَ الْمُسْلِمِ يَمُرُّ عَلَى الْمُسْلِمِ وَلاَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ»

"فرشتے اس مسلمان پر تعجب کرتے ہیں جو مسلمان کے پاس سے گزرتا ہے' مگر اسے سلام نہیں کہتا۔"

اور ارشاد فرمایا: «وَتَقْرِأُ السَّلاَمَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پہچاننے والے اور نہ پہچاننے والے سب کو سلام کہہ۔"

نیز فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَّتَفَرَّقَا»(رواه أبوداود وابن ماجة والترمذي)

"جو دو مسلمان ملتے ہیں اور باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے انہیں معاف کر دیا جاتا ہے۔"

مزید فرمایا: «مَنْ بَدَأَ بِالْكَلاَمِ قَبْلَ السَّلاَمِ فَلاَ تُجِيْبُوْهُ حَتَّى يَبْدَأَ بِالسَّلاَمِ»(رواه الطبراني وأبو نعيم وفي سنده لين)

"جو شخص سلام سے پہلے کلام شروع کر دے' اس کو جواب نہ دو' جب تک کہ وہ سلام کے ساتھ ابتدا نہ کرے۔"

(۲) ایک دوسرے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ چھینک مارنے والا «اَلْحَمْدُ للهِ» کہے تو دوسرا

«يَرْحَمُكَ اللهُ» سے اس کا جواب دے اور پھر چھینک مارنے والا کہے «يَغْفِرُ اللهُ لِيْ وَلَكَ» یا «يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ للهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوْهُ أَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ»(صحيح بخاري)

"جب تم میں سے کوئی شخص چھینک مارتا ہے (تو اللہ کی حمد یعنی «اَلْحَمْدُ للهِ» پڑھے) پھر چاہیئے کہ اس کا بھائی یا اس کا ساتھی اسے «يَرْحَمُكَ اللهُ» کہے (یعنی تجھ پر اللہ رحم کرے) اور پھر (پہلا) اسے جواب دے «يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» "یعنی اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے احوال درست کرے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چھینک کے وقت اپنا ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے تھے اور اس طرح آواز پست کرتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرے اور شفا کی دعا مانگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ سلام کا جواب دینا' بیمار کی عیادت کرنا' جنازے کے ساتھ جانا' دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے (کی چھینک) کا جواب دینا۔"

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ، وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ»(صحيح بخاري)

"ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بیمار کی بیمار پرسی کرنے' جنازے کے ساتھ جانے' چھینک کا جواب دینے' قسم ڈالنے والے کی قسم پوری کرنے' مظلوم کی مدد کرنے' دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«عُوْدُوا الْمَرِيْضَ، وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ - الأَسِيْرَ -»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بیمار کی بیمار پرسی کرو' بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدیوں کو آزاد کرو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار پرسی کو جاتے تو دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لاَ شِفَاءَ إِلاَّ شِفَاؤُكَ شِفَاءً لاَّ يُغَادِرُ سَقَمًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! انسانوں کے رب! بیماری دور کر' شفا دے' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیرے سوا کسی کی شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا دے جو بیماری ختم کر دے۔"

(۴) مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلاَمِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ سلام کا جوب دے' بیمار کی بیمار پرسی کرے' جنازے کے ساتھ جائے' دعوت قبول کرے اور چھینک کا جواب دے۔"

(۵) اگر کسی معاملہ میں قسم ڈال دے تو اس کی قسم پوری کرے' بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز بات نہ ہو۔ پھر وہ کام کر دے جس پر اس نے قسم اٹھائی ہے' تاکہ وہ اپنی قسم پوری کر سکے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ، وَإِفْشَاءِ السَّلاَمِ»(صحيح بخاري)

"ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کریں' جنازے کے ساتھ جائیں' چھینک کا جواب دیں' قسم ڈالنے والے کی قسم پوری کریں' مظلوم کی مدد کریں' دعوت دینے والے کی دعوت قبول کریں اور سلام کو عام کریں۔"

(۶) اگر کسی معاملہ میں وہ خیر خواہی اور مشورہ طلب کرے یا کسی بات کی درستی دریافت کرے تو اس کے لئے اچھائی مدنظر رکھے اور خیر خواہی کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ»(صحيح بخاري)

"اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے خیرخواہی کا طلبگار ہو تو وہ اس کی خیر خواہی کرے۔"

نیز فرمایا: «اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ، وَسُئِلَ لِمَنْ؟ فَقَالَ للهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"دین خیر خواہی (کا نام) ہے۔" سوال کیا گیا "کس کے لئے؟" فرمایا "اللہ' اس کی کتاب' اس کے

رسول (ﷺ)، سربراہان اہل اسلام اور عام مسلمانوں کے لئے۔"

نیز ارشاد ہے: «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّي يُحِبَّ لأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، وَيَكْرَهُ لَهُ مَا يَكْرَهُ لِنَفْسِهِ»(مسند أحمد وأصله في البخاري ومسلم)

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور اس کے لئے وہ چیز ناپسند جانے جو اپنے لئے ناپسند جانتا ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم واللفظ)

"آپس میں محبت، ایک دوسرے پر رحم اور مہربانی میں سب ایمان دار ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

ایک اور فرمان ہے: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہو۔"

(۸) اگر کسی جگہ اس کی مدد اور تائید کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کرے اور اس سے دریغ نہ کرے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔"

آپؐ سے سوال ہوا کہ ظالم کی مدد کیسے؟ فرمایا:

«تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ وَتَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ فِعْلِهِ، فَذَلكَ نَصْرُكَ لَهُ»(أيضا)

"اس کے ہاتھوں کو پکڑ اور ظلم کرنے سے باز رکھ۔ یہی تیری اس کے لئے مدد ہے۔"

نیز فرمایا: «اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ وَلاَ يَحْقِرُهُ»(صحيح مسلم)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو رسوا کرے اور نہ اسے حقیر جانے۔"

نیز فرمایا: «مَا مِنَ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيْهِ عِرْضُهُ، وَتُسْتَحَلُّ فِيْهِ حُرْمَتُهُ إِلاَّ نَصَرَهُ اللهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نَصْرَهُ، وَمَا مِنَ امْرِیءٍ خَذَلَ مُسْلِمًا فِيْ مَوْطِنٍ تُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهُ إِلاَّ خَذَلَهُ اللهُ فِیْ مَوْضِعٍ

يُحِبُّ فِيْهِ نَصْرَهُ»(مسند أحمد وفي سنده لين)

"جو مسلمان کسی ایسے موقع پر دوسرے مسلمان کی مدد کرے' جہاں اس کی عزت پامال اور حرمت حلال گردانی جا رہی ہو' اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد کریں گے' جہاں وہ اپنی نصرت پسند کرے گا اور جو انسان کسی ایسے موقع پر اپنے مسلمان بھائی کو رسوا اور بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے' جہاں اس کی عزت پامال کی جا رہی ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ بھی اس کو ایسے موقع پر بے یارومددگار چھوڑ دے گا' جہاں وہ اپنی مدد پسند کرے گا۔"

مزید فرمان نبوی ہے: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (سنن الترمذي ومسند أحمد)

"جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ ہٹا دیں گے۔"

(۹) کوئی مسلمان اپنے بھائی کو برائی اور تکلیف نہ پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم)

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون' مال اور عزت حرام ہے۔"

نیز فرمایا: «لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا»(رواه أحمد، وأبوداود وسنده صحيح)

"کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے۔"

مزید فرمایا: «لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُشِيْرَ إِلَى أَخِيْهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيْهِ»(مسند أحمد وسنده لين)

"کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ایذا رسانی کی نظر سے دیکھے۔"

اور ارشاد نبوی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ أَذَى الْمُؤْمِنِيْنَ»(مسند أحمد وسنده جيد)

"بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایذا دینا ناپسند کرتا ہے۔"

ایک جگہ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

اور ارشاد ہے: «اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ»(مسند أحمد، سنن الترمذي ومستدرك حاكم وإسناده صحيح)

"مومن وہ ہے جسے ایمان والے اپنی جانوں اور مالوں پر امین جانیں۔"

(۱۰) اس کے لئے عاجزی کرے اور تکبر و غرور سے احتراز کرے اور اسے اس کی جائز جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۸)

"اور (ازراہ تکبر) لوگوں سے اپنی گال نہ پھلانا اور زمین پر اترا کر نہ چلنا کہ اللہ تعالیٰ اترانے والے خودپسند کو پسند نہیں کرتا۔"

اور فرمان نبوی ہے: «إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتَّى لاَ يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ»(رواه أبوداود وابن ماجة وسنده صحيح)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تواضع کرو اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔"

نیز فرمایا: «مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ للهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ»

"جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اور عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رفعت اور بلندی عطا کرتا ہے۔"

آپ باوجودیکہ سیدالمرسلین تھے' تواضع پسند کرتے تھے' بیوگان اور مساکین کے ساتھ چلنے اور ان کے کام کرنے کے معاملہ میں تکبر اور غرور نہیں کرتے تھے۔

آپ کا فرمان ہے: «اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّأَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ»(سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم)

"اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ' مسکین بنا کر ہی موت دینا اور مساکین کے زمرہ میں مجھے اٹھانا۔"

نیز فرمایا: «لاَ يُقِيْمَنَّ أَحَدُكُمْ رَجُلاً مِنْ مَّجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ، وَلَكِنْ تَوَسَّعُوْا وَتَفَسَّحُوْا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی دوسرے کو اس کی مجلس سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ البتہ کھلے کھلے بیٹھو اور مجالس میں وسعت پیدا کرو۔"

(۱۱) اس کے ساتھ تین دن سے زیادہ گفتگو منقطع نہ کرے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے' کہ جب وہ ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کہے۔"

اور فرمایا: «لاَ تَدَابَرُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَاللهِ إِخْوَانًا»(صحيح مسلم)

"ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔"

(۱۲) اس کی غیبت نہ کرے' اسے حقیر نہ جانے' عیب جوئی نہ کرے' مذاق نہ اڑائے' برے القاب سے نہ پکارے اور فساد کرانے کے لئے چغل خوری نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے (یقیناً) برا سمجھو گے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۱)

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ ہو سکتا کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے القاب رکھو' ایمان کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔"

اور حضور ﷺ نے فرمایا: «أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟»

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے تو آپ نے فرمایا:

«ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ»

"تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ پسند نہیں کرتا۔"

ایک سائل نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اگر اس میں وہ بات ہو جو میں کہتا ہوں؟

تو آپ نے فرمایا: «إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ»(صحیح مسلم)

"اگر اس میں وہ بات ہے جو تو کہتا ہے تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ»(صحيح مسلم)

"بے شک تمہارا خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم (یعنی ایک دوسرے) پر حرام ہیں۔"

اور فرمایا: «كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم)

"مسلمان پر مسلمان کا خون' مال اور عزت حرام ہے۔"

نیز فرمان ہے: «بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک انسان کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔"

نیز ارشاد ہے: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بہشت میں چغل خور داخل نہیں ہو سکتا۔"

(۱۴) ناحق کسی کو گالی نہ دے' چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔"

اور فرمایا: «لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ أَوِ الْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ»(صحيح بخاري ومسند أحمد)

"جو مرد کسی کو گناہ یا کفر کا الزام دیتا ہے اور وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو وہ (الزام) کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔"

مزید فرمایا: «اَلْمُتَسَابَّانِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِيْ مِنْهُمَا حَتَّى يَعْتَدِيَ الْمَظْلُوْمُ» (صحيح بخاري)

"آپس میں دو گالی دینے والے جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) ابتدا کرنے والے کے سر پر ہو گا' یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کرے۔"

اور فرمان نبوی ہے: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوْا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مردوں کو گالی نہ دو' کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔"

اور فرمایا: «مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ، قَالُوْا: وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک انسان کا اپنے والدین کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے" صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی

"کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟" فرمایا "ہاں! ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور اسی طرح اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔"

(۱۴) کوئی مسلمان دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرے' اس کے بارے میں برا گمان اور بغض نہ رکھے اور اس کی جاسوسی نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُواْ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٢)

"اے ایمان والو! زیادہ بدگمانیوں سے بچو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا ﴾ (النور٢٤/ ١٢)

"جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں حسن ظن کیوں نہ رکھا۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللهِ إِخْوَانًا»(صحيح مسلم)

"ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض نہ رکھو اور (خریدار کو) دھوکا دینے کے لئے قیمت زیادہ نہ لگاؤ اور اللہ کے بندو! ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ۔"

اور فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ»(صحيح بخاري)

"بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ' بے شک بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔"

(۱۵) ایک دوسرے کو دھوکا نہ دو اور خیانت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا ٱكْتَسَبُواْ فَقَدِ ٱحْتَمَلُواْ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥٨)

"اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے جرم کئے بغیر ایذا دیتے ہیں' وہ جھوٹ اور صریح گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔"

اور فرمایا: ﴿ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾ (النساء٤/ ١١٢)

"اور جو شخص غلطی یا گناہ تو خود کرے' پھر کسی بے گناہ کو اس کا الزام دے' اس نے جھوٹ اور واضح گناہ کو (اپنے سر کے اوپر) اٹھالیا ہے۔"

اور آپ نے فرمایا: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ، وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم)

"جو ہمارے اوپر ہتھیار اٹھائے اور ہم سے دھوکا کرے' وہ ہم سے نہیں ہے۔"

اور اکثر بھول جانے والے شخص کو آپ نے فرمایا: «مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ لاَ خِلاَبَةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس سے تو بیع کرے تو کہہ کہ (بیع میں) کوئی دھوکا نہیں ہو گا۔"

اور فرمایا: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلاَّ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس بندے کو اللہ رعیت دے اور وہ موت تک ان سے دھوکا کرتا رہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔"

اور فرمان ہے: «مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِىءٍ أَوْ مَمْلُوكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»(سنن أبي داود)

"جو کسی مرد کی بیوی' یا اس کے غلام کو خراب کر دے (اس کے خلاف بھڑکائے) وہ ہم سے نہیں۔"

(۱۶) وعدہ خلافی نہ کرے' خیانت نہ کرے' اس سے جھوٹ نہ بولے اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرے۔

حکم ربانی ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوْفُواْ بِٱلْعُقُودِ ﴾ (المائدة٥/ ١)

"اے ایمان والو! (اپنے) اقراروں کو پورا کرو۔"

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَٱلْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَـٰهَدُواْ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٧)

"اور جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَأَوْفُواْ بِٱلْعَهْدِ إِنَّ ٱلْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔولًا ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٣٤)

"اور عہد پورا کرو' یقیناً عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

اور حضور ﷺ نے فرمایا: «أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"چار صفات اگر کسی میں پائی جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک صفت ہے تو اس میں نفاق کی ایک صفت ہے' یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے (وہ یہ ہیں کہ) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے' بات کرے تو جھوٹ بولے' عہد کرے تو دھوکا کرے اور جب لڑے تو گالی

دے۔"

حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: «ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ حَقَّهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»(صحيح بخاري)

"قیامت کے دن میں تین قسم کے اشخاص کے لئے دشمن ہوں گا "ایک وہ مرد جس نے میرے نام کے واسطہ سے عہد کیا اور پھر دھوکا دیا اور دوسرا وہ جس نے آزاد انسان کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے پورا کام لیا' مگر اس کی مزدوری ادا نہ کی۔"

اور فرمایا: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيْئٍ فَلْيَتْبَعْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"غنی آدمی کی (قرض کی ادائیگی میں) تاخیر ظلم ہے' اگر کسی کو دولت والے کے حوالے کیا جائے (کہ اس سے قرض وصول کر لو) تو وہ مان لے۔"

(۱۷) اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اس کے حق میں مفید چیزیں مہیا کرے اور ایذا رسانی سے رک جائے۔ خوش ہو کر ملے' اس کے احسان قبول کرے اور اس کی کوتاہی معاف کرے اور ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو وہ نہ کر سکے۔ نیز جاہل سے علم کا طلب گار نہ بنے اور عاجز سے خوش گفتاری کا تقاضا نہ کرے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۹۹)

"معافی کا طریقہ اپنا اور اچھائی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «اِتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»(سنن الترمذي ومستدرك حاكم بسند حسن)

"تو جہاں بھی ہے' اللہ جل شانہ' سے ڈر' برائی ہو جائے تو نیکی کر' وہ برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ برتاؤ کر۔"

(۱۸) اگر بڑا ہے تو اس کی عزت و توقیر کر' اگر چھوٹا ہے تو اس پر رحم کر۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا»(سنن أبي دواد وسنن الترمذي وحسنه)

"وہ ہم سے نہیں جو ہمارے بڑے کی عزت نہیں کرتا اور چھوٹے پر رحم نہیں کرتا۔"

نیز فرمایا: «مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامُ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ»(سنن أبي داود وإسناده حسن)

"یہ بات اللہ جل جلالہ کی تعظیم میں سے ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان کی عزت کی جائے۔"

اور مزید فرمایا: «كَبِّرْ كَبِّرْ»

"بڑے کو پہلے بات کرنے دے۔ بڑے کو پہلے بات کرنے دے۔"

رسول اللہ ﷺ کے پاس برکت کی دعا کے لئے بچے لائے جاتے تھے۔ آپ ان کے نام تجویز فرماتے اور اپنی گود میں بٹھا لیتے اور کبھی کبھی بچہ پیشاب بھی کر دیتا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ سفر سے آتے تو بچے آپ کی ملاقات کے لئے پہلے پہنچ جاتے۔ آپ رک جاتے اور اپنے آگے پیچھے انہیں سواری پر بٹھا لیتے اور بعض کو اپنے ساتھیوں کی سواریوں پر سوار کرا دیتے' یہ رسول اللہ ﷺ کی بچوں پر خصوصی مہربانی اور کرم نوازی تھی۔

(۱۹) اپنی طرف سے اس کے لئے انصاف مہیا کرے اور جس انداز میں اپنے ساتھ معاملہ چاہتا ہے' اس کے ساتھ بھی اسی انداز میں رہے۔

چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: «لاَ يَسْتَكْمِلُ الْعَبْدُ الإِيْمَانَ حَتَّي يَكُونَ فِيهِ ثَلاَثُ خِصَالٍ: الإِنْفَاقُ مِنَ الإِقْتَارِ، وَالإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِهِ، وَبَذْلُ السَّلاَمِ»(صحيح بخاري)

"کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا' جب تک کہ اس میں تین باتیں نہ پائی جائیں۔ تنگ دستی میں خرچ کرنا' اپنی ذات سے انصاف کرنا اور سلام پھیلانا۔"

نیز فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُزَحْزَحَ مِنَ النَّارِ، وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَلْيُؤْتِ إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ»(خرائطی)

"جو شخص جہنم کی آگ سے دور ہونا اور جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتا ہے تو اس کی موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور لوگوں کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو اپنے ساتھ چاہتا ہے۔"

(۲۰) اپنے مسلمان بھائی کی لغزش معاف کرے' اس کے عیب پر پردہ ڈالے اور کوئی ایسی بات سننے کی کوشش نہ کرے جسے وہ اس سے چھپا رہا ہو۔

ارشاد سبحانی ہے: ﴿ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱصْفَحْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾ (المائدة٥/ ١٣)

"ان کو معاف کر اور درگزر کر۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

نیز فرمایا: ﴿ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ﴾

”جس کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کوئی چیز معاف کر دی جائے تو دستور کے مطابق (وارث' مقتول کے خون بہا کے مطالبے کی) پیروی کرے اور (قاتل) اچھے طریق سے ادائیگی کر دے۔“

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴾ (الشوری۴۲/ ۴۰)

”پس جس شخص نے معاف کیا اور اصلاح کی' اس کا ثواب اللہ پر ہے۔“

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾ (النور۲۴/ ۲۲)

”اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں' کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہیں بخش دے؟“

اور فرمان ایزدی ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴾ (النور۲۴/ ۱۹)

”جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے' ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا زَادَ اللهُ عَبْدًا يَعْفُوْ إِلاَّ عِزًّا»(صحیح مسلم)

”اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت بڑھاتا ہے جو دوسروں سے درگزر کرتا ہے۔“

نیز ارشاد ہوا: «وَأَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ»

”اور یہ کہ تو اس کو معاف کر دے جس نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔“

اور فرمایا: «لاَ يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلاَّ سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحیح مسلم)

”جو بندہ دنیا میں کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب ڈھانپ دے گا۔“

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: «يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الإِيْمَانُ فِيْ قَلْبِهِ! لاَ تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلاَ تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ، وَلَوْ كَانَ فِيْ جَوْفِ بَيْتِهِ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي)

”اے وہ جماعت! جو زبان سے اسلام قبول کر چکے ہیں اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا! تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کے عیوب کے پیچھے پڑو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کا پیچھا کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کر کے اس کو رسوا کر دے گا' چاہے وہ اپنے گھر میں چھپ جائے۔“

اور فرمان نبوی ہے: «مَنِ اسْتَمَعَ لِخَبَرِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ، صُبَّ فِيْ أُذُنِهِ الآنُكُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(المعجم الكبير للطبراني وغيره)

"جو شخص دوسروں کی باتیں سننے کی کوشش کرے جسے وہ ناپسند سمجھتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلی ہوئی قلعی ڈالی جائے گی۔"

(۲۱) اگر اسے اس کی مدد اور تعاون کی ضرورت ہو تو مہیا کر دے اور طاقت کے بقدر ضروریات زندگی پوری کرنے میں اس کی سفارش کرے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی و تقویٰ پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"

اور ارشاد ہے: ﴿مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ (النساء٤/ ٨٥)

"جو اچھے کام میں سفارش کرے' اس کو اس (کے ثواب) سے حصہ ملے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم)

"جو شخص کسی مومن سے دنیا کا کوئی غم و مصیبت دور کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے غم و مصائب سے ایک مصیبت دور کرے گا اور جو کسی تنگ دست کو آسانی مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے آسانی فرمائیں گے اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے' اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

اور مزید فرمایا: «اِشْفَعُوا تُوْجَرُوا، وَيَقْضِي اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَاشَاءَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سفارش کرو' اجر دیئے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ جو چاہے گا فیصلہ کرے گا۔ (مگر تم مجھ سے ضرورت مندوں کی سفارش کر کے اس کا اجر تو لو)"

(۲۲) جب اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اسے پناہ دے اور اگر اللہ کے نام پر سوال کرے تو اسے دے' احسان کرنے پر اسے بدلہ دے' یا اس کے لئے دعا کرے۔

آپ کا فرمان ہے:

«مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ

فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ بِهِ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»(مسند أحمد، سنن نسائي ومستدرك حاكم وهو حسن الإسناد)

"جو شخص تم سے اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے' اسے تحفظ دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے' اسے دو اور جو تمہیں بلائے' اس کی دعوت قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ اچھائی کرے' اسے بھرپور بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو اس کے لئے اتنی دعا کرو' کہ تم سمجھنے لگو کہ اب تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

(ح) کافروں کے حقوق:

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ "دین اسلام" کے سوا تمام ملل و ادیان باطلہ اور ان کے ماننے والے کافر ہیں "دین اسلام" برحق اور اس کے ماننے والے ہی مومن مسلمان ہیں۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"اسلام ہی اللہ کے نزدیک دین ہے۔"

نیز ارشاد باری ہے: ﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

"اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے' وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں میں سے ہو گا۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا﴾ (المائدة۵/ ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ان ارشادات کی بنیاد پر مسلمان یقین کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں اور انسانوں کے لئے اب ضابطۂ حیات صرف "اسلام" کے نام سے مقرر ہے' اللہ اس کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرے گا اور نہ کسی دوسری شریعت پر راضی ہو گا۔ للذا جو شخص معمولات زندگی اسلام کے مطابق نہیں بناتا وہ کافر ہے۔ اس بارے میں درج ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) مسلمان کافر کو کفر پر قرار نہ بخشے' اور نہ اسے پسندیدگی سے دیکھے' اس لئے کہ کفر کو پسند بھی کفر ہے۔

(۲) اس سے بغض رکھے' اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہے' اور مسلمان کی محبت یا

بغض اللہ کے لئے ہے' چونکہ اللہ کافر سے بغض رکھتا ہے' لہٰذا مسلمان کو بھی اسے مبغوض گردانا چاہیئے۔

(۳) کافر سے دوستی اور محبت نہ رکھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَـٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ﴾ (آل عمران۳/ ۲۸)

"مومن اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ﴾

(المجادلة۵۸/ ۲۲)

"اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے لوگوں کو تو نہیں پائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتے ہوں۔ چاہے ان کے باپ' بیٹے' بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔"

(۴) اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں نہ ہو تو اس کے ساتھ انصاف و عدل اور نیکی کا رویہ قائم رکھنا چاہیے۔

اللہ سبحانہ فرماتے ہیں: ﴿ لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَـٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَـٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴾ (الممتحنة۶۰/ ۸)

"جنہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تمہیں نہیں روکتا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

یہ آیت کریمہ کافروں کے ساتھ انصاف و عدل کی اجازت دیتی ہے اور اس بات کی بھی کہ مسلمانوں کا ان کے ساتھ رویہ اچھا ہونا چاہیئے۔ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں کیونکہ ان کے لئے اسلامی سیاست میں مخصوص احکام ہیں۔ جن کا تذکرہ "احکام المحاربین" میں ہو گا۔

(۵) انسانی معاملات میں مسلمانوں کا معاملہ کافر کے ساتھ بھی رحمت و مہربانی کا ہوتا ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلائے' پیاسے کو پانی پلائے' بیمار ہے تو علاج کرے' ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو بچانے کی سعی کرے اور ایذا رسانی سے اجتناب کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«ارْحَمْ مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ»(معجم الطبراني ومستدرك حاكم ۔ وهذا حديث صحيح)

"تو زمین والوں پر رحم کر' آسمان والا تجھ پر رحم کرے گا۔"

نیز آپ کا ارشاد ہے: «فِيْ كُلِّ ذِيْ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ»(رواہ أحمد وابن ماجة ۔ هذا حديث صحيح)

"ہر زندہ جگر والی مخلوق (کا بھلا کرنے) میں اجر ہے۔"

(۶) اگر کافر "غیر محارب" (حالت جنگ میں نہ) ہو تو اس کے مال' خون اور عزت میں اسے ایذا نہ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَقُوْلُ اللهُ: يَا عِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَي نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلاَ تَظَالَمُوْا»(صحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے اور تمہارے لئے بھی اسے حرام قرار دیا ہے' پس ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔"

نیز ارشاد ہے: «مَنْ آذَى ذِمِّيًا فَأَنَا خَصْمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(رواه الخطيب وهو ضعيف)

"جو شخص کسی "ذمی" کو ایذا دیتا ہے' میں قیامت کے دن اس کا دشمن ہوں گا۔"

(۷) کافر کو تحفے تحائف دینے جائز ہیں' جیسا کہ اس کے تحفے قبول کرنے جائز ہیں اور اگر وہ یہودی یا نصرانی اہل کتاب سے ہو تو اس کا کھانا بھی کھایا جا سکتا ہے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا طعام (کھانا) تمہارے لئے حلال ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ نے یہود کی کھانے کی دعوت قبول کی اور ان کا پیش کردہ طعام قبول فرمایا۔

(۸) مومنہ عورت کا کفار کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا' البتہ کتابیہ عورت یعنی عیسائی ۔ یہودی وغیرہ کا مسلمان مرد سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورت کو مطلق طور پر کفار کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"نہ مسلمان عورتیں ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَلَا تُنكِحُواْ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُواْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور مشرک مردوں کو مومن عورتوں کا نکاح نہ دو' یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔"

کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح اس حکم ربانی کی بنا پر جائز ہے:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور تم سے پہلے جو لوگ کتاب دیئے گئے ان کی شریف عورتیں (تمہارے لئے حلال ہیں) جب تم گھر آباد کرنے کے لئے ان کا حق مہر ادا کرو نہ کہ کھلی بدکاری اور مخفی آشنائی کے لئے۔"

(۹) کافر چھینک مارے اور اللہ کی حمد (تعریف) بیان کرے تو جواب میں مسلمان کہے:

«يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ»

"اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حال کو درست کرے۔"

اس لئے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اس غرض سے چھینک مارتے تھے کہ آپ ان کے لئے رحم کی دعا کریں گے۔ مگر آپ جواب میں «يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ» ہی فرماتے۔

(۱۰) کافر کو سلام کی ابتدا نہ کرے' اگر وہ سلام کہتا ہے تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا: وَعَلَيْكُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اہل کتاب اگر تمہیں سلام کہیں تو جواب میں "وعلیکم" کہو۔"

(۱۱) راستے میں چلتے وقت اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کردے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَبْدَأُوا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ، فَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ إِلَي أَضْيَقِهِ»(رواه أبوداود والطبراني - وهو حديث حسن)

"یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتدا نہ کرو۔ اگر راستہ میں ملاقات ہو جائے تو اسے تنگ راستے پر جانے پر مجبور کردو۔"

(۱۲) کافر کے ساتھ عام آداب زندگی میں چاہے غیر ضروری چیزیں ہوں مشابہت نہیں کرنی چاہیئے' داڑھی منڈانا کافر کا وطیرہ ہے جبکہ مسلمان داڑھی بڑھاتا ہے۔ کافر اسے رنگتا نہیں ہے' جبکہ مسلمان کو چاہیئے کہ داڑھی کے بال رنگے۔ لباس' پگڑی' ٹوپی وغیرہ میں بھی کافر کے ساتھ تشابہ نہ کرے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرتا ہے' وہ انہیں میں سے ہے۔"

نیز ارشاد ہے: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، أَعْفُوا اللِّحَى وَقُصُّوا الشَّوَارِبَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى لاَ يَصْبَغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ»(صحيح بخاري وصحيح

مسلم)

"یہود و نصاریٰ بال نہیں رنگتے، تم ان کی مخالفت کرو۔"

اس سے داڑھی یا سر کے بال زرد یا سرخ رنگ سے رنگنا مراد ہے، اس لئے کہ سیاہ رنگ استعمال کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«غَيِّرُوْا هٰذَا ـ الشَّعْرَ الأَبْيَضَ ـ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم)

"یہ سفید بال تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔"

(ط) جانوروں کے حقوق:

مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ جانوروں کا خیال رکھتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کے مطابق رحم کے جذبہ کے تحت درج ذیل امور پر عمل کرنے کی سعی کرتا رہتا ہے:

(۱) بھوک اور پیاس میں ان کی خوراک اور پانی کا وافر انتظام کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّاءَ أَجْرٌ»(مسند أحمد)

"ہر زندہ جگر والی چیز (سے اچھا سلوک کرنے) میں ثواب ہے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ لاَ يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ»(صحيح بخاري)

"جو (مخلوق پر) رحم نہیں کرتا، اس پر (بھی) رحم نہیں کیا جاتا۔"

نیز ارشاد ہوا: «ارْحَمُوْا مَنْ فِيْ الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

"تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"

(۲) شفقت و رحم سے برتاؤ کرنا چاہیئے، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جانور (پرندہ) کو پکڑ کر اسے اپنے تیروں کا تختۂ مشق بنا رہے ہیں۔ تو فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ رُوْحٌ غَرَضًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ اس پر لعنت کرے جو روح والی چیز کو تیر اندازی کے لئے ہدف بناتا ہے۔"

اسی طرح آپ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ایک دن آپ نے "حمرہ" یعنی سرخ چڑیا کو دیکھا کہ اپنے بچوں کی تلاش میں سرگرداں ہے، جو ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے گھونسلے سے اٹھا لئے تھے تو فرمایا:

«مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا»(رواه أبوداود بإسناد صحيح)

"کس نے اس کو اس کے بچوں کا دکھ دیا ہے؟ انہیں اسے واپس کر دو۔"

(۳) ذبح یا قتل کے وقت جانور کو راحت و آرام پہنچانا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا

ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُرِحْ أَحَدُكُمْ ذَبِيحَتَهُ وَلْيُحِدَّ شَفْرَتَهُ»(صحيح مسلم)

"اللہ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے انداز سے قتل کرو اور جب تم جانور ذبح کرو تو اچھے انداز سے ذبح کرو اور چاہیئے کہ ایک تمہارا اپنے ذبیحہ کو راحت دے اور اپنی چھری کو تیز کرلے۔"

(۴) جانوروں کو مارنا' بھوکا رکھنا' اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لادنا' شکل بگاڑ دینا اور اسے آگ سے جلانا غرضیکہ ہر قسم کے عذاب دینے سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، فَلاَ هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلاَ هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ»(صحيح بخاري)

"ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی' اس نے بلی کو باندھا اور اسے نہ کھلایا نہ پلایا اور نہ ہی اسے قید سے چھوڑا کہ زمین کے جانور شکار کر کے کھاتی' یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی۔"

رسول اللہ ﷺ چیونٹیوں کے بل کے پاس سے گزرے جسے آگ سے جلا دیا گیا تھا' تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ»(سنن أبي داود وهو صحيح)

"آگ کی سزا تو آگ کا مالک اللہ ہی دے سکتا ہے۔"

(۵) موذی جانور' کتا' بھیڑیا' سانپ' بچھو' چوہا اور اسی طرح کے دوسرے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الأَبْقَعُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا»(صحيح مسلم)

"پانچ جانور حل و حرم میں قتل کئے جائیں۔ سانپ' کوا' چوہا' زخمی کرنے والا کتا اور چیل۔"

اور اسی طرح بچھو کو مار دینا اور اس پر لعنت کرنا آپ سے ثابت ہے۔

(۶) کسی مصلحت کے تحت جانوروں کے کانوں پر آگ کے ساتھ نشان لگانا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگائے تھے۔

اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ کسی اور جانور کو آگ سے داغ لگانے کی ممانعت ہے۔ آپ نے ایک گدھا دیکھا کہ اس کے منہ کو آگ سے داغا گیا تھا تو فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ وَسَمَ هَذَا فِيْ وَجْهِهِ»(صحيح مسلم)

"اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے کو داغا ہے۔"

(۷) جب زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں تو اللہ کا حق یعنی زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۸) جانوروں کے معاملات میں اتنی مشغولیت سے احتراز کرنا کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت اور اس کا ذکر جاتا رہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾

(المنافقون٦٣/ ٩)

"اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا:

«اَلْخَيْلُ ثَلاَثَةٌ: هِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ طِيَلَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَهُوَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلاَ ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلَيْهِ وِزْرٌ» (صحيح بخاري)

"گھوڑے تین قسم کے ہیں، ایک باعث ثواب، دوسرا عذاب سے بچاؤ اور تیسرا باعث گناہ۔ جس کے لئے باعث اجروثواب ہے وہ شخص ہے جس نے اس کو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے باندھا اور چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی کو لمبا کر دیا، پس یہ جہاں تک چرے گا اس کے لئے باعث ثواب ہو گا اور اگر رسی توڑ کر ایک بلندی یا دو بلندیاں جائے گا تو اس کے نشانہائے قدم اور اس کا گوبر مالک کے لئے باعث اجروثواب ہو گا اور جس کے لئے گھوڑا بچاؤ ہے، وہ شخص ہے جس نے اسے بے نیازی (یعنی مال و دولت کمانے) اور سوال سے بچنے کے تحت حاصل کیا اور ان کی گردنوں اور پیٹھوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو فراموش نہیں کیا تو وہ اس کے لئے (تکبر کے عذاب سے) بچاؤ ہے اور گھوڑا عذاب اور وبال اس شخص کے لئے ہے جو اترانے، دکھلاوے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسے باندھ رکھے۔"

جانوروں کے حقوق کی بابت یہ چند احکام بطور نمونہ مذکور ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبہ سے اور "شریعت اسلامیہ" جو انسان و حیوان سب کے لئے "شریعت رحمت اور شریعت خیر" ہے، پر عمل کرتے ہوئے ہر مسلمان ان پر عمل کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

ساتویں فصل

اسلامی بھائی چارے اور اللہ تعالیٰ کیلئے دوستی و دشمنی کے آداب

اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر سچے ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان اس سے محبت کرے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور اس سے اس کی دشمنی و بغض ہو جو اللہ کو مبغوض ہے۔ اس کی پسند وہی ہو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پسند ہے اور اس کے ہاں وہ چیز ناپسند ہو جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ناپسند کریں۔ گویا اللہ و رسول ﷺ کی محبت اس کی محبت ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی دشمنی اس کی دشمنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«مَنْ أَحَبَّ لله وَأَبْغَضَ لله وَأَعْطَى لله وَمَنَعَ لله فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيْمَانَ»(سنن أبي داود)

"جو شخص اللہ کے لئے محبت و بغض رکھے اور اللہ ہی کے لئے کوئی چیز دے اور اللہ ہی کے لئے روکے تو اس نے ایمان مکمل کر لیا ہے۔"

بنابریں مسلمان اللہ کے جملہ نیک اور صالح بندوں سے محبت اور دوستی کرتا ہے اور وہ سب لوگ جو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے باغی اور فاسق ہیں' اس کے دشمن ہیں اور وہ ان سے بغض رکھتا ہے۔

یہ بات اس سے قطعاً مانع نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بعض صالح اور نیک بندوں سے خصوصی محبت اور دوستی قائم کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ إِلْفٌ مَأْلُوْفٌ، لاَ خَيْرَ فِيْمَنْ لاَ يَأْلَفُ وَلاَ يُؤْلَفُ»(مسند أحمد، معجم الطبراني ومستدرك حاكم وصححه)

"مومن دوستی لگاتا ہے اور اس سے دوستی کی جاتی ہے (اور) اس شخص میں کوئی خیر نہیں ہے جو نہ تو کسی سے مانوس ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی مانوس ہوتا ہے۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ، عَلَيْهَا قَوْمٌ لِبَاسُهُمْ نُوْرٌ، وَوُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ، لَيْسُوْا بِأَنْبِيَاءَ وَلاَ شُهَدَاءَ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ، فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا، فَقَالَ: الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللهِ وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللهِ،

وَالْمُتَزَاوِرُوْنَ فِي اللهِ»(سنن النسائی وھو صحیح)

''عرش کے اردگرد نور کے منبر ہیں' ان پر نورانی لباس اور نورانی چہروں والے لوگ ہوں گے وہ انبیاء و شہداء تو نہیں' مگر انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمیں بھی ان کی صفات بیان کیجئے'' آپ نے فرمایا یہ لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے' ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے والے اور اللہ ہی کے لئے ایک دوسرے کی ملاقات کو آنے والے ہیں۔''

نیز ارشاد ہے۔ «إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: حَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلَّذِيْنَ يَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ أَجْلِيْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلَّذِيْنَ يَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ أَجْلِيْ»(مسند أحمد ومستدرك حاكم)

''اللہ فرماتا ہے میری محبت ان کے لئے ثابت ہو چکی ہے' جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں پر ثابت ہو چکی ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔''

مزید فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ تَعَالٰى، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ، إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِيْ اللهِ فَاجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ»(صحيح بخاري)

''سات (قسم کے) افراد کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا' جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا (۱) انصاف کرنے والا سربراہ مملکت۔ (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی ہے۔ (۳) وہ آدمی جو مسجد سے باہر جاتا ہے تو اس کا دل واپس آنے تک مسجد میں ہی لگا ہوتا ہے۔ (۴) دو آدمی جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اسی (محبت) پر وہ اکٹھے اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔ (۵) وہ آدمی جو علیحدگی میں اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ کے خوف سے روتا ہے۔ (۶) وہ مرد جسے حسب و نسب کی مالک اور خوبصورت عورت دعوت گناہ دے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۷) وہ شخص جو چھپا کر خیرات کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔''

مزید ارشاد ہوا: «إِنَّ رَجُلاً زَارَ أَخًا لَّهُ فِيْ اللهِ فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ مَلَكًا، قَالَ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ فَقَالَ: أُرِيْدُ أَنْ أَزُوْرَ أَخِيْ فُلاَنًا، فَقَالَ: لِحَاجَةٍ لَكَ عِنْدَهُ؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: لِقَرَابَةٍ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: فَبِنِعْمَةٍ لَكَ عِنْدَهُ؟ قَالَ:

لاَ، قَالَ: فَبِمَ؟ قَالَ: أُحِبُّهُ فِي اللهِ، قَالَ: فَإِنَّ اللهَ أَرْسَلَنِيْ إِلَيْكَ أُخْبِرُكَ بِأَنَّهُ يُحِبُّكَ لِحُبِّكَ إِيَّاهُ، وَقَدْ أَوْجَبَ لَكَ الْجَنَّةَ»(صحيح مسلم مختصرًا والإحياء ج٢ ص١٥٧)

"ایک شخص اپنے ساتھی کی ملاقات کو جا رہا تھا تو اللہ نے اس کے لئے ایک فرشتہ راستہ میں مقرر کیا۔ پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟" کہا "اپنے فلاں بھائی کو ملنے جا رہا ہوں۔" فرشتے نے کہا "اس کے پاس کوئی کام تو نہیں؟" کہا "نہیں۔" فرشتے نے کہا "رشتہ داری ہے؟" کہا "نہیں۔" فرشتے نے کہا "اس کا کوئی احسان ہے جسے چکانے جا رہے ہو؟" کہا "نہیں۔" فرشتے نے پوچھا "پھر کیوں جا رہے ہو؟" مسافر نے جواب دیا "مجھے اللہ کے لئے اس سے محبت ہے" فرشتے نے کہا "مجھے اللہ نے تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھے اطلاع دوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تجھ سے محبت کرتے ہیں کہ تو نے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس شخص سے محبت کی ہے اور اللہ نے تیرے لئے جنت واجب کر دی ہے۔"

اس اخوت و دوستی کے لئے صرف یہی شرط ہے کہ یہ خالص اللہ کے لئے ہو' اس میں دنیاوی اغراض و مقاصد اور مادی ضروریات بالکل دخیل نہ ہوں اور اس کا باعث صرف ایمان و اسلام ہو۔

اسلامی اخوت کے آداب:

اس میں درج ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) وہ شخص عقلمند اور سمجھدار ہو' کیونکہ احمق و بے وقوف کی اخوت اور دوستی بسا اوقات نقصان دے جاتی ہے اور اس صورت میں بھی جبکہ وہ (دوست کو) فائدہ پہنچانا چاہتا ہو۔

(۲) اچھے اخلاق و عادات کا مالک ہو' بداخلاق انسان چاہے عقلمند ہو' تاہم ذاتی اغراض یا غصہ کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے حق میں برا ثابت ہو۔

(۳) متقی اور پرہیز گار ہو' کیونکہ فاسق جو اپنے مالک کی اطاعت سے خالی ہے' اطمینان نہیں کہ وہ دوستی کا لحاظ کرے گا' جب وہ اللہ سے نہیں ڈرتا تو کسی اور سے کیسے ڈرے گا؟

(۴) کتاب و سنت پر عامل ہو اور بدعات و خرافات سے اجتناب ضروری گردانتا ہو' اس لئے کہ بدعتی کی بدعات کی نحوست بعض اوقات اس کے دوستوں پر بھی پڑ جاتی ہے نیز اس لئے بھی کہ بدعتی اور خواہش پر چلنے والے انسان سے تو دور رہنے کا حکم ہے اور ان سے مقاطعہ (تعلقات سے منقطع کر لینا) لازم ہے۔ ان کے ساتھ دوستی کیسے ممکن ہے؟

ایک نیک و صالح بزرگ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے آداب مذکورہ کو بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

بیٹے! تجھے کسی کی دوستی کی ضرورت پڑے تو اس سے دوستی اختیار کر کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ

تیرا محافظ ہو' اس کے ساتھ رہنا' تیرے لئے زینت ہو' کوئی مشکل آ جائے تو وہ تیرا بوجھ ہلکا کرے' تو نیکی کی طرف ہاتھ بڑھائے' تو وہ بھی ہاتھ بڑھائے' تیری اچھائی دیکھے تو اسے قابل اعتناء گردانے' برائی دیکھے تو اسے روکے۔ تو اگر اس سے مانگے تو تجھے دے نہ مانگے تو بھی دے' تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو ہمدردی کرے' جب تو کہے تو تیری تصدیق کرے' کسی کام کا ارادہ کرے تو تجھے اپنا امیر سمجھے اور اگر کسی بات میں نزاع و جھگڑا ہو جائے تو وہ تجھے اپنا سمجھے۔

اسلامی اخوت کے حقوق:

(ا) مال کے ساتھ ایک دوسرے کی ہمدردی کہ دونوں ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مالی امداد کریں۔ ہر ایک اپنی نقدی دینار و درہم کو مشترکہ گردانے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا "میں آپ کو اللہ کے لئے بھائی بنانا چاہتا ہوں۔" جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "بھائی بنانے کا حق جانتے ہو؟" اس شخص نے کہا کہ "آپ بتایئے" آپ نے فرمایا "تو اپنے دینار و درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہیں ہو سکے گا۔" اس شخص نے کہا "ابھی میں اس درجہ تک نہیں پہنچا" تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "پھر تم چلے جاؤ۔"

(۲) دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں' جس طرح کہ ایک انسان اپنے ذاتی معاملات پر نظر رکھتا ہے' دونوں ایک دوسرے کے معاملات پر اسی طرح نظر رکھیں۔ ہر ایک کی کوشش ہو کہ وہ اپنے اور اپنے اہل و اولاد سے زیادہ اپنے ساتھی کو اہمیت دے' ہر تین دن بعد اس کے بارے میں دریافت کرے' بیمار ہے تو بیمار پرسی کرے' کسی کام میں ہے تو ہاتھ بٹائے' اسے کوئی بات بھول گئی ہے تو یاد دلائے' ملے تو خوش آمدید کہے' ساتھ بیٹھے تو مجلس میں وسعت پیدا کرے' بات کرے تو توجہ سے سنے۔

(۳) اپنی زبان سے اپنے ساتھی کا تذکرہ صرف اچھائی سے کرے۔ اس کے سامنے یا پیٹھ پیچھے اس کے عیوب ذکر نہ کرے' اس کے راز فاش نہ کرے' اس کی مخفی باتوں کی تلاش و ٹوہ میں نہ لگا رہے' اور جب اسے دیکھے کہ وہ کسی ذاتی کام کی غرض سے کہیں جا رہا ہے تو (اندازے لگا کر) اس کام کا ذکر کرنے میں پہل نہ کرے اور نہ ہی حصول مقصد کی جگہ جاننے کی کوشش کرے اور وہ خود بتائے تو الگ بات ہے) اسے اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنے میں نرم رویہ اختیار کرے' گفتگو میں جھگڑنے کا انداز اور بحث و جدل کا طریق نہ اپنائے اور کسی معاملہ میں بھی عتاب و اظہار ناراضگی نہ کرے۔

(۴) اپنی زبان کا استعمال ساتھی کے لئے اس انداز میں کرے جیسا کہ وہ خود اپنے لئے اس سے چاہتا ہے' دوست کو جو نام پسند ہے اسی سے اس کو بلائے سامنے اور پیٹھ پیچھے اچھائی کے ساتھ اس کا ذکر کرے' لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو رشک اور خوشی کے طور پر اس کی اطلاع اس کو دے' نصیحت کو اتنا طول نہ دے کہ وہ اکتا جائے اور لوگوں کے سامنے پند و نصائح سے احتراز کرے' کیونکہ وہ اس طرح

شرمندہ ہو گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو اپنے بھائی کو پوشیدہ سمجھاتا ہے' وہ اس کی خیرخواہی کر رہا ہے اور اس کی زینت کا باعث ہے اور جو عام لوگوں کے سامنے اسے نصیحت کرتا ہے' وہ اسے رسوا کر رہا ہے اور معیوب بنا رہا ہے۔"

(۵) دوست کی لغزشوں کو معاف اور بے فائدہ باتوں سے صرف نظر کرے' عیوب پر پردہ ڈالے اور اس کے بارے میں حسن ظن کو اپنائے۔ اگر خفیہ یا اعلانیہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو قطع تعلق نہ کرے اور نہ اخوت میں کمی پیدا کرے' بلکہ اس کی توبہ اور رجوع کا انتظار کرے' ہاں اگر وہ جرم پر اصرار اور ضد کرتا ہے تو پھر اس سے تعلقات منقطع کر لے' یا تعلقات بحال رکھے' یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے مگر خیرخواہی اور وعظ و نصیحت برابر کرتا رہے' اس امید پر کہ وہ جرم سے رجوع کرے گا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تیرا بھائی بدل جائے اور نیکی کے حال پر قائم نہ رہے تو اس وجہ سے اسے چھوڑ دینا درست نہیں' کیونکہ اگر وہ خراب ہو سکتا ہے تو پھر ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔"

(۶) اخوت میں وفا' ثابت قدمی اور دوام ضروری ہے' اس لئے کہ "اخوت" ترک کرنے میں ثواب کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے' اگر تیرا یہ بھائی فوت ہو جائے تو "حسن سلوک" اس کی اولاد اور اس کے دوستوں کی طرف منتقل ہو جانا چاہیئے۔ اسی میں اخوت کی حفاظت اور وفا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا کا احترام کیا جو آپ کے پاس آئی اور جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا' تو فرمایا:

«إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا أَيَّامَ خَدِيْجَةَ، وَإِنَّ كَرَمَ الْعَهْدِ مِنَ الدِّيْنِ»(مستدرك حاكم وصححه)

"یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دنوں (یعنی زندگی) میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور عہد کا لحاظ بھی دین میں داخل ہے۔"

"وفا" کا یہ بھی تقاضا ہے کہ دوست کے دشمن سے تعلقات نہ گانٹھے جائیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تیرا دوست دشمن کا ساتھی بن جائے تو یوں سمجھ کہ وہ دونوں تیری دشمنی میں برابر ہیں۔"

(۷) ساتھی پر اتنی مشقت نہ ڈالے جو وہ برداشت نہ کر سکے یا وہ اس پر خوش نہ ہو اور نہ ہی اس کے مرتبہ و مال سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی سعی کرے' اس لئے کہ جب اخوت کی بنیاد اللہ کی رضا ہے تو پھر اس کے ذریعے دنیاوی منافع حاصل کرنا اور ضرر رساں چیزیں دور کرنا' کہاں درست ہے؟

پھر جب ایک شخص خود تکلف نہیں کر رہا تو دوسرے کو بھی نہ کرنے دے' کیونکہ یہ دونوں باتیں

اخوت کے مقاصد کو تباہ کرتی ہیں، اس کے اجروثواب میں کمی کا باعث ہوتی ہیں، جبکہ انہی امور کا حصول اس کا اولین مقصد ہے۔

لہٰذا "اخوت" میں تکلف اور تحفظ کی بساط لپٹی ہونی چاہیئے ورنہ الفت کی بجائے منافرت پیدا ہو جائے گی، ایک اثر میں ہے کہ:

«أَنَا وَأَتْقِيَاءُ أُمَّتِيْ بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ»

"میں اور میری امت کے متقی تکلف سے بری ہیں۔"

ایک صالح زاہد کا مقولہ ہے کہ "اگر تکلفات ساقط ہو جائیں تو الفت اور دوستی میں دوام پیدا ہو گا۔ مشقت کم ہو تو دوستی میں دوام ہوتا ہے۔ جس کا بوجھ ہلکا ہو، اس کی دوستی پائیدار ہوتی ہے۔"

انس و اپنائیت کو حاصل اور اجنبیت کا احساس دور کرنا ہے تو ایک بھائی دوسرے کے ساتھ شریک ہو جائے۔ گھر کا کھانا کھانے میں، اس کے بیت الخلاء کے استعمال کرنے میں اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے اور سونے میں۔ ان کاموں کے نتیجہ میں اخوت مستحکم ہو گی اور رعب ناپید ہو گا جس سے اجنبیت بڑھ رہی تھی اور (اس طرح) مانوسیت اور انبساط کا دور دورہ ہو گا۔

(۸) اپنے ساتھی اور اس کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کرے جو وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ زندہ ہے یا فوت شدہ، حاضر ہے یا غائب۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لأَخِيْهِ فِيْ ظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ مِثْلُ ذَلِكَ»
(صحیح مسلم)

"جب ایک شخص اپنے دوسرے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے تجھے بھی اس کے مثل (اجر ملے گا)"

ایک زاہد کا مقولہ ہے کہ "نیک بھائی کی مانند کون ہو سکتا ہے؟ اس کی موت کی صورت میں اس کے وارث وراثت کی تقسیم میں لگے ہوں گے اور ان پر اس کے ترکہ سے نفع اندوزی کی دھن سوار ہو گی اور صالح بھائی غمگین ہو گا اور اسے صرف یہ فکر ہو گی کہ آگے کے لئے اس نے کیا جمع کیا ہے؟ اور اب وہ کس حال میں ہے؟ وہ تو رات کی تاریکیوں میں منوں مٹی کے نیچے مدفون شخص کے لئے مغفرت کی دعائیں کر رہا ہوتا ہے۔"

آٹھویں فصل

مجلس اور اس میں بیٹھنے کے آداب

مسلمان کی ساری زندگی اسلامی ضوابط کے دائرے میں بسر ہوتی ہے اور ساتھیوں کے ساتھ اکٹھے بیٹھنے میں بھی وہ آداب ذیل کا التزام کرتا ہے:

(ا) کسی مجلس میں بیٹھنے سے پہلے اہل مجلس کو سلام کہتا ہے اور پھر اسے مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتا ہے' کسی کو اس کی مجلس سے اٹھاتا نہیں ہے اور اکٹھے بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے درمیان بلااجازت نہیں بیٹھتا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لاَ يُقِيمَنَّ أَحَدُكُمْ رَجُلاً مِنْ مَّجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلَكِنْ تَوَسَّعُوْا أَوْ تَفَسَّحُوْا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی شخص دوسرے کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر وہاں خود بیٹھے۔ البتہ مجلس میں وسعت اور فراخی پیدا کرو۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اگر کوئی جگہ دینے کے لئے اٹھتا تو وہ اس جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے۔

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو جہاں مجلس پہنچی ہوتی' وہیں بیٹھ جاتے۔"

اور آپ کا ارشاد ہے: «لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلاَّ بِإِذْنِهِمَا»(سنن أبى داود وسنن الترمذي وحسنه)

"کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ بلااجازت دو کے درمیان تفریق کرے۔"

(۲) اگر ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا جاتا ہے اور پھر واپس آ جاتا ہے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسٍ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»(صحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی اگر اپنی مجلس سے اٹھ کر چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔"

(۳) حلقۂ مجلس کے درمیان میں نہ بیٹھے' حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَعَنَ مَنْ جَلَسَ فِيْ وَسَطِ الْحَلْقَةِ»(رواه أبوداود بإسناد

حسن)

"کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو حلقہ مجلس کے درمیان بیٹھتا ہے۔"

(۴) کسی بھی مجلس میں وقار و سکینت کی حالت میں بیٹھنا چاہیے۔ اس دوران انگلیوں کو مٹکانا' داڑھی یا انگوٹھی کے ساتھ کھیلتے رہنا' دانتوں کا خلال کرنا' ناک میں انگلی ڈالنا' تھوکنا' کھانسنا' چھینک یا انگڑائی لیتے رہنا معیوب اور برا ہے' اس سے احتراز کرے۔ مجلس میں پرسکون بیٹھے' زیادہ حرکت نہ کرے' گفتگو میں توازن اور الفاظ میں حسن ترتیب ملحوظ رکھے' درست بات کہے' نیز زیادہ بولنے' خوش طبعی اور تمسخر کرنے سے احتراز کرے۔ خاندان' اولاد' کاروبار اور اپنی تالیفات یا کسی بھی کام پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر دوسرا بات کر رہا ہے تو توجہ سے اس کی بات سننے میں خودپسندی کا مظاہرہ نہ کرے' اس کے سلسلہ گفتگو کو درمیان میں نہ کاٹے اور یہ بھی نہ کہے پھر سناؤ۔ اس سے اس کی طبیعت پر برا اثر پڑے گا۔

ان باتوں کا التزام مسلمان دو وجہ سے کرتا ہے:

ایک یہ کہ اس کی کسی عادت یا عمل سے کسی بھائی کو تکلیف نہ پہنچے اس لئے کہ مسلمان کو ایذا دینا حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

دوسری وجہ یہ کہ اس طرح وہ ساتھیوں کی محبت اور الفت حاصل کرے گا۔ کہ شارع علیہ السلام نے باہمی محبت و الفت کا حکم دیا ہے اور ترغیب دی ہے۔

(۵) راستہ میں بیٹھنے کی صورت میں درج ذیل باتوں کو اپنائے:

* نگاہ نیچی رکھے اور راستہ میں گزرنے والی ایماندار عورتوں' یا اپنے گھر کے دروازہ میں کھڑی عورت اور کسی ضرورت کے تحت مکان کی چھت پر جانے والی یا کھڑکی سے جھانکنے والی پر نظربازی نہ کرے' اسی طرح کسی بھی شخص کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے اور اسے اپنے سے حقیر نہ گردانے۔
* راستہ سے گزرنے والوں کو کسی انداز میں ایذا نہ دے' سب و شتم' عیب جوئی اور اعتراض بازی سے اجتناب کرے۔ گالی گلوچ' مار کٹائی اور چھینا جھپٹی ایسی قبیح حرکتوں سے لوگوں کی آمدورفت بند نہ کردے۔
* اس کے پاس گزرنے والے سلام کہیں تو ان کا جواب دے' کیونکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشد ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾ (النساء ٤/ ٨٦)

"جب تمہیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر سلام کہو' یا اسی کو لوٹا دو۔"

* اگر نیکی اور معروف پر عمل اس کے سامنے متروک ہو جائے اور اسے معمولی سمجھا جانے لگے تو

امربالمعروف اس پر لازم ہو جاتا ہے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے جس سے وہ صرف اس صورت میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے کہ وہ خود یہ فریضہ سرانجام دے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ نماز کی اذان ہو جائے اور حاضرین مجلس نماز باجماعت کے لئے جانے کو تیار نہ ہوں تو آپ پر فرض ہے کہ ان سے مؤذن کے اعلان نماز پر عمل کرائے۔ کہ اس وقت یہی معروف ہے جس کا حکم دینا اس پر فرض ہے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بھوکا یا ننگا شخص اس کے قریب سے گزر رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے کھانا کھلائے اور کپڑے پہنائے بشرطیکہ اسے اس کی استطاعت ہو۔ ورنہ کسی اور "صاحب استطاعت" کو اس کی تلقین کرے' بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو لباس مہیا کرنا نیکی ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۵) اگر اس کے سامنے اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہو تو اس سے منع کرے کیونکہ منکر کو مٹانا اسی طرح ضروری ہے' جس طرح نیکی کا حکم کرنا ضروری ہے اور یہ ہر مسلمان کا وظیفۂ زندگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ»(صحیح مسلم)

"جو شخص برا کام دیکھے تو اسے تبدیل کرے۔"

اس کے سامنے اگر ایک شخص کسی پر ظلم و زیادتی کر رہا ہو' اسے مار رہا ہو یا اس کا مال چھین رہا ہو تو اس وقت مظلوم کی امداد اپنی وسعت و طاقت کے مطابق اس پر ضروری ہے۔

(٦) کوئی راستہ بھٹک جائے تو اس کی رہنمائی کرے' کسی مکان کی تلاش میں ہے تو اس کا پتہ دے' کسی آدمی کی دریافت مطلوب ہو تو نشاندہی کرے۔ یہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے' جو دکانوں' مکانوں کے سامنے اور عام تفریح گاہوں اور باغیچوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ، فَقَالُوْا: مَالَنَا بُدٌّ، إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلاَّ الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهَا، فَقَالُوْا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الأَذٰى وَرَدُّ السَّلاَمِ وَالأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ» وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ زِيَادَةٌ «وَإِرْشَادُ الضَّالِ»(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

"راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو لوگوں نے کہا "ہم ان مجالس میں روزمرہ کی بات چیت کے لئے بیٹھتے ہیں' اس کے بغیر ہمارا کوئی چارہ نہیں۔" فرمایا "تو پھر راستے کے حقوق ادا کرو" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "اس کے کیا حقوق ہیں؟" فرمایا "نظر نیچی رکھنا' ایذا نہ دینا' سلام کا جواب دینا' اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا" بعض روایات میں ہے کہ "ناواقف کو راستہ بتانا۔"

بیٹھنے کے آداب میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ جب اٹھے تو کفارۂ مجلس کے طور پر استغفار کرے۔
رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:
«سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ»(سنن الترمذي)
"اے اللہ تو پاک ہے اور تیری تعریف ہے' گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں ہے۔ تجھ سے (اپنی کوتاہیوں کی) مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔"
آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "یہ مجلس کی کوتاہیوں کا کفارہ ہے۔"

نویں فصل

کھانے پینے کے آداب

مسلمان کی نظر میں سامان خورد و نوش اصل مقصود نہیں' وہ اس لئے کھاتا پیتا ہے کہ بدن کو زندہ رکھ سکے اور اللہ کی عبادت کا فریضہ سرانجام دے سکے اور یہی عبادت اسے دار آخرت کی عزت و سعادت کا اہل بنائے گی۔
اس کا کھانا پینا کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں ہوتا اور نہ محض لذت اور شوق کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھوک لگتی ہے تو کھاتا ہے' پیاس لگتی ہے تو وہ پیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:
«نَحْنُ قَوْمٌ لاَ نَأْكُلُ حَتّٰي نَجُوعَ، وَإِذَا أَكَلْنَا فَلاَ نَشْبَعُ»
"ہم بھوک کے بغیر نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے۔"
لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خورد و نوش کے شرعی آداب کی پابندی قبول کرے۔

* کھانے سے پہلے کے آداب:

(۱) مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حلال اور پاک اشیاء سے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرے۔ یعنی جس میں حرام اور مشتبہ کا شائبہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ (البقرة۲/ ۱۷۲)
"اے ایمان والو! ہم نے جو پاک اور عمدہ روزی تمہیں دی ہے' اس سے کھاؤ۔"
پاک روزی سے مراد وہ "حلال" ہے جس سے طبیعت نہ گھن کرتی ہو اور نہ وہ صحت کو خراب کرنے والی ہو۔
(۲) کھانے پینے میں اللہ کی عبادت کے لئے تقویت حاصل کرنے کی نیت کرے' تاکہ خورد و نوش

اس کے لئے باعث ثواب ہو' اس لئے کہ اچھی نیت سے مباح کام بھی اطاعت شمار ہوتا ہے اور اس پر مسلمان کو اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔

(۳) اگر ہاتھوں پر میل کچیل ہے یا صاف نہ ہونے کا گمان ہے۔ تو کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لے۔

(۴) کھانا سادہ انداز میں کپڑے یا دستر خوان پر رکھ کر کھائے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے (کرسی کے بغیر مختلف قسم کے قیمتی) میز اور طشتری وغیرہ استعمال نہ کرے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَا أَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَلاَ فِيْ سُكْرَجَةٍ»(صحیح بخاري)

"رسول اللہ ﷺ نے خوانچہ یا طشتری پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔"

(۵) گھٹنوں کے بل تواضع کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے' یا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھ جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد عالی ہے:

«لاَ آكُلُ مُتَّكِأً، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ»(صحیح بخاري)

"میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا' میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔"

(۶) حاضر کھانے کو پسند کرے' عیب جوئی نہ کرے' پسند آتا ہے تو کھائے' اگر کسی وجہ سے پسند نہیں ہے تو ترک کر دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَا عَابَ رَسُوْلُ اللهِ طَعَامًا قَطُّ، إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَ»(سنن أبي داود)

"رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کھانے میں عیب جوئی نہیں کی۔ چاہتے تو کھا لیتے اور نہ چاہتے تو چھوڑ دیتے۔"

(۷) کوشش یہ کرے کہ کھانا مہمان' گھر کے افراد یا خادم کے ساتھ کھائے۔ حدیث میں ہے:

«اجْتَمِعُوْا عَلَى طَعَامِكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وصححه)

"اکٹھے کھانا کھاؤ' اس میں تمہارے لئے برکت ہو گی۔"

* آداب دوران کھانا:

(۱) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا شروع کرے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ تَعَالَى، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى

فِيْ أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ : بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وصححه)

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے' اگر اللہ کا نام لینا بھول جائے تو «بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ» (اللہ کے نام سے' اس کام کے آغاز واختتام پر) کہے۔"

(۲) اور اللہ کی حمد و تعریف سے کھانا بند کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ طَعَامًا وَقَالَ: اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هَذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِيْ وَلاَ قُوَّةٍ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو کھانا کھا کر کہتا ہے

«اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هَذَا . . . . . »

یعنی "سب تعریف اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میرے تصرف و قوت کے بغیر مجھے یہ عطا کیا" تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

(۳) کھانا دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے کھائے' لقمہ چھوٹا لے اور خوب چبا کر کھائے' اپنے آگے سے اٹھائے' برتن کے درمیان سے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَا غُلاَمُ! سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے لڑکے! اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے اپنے آگے سے کھا۔"

نیز فرمایا: «اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلاَ تَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ»(صحيح بخاري)

"برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے' پس اس کے کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ۔"

(۴) کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے' ہاتھ رومال یا پانی کے ساتھ صاف کرنے سے پہلے برتن اور انگلیوں کو اچھی طرح صاف کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلاَ يَمْسَحْ أَصَابِعَهُ حَتَّي يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وحسنه)

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو چاٹنے یا چٹانے سے پہلے اپنی انگلیاں صاف نہ کرے۔"

اور جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلی چاٹنے اور برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے:

«إِنَّكُمْ لاَ تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ»(صحيح مسلم)

”تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔“

(۵) اگر خوراک میں سے کچھ نیچے گر جائے تو اسے صاف کر کے کھا لے کیونکہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا، وَلْيُمِطْ(يُنَحِّ) عَنْهَا الأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا، وَلاَ يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم)

”جب تم میں سے کسی ایک کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھا لے اور صاف کر کے اسے کھا لے اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے۔“

(۶) گرم کھانے میں پھونک نہ مارے' ٹھنڈا کر کے کھائے اور پیتے وقت پانی میں پھونک نہ مارے' بلکہ برتن منہ سے الگ کر کے سانس لے اور تین بار ایسا کرے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ پینے میں تین بار سانس لیتے تھے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”آپ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے“ (سنن ترمذی اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے اور پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔“ (ایضاً)

(۷) پیٹ زیادہ بھر کر کھانے سے اجتناب کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مَلأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، حَسْبُ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ»(مسند أحمد، سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم وهو حسن)

”انسان پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرتا۔ ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اسے کھڑا رکھ سکیں۔ اگر زیادہ کا شوق کرتا ہے تو تہائی کھانے کے لئے' تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس کے لئے۔“

(۸) اکٹھے بیٹھنے والوں میں سے سب سے پہلے بڑے کو کھانا یا مشروب پیش کرے' پھر دائیں طرف سے دینا شروع کرے اور پلانے والا آخر میں خود نوش کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

«كَبِّرْ كَبِّرْ»

”بڑے کو موقع دے' بڑ کو موقع دے۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے بڑوں کو دینے کے لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت طلب کی تھی' جبکہ وہ دائیں طرف بیٹھے تھے اور بڑے شیوخ بائیں طرف تھے۔ آپ کا اجازت طلب کرنا' اس بات کی دلیل ہے

کہ زیادہ حق دائیں طرف والوں کا ہے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے: «الأَيْمَنَ فَالأَيْمَنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"دائیں طرف دو' دائیں طرف دو۔"

اور ایک جگہ فرمایا: «سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ»(سنن أبي داود)

"مشروب پلانے والا آخر میں پیتا ہے۔"

(۹) مجلس میں عمر یا فضیلت میں بڑے کی موجودگی میں تناول طعام میں پہل نہ کرے' اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا حرص کی مذموم صفت سے متصف سمجھا جائے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَإِنْ مُدَّتِ الأَيْدِيْ إِلَى الزَّادِ لَمْ أَكُنْ بِأَعْجَلِهِمْ إِذْ أَجْشَعُ الْقَوْمِ أَعْجَلُ

"اور جب ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے ہیں تو میں جلدی نہیں کرتا کہ قوم میں زیادہ حریص انسان سب سے زیادہ جلد باز ہوتا ہے۔"

(۱۰) ضرورت کے مطابق کسی جھجک یا تکلف کے بغیر کھانا کھائے اور میزبان یا اس کے ساتھی کو یہ کہنا نہ پڑے کہ ضرور کھاؤ ایک تو یہ اس کے ساتھی یا میزبان کو تنگ کرنے والی بات ہے اور دوسرا یہ ایک قسم کا دکھلاوا اور ریا بھی ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

(۱۱) کھانے میں شریک ساتھی کا لحاظ کرے اور اس سے زیادہ کھانا کھانے کی کوشش نہ کرے' بالخصوص جبکہ کھانا تھوڑا ہو کہ اس میں دوسرے کی حق تلفی ہو گی۔

(۱۲) کھانے کے دوران دوسرے ساتھیوں کو نہ دیکھے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ دے' وہ اس وجہ سے شرم محسوس کریں گے۔ بلکہ اپنے اردگرد کھانے والوں سے صرف نظر کر کے کھانا کھاتا رہے۔ اسی طرح اس دوران ان کی طرف تانک جھانک بھی نہ کرے کہ اس طرح انہیں تکلیف ہو گی اور ان میں دشمنی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ گناہ ہے۔

(۱۳) ایسا کوئی کام نہ کرے جو لوگوں کی نظر میں معیوب ہو۔ پیالے میں ہاتھ نہ ڈالے' کھانا کھاتے وقت سر برتن کے قریب نہ کرے' ہو سکتا ہے کہ منہ میں سے کچھ حصہ گر جائے۔ روٹی کا ٹکڑا دانتوں سے توڑا ہے تو اسے سالن کے برتن میں نہ ڈبوئے اور اسی طرح بے ہودہ اور گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرے' کیونکہ اس سے کوئی بھی ساتھی ایذا اور تکلف محسوس کر سکتا ہے اور مسلمان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

(۱۴) تنگ دست کے ساتھ کھانا کھانا ایثار پر مبنی ہوتا ہے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھانا انبساط و خوش طبعی کے روپ میں اور مرتبہ و شان والے بزرگوں کے ساتھ ان کے آداب و احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے کھانا کھایا جائے۔

* آداب بعد از طعام:

(۱) سیر ہونے سے پہلے کھانا بند کر دے' اسی میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا ہے' اس طرح وہ مہلک بدہضمی سے بھی محفوظ رہے گا اور ذہنی استعداد درست رہے گی۔

(۲) ہاتھ کی انگلیاں چاٹے اور کپڑے سے صاف کرے' یا دھولے' جبکہ دھونا بہتر ہے۔

(۳) کھانا کھانے کے دوران گرے ہوئے ٹکڑے چن لے۔ اس کی "حدیث" میں ترغیب آئی ہے اور یہ نعمت پر اظہار تشکر ہے۔

(۴) دانتوں کا خلال کرے اور منہ صاف کرنے کے لئے کلی کرے کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اور ساتھیوں سے ہم کلام ہو گا۔ جیسا کہ یہ منہ کی صفائی دانتوں کی تندرستی کے لئے بھی ضروری ہے۔

(۵) کھانا کھانے یا مشروب پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کرے' دودھ پیا ہے تو کہے:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَزِدْنَا مِنْهُ»

"اے اللہ! اس روزی میں جو تو نے ہمیں دی ہے' برکت دے اور مزید عطا فرما۔"

کسی کے پاس روزہ افطار کیا ہے تو دعا مانگے:

«أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلاَئِكَةُ» (سنن أبي داود)

"تمہارے پاس روزہ کریں' نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دعا کریں۔"

دسویں فصل

مہمان نوازی کے آداب

مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ مہمان کی عزت کرتا ہے اور اس کی مناسب توقیر بجالاتا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے' وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ، قَالُوا: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ قَالَ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ، وَالضِّيَافَةُ ثَلاَثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ

صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)
"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے' وہ دستور کے ساتھ اپنے مہمان کی عزت کرے' پوچھا دستور کیا ہے؟ فرمایا "ایک دن ایک رات اور ضیافت تین دن کے لئے ہے' اس کے بعد صدقہ و خیرات ہے۔"

بنا بریں مسلمان مہمانداری میں درج ذیل آداب کا التزام کرے:

(الف) مہمانی کے لئے بلانا:

(۱) اپنی ضیافت میں متقی اور پرہیزگار کو بلائے' فاسق اور مجرم کو نہیں' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
«لاَ تُصَاحِبْ إِلاَّ مُؤْمِنًا، وَلاَ يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلاَّ تَقِيٌّ»(مسند أحمد، سنن أبي داود، سنن الترمذي، صحيح ابن حبان ومستدرك حاكم ـ صحيح)
"ایماندار کے ساتھ رہ اور تیرا کھانا متقی ہی کھائے۔"

(۲) ضیافت و مہمانی کے لئے اغنیاء کو مخصوص نہ کرے' بلکہ فقراء کو بھی بلائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى إِلَيْهَا الأَغْنِيَاءُ دُوْنَ الْفُقَرَاءِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)
"بدترین کھانا' اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں دولت مند بلائے جائیں اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔"

(۳) ضیافت میں مقصود ایک دوسرے سے بڑھنا اور فخر نہ ہو' بلکہ رسول اللہ ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کے طریق کی پیروی کا ارادہ کرے اور اس میں یہ نیت و جذبہ بھی کارفرما ہو کہ ایماندار بھائیوں میں سرور اور خوشی پیدا ہو گی۔

(۴) کسی ایسے شخص کو دعوت نہ دے' جس کا شریک ہونا مشکل ہو' یا وہ کسی شریک ساتھی سے رنجیدہ ہو گا' کیونکہ مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔

(ب) قبول دعوت کے آداب:

(۱) کھانے کی دعوت قبول کر لینی چاہیئے' عذر کے بغیر اس سے پیچھے ہٹنا مناسب نہیں ہے اور عذر اس انداز کا ہونا چاہیئے کہ جس سے دین یا بدن میں نقصان و ضرر کا اندیشہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«مَنْ دُعِيَ فَلْيُجِبْ»(صحيح مسلم)
"جسے کھانا کے لئے بلایا جائے' وہ قبول کرے۔"

نیز فرمایا: «لَوْ دُعِيْتُ إِلٰى كُرَاعِ شَاةٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ»
(صحيح بخاري في كتاب الهبة)

"مجھے اگر بکری کے پائے کے لئے بلایا جائے تو میں ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے بازو کا تحفہ دیا جائے تو میں قبول کروں گا۔"

(۲) "قبول دعوت" میں امیر و غریب کا فرق نہ کرے' فقیر کی دعوت قبول نہ کرنے میں اس کی دل شکنی ہو گی اور اس میں تکبر کا انداز بھی ہے' جبکہ بڑائی پر اللہ کی ناراضگی ہے۔

فقراء کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ایک دن مساکین کے پاس سے گزرے تو وہ زمین پر پڑے روٹی کے ٹکڑے کھا رہے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ کو انہوں نے دعوت دی۔ "اے بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹے! ہمارے ساتھ صبح کے کھانے میں شریک ہو جائیں۔" حسن رضی اللہ عنہ نے دعوت قبول کی' خچر سے اترے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ»

"بے شک اللہ تعالیٰ بڑائی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

(۳) "قبول دعوت" میں دور اور قرابت والے کا فرق نہ کرے' بلکہ جو پہلے آ جائے اس کی دعوت قبول کر لے اور دوسرے سے معذرت کر لے۔

(۴) روزہ کی وجہ سے انکار نہ کرے' اگر صاحب خانہ اس کو کھانا کھلانے میں خوشی محسوس کرتا ہے تو روزہ افطار کر دے' ورنہ ان کے لئے دعائے خیر کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ ـ يَدْعُ ـ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»(صحيح مسلم)

"جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو وہ قبول کرے۔ اگر روزہ سے ہے تو دعا کر دے اور اگر روزہ دار نہیں تو کھانا کھائے۔"

نیز آپ نے فرمایا: «تَكَلَّفَ لَكَ أَخُوْكَ وَتَقُوْلُ: إِنِّيْ صَائِمٌ؟»

"تیرا ساتھی تیرے لئے کھانے کا تکلف کر رہا ہے اور تو کہتا ہے میں روزے سے ہوں؟"

(۵) قبول دعوت طعام میں اپنے ساتھی مسلمان کی عزت و توقیر مطلوب ہونی چاہئے تاکہ ثواب ملے۔

حدیث میں ہے: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى»(صحيح بخاري)

"اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کو وہی کچھ ملتا ہے' جس کی اس نے نیت کی۔"

حقیقت یہ ہے کہ اچھی نیت سے مباح کام کو اطاعت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے' جس پر مومن اجر

کا مستحق قرار پاتا ہے۔

(ج) کھانے میں حاضر ہونے کے آداب:

(۱) میزبانوں کو زیادہ انتظار نہ کرائے' اس طرح وہ پریشان ہوں گے اور نہ وہاں پہنچنے میں جلدی کرے کہ تیاری سے پہلے اچانک پہنچنے سے ان کو تکلیف ہو گی۔

(۲) اندرون خانہ آنے کے بعد تواضع و انکساری کے ساتھ بیٹھ جائے اور صاحب خانہ جس جگہ بٹھائے' وہیں بیٹھے' اس سے الگ نہ ہو۔

(۳) میزبان مہمان کے لئے کھانا جلدی پیش کرے' اس لئے کہ اس میں اس کی عزت و توقیر ہو گی اور شارع علیہ السلام نے مہمان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(صحیح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اللہ اور آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔"

(۴) سب مہمانوں کے فارغ ہونے سے پہلے کھانا اٹھانے میں جلدی نہ کرے۔

(۵) کفایت کے انداز سے کھانا پیش کرے' تھوڑی چیز پیش کرنا بے مروتی ہے اور زیادہ حاضر کرنا تصنع اور بناوٹ ہے' دونوں باتیں قابل مذمت ہیں۔

(۶) جب کسی کے پاس مہمان بن کر جائے تو تین دن سے زیادہ نہ رہے۔ اِلاّ یہ کہ میزبان مجبور کر دے اور واپسی پر اس سے اجازت طلب کرے۔

(۷) مہمان کی روانگی کے وقت میزبان گھر کے باہر تک اس کے ساتھ جائے کہ یہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا طرز عمل ہے اور شرعاً مہمان کی توقیر میں داخل ہے۔

(۸) مہمان خوش ہو کر واپس جائے' چاہے اس کی خدمت میں کوئی کمی رہ گئی ہو' اس لئے کہ یہ بات خوش خلقی میں داخل ہے' جس پر روزہ و قیام کا ثواب ملتا ہے۔

(۹) مسلمان کے پاس تین طرح کے بستر ہونے چاہئیں:

(۱) اپنے لئے (۲) گھر والوں کے لئے (۳) مہمان کے لئے اور چوتھا (برائے ریاء ہے جو کہ) ممنوع ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِلْمَرْأَةِ وَفِرَاشٌ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم)

"ایک بستر مرد کے لئے' دوسرا عورت کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہوتا ہے۔"

گیارہویں فصل

سفر کے آداب

سفر ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں' دیکھئے حج' عمرہ' جنگ' طلب علم' تجارت' دوستوں اور قرابت داروں کی ملاقات کے لئے' سفر یا تو فرض ہے یا واجب۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے سفر کے احکام و آداب کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ احکام سفر کی آگاہی حاصل کرے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

احکام سفر:

(۱) چار رکعت والی نماز دو رکعت رہ جاتی ہے' مغرب کے سوا' کہ یہ تین رکعت ہی پڑھے گا اور یہ قصر (نماز کم کر کے پڑھنا) اپنے شہر چھوڑنے سے واپسی تک کرے گا۔ الا یہ کہ کسی جگہ چار دن یا اس سے زیادہ رہنے اور مقیم ہونے کا ارادہ کر لے۔ پھر وہ چار رکعت والی پوری نماز ادا کرے گا اور جب وہاں سے روانہ ہو تو پھر قصر شروع کر دے اور اپنے گھر واپس آنے تک قصر کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز میں قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّى الرُّبَاعِيَّةَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ»(سنن النسائی وسنن الترمذي وصححه)

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ مکرمہ گئے۔ آپ چار رکعت والی نماز دو دو رکعت پڑھتے رہے' یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔"

(۲) تین دن اور تین راتیں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«جَعَلَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ يَعْنِيْ فِيْ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ»(مسند أحمد، صحيح مسلم، سنن النسائی وسنن ابن ماجة)

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں موزوں پر مسح کے لئے مقرر کیں

اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔"

(۳) پانی نہ ملے' تلاش میں تکلیف ہوتی ہو یا قیمت بہت زیادہ ہو تو پھر مسافر کے لئے تیمم مباح ہے۔ اللہ سبحانہ' و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اگر تم بیمار ہو' یا سفر میں ہو' یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آیا ہے' یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہے اور پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرو۔"

(۴) سفر میں روزہ کے افطار کی بھی اجازت ہے' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٤)

"پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی (پورا کرنے کا حکم) ہے۔"

(۵) نفل نماز سفر میں سواری پر پڑھنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر نفل پڑھتے تھے' خواہ اس کا منہ جدھر بھی ہوتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶) اگر سفر میں جلدی ہو تو ظہر اور عصر' مغرب اور عشاء کی جمع تقدیم جائز ہے کہ ظہر اور عصر' ظہر کے وقت میں پڑھ لے اور مغرب اور عشاء' مغرب کے وقت میں اور اسی طرح جمع تاخیر بھی جائز ہے کہ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے اول وقت میں پڑھے اور ساتھ ہی عصر بھی پڑھ لے اور اسی طرح مغرب اور عشاء' عشاء کے اول وقت میں پڑھ سکتا ہے۔ معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "غزوہ' تبوک میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھتے اور مغرب اور عشاء بھی اکٹھی پڑھتے تھے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

سفر کے آداب:

(۱) اگر کسی کا کوئی حق یا امانت دینی ہو تو اس کی ادائیگی کرے' اس لئے کہ سفر میں ہلاکت کے امکانات ہوتے ہیں۔

(۲) سفر کا خرچ حلال ذریعہ سے حاصل کرے اور بیوی اور بچوں کا لازمی خرچ مہیا کر کے جائے۔

(۳) بھائیوں' ساتھیوں اور اہل و عیال کے ساتھ الوداعی ملاقات کرے اور یہ دعا دے:

«أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ»(سنن أبي داود وغيره)

"میں تمہارے دین' امانت اور خاتمہ' اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

اور الوداع کہنے والے یہ دعا دیں:

«زَوَّدَكَ اللهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ إِلَى الْخَيْرِ حَيْثُ تَوَجَّهْتَ»(سنن

الترمذي وسنن الدارمي)

"اللہ تجھے تقویٰ کا توشہ عطا کرے' تیرے گناہ معاف کرے اور جدھر بھی جائے اچھائی کی طرف تجھے متوجہ کرے۔" رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ لُقْمَانَ قَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا اسْتُوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهُ»(سنن النسائی بسند جید)

"لقمان (علیہ السلام) نے کہا جو چیز اللہ کے سپرد کی جائے' وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔"

اور الوداع کہنے کے لئے ساتھ چلنے والوں کو یہ کہا کرتے تھے:

«أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ»(سنن أبي داود)

"میں تیرا دین' امانت اور خاتمہ عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

(۴) سفر ایسے تین یا چار ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرے' جن کے بارے میں اس کا تجربہ ہے کہ یہ سفر میں ٹھیک رہیں گے۔ کیونکہ سفر انسان کے جانچنے کا ایک ذریعہ ہے' اس لئے کہ اس میں لوگوں کے اخلاق و کردار نمایاں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ»(سنن أبي داود وسنن النسائی)

"اکیلا سوار شیطان ہے' دو بھی شیطان ہیں اور تین قافلہ ہے۔"

نیز فرمایا: «لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ، مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ»(صحيح بخاري)

"اگر لوگ اکیلے سفر کرنے کی خرابیاں جان لیں جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی بھی رات کو اکیلا سفر نہ کرے۔"

(۵) مسلمان مسافروں کا قافلہ اپنے میں سے ایک کو امیر چن لے' جو سب کے مشورے سے ان کی قیادت کے فرائض سرانجام دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا أَحَدَهُمْ»(سنن أبي داود)

"جب تین اشخاص سفر کے لئے نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔"

(۶) سفر شروع کرنے سے پہلے استخارہ کی دعا پڑھے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے اور قرآنی سورت کی طرح آپ یہ دعا سکھاتے تھے اور جملہ معاملات زندگی میں (اس پر عمل فرماتے تھے۔) (صحیح بخاری)

(۷) گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ

بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»(سنن أبی داود وسنن الترمذی)

''اللہ کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں' اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اس کے سوا کسی کو ہٹانے اور کام کرانے کی طاقت نہیں ہے۔ اے اللہ! تیری پناہ لیتا ہوں کہ گم راہ جاؤں یا گم راہ کیا جاؤں' پھسل جاؤں یا پھسلایا جاؤں یا خود (کسی کے ساتھ) جہالت کے کام کروں یا میرے ساتھ کوئی جہالت و نادانی سے پیش آئے۔''

سواری پر سوار ہو تو یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَمِنْ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِيْ السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ، وَخَيْبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ»(سنن أبی داود وهو صحيح)

''اللہ کے نام سے' اللہ سب سے بڑا ہے' میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اس بلند شان و عظیم اللہ کے سوا کسی کو ہٹانے اور کام کرانے کی طاقت نہیں ہے۔ جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ پاک ہے وہ جس نے ہمارے لئے اسے (سواری کو) مسخر کر دیا۔ ہم اس کو اپنے کنٹرول میں نہیں کر سکتے تھے یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! میں اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا جسے تو پسند کرے۔ اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی دوری کو لپیٹ دے۔ اے اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے اور اہل و مال کا نگران بھی تو ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی شدتوں' برے منظر' واپسی کی ناکامی اور مال اور اہل و اولاد میں برے حالات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

(۸) سفر کے لئے جمعرات کے دن صبح سویرے نکلے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا»(سنن الترمذي، سنن ابن ماجة ومسند أحمد)

''اے اللہ! میری امت کی صبح میں برکت فرما۔''

رسول اللہ ﷺ (عموماً) جمعرات کے دن سفر اختیار کرتے تھے۔

(۹) اونچی جگہ چڑھتے وقت اللہ اکبر کہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا ''یا رسول اللہ

(ﷺ)! میں سفر کا ارادہ کرتا ہوں' مجھے وصیت کیجئے" تو آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ»(سنن الترمذي وسنده حسن)

"تم اپنے اللہ کا خوف اور ڈر لازم پکڑو اور ہر اونچائی پر تکبیر کہو۔"

(۱۰) کسی کا خطرہ محسوس ہو تو یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ»(سنن أبي داود ومسند أحمد)

"اے اللہ! ہم تجھے ان کے سینوں (یعنی مقابلے) میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تجھ پناہ مانگتے ہیں۔"

اس لئے کہ ایسے مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے ہی یہ دعا منقول ہے۔

(۱۱) سفر میں اللہ تعالیٰ سے مانگے اور دنیا و آخرت کی اچھائی کا سوال کرے' کیونکہ سفر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ»(سنن الترمذي بسند حسن)

"بلاشک تین دعائیں قبول ہوتی ہیں' مظلوم کی دعا' مسافر کی دعا اور والد کی اولاد کے حق میں دعا۔"

(۱۲) کسی منزل میں اترے تو کہے:

«أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»(الطبراني في الأوسط)

"میں اللہ کے تمام کلمات کی پناہ لیتا ہوں' اس کی مخلوق کے شر سے۔"

رات کا وقت آئے تو کہے:

«يَا أَرْضُ! رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللهُ، إِنِّيْ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ، وَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ أَسَدٍ وَأَسْوَدَ، وَمِنْ حَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ، وَمِنْ سَاكِنِ الْبَلَدِ، وَمِنْ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ»(صحيح مسلم)

"اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں تیرے اور جو کچھ تیرے اندر ہے' کے شر' تجھ میں پیدا شدہ مخلوق کے شر اور تجھ پر چلنے والی مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اور اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیر' سانپ' بچھو' شہر میں رہنے والوں اور جنم دینے والی اور جو اس نے جنم دیا ہے' اس کے شر سے۔"

(۱۳) تنہائی میں خوف محسوس کرے تو کہے:

«سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ، جُلِّلَتِ السَّمٰوَاتُ بِالْعِزَّةِ

وَالْجَبَرُوْتِ»

"بادشاہ' پاک ذات' فرشتوں اور روح الامین کے رب کی تسبیح (کرتا ہوں) جس کا آسمانوں پر غلبہ اور قہر حاوی ہے۔"

(۱۴) رات کے ابتدائی حصہ میں سوئے تو اپنے بازوں پر سر رکھ کر سوئے اور اگر رات کے آخری پہر آرام کرنا چاہے تو بازو کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر رکھے' ورنہ غافل ہو کر سو گیا تو صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھ سکے گا۔

(۱۵) سفر میں کوئی شہر یا آبادی سامنے آئے تو کہے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَارْزُقْنَا فِيْهَا رِزْقًا حَلَالاً، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْمَدِيْنَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا»

"اے اللہ! ہمارے لئے اس میں ٹھہرنا نصیب کر اور اس میں ہمیں حلال روزی دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس شہر اور جو اس میں ہے' کی اچھائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جو اس میں ہے' کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ یہی دعا کیا کرتے تھے۔

(۱۶) سفر میں درپیش ضرورت کے پورا ہونے کی صورت میں جلدی گھر کی طرف واپس آ جائے' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ، فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ - حَاجَتَهُ - مِنْ سَفَرِهِ فَلْيَعْجَلْ إِلَي أَهْلِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سفر ایک طرح کا عذاب ہے جو کھانے پینے اور آرام سے روکتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی اپنے سفر کی ضرورت پوری کرے تو جلدی اپنے اہل کی طرف لوٹ آئے۔"

(۱۷) واپس آتے ہوئے تین بار "اللہ اکبر" کہے اور پھر بار بار یہ ذکر کرے:

«آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"(ہم) واپس آنے والے ہیں' توبہ کرنے والے اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور تعریف کرنے والے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(۱۸) رسول اللہ ﷺ کی سیرت و عادت مبارکہ یہ تھی کہ پہلے اپنی آمد کی اطلاع گھر بھجوا دیتے تھے۔ لہٰذا اچانک اور رات کے وقت اپنے گھر نہیں آنا چاہیے۔

(۱۹) عورت ایک دن اور رات کا سفر اپنے محرم کے بغیر نہیں کر سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:
«لاَ يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ إِلاَّ مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ عَلَيْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)
"کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر کرے۔"

بارہویں فصل

لباس کے آداب

مسلمان کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لباس پہننے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:
﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٖ وَكُلُواْ وَٱشْرَبُواْ وَلَا تُسْرِفُوٓاْۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ﴾ (الأعراف۷/ ۳۱)
"اے اولاد آدم! ہر مسجد (نماز) کے پاس اپنی زینت (لباس) اپناؤ اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"
اور لباس کا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:
﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الأعراف۷/ ۲٦)
"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدنوں کیلئے باعث) زینت بھی ہو اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔"
نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَٰبِيلَ تَقِيكُمُ ٱلْحَرَّ وَسَرَٰبِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْۚ ﴾ (النحل١٦/ ٨١)
"اور تمہارے لئے قمیصیں بنائیں جو گرمی سے تمہیں محفوظ رکھتی ہیں اور ایسی قمیصیں (بھی) جو تمہیں تمہاری جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھتی ہیں۔"
فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَعَلَّمْنَٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٖ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنۢ بَأْسِكُمْۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَٰكِرُونَ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٠)
"اور ہم نے اسے تمہارے لئے لباس بنانے کا طریقہ سکھایا' تاکہ تمہیں جنگ میں (دشمن کے وار سے) بچائے' پھر کیا تم شکر ادا کرتے ہو؟"
اور رسول اللہ ﷺ نے بھی لباس پہننے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

«كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلاَ مَخِيْلَةٍ»(صحيح بخاري)

"کھاؤ' پیو' پہنو اور خیرات کرو' لیکن اسراف اور بڑائی کے بغیر"

اسی طرح آپ نے جائز وناجائز اور مستحسن ومکروہ لباس کی پوری وضاحت کر دی ہے۔ بنا بریں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ درج ذیل آداب کا التزام کرے۔

(ا) ریشمی لباس کا استعمال کسی طرح بھی نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَلْبَسُوْا الْحَرِيْرَ، فَإِنَّهُ مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الآخِرَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ریشم نہ پہنو' جو اسے دنیا میں پہنتا ہے' آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔"

ایک دن آپ نے ریشم دائیں ہاتھ میں اور سونا بائیں ہاتھ میں لیا اور فرمایا:

«إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ»(سنن أبي داود بإسناد حسن، سنن الترمذي وسنن النسائی)

"یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔"

نیز یہ بھی فرمایا: «حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ وَأُحِلَّ لِنِسَائِهِمْ» (سنن الترمذي، سنن النسائي وسنن ابن ماجة)

"ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں کیلئے حرام اور عورتوں کیلئے حلال ہے۔"

(۲) شلوار' قمیص' کوٹ اور چادر وغیرہ اتنے لمبے نہیں ہونے چاہئیں کہ ٹخنوں سے نیچے تجاوز کر جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فِي النَّارِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تہبند جو ٹخنوں سے نیچے ہو جائے جہنم میں (لے جاتا) ہے۔"

نیز فرمایا: «اَلإِسْبَالُ فِي الإِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ، مَنْ جَرَّ شَيْئًا خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبی داود وسنن ابن ماجة)

"چادر' قمیص' اور پگڑی میں "اسبال" (یعنی نیچے گھسٹنے کا احتمال) ہے۔ جو انہیں تکبر کے طور پر گھسیٹے گا' روز قیامت اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں کی جائے گی۔"

اور یہ بھی فرمایا: «لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَي مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا' جو تکبر کے طور پر اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے۔"

(۳) لباس کسی بھی رنگ کا ہو جائز ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ سفید لباس کو ترجیح دے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مقدس ہے:

«اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ»(سنن النسائی ومستدرك حاكم وصححه)

"سفید لباس پہنو! یہ بہت پاک اور صاف ہوتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفناؤ۔"

نیز براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ درمیانہ قد کے تھے' میں نے آپ کو سرخ لباس کے جوڑے میں دیکھا ہے' (اور) میں نے اس سے پہلے ایسا حسین کہیں نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے سبز رنگ کا لباس زیب تن کیا اور کالے رنگ کی پگڑی استعمال کی۔

(۴) مسلمان عورت پر لازم ہے کہ اتنا لمبا لباس استعمال کرے جو قدموں کو ڈھانپ لے اور اوڑھنی ایسی ہو کہ سر' گردن اور سینہ کو چھپا دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کو کہیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائیں۔"

نیز ارشاد فرمایا: ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱)

"اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالیں اور اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں' لیکن اپنے خاوند کے سامنے یا اپنے آباء کے سامنے۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے' جب آیت ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱) نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی موٹی چادریں پھاڑ کر ان سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ پر ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ . . . . ﴾ (الأحزاب ۵۹) نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں موٹی چادریں سروں پر لپیٹ کر نکلیں۔ ایسا لگتا تھا گویا سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔

(۵) مرد سونے کی انگوٹھی نہ پہنے کیونکہ' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي»(رواه أبوداود بإسناد حسن والترمذي والنسائي)

"سونا اور ریشم میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔"

نیز فرمایا: «حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ وَأُحِلَّ لِنِسَائِهِمْ»(سنن ترمذی ونسائی وسنن ابن ماجة)

"ریشمی لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کیلئے حلال ہے۔"

آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اتار کر پھینک دی اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهِ»(صحيح مسلم)

"تم میں سے ایک جہنم کے انگارے (کے حصول) کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد لوگوں نے کہا "یہ انگوٹھی اٹھالو اور اس سے (کوئی اور) فائدہ حاصل کرلو" تو اس شخص نے جواب دیا "نہیں، اللہ کی قسم! میں اسے نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۶) چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ انگوٹھی میں اپنا نام کندہ کرے اور مہر کے طور پر استعمال کرے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر (محمد رسول اللہ) کندہ کیا اور آپ ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اسے زیب تن کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ ﷺ بائیں ہاتھ کی خنصر (یعنی چھوٹی انگلی) میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۷) کپڑا اس انداز میں نہ اوڑھے کہ ہاتھ اس سے آسانی سے نہ نکالے جاسکیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ ایک جوتا پہن کر چلے۔ فرمایا:

«لَا يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيُحْفِهِمَا أَوْ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا»(صحيح بخاری)

"ایک جوتا پہن کر نہ چلو، دونوں اتار دو یا دونوں پہن لو۔"

(۸) مسلمان مرد مسلمان عورت کا لباس نہ پہنے اور اسی طرح عورت مرد کا لباس نہ پہنے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے: «لَعَنَ اللهُ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحيح بخاري)

"عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مرد اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر اللہ نے لعنت کی ہے۔"

نیز فرمایا: «لَعَنَ اللهُ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ، كَمَا

لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ»
(صحيح بخاري)

''عورت کا لباس پہننے والے مرد اور مرد کا لباس پہننے والی عورت پر اللہ کی لعنت ہے اور اسی طرح ان مردوں پر بھی جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت کرتی ہیں' اللہ کی لعنت ہے۔''

(۹) جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لَتَكُوْنَ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ»(صحيح مسلم)

''جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے پہلے اتارے۔ تاکہ دائیں میں پہلے پہنا جائے اور آخر میں اتارا جائے۔''

(۱۰) لباس پہنتے وقت دائیں جانب اختیار کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ فِيْ تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُوْرِهِ»(صحيح مسلم)

''رسول اللہ ﷺ سب کاموں' جوتا پہننے' کنگھی کرنے اور وضو میں دائیں پہلو کو پسند کرتے تھے۔''

(۱۱) نیا کپڑا' پگڑی یا کوئی بھی لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَمَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّمَا صُنِعَ لَهُ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وحسنه)

''اے اللہ! تعریف تیری ہی ہے۔ تو نے ہی مجھے یہ پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کی اچھائی کا اور جس خیر و برکت کیلئے اسے بنایا گیا ہے' اس کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے' اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

(۱۲) اپنے بھائی کو نیا لباس پہنے دیکھے تو یہ دعا دے:

«أَبْلِ وَأَخْلِقْ»

''بوسیدہ ہونے اور پھٹنے تک اسے استعمال کرتا رہے۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ''ام خالد'' کو' جب اس نے نیا لباس پہنا تھا' یہی دعا دی تھی۔
(صحیح بخاری)

تیرھویں فصل

خصائل فطرت کے آداب

مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے اور ہمہ وقت تمام کاموں میں ان کے مطابق چلنے کی سعی میں لگا رہتا ہے۔ اس لئے کہ رب کائنات کا حکم ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۶)

”اور مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے فیصلہ کے بعد اپنی بات میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔“

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۷)

”جو رسول اللہ (ﷺ) تمہیں دیتے ہیں وہ لے لو اور جس سے منع کرتے ہیں اس سے رک جاؤ۔“

نیز یہ بھی فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ»(النووي في الأربعين، وقال: حسن صحيح رويناه فى كتاب الجمعة)

”تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔“

اور یہ بھی فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح بخارى وصحيح مسلم)

”جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

لہٰذا صفات فطرت کو اپنانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے جس کی تفصیل آپ کے اس ارشاد میں ہے:

«خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: اَلِاسْتِحْدَادُ وَالْخِتَانُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَتَقْلِيْمُ الْأَظْفَارِ»(سنن النسائى)

”پانچ صفات فطرت میں سے ہیں، زیر ناف بال اتارنا، ختنہ کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغل کے بال اکھیڑنا اور ناخن تراشنا۔“

صفات فطرت کی تفصیل:

(ا) ختنہ: ذکر کے اوپر کے حصہ پر جھلی کا کاٹنا، بہتر یہ ہے کہ یہ کام پیدائش سے ساتویں دن کیا جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ساتویں دن کیا تھا۔ اگر تاخیر ہو جائے

اور بالغ ہونے سے پہلے ختنہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے' اور اگر پھر بھی رہ جائے تو بلوغت کے بعد ہی کرلیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کا ۸۰ سال کی عمر میں ختنہ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ہر اسلام قبول کرنے والے شخص کو حکم فرماتے:

«أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ»(سنن أبي داود ومسند أحمد)

"کفر کے وقت کے بال اتار دے اور ختنہ کرالے۔"

(۲۔ ۳) اوپر کے ہونٹ سے مونچھیں صاف کرے' البتہ داڑھی بڑھائے جس سے چہرہ بھر جائے اور خوبصورتی پیدا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»(صحيح مسلم)

"مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔"

نیز یہ بھی فرمایا: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مشرکین کی مخالفت کرو' مونچھیں صاف کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔"

بناء بریں داڑھی منڈوانا حرام ہے اور سر کے کچھ حصہ کو مونڈنے اور بعض کے چھوڑنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْقَزَعِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سر کے بعض حصے کو مونڈنے اور بعض کو چھوڑنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔"

داڑھی کو سیاہ رنگ سے نہ رنگے' کیونکہ فتح مکہ کے دن جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو لایا گیا تو ان کے سر کے بال انتہائی سفید تھے۔ آپ نے فرمایا "اس کو اس کی کسی بیوی کے پاس لے جاؤ' وہ کسی چیز سے اس کا سر رنگ دے' اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔ البتہ مہندی اور کتم (ایک بوٹی جسے مہندی میں ملایا جائے تو اس کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے) سے داڑھی رنگنا مستحسن ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اگر سر کے بال بڑھانے کا ارادہ ہو تو کنگھی اور تیل سے انہیں درست رکھے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»(رواه أبوداود بسند صحيح)

"جس کے بال ہوں' وہ ان کی تکریم کرے۔"

(۴) بغل کے بال اکھیڑے۔ اگر بال ہاتھ سے نہ اکھیڑ سکے تو مونڈ لے یا کسی پاؤڈر کے ذریعہ سے صاف کرلے۔

(۵) ناخن کاٹے اور اس میں مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن اتارے' پھر بائیں کے۔

اسی طرح پہلے دائیں پاؤں کے ناخن اتارے اور پھر بائیں کے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسے کام دائیں طرف سے ہی شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

یاد رہے ان تمام کاموں میں مسلمان کی نیت رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور اتباع ہونی چاہئے' تاکہ متابعت کا ثواب ملے اور آپ کی سنت کی پیروی ہو۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو اس کی نیت کا ہی پھل ملتا ہے۔"

چودہویں فصل

سونے کے آداب

مسلمان نیند کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہے' اس لئے کہ سارے دن کی مسلسل جدوجہد اور حرکت کے بعد رات کے اوقات میں انسان کا نیند کرنا جسم کی زندگی' نشوونما اور تندرستی کیلئے ضروری ہے' تاکہ انسان وہ ذمہ داری پوری کرسکے جس کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمِن رَّحْمَتِهِۦ جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ (القصص ۲۸/ ۷۳)

"اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا' تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴾ (النبأ ۷۸/ ۹)

"اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث آرام بنایا۔"

اس نعمت وکرم نوازی کا شکریہ ادا کرنا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہدایات ذیل کو قابل اہتمام سمجھا جائے:

(۱) نماز عشاء کے بعد سونے میں تاخیر نہ کرے' الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو۔ مثلاً کوئی علمی مذاکرہ' مہمان کے ساتھ بات چیت اور گھر والوں کے ساتھ انس والفت کی باتیں وغیرہ۔

ابو برزہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نماز عشاء سے پہلے نیند اور بعد میں باتیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) کوشش کرے کہ باوضو ہو کر سوئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تو (سونے کیلئے) بستر پر آئے تو وضو کر' جس طرح تو نماز کیلئے کرتا ہے۔"

(۳) پہلے دائیں کروٹ لیٹے اور دائیں ہاتھ کا سرہانہ بنائے اور اس کے بعد بائیں کروٹ بدل جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا أَتَيْتَ مَضْجِعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الأَيْمَنِ»(أيضًا)

"جب تو نیند (کیلئے) بستر پر آئے تو نماز جیسا وضو کر اور پھر اپنی دائیں جانب لیٹ جا۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ وَأَنْتَ طَاهِرٌ فَتَوَسَّدْ يَمِيْنَكَ»

"جب تو باوضو ہو کر بستر پر آجائے تو دائیں ہاتھ کو سرہانہ بنا۔"

(۴) رات یا دن کے وقت جب بھی سوئے پیٹ کے بل نہ لیٹے کیونکہ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهَا ضِجْعَةُ أَهْلِ النَّارِ»

"یہ جہنمیوں کے انداز کا لیٹنا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: «إِنَّهَا ضِجْعَةٌ لاَ يُحِبُّهَا اللهُ عَزَّوَجَلَّ»

"یہ لیٹنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔"

(۵) سونے سے پہلے ماثور و منقول (یعنی کتاب و سنت سے ثابت شدہ) دعائیں پڑھے۔ جو حسب ذیل ہیں:

(الف) «سُبْحَانَ اللهِ» ۳۳ بار «اَلْحَمْدُ للهِ» ۳۳ بار «اللهُ أَكْبَرُ» ۳۴ بار پڑھ کر پھر یہ پڑھے:

«لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»(صحيح مسلم)

سیدنا علی اور سیدة فاطمہ ؓ نے گھریلو کام میں تعاون کیلئے رسول اللہ ﷺ سے ایک خادم مانگا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاتا ہوں' جب بستر پر آرام کیلئے آؤ تو ۳۳ بار تسبیح (سبحان اللہ)' ۳۳ بار حمد (الحمد للہ) اور ۳۴ بار تکبیر (اللہ اکبر) کہو' یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم)

(ب) سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ﴿ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾ تک اور اسی سورت کی آخری آیات ﴿ لِّلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ ﴾ سے آخر تک پڑھے' کیونکہ اس کی ترغیب حدیث میں وارد ہے۔

(ج) پھر آخر میں رسول اللہ ﷺ سے منقول یہ دعا پڑھے:

«بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ وَضَعْتُ جَنْبِيْ، وَبِاسْمِكَ أَرْفَعُهُ، اَللَّهُمَّ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلَهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ الصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكَ،

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ»(رواه أبوداود وإسناده صحيح)

"اے اللہ! تیرے نام سے اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیرے نام سے ہی اسے اٹھاؤں گا۔ اے اللہ! اگر تو اس نیند میں میری جان قبض کر لے تو اسے بخش دے اور اگر چھوڑ دے تو حفاظت کر جس طرح کہ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے' اے اللہ! میں اپنی جان تیرے سپرد کرتا ہوں اور اپنا معاملہ تجھے سونپتا کرتا ہوں اور میں نے اپنی پیٹھ کا آسرا تجھے بنایا ہے' تیری مغفرت کا طلبگار ہوں' تیری طرف رجوع کرتا ہوں' تیری کتاب پر ایمان لایا ہوں جو تو نے اتاری ہے' تیرے نبی کو تسلیم کیا ہے جو تو نے بھیجا ہے۔ پس میرے پہلے' پچھلے' چھپے اور اعلانیہ کئے ہوئے اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' تمام گناہ معاف فرما' تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے' تیرے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں ہے۔ اے میرے پالنے والے! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے' مجھے اپنے عذاب سے بچانا۔"

(د)۔ دوران نیند بیدار ہو جائے تو کہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ـ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

"اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' ملک اسی کا ہے اور تعریف بھی اسی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ پاک ہے' سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' گناہ سے ہٹانے اور نیکی کروانے کی طاقت اللہ ہی کے پاس ہے۔"

اس ذکر کے بعد جو چاہے دعا کرے' اللہ کریم قبول فرمائیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "جو شخص رات کو جاگے اور "مذکورہ" ذکر کے بعد دعا کرے' تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتے ہیں۔" (صحیح بخاری)

اگر اس کے بعد اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو وہ بھی مقبول و منظور ہو گی۔ یا یہ دعا پڑھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ

زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلاَ تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِيْ، وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الوَهَّابُ»

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے' اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میرا علم زیادہ کر اور جب تو نے مجھے ہدایت دیدی ہے تو میرا دل ٹیڑھا نہ کر اور مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا (داتا) ہے۔"

(۶) صبح ہو جائے تو درج ذیل اذکار مبارکہ کا ورد کرے:

* جاگنے کے بعد اور بستر سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھے:

«اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَاأَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندگی دی ہے اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔"

* تہجد کیلئے اٹھے تو آسمان کی طرف دیکھے اور سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات مبارکہ کی تلاوت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سویا تھا کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت' یا اس سے پہلے یا اس کے بعد اٹھے' اپنے چہرے پر نیند زائل کرنے کیلئے ہاتھ پھیرا' پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں اور پھر پرانے مشکیزے کی طرف آئے اور اچھی طرح وضو کیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔" (صحیح بخاری)

* چار بار یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَصْبَحْتُ بِحَمْدِكَ أُشْهِدُكَ وَأُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلاَئِكَتَكَ وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ أَنَّكَ أَنْتَ اللهُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ»(رواه أبوداود بإسناد صحيح)

"اے اللہ! میں تیری حمد (تعریف) کے ساتھ صبح کرتا ہوں۔ میں تجھے' تیرے حاملین عرش اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں۔"

کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جس نے ایک بار یہ دعا پڑھی' وہ دوزخ سے ایک چوتھائی نجات پا گیا۔ جس نے تین بار یہ دعا پڑھی وہ تین چوتھائی نجات پا گیا اور جس نے چار مرتبہ پڑھی' وہ مکمل طور پر دوزخ سے نجات پا گیا۔ (ابو داؤد بسند صحیح)

(ا) یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک راوی عبدالرحمان ضعیف ہے۔

* گھر سے باہر نکلتے ہوئے چوکھٹ پر پاؤں رکھے تو کہے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ»(سنن الترمذي وصححه)

"اللہ کے نام سے' میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے' برے کام سے بچنا اور نیکی کی طاقت اسی کی توفیق سے ہے۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مذکورہ ذکر کرتا ہے' اسے کہا جاتا ہے تو ہدایت یافتہ ہے اور کفایت کیا گیا ہے۔

* چوکھٹ سے آگے بڑھے تو کہے:

«اَللَّهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي)

"اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں' پھسل جاؤں یا پھسلا دیا جاؤں' ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں اور جہالت کا کام کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے۔"

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ جب میرے گھر سے باہر نکلتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہی مذکورہ دعا پڑھتے۔"

باب سوم

اخلاقیات

- اَخلاقِ حَسنہ
- صَبر و تحمّل
- توکّل عَلَی اللہ اور خُود اِعتمادی
- ایثار و قُربانی اور نیکی
- عَدل و اِنصاف
- شفقت و رحمت
- شرم و حَیا
- اِحسان
- صِدق و صَفا
- جُود و کرم
- عجز و اِنکسار اور غرُور و تکبّر
- اَخلاقِ سیّئہ

پہلی فصل

حسن خلق

عادت انسانی نفس میں ایک راسخ کیفیت کا نام ہے' جس سے اختیاری' اچھے یا برے کام سرزد ہوتے رہتے ہیں اور طبعی طور پر اس میں اچھی یا بری تربیت کا اثر ہوتا ہے۔ اگر اس میں حق' نیکی' خیر اور خوبی کو ترجیح دینا اور اپنانا شامل کر دیا جائے اور یہ کام اس کی طبیعت بن جائیں تو اچھے کام آسانی اور بغیر کسی تکلف ومشقت کے ہو جاتے ہیں۔ یہی افعال حسنہ جو بلا تکلف ومشقت ہوتے رہتے ہیں' اخلاق حسنہ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ عادات حلم' حوصلہ' صبر' تحمل' بردباری' کرم وشجاعت اور عدل واحسان وغیرہ وغیرہ۔ نیز اخلاق فاضلہ اور کمالات نفسانیہ بھی۔

اگر انسانی نفس کی عادات کی مناسب تربیت وتہذیب نہ کی جائے اور اس میں پوشیدہ بھلائی کے عناصر کو برانگیختہ نہ کیا جائے' یا اس کی تربیت بری ہو جائے اور اسے قبیح چیز محبوب اور جمیل چیز ناپسند محسوس ہونے لگے اور پھر گھٹیا اور ناقص اقوال وافعال بلا تکلف اور بغیر مشقت کے اس سے صادر ہونے لگیں تو یہ بری عادات کہلاتی ہیں اور یہ اقوال وافعال جو اس سے صادر ہوئے' اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ خیانت' جھوٹ' بے صبری' لالچ' زیادتی' سختی' فحش وغیرہ وغیرہ۔ اسلام نے اچھی عادات اپنانے اور مسلمانوں میں ان کی تربیت اور نفوس میں انہیں بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ نیز بندے کے ایمان واسلام میں اس کے ذاتی فضائل اور اخلاق حسنہ کا اعتناء اور اعتبار لازم ٹھہرایا ہے' مثلاً اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کے حسن خلق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾ (القلم٦٨/ ٤)

"اور یقیناً تو بڑے اخلاق پر فائز ہے۔"

اور آپ کو اچھے اخلاق وعادات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ ٱدْفَعْ بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِى بَيْنَكَ وَبَيْنَهُۥ عَدَٰوَةٌ كَأَنَّهُۥ وَلِىٌّ حَمِيمٌ ﴾

(فصلت ۴۱/ ۳۴)

"اچھے طریقہ سے مدافعت کر' پس (تو دیکھے گا کہ وہ شخص) جس کے تیرے اور درمیان عداوت ہے گویا کہ وہ (بھی تیرا) جگری دوست ہے۔"

اچھی عادات کو جنت عالیہ حاصل کرنے کا سبب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِينَ ۝١٣٣ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلۡكَٰظِمِينَ ٱلۡغَيۡظَ وَٱلۡعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۳۳۔۱۳۴)

"اور اپنے رب کی مغفرت اور بہشت جس کا عرض آسمانوں اور زمین جتنا ہے' کی طرف تیزی سے چلو' یہ پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے' جو خوشی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اور اللہ نے اپنا رسول انہی اخلاق فاضلہ کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ»(الأدب المفرد للبخاري ومسند أحمد - حديث صحيح)

"میں اخلاق کریمہ کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں محاسن اخلاق کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»(رواه أحمد وأبوداود)

"میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں ہے۔"

اور فرمایا: «اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»(رواه أحمد وأبوداود)

"نیکی اچھے اخلاق (کا نام) ہے۔"

اور فرمایا: «أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ أَخْلاَقًا»(أيضا)

"ایمان والوں میں کامل ایمان والے اچھے اخلاق والے ہیں۔"

اور فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلاَقًا»(صحيح بخاري)

"بے شک مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اچھے اخلاق والے ہیں۔"

آپ سے سوال ہوا کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا "اچھی عادت" پھر سوال ہوا کہ بہشت میں جانے کا

کونسا عمل سب سے زیادہ سبب بنے گا؟ فرمایا "اللہ کا ڈر اور اچھی عادت"۔ (سنن ترمذی و صححہ)

اور ایک دفعہ فرمایا: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ عَظِيْمَ دَرَجَاتِ الآخِرَةِ وَشَرَفَ الْمَنَازِلِ، وَإِنَّهُ لَضَعِيفُ الْعِبَادَةِ»(معجم الطبراني بسند جيد)

"بندہ اچھے اخلاق کے ذریعہ آخرت کے درجات عالیہ اور اونچے مراتب حاصل کر لیتا ہے' حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہے۔"

حسن خلق کے بارے میں بزرگان سلف کی آراء:

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں "چہرے کی تازگی' سخاوت اور ایذا نہ دینا حسن خلق ہے۔" عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی رائے میں درج ذیل تین صفات کا نام حسن خلق ہے "حرام کاموں سے اجتناب' حلال کی تلاش اور عیال کیلئے خرچ وخوارک میں فراخی۔" ایک اور صاحب کا مقولہ ہے کہ "اچھا خلق لوگوں کے قریب رہنا اور ان کے اموال سے دور رہنا ہے۔" ایک اور صاحب کا فرمان ہے کہ "کسی کو ایذا نہ دینا اور مومن کی ضروریات میں اس کا ساتھ دینا' اچھی عادت ہے۔"

ایک اور صالح کہتے ہیں کہ "تو اللہ کے سوا کسی کو اپنا مقصد بنانا ترک کر دے' یہی بہترین خصلت ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جزوی تعریفیں ہیں' اس کی اصل تعریف وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

اچھے اخلاق کے مالک کی یہ صفات عام طور پر بیان کی جاتی ہیں:

یہ کہ وہ حیا دار ہو' ایذا نہ دینے والا ہو' نیک کام بہت کرے' سچی زبان والا' کم گفتار' بہت عمل والا' جس کی لغزشیں کم ہوں' بے فائدہ کام نہ کرے' تعلقات جوڑنے والا' وقار وعزت کا مالک' صبر کرنے والا' قدر دان' راضی رہنے والا' حلیم الطبع' وفادار' رذائل سے خود کو بچانے والا' لعنت نہ کرنے والا' گالی گلوچ نہ کرے' چغل خوری نہ کرے' غیبت نہ کرے' عجلت پسند نہ ہو' کینہ وبغض نہ رکھے' بخیل نہ ہو' حسد نہ کرے اور ہشاش بشاش رہنے والا ہو اور اس کی محبت وبغض' رضا وناراضی اللہ کیلئے ہو۔

یہ تعریف بھی جزوی صفات کی حامل ہے' آئندہ اوراق میں ہم حسن خلق کی صفات کا الگ الگ تذکرہ کریں گے۔ ان صفات عظیمہ کے مجموعہ سے "حسن خلق" کے اجزاء ترتیب پائیں گے اور اچھے اخلاق کے مالک کا ایک صفاتی تعین ہو سکے گا۔

دوسری فصل

صبر و تحمل

ان صفات وعادات میں جن سے ایک مسلمان خوبصورتی اور زینت حاصل کرتا ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے صبر کرنا اور تکالیف وایذائیں برداشت کرنا بھی ہے۔

ناپسند اور تکلیف وہ صورت حال پر اپنے آپ کو حوصلہ دینا' برداشت کرنا اور رضا وتسلیم کی صفت سے متصف ہونا صبر ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت میں اگر انسانی نفس کچھ تکلیف محسوس کرتا ہے تو اس کا التزام کرنا مومن کا شیوہ ہے اور اللہ کی نافرمانی میں طبعی طور پر کتنی ہی کشش کیوں نہ ہو' اپنے نفس کو اس سے روکتا ہے۔ مصیبت کے نازل ہونے کی صورت میں جزع فزع اور ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا۔ اس لئے کہ دانا کہتے ہیں کہ فوت شدہ چیز پر جزع اور بے صبری کا اظہار آفت ہے اور متوقع امر پر بے صبری ناراضگی ہے خصوصاً تقدیر پر راضی برضا نہ ہونا حق تعالیٰ واحد و قہار کے ساتھ ناراضگی کا اظہار ہے۔

ان حالات میں مومن اللہ کی مدد کا طلبگار ہوتا ہے اور فرماں برداری پر اور فرمانبرداروں کیلئے اجر عظیم اور بڑے ثواب کو یاد کرتا ہے اور نافرمانوں اور اللہ کے ناپسندیدہ لوگوں کیلئے اس کی وعید اور شدید عذاب کو ذہن میں لاتا ہے۔ اور پھر سوچتا ہے کہ اللہ کے فیصلے جاری ہیں' انہیں کوئی نہیں روک سکتا اور اللہ کا فیصلہ عدل وانصاف کا فیصلہ ہے' بندہ صبر کرے یا نہ کرے۔ ہاں صبر کی صورت میں اجر ملے گا اور بے صبری میں گناہ اور عذاب ہو گا۔ صبر وبرداشت ان عادات واخلاق سے ہیں جو انسان ریاضت اور محنت سے حاصل کر سکتا ہے' مسلمان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ (دوران تکلیف) اجر وثواب کا وعدہ یاد کرکے اللہ سے صبر کی توفیق مانگے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران٣/ ٢٠٠)

"اے ایمان والو! صبر کرو' ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور (دشمن کے سامنے) جمے رہو' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

اور مزید فرمایا: ﴿وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾ (البقرة٢/ ٤٥)

"صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿وَٱصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِٱللَّهِ﴾ (النحل١٦/ ١٢٧)

"اور صبر کر اور اللہ کی توفیق سے ہی تجھے صبر مل سکتا ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۷)

"اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر' یقیناً یہ پختہ کردار میں سے ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴾
(البقرة۲/ ۱۵۵_۱۵۷)

"اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سناؤ' جب انہیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾ "ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھے راستہ پر چلنے والے ہیں۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾
(النحل۱۶/ ۹۶)

"اور ہم (آخرت میں) صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔"

اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴾
(السجدة۳۲/ ۲٤)

"اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے جو کہ ہمارے حکم سے (لوگوں کی) رہنمائی کرتے تھے' جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین کرتے تھے۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر۳۹/ ۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب بغیر حساب کے پورا دے دیا جائے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ»(صحيح مسلم)

"صبر ایک روشنی ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»(صحيح بخاري)

"جو بچنے کی کوشش کرتا ہے' اللہ اس کو بچاتا ہے اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے' اللہ اسے بے نیاز کرتا ہے اور جو صبر کی کوشش کرے' اللہ اسے صبر عطا کرتا ہے اور صبر سے بہتر اور وسیع کسی کو کوئی چیز نہیں ملی۔"

مزید ارشاد فرمایا: «عَجَبًا لأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَلِكَ لأَحَدٍ إِلاَّ

لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ»(صحيح مسلم)

"مومن کیلئے کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے سارے معاملات اس کے حق میں بہتر ہوتے ہیں۔ اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے جو اس کیلئے خیر (وبرکت) ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے' جو اس کیلئے بہتری اور اچھائی ہے۔"

آپ کی ایک دختر کے فرزند کی جانکنی کا وقت تھا۔ بی بی نے نبی رحمت ﷺ کو بلایا تو ارشاد فرمایا:

«أَقْرِأْ لَهَا السَّلَامَ وَقُلْ لَّهَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»(صحيح بخاري)

"میری بیٹی کو سلام کہو اور میرا پیغام دو کہ اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا ہے اور جو اس نے دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ صبر کرے اور اس میں اللہ کے ہاں ثواب کی نیت کرے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «يَقُولُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ(عَيْنَيْهِ) فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ»(صحيح بخاري)

"اللہ عزوجل فرماتے ہیں "میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری اور محبوب (آنکھوں) کی تکلیف میں مبتلا کروں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض میں اسے بہشت عطا کر دیتا ہوں۔"

نیز ارشاد ہے: «مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ»(أيضًا)

"اللہ جس سے بھلائی چاہتا ہے' اسے مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَّضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»(سنن الترمذي وسنن ابن ماجة)

"جتنی بڑی مصیبت اتنا بڑا اجر وثواب۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے' چنانچہ جو راضی ہوتا ہے' اس کیلئے (اللہ کی) رضا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے اس کیلئے (اللہ کی) ناراضگی ہے۔"

اور ارشاد نبوی ہے: «مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ فِيْ نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ»(سنن الترمذي وصححه)

"مومن کو برابر' اس کے نفس' اولاد اور مال میں آزمایا جاتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا"

ایذا برداشت کرنا تکلیف دہ صبر ہے اور صدیقین وصالحین رحمۃ اللہ علیہم کا طرز عمل اور شعار یہی رہا ہے' اللہ کی ذات کی وجہ سے جب ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے اور اسے ستایا جاتا ہے تو وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہے' برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا اور نہ اپنی ذات کیلئے انتقام لیتا ہے' بلکہ اس معاملہ میں اپنی شخصیت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا اور سب کچھ اللہ کے دین اور اس کی رضا جوئی کیلئے کرتا ہے۔ اللہ کے انبیاء و رسل علیہم السلام اس کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں کم ہی ہیں جنہیں اللہ کی ذات اور اس کے دین میں ابتلاء اور آزمائشوں سے نہ گزرنا پڑا ہو۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا حال بیان کر رہے تھے جسے اس کی قوم نے خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون بھی صاف کر رہا تھا اور کہے جا رہا تھا:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایذائیں برداشت کیں' ان میں ایک یہ بھی تھی جس کی جھلک اوپر بیان ہوئی ہے۔ مزید ایک اور برداشت کے انداز کا تذکرہ یوں ہے "آپ نے ایک دن مال تقسیم کیا تو ایک اعرابی (بدو) کہنے لگا "اس تقسیم میں انصاف اور اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔" یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا:

«يَرْحَمُ اللهُ مُوْسٰى لَقَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ»(صحيح بخارى وصحيح مسلم)

"اللہ! موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے' انہیں اس سے بھی زیادہ ایذائیں دی گئیں' مگر انہوں نے صبر کیا۔"

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کعبہ کے سائے تلے چادر کا سرہانا لگا کر لیٹے ہوئے تھے' ہم نے آپ کے پاس شکایت کی اور کہا "کیا آپ ہمارا بدلہ نہیں لیں گے' کیا آپ ہمارے لئے دعا نہیں کریں گے؟" تو جواب دیا:

«قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِيْ الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْمِنْشَارِ فَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ مَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِ اللهِ»(صحيح بخاری)

"تم سے پہلے لوگوں میں ایسے مرد بھی تھے جنہیں گرفتار کر کے زمین میں گاڑ دیا جاتا اور پھر آرے سے ان کے جسموں کو سر سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت وہڈیوں کے درمیان کھینچی جاتیں۔ یہ بات بھی انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین سے نہیں روکتی

تھی۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم السلام کے تحمل وبرداشت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنَا سُبُلَنَاۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَآ ءَاذَيْتُمُونَاۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ (إبراهيم ١٤/ ١٢).

"اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں راستے دکھائے ہیں! اور تم ہمیں جو بھی ایذا دو گے ہم صبر کریں گے اور چاہیے کہ توکل کرنے والے اللہ پر ہی بھروسا کریں۔"

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا:

تمہیں پہلے یہی حکم دیا گیا ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور ناک کے بدلے ناک۔ مگر میں کہتا ہوں شر کا مقابلہ شر سے نہ کرو، بلکہ اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ رسید کر دے تو بائیں کو پیش کردو اور جو تم سے اوپر کی چادر چھین لے اسے تہبند بھی دے دو۔ (احیاء العلوم للغزالی)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے "ایذا پر صبر نہ کرنے والے کو ہم ایمان والا نہیں سمجھتے تھے"۔

صبر وتحمل کی ان زندہ اور منہ بولتی مثالوں کی روشنی میں ایک مسلمان زندگی بسر کرتا ہے، شکایت وناراضگی کا اظہار نہیں کرتا، مکروہ کا دفاع مکروہ سے نہیں کرتا، البتہ برائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے اور عفو وصبر کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴾ (الشورى ٤٢/ ٤٣)

"جو صبر کرتا ہے اور معاف کرتا ہے، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

تیسری فصل

اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور خود اعتمادی

اپنے تمام کاموں میں مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکل کرنے کو طبعی واجب ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک دینی فرض قرار دیتا اور اسلامی عقیدہ شمار کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (المائدة٥/ ٢٣)

"اور اللہ ہی پر بھروسا کرو اگر تم ایمان والے ہو۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٣)

"اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

یہی وجہ ہے کہ مطلق طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنا مومن کے عقیدہ کا لازمی جزو ہے۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کی اتباع کرتے ہوئے خود کو پوری طرح سے اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اسلام سے ناواقف اور عقائد اسلام کے مخالفین نے توکل کا جو تصور قائم کیا ہوا ہے' مومن کے نقطہ نظر سے وہ غلط ہے کہ توکل زبان سے اللہ کا نام لینا ہے۔ چاہے دل میں اس کے اثرات ناپید ہوں اور ہونٹ اس کے ذکر سے حرکت میں رہیں' چاہے عقل وفہم اس کی حقیقت سے عاری ہو' یا پھر اسباب کو قابل توجہ نہ سمجھنا' کام نہ کرنا' ذلت وگھٹیا پن اور کمینگی پر قناعت اور راضی رہنا ہی توکل کے شعار وعلامات تصور کئے جائیں اور یہ سب اسی کے ذیل میں قرار دیا جائے کہ یہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے' بلکہ مسلمان کے ذہن میں توکل کا وہ مفہوم ہے جو اس کے ایمان اور عقیدہ کا جزو ہے کہ "کسی بھی کام کیلئے جتنے بھی اسباب ہیں سب کو استعمال کرنے کے بعد اس کام کی تکمیل اور اس کا صدور محض اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ وہ اسباب کے بغیر کسی ثمرہ کے حاصل ہونے کی طمع نہیں کرتا اور جن چیزوں کا پہلے صادر ہونا ضروری ہے' ان کے بغیر کسی نتیجہ کی برآمدگی کا وہ قائل ہوتا ہی نہیں۔ ہاں وہ ان اسباب ومقدمات کے ثمرات ومقاصد کے پیدا کرنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے' اس لئے کہ وہی اس پر قادر ہے اور اس کے سوا کسی کو اس نتیجہ و ثمرہ کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

توکل مسلمان کے نزدیک رضا ورغبت سے اطمینان کے ساتھ کام کرنا اور پھر اس کے مثبت نتیجے کی امید رکھنے کا نام ہے۔ جبکہ عقیدہ یہ ہو کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا اور جو نہیں چاہے گا وہ نہیں ہو گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی اچھے کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ مسلمان کو تو کائنات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت کا یقین ہے' اسی لئے وہ اعمال کیلئے اسباب مطلوبہ کو ضروری سمجھتا ہے اور انہیں مہیا کرنے اور مکمل کرنے میں پوری طاقت صرف کرتا ہے اور یہ ہرگز نہیں سمجھتا کہ اغراض ومقاصد کے حصول میں صرف اسباب ہی کافی ہیں۔ انہیں وہ اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کہ یہ کام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' لہٰذا دیگر اوامرونواہی کی طرح اس کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ باقی رہا نتائج اور پسندیدہ اغراض کا حاصل ہونا تو یہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ ہی اس کے بنانے پر قادر ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا' نہیں ہوتا۔ ایسے کتنے عامل اور محنت کار ہیں جو اپنی محنت کا پھل نہ پا سکے اور کتنے کاشت کار ہیں جو کاشت ومحنت کے باوجود غلہ حاصل نہ کر سکے۔ اسباب پر مسلمان کی نظر صرف اتنی ہی ہے' اس لئے کہ ان پر کلی اعتماد اور ہر معاملہ میں انہی کا اعتبار تو کفر وشرک ہے جس سے احتراز ضروری ہے۔

ہاں کسی بھی کام کے مطلوبہ اسباب کو درخور اعتناء نہ سمجھنا اور باوجود قدرت کے انہیں حاصل کرنے کی سعی نہ کرنا اور امید رکھنا کہ یہ کام ہو جائے گا' یہ اللہ کی نافرمانی ہے جس سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

اسباب کے بارے میں مسلمان کا یہ نظریہ اسلامی روح اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ کئی طویل لڑائیاں لڑی ہیں۔ آپ جنگ سے پہلے پوری تیاری کرتے تھے' سامان جنگ مہیا ہوتا' معرکہ کیلئے میدان کا چناؤ ہوتا اور وقت کا انتخاب کیا جاتا۔

نبی کی بابت مروی ہے کہ آپ گرمی کے وقت حملہ نہیں کرتے تھے۔ فضا ٹھنڈی اور خوشگوار ہو جاتی' جنگ کی پوری پالیسی طے کر لی جاتی اور صفوں کو منظم کر دیا جاتا تو اجازت مرحمت فرماتے اور پھر معرکہ کی کامیابی کیلئے مطلوبہ مادی اسباب مہیا کر لینے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اللہ کی جناب میں عرض فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے' بادلوں کو حرکت دینے والے اور دشمن افواج کو شکست دینے والے انہیں شکست سے دوچار کر اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔"

آپ کی عادت مبارکہ وسیرت طیبہ یہی تھی کہ مادی اور روحانی اسباب دونوں سے کام لیا جائے اور پھر فتح و کامرانی کو حقیقی مالک رب تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے اکثر ساتھیوں کو مکہ سے روانہ کر دیا تھا' ان کے بعد اللہ کی طرف سے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ اس ترتیب میں رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر درج ذیل ترجیحات تھیں:

(۱) اپنے ساتھیوں میں سے بہتر ساتھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ہجرت کے سفر میں آپ کے ساتھ رہے۔

(۲) کھانے پینے کی چیزیں تیار کرائیں اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنے نطاق (کمر بند) سے انہیں باندھا جس کی وجہ سے ان کا لقب "ذات النطاقین" تھا۔

(۳) اس طویل اور پر مشقت سفر کیلئے ممتاز اور اعلیٰ سواری کا انتظام کیا۔

(۴) ایک ماہر جغرافیہ دان جو راستے کی نزاکتوں اور باریکیوں کو خوب جانتا تھا' کی خدمات حاصل کیں' تاکہ وہ اس سفر میں رستہ دکھانے والا اور ہادی بن سکے۔

(۵) ہجرت کی رات آپ کا مکان دشمن کے محاصرہ میں تھا' آپ نے کمال دانشمندی سے اپنے بستر پر اپنے عزیز بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سلایا' تاکہ دشمن کو باور کرایا جائے اور چال چلی جائے کہ آپ گھر میں ہی ہیں۔ جو دروازوں کے شگافوں سے صورت حال پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے نظر رکھ رہے تھے۔

(۶) دشمن کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو آپ کا پیچھا کرتے ہوئے دوڑ پڑے اور آپ جناب ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں غار ثور میں پناہ گزین ہو گئے' تاکہ کینہ ور' حاسد اور بے رحم دشمن کی نظروں سے چھپ جائیں۔

(۷) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا "اگر دشمن قدموں کیطرف نظر کر لے تو وہ ہمیں تاڑ لے گا تو اس پر توکل کے اعلیٰ منصب پر فائز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا ظَنُّكَ يَاأَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا»(صحيح بخاري)

"اے ابوبکر! ان دو ہستیوں کے بارے میں کیا ظن رکھتے ہو؟ جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔"

اس واقعہ میں ایمان و توکل کے اعلیٰ حقائق نمایاں ہیں' غور فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب کا انکار نہیں کیا اور نہ ان پر کلی اعتماد کیا اور واقعی مومن کیلئے آخری سبب وسہارا یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے آگے گر جائے اور پورے اطمینان و وثوق کے ساتھ معاملہ اس کے سپرد کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کے جملہ اسباب مہیا کیے تھے۔ حتیٰ کہ اس تاریک غار میں چھپے جس پر خوفناک سانپوں اور بچھوؤں کا قبضہ تھا' مگر جب آپ کے ساتھی کو خوف اور غم نے گھیرا تو ایمان کے کس اعتماد ووثوق اور توکل کے کس اعلیٰ یقین کی بنیاد پر آپ نے فرمایا:

«لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا، مَا ظَنُّكَ يَاأَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا»(صحيح بخاري)

"غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تمہارا کیا گمان ہے؟ ان دو کے متعلق جن کے ساتھ تیسرا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔"

مسلمان کا "نظریہ اسباب" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور آپ کی تعلیم سے مستفاد ہے' کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ اس بارے میں محض مقتدی اور فرماں بردار ہے۔

خود اعتمادی کا وہ مفہوم جو گناہوں میں آلودگی کی وجہ سے حواس باختہ اور بیوقوف لوگوں کا ہے' ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے' جس میں اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ لینا ہی خود اعتمادی کہلاتا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے' اپنے کسب ونفع کا حصول اس نے خود آپ کیا ہے' اللہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ "اللہ جل مجدہ ان کے اوہام سے ماوراء ہے۔"

مسلمان کا توکسب وعمل پر اعتماد اس یقین کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ کا محتاج ہے' اور کسی کا نہیں ہے اور اس کا اظہار بھی اسی کے آگے کرتا ہے۔ اگر وہ کام خود کرتا ہے تو اس کا بھروسا اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اگر درمیان میں کوئی رکاوٹ آجائے تو اس کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتا' اس لئے کہ اس کا دل اللہ کے غیر کے تعلق سے بری ہو چکا ہے اور غیر اللہ سے ایسا تعلق اسے پسند و محبوب نہیں ہے۔

اور یہی سلف صالحین (رحمہم اللہ) کا طرز عمل اور صدیقین (رحمہم اللہ) کا پسندیدہ طریقہ تھا' ان میں سے

اگر کسی کے ہاتھ سے چابک گر جاتا تو گھوڑے سے اتر کر خود اسے اٹھاتا' کسی کو نہ کہتا کہ مجھے یہ اٹھا دے۔

رسول اللہ ﷺ بیعت میں مسلمانوں سے اقامت نماز' ادائیگی زکوٰۃ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے حاجات کا سوال نہیں کریں گے' کا وعدہ لیا کرتے تھے۔

توکل اور اعتماد میں اس عقیدہ کے مطابق زندگی بسر کرنے والا مومن اپنے عقیدہ ونظریہ کی آبیاری آیات مبارکہ اور احادیث مطہرہ سے حاصل کرتا رہتا ہے۔

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى ٱلْحَىِّ ٱلَّذِى لَا يَمُوتُ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٥٨)

"اور اس زندہ پر بھروسا کر جو کبھی نہیں مرے گا۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴾ (آل عمران٣/ ١٧٣)

"اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کام بنانے والا ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَوَكِّلِينَ ﴾ (آل عمران٣/ ١٥٩)

"بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا»(سنن الترمذي وحسنه)

"اگر تم اللہ پر ایسے بھروسا کرو جس طرح اس پر بھروسا کرنے کا حق ہے تو تمہیں بھی ایسے روزی دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔"

اور گھر سے باہر نکلتے وقت آپ فرمایا کرتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ»(سنن الترمذي وصححه)

"اللہ کے نام سے' میں اللہ پر توکل کرتا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی "بچاؤ اور طاقت" کا مالک نہیں ہے۔"

اور ستر ہزار لوگوں کے بارے میں فرمایا جو بغیر حساب وعذاب کے بہشت میں داخل ہوں گے'

«هُمُ الَّذِيْنَ لاَ يَسْتَرْقُوْنَ وَلاَ يَكْتَوُوْنَ وَلاَ يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے' داغ نہیں لگواتے' شگون کیلئے پرندے نہیں اڑاتے اور صرف اپنے پالنے والے پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔"

چوتھی فصل

ایثار و قربانی اور نیکی سے پیار

مسلمان کے اخلاق میں اور جو اس نے دینی تعلیمات اور اسلام کی اچھائیوں میں سے فیوض و برکات کمائے ہیں' ان میں ایثار اور دوسروں سے محبت کرنا بھی شامل ہے۔ جبھی وہ "مقام ایثار" پاتا ہے تو اپنے پر دوسرے کو فوقیت دیتا ہے' خود بھوکا رہتا ہے' مگر دوسرے کو پیٹ بھر کر کھلاتا ہے' آپ پیاسا ہے' مگر ساتھی کی پیاس بجھاتا ہے' بلکہ وہ تو دوسروں کی زندگی کیلئے مر بھی جاتا ہے۔ اور یہ کسی ایسے فرد کیلئے کوئی عجیب و غریب بات نہیں جو کمال کی صفات سے متصف اور اچھائی اور فضل و جمال کی محبت سے سرشار ہو۔

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اس کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟ اس ایثار و محبت کی بھلائی میں وہ سلف صالحینؒ کے نہج پر چل رہا ہے' جن کی تعریف میں اللہ سبحانہ فرماتے ہیں:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾ (الحشر ٥٩/ ٩)

"اور وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں' خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو نفس کی کنجوسی سے بچالئے گئے' وہ کامیاب ہیں۔"

مسلمان کے جملہ اخلاق فاضلہ اور تمام صفات حسنہ' قابل تعریف حکمت محمدی ﷺ کے چشمہ صافی سے ماخوذ ہیں' یا رحمت الٰہی کے فیضان سے الہام شدہ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

"کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

اس ہدایت پر عمل کرنے سے مسلمان کی عادات میں رفعت و عظمت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔

مزید ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴾ (الحشر ٥٩/ ٩)

"اور اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں' چاہے خود محتاج ہوں اور جو نفس کی کنجوسی سے

بچالیا گیا وہ کامیاب ہے۔"

اس آیت کا ماننے والا اپنے نفس' اہل اور اولاد پر دوسرے مستحق لوگوں کو فوقیت دے گا۔ اور اس ایثار میں وہ بڑھتا ہی رہے گا۔

"بندہ مسلم" کی زندگی اللہ کے تعلق میں بسر ہوتی ہے' اس کی زبان ہمیشہ اس کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہے تو دل اس کی محبت میں سرشار۔

سورہ مزمل اور فاطر کی "آیت ذیل" کے معانی پر غور و فکر کرنے والا انسان دنیا کو حقیر اور معیوب جانے گا اور اسے آخرت ہی کی فکر دامن گیر ہوگی۔ ایسا انسان مال کی سخاوت میں خوشی کیوں نہیں محسوس کرے گا اور خیر کے جذبہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ کیوں نہیں لے گا جبکہ وہ جانتا ہے کہ ہم جو کچھ آج کر رہے ہیں' کل آخرت میں ہمیں بہتر انداز میں مل جائے گا؟ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"اور جو تم اپنے لئے اچھا کام کرتے ہو' اللہ کے پاس اسے اس سے بہتر اور اجر میں زیادہ پاؤ گے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴾ (الفاطر ۲۹-۳۰)

"اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے' اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' وہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی' تاکہ (اللہ) ان کو ان کے پورے پورے صلے دے اور اپنا مزید فضل عطا کرے۔ یقیناً وہ بخشنے والا' قدر دان ہے۔"

اب ہم ایثار اور بھلائی کے ساتھ محبت کے پانچ واقعات کا ذکر کرتے ہیں' تاکہ عقل و فہم والے انسان اس سے راہنمائی حاصل کریں:

(ا) "دار الندوۃ" میں قریش کی پارلیمینٹ کا اجلاس ہوا۔ ابو مرہ ملعون نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ایک رائے پیش کی' جسے مجلس نے بالاتفاق منظور کر کے اور اس پر عملدر آمد کیلئے آپ کے گھر پر اچانک حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اللہ رب کریم نے پیغمبر اعظم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ نے اس کیلئے تیاری شروع کر دی' طے یہ ہوا کہ حملہ آوروں کے حملوں کو جنہوں نے مکان سے نکلتے وقت آپ پر جھپٹنا تھا' ناکام بنایا جائے اور آپ کے بستر پر ایک نوجوان سو جائے' تاکہ دشمن سمجھے کہ آپ ابھی سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس ایثار و قربانی کے قابل پایا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ تم نے رات بستر پر سونا ہے' علی رضی اللہ عنہ بلا تردد اس پر آمادہ ہو گئے' جبکہ یہ بھی امکان تھا کہ بوکھلایا ہوا دشمن جھپٹ پڑے اور تکابوٹی کر دے۔ نوعمری کے باوجود علی رضی اللہ عنہ نے سخاوت نفس کی ایک اعلیٰ

مثال پیش کی اور ہر مسلمان اس انداز کی قربانی پیش کرنے اور رسول اللہ ﷺ کیلئے اپنی جان کی بازی لگانے کیلئے ہروقت تیار رہتا ہے۔

(۲) حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر میں اپنے چچیرے بھائی کی تلاش میں زخمیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس کچھ پانی تھا اور میں کہہ رہا تھا اگر اسمیں کچھ رمق باقی ہوئی تو میں اس کو پلادوں اور اس سے اس کا چہرہ صاف کردوں گا' چنانچہ وہ مجھے مل گیا میں نے اس سے پانی کا پوچھا تو اس نے اثبات میں سر کا اشارہ کیا کہ اچانک دوسری طرف سے ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آئی تو اس نے مجھ سے اس کی طرف جانے کا کہا' اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں پانی پیش کر رہا تھا کہ کسی اور طرف سے کراہنے کی آواز آئی ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف جانے کا اشارہ دیا۔ میں ادھر گیا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ پھر ہشام رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹا تو وہ بھی فوت ہو گئے تھے اور آخر میں اپنے چچیرے بھائی کے پاس آیا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم

ان تینوں شہداء نے ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے اور مسلمان کی تو ساری زندگی اس انداز سے گزرتی ہے۔

(۳) مروی ہے کہ ابو الحسن الانطاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تیس سے اوپر آدمی جمع تھے اور ان کے پاس کھانے کیلئے چند روٹیاں تھیں' جو ان کیلئے کافی نہیں تھیں' انہیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور چراغ بجھا دیا اور پھر کھانے کیلئے بیٹھ گئے' دستر خوان اٹھایا گیا تو پتہ چلا کہ ساری روٹیاں اسی طرح موجود ہیں' اس لئے کہ کسی نے بھی وہ روٹیاں نہیں کھائیں ہر ایک کی یہ تمنا تھی کہ دوسرا کھالے گا۔ بھوک میں مبتلا ہر مسلمان واقعی ایثار اور "حب خیر" کی یہی مثال پیش کرتا ہے۔

(۴) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک مہمان کو ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کھانا کھلانے کیلئے لے گیا' اس کے آگے کھانا رکھا' بیوی کو کہہ کر کسی بہانے سے چراغ گل کر دیا اور کھانا کھانے کے انداز سے ہاتھ بڑھاتے رہے اور کھایا نہیں' مہمان سیر ہو گیا' صبح ہوئی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس ایثار و محبت کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی اور آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۹)

"اور اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں' چاہے خود محتاج ہوں۔"

(۵) منقول ہے کہ بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا' جبکہ وہ بیمار تھے اس شخص نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ بشر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قمیض اتار کر اس کو دے دی اور خود عاریتاً ایک قمیض منگوائی اور اس میں وہ فوت ہوئے۔

یہ پانچ واقعات مسلمان کے جذبۂ ایثار اور "حب خیر" کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔ ہم نے اس لئے

ان کا تذکرہ کیا ہے' تاکہ عام لوگ نیکی سے محبت اور قربانی کے جذبہ سے معمور ہو کر اعلیٰ' مثالی اور اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں۔ اس لئے کہ وہ ہر چیز سے پہلے مسلمان ہے۔

پانچویں فصل

عدل و اعتدال

مسلمان کے نقطہ نظر میں عدل سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا حکم بایں الفاظ دیا ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَـٰنِ وَإِيتَآيِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ ﴾ (النحل ١٦/ ٩٠)

"بے شک اللہ عدل' احسان اور رشتہ داروں کو (کچھ) دینے کا حکم دیتا ہے۔"

انصاف پسندوں کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محبت کی اطلاع دی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

﴿ وَأَقْسِطُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ٩)

"اور انصاف کرو' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

صرف احکام ہی میں عدل وانصاف کا حکم نہیں دیا' بلکہ کلام و گفتگو میں بھی عدل ملحوظ رکھنے کا ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَٱعْدِلُوا۟ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ﴾ (الأنعام ٦/ ١٥٢)

"اور جب بات کہو تو انصاف کرو' چاہے وہ رشتہ دار ہی (کے خلاف) ہو۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا۟ بِٱلْعَدْلِ ﴾ (النساء ٤/ ٥٨)

"یقیناً اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچا دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔"

بنا بریں مسلمان قول و فعل اور فیصلہ کرنے میں انصاف کو تلاش کرتا ہے' یہ اس کی طبعی صفت ہوتی ہے' جو کسی صورت اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ وہ جو بات کہتا ہے اور جو کام کرتا ہے' عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی پر ظلم وزیادتی سے بہت دور رہتا ہے' اس کی انصاف پسندی کو ہوائے نفس اور دنیا کی کوئی خواہش و شہوت نہیں ڈگمگا سکتی اور اسی وجہ سے وہ اللہ کی محبت' رضا' اعزازات اور انعامات کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہا ہے "وہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے" اور رسول اللہ ﷺ نے رب کے ہاں ان کے اعزاز واکرام کا پتہ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

«إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ، الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا»(صحيح مسلم)

"انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ جو اپنے فیصلہ جات' اہل وعیال اور جو ان کی حکمرانی میں ہوں' میں انصاف کرتے ہیں۔"

اور فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ تَعَالٰى، وَرَجُلٌ مُعَلَّقٌ قَلْبُهُ فِيْ الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِيْ اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»(صحيح بخاري)

"سات طرح کے انسانوں کو (قیامت کے دن) اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا' جبکہ اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا "امام انصاف کرنے والا' وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزار رہا ہے' وہ مرد جس کا دل مساجد سے لگا ہوا ہے' وہ دو مرد جو اللہ کیلئے محبت کرتے ہیں' اکٹھے ہوں یا جدا اسی محبت پر قائم ہیں' ایک وہ مرد جسے حسب ونسب کی مالک اور خوبصورت عورت نے دعوت (گناہ) دی اور وہ اللہ کے خوف سے باز رہتا ہے' ایک وہ شخص جو چھپا کر خیرات کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے اور ایک وہ انسان جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرکے روتا ہے۔"

عدل کے بہت سے مظہر ہیں جن میں مسلمان نمایاں ہوتا ہے مثلاً:

(۱) اللہ کے ساتھ عدل یعنی اس کی عبادت وصفات میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی سے بچا جائے۔ اس کو یاد رکھا جائے اور بھلایا نہ جائے' اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی کفران وناشکری سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) لوگوں کے فیصلہ میں انصاف یعنی ہر حق والے کو اس کا حق ملے اور اس کی داد رسی ہو۔

(۳) بیویوں اور اولاد میں انصاف یعنی ان میں برابری کی جائے اور کسی ایک کے ساتھ دوسرے پر برتری اور ایثار کا سلوک روا نہ رکھا جائے۔

(۴) بات میں عدل یعنی جھوٹ نہ بولے' کذب اور باطل سے احتراز کرے۔

(۵) عقائد ونظریات میں عدل یعنی حق اور سچائی کو تسلیم کیا جائے' خلاف حقیقت اور خلاف واقع باتوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔

فیصلہ میں انصاف کی ایک اعلیٰ مثال:

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مصری شخص آیا اور کہا "آپ سے پناہ کی درخواست ہے۔" فرمایا "تمہیں تحفظ حاصل ہے' بتاؤ کیا بات ہے؟" کہا "میرا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ میں اس پر مقابلہ میں غالب آ گیا اور وہ مجھے یہ کہتے ہوئے چابک سے مارتا رہا کہ میں معززین کا فرزند ہوں۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں میں آپ کے پاس نہ پہنچ جاؤں' مجھے گرفتار کر لیا۔ اب میں وہاں سے آزاد ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔"

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایام حج میں آپ اور آپ کے فرزند دونوں مجھے ملو اور مصری کو کہا کہ تم اس وقت تک یہیں ٹھہرو۔

حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ مصری بھی آ گیا۔ خلیفۃ المسلمین نے مصری کے ہاتھ میں درہ دیا اور لڑکے کو اس سے مارنے کا حکم دیا تو اس نے بہت مارا اور اس دوران عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے معززین کے بیٹے کو خوب مارو۔ مصری نے آخر مارنا بند کیا اور کہا "اب مجھے انصاف مل گیا ہے' میرا دل خوش ہے۔" امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا "عمرو! تم نے کب سے انسانوں کو غلام بنانا شروع کیا ہے؟ جبکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔"

انصاف کے اچھے نتائج:

فیصلہ میں انصاف کے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ نفوس میں اس سے اطمینان و سکون پھیلتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ قیصر "بادشاہ روم" نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا۔ وہ مدینہ میں آیا تو پوچھا "تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا ہمارا بادشاہ نہیں ہے' بلکہ ہمارا تو امیر ہے اور وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے' چنانچہ وہ شخص تلاش میں نکل کھڑا ہوا' دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر ریت پر درہ سرہانے رکھ کر سویا ہوا ہے۔ درہ چھوٹی سی لاٹھی تھی' جسے وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور نہی عن المنکر میں اسے استعمال کرتے تھے۔ قاصد نے دیکھا تو اس کے دل پر رقت طاری ہو گئی اور کہنے لگا "یہ شخص' کہ دنیا کے بادشاہ جس سے کانپ رہے ہیں' اس اطمینان سے اکیلا سویا ہوا ہے۔ عمر! تم نے انصاف کیا' اسلئے تم سکون اور اطمینان میں ہو اور دنیا کے بادشاہ ظالم ہیں' اس لئے وہ خائف ہیں اور ان کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔"

میانہ روی' عدل وانصاف کی نسبت' عام ہے اور مسلمان کی زندگی کے تمام کاموں میں اس کی کارفرمائی ہے۔ اعتدال (میانہ روی) افراط و تفریط کے بین بین کا راستہ ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم

صفتیں ہیں نہ افراط ٹھیک ہے اور نہ تفریط۔ عبادات میں اعتدال یہ ہے کہ غلو وشدت سے خالی ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ عبادت کی کوئی اہمیت ہی ذہن و فکر میں نہ ہو' جسے اہمال و تفریط (یعنی انتہائی کوتاہی و کمی) کہہ سکتے ہیں۔

خرچ میں اعتدال اس طرح ہے کہ فضول خرچی نہ ہو اور نہ کنجوسی' اسراف و بخل کے مابین کی حالت درست ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُوا۟ لَمْ يُسْرِفُوا۟ وَلَمْ يَقْتُرُوا۟ وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾
(الفرقان ٢٥/ ٦٧)

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی بلکہ اعتدال کے ساتھ' نہ ضرورت سے زیادہ اور نہ کم۔"

لباس میں میانہ روی یہ ہے کہ وہ نہ تو فخرو تکبر کیلئے ہو اور نہ کھردرا اور بہت پیوند لگا ہوا بھدا ہو۔ چال میں اعتدال یہ کہ متکبرانہ نہ ہو اور نہ انتہائی مسکینی اور ذلت کے رنگ میں۔ حقیقت میں اعتدال ہر میدان میں افراط و تفریط کے مابین ایک درمیانی حالت ہے۔

اعتدال استقامت کی طرح انسان کیلئے بہت بڑی فضیلت اور کردار کی بلندی کی علامت ہے۔ اس کی بدولت اس کے حامل کو اللہ کی حدود پر ٹھہراؤ حاصل ہوتا ہے اور وہ فرائض کی ادائیگی میں سستی اور کمی سے محفوظ رہتا ہے اور عبادت کے کسی جزو میں افراط کا شکار بھی نہیں ہوتا۔

اعتدال سے "وصف عفت" کو جلا ملتی ہے' جس کے نتیجہ میں مسلمان حلال پر اکتفا اور حرام سے اجتناب کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

میانہ روی انسان کیلئے کتنے شرف و فخر کی بات ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَلَّوِ ٱسْتَقَٰمُوا۟ عَلَى ٱلطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَٰهُم مَّآءً غَدَقًا ﴾ (الجن ٧٢/ ١٦)

"اور اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر چلتے تو ہم انہیں بہت پانی پلاتے۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ خَٰلِدِينَ فِيهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (الأحقاف ٤٦/ ١٣-١٤)

"بے شک جن لوگوں نے کہا "ہمارا رب اللہ ہے" پھر (اس پر) سیدھے رہے تو ان کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ بہشت والے ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) ان عملوں کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔"

چھٹی فصل

شفقت و رحمت

مسلمان رحمدل ہوتا ہے اور رحم کرنا اس کی عادت ہے کہ یہ صفت نفس و روح کی پاکیزگی اور صفائی کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے اور مسلمان نیک کام کرنے اور شر و مفاسد سے دور رہنے کی وجہ سے نفس و روح کی طہارت و صفائی کا حامل ہوتا ہے اور ایسا انسان کبھی بھی ''صفت رحمت'' سے عاری نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی رحمت و شفقت کو پسند کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتا رہتا ہے بلکہ اس کا ہمہ وقت داعی ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْمَيْمَنَةِ ﴾
(البلد ۹۰/۱۷-۱۸)

''پھر وہ ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ دائیں جانب (سعادت) والے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»(صحيح بخاري)

''اللہ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا: «اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِيْ السَّمَاءِ»(معجم الطبراني ومستدرك حاكم بسند صحيح)

''تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

نیز ارشاد ہے: «مَنْ لاَ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ»(صحيح بخاري)

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

اور یہ بھی فرمان نبوی ہے: «لاَ تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلاَّ مِنْ شَقِيٍّ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي)

''بدبخت سے ہی رحمت چھینی جاتی ہے۔''

اور وہ آپ کے اس فرمان کا مصداق ہوتا ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»(صحيح مسلم)

''باہمی محبت' ایک دوسرے پر رحم اور نرمی کرنے میں ایمانداروں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اگر

اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا جسم بیداری اور بخار محسوس کرتا ہے۔"

دلی رقت اور نفسانی شفقت جو عفو ودرگزر اور احسان کو کو شامل ہو' کو رحمت کہتے ہیں' مگر ضروری نہیں کہ یہ ہمیشہ نفسانی جذبہ ہی رہے جس کا خارج میں کوئی اثر نہ ہو' بلکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس کے خارجی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لغزش والے سے درگزر کرنا' گناہ گار کو معاف کر دینا' عاجز اور بے بس کی مدد کرنا' کمزور سے تعاون' بھوکے کو کھانا کھلانا' ننگے کو لباس مہیا کرنا' مریض اور بیمار کو علاج کی سہولت مہیا کرنا اور غمگین کے ساتھ ہمدردی وغمخواری وغیرہ وغیرہ یہ سب رحمت کے آثار ہیں۔

رحمت کے آثار جو ہمارے مشاہدے اور دیکھنے میں آسکتے ہیں' اس کے چند مظاہر ملاحظہ فرمایئے:

(ا) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (اپنی سند کے ساتھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابویوسف القین رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا کے شوہر تھے۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور بوسے دیئے۔ اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ ہم پھر وہاں گئے جبکہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جانکنی کا وقت تھا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی "اور آپ بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آنسو بہاتے ہیں)"؟ فرمایا "ابن عوف! یہ رحمت ہے۔" پھر فرمایا "آنکھ آنسو بہاتی ہے' دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہوتا ہے اور ابراہیم (رضی اللہ عنہ)! ہم تیرے جدا ہونے پر بہت غمگین ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے فرزند کو دیکھنے جانا جبکہ وہ دودھ پلانے والی کے پاس تھا' اس کو بوسے دینا اور چومنا اور پھر جان کنی کی حالت میں اس کی عیادت کے لئے دوبارہ جانا اور غم کے آنسو بہانا' یہ سب کچھ دل میں موجزن رحمت کا مظہر تھا۔

(۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی' وہ کنوئیں میں نیچے اترا اور پانی پیا' باہر نکلا تو ایک کتا دیکھا جو پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا تھا اور گیلی مٹی کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ بھی میری طرح پیاسا ہے۔ تو اس نے پانی سے اپنا موزہ بھرا' منہ سے پکڑا اور کنویں سے باہر آکر کتے کو پانی پلایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر کی اور اس کی مغفرت فرما دی' لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جانوروں کے ساتھ ہمدردی میں بھی ہمیں ثواب ملتا ہے؟ فرمایا "ہر زندہ جگر والی چیز (کے ساتھ حسن سلوک) میں اللہ کے ہاں اجر ہے۔"

اس آدمی کا کنویں میں اترنا' پانی لانا اور پیاسے کتے کو پلانا' یہ سب دل میں موجود رحمت کے مظاہر ہیں' ورنہ وہ ایسا نہ کرتا۔

اس کے برعکس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور واقعہ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"ایک عورت کو صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے بلی کو باندھا جس کی وجہ سے وہ بھوک پیاسی مرگئی۔ (اللہ کی طرف سے اسے) کہا گیا کہ تو نے اسے باندھ کر نہ اسے کھانا دیا نہ پانی پلایا اور نہ چھوڑا کہ یہ خود زمینی جانور کھا کر گزارہ کرتی۔"

اس عورت کا یہ طرز عمل اس کے دل کی سختی اور رحمت کے فقدان کی وجہ سے تھا اور رحمت سے وہی عاری ہوتا ہے۔ جس کا دل سخت ہو۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس ارادے سے نماز شروع کرتا ہوں کہ لمبی پڑھوں گا مگر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو بچے کی ماں کے احساس کی وجہ سے مختصر کر دیتا ہوں جو اس کے رونے پر اسے ہوتا ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لمبی نماز پڑھنے کے ارادہ کو ترک کرنا اور ماں کا بچے کے رونے کی وجہ سے بے چین ہونا' یہ سب اس رحمت کی وجہ سے ہے' جو اللہ نے اپنے رحم کرنے والے بندوں کے دلوں میں ودیعت کی ہے۔

(۴) بیان کیا جاتا ہے کہ زین العابدین علی بن حسین رحمہما اللہ کو ایک شخص نے گالی دی' خدام اس کو مارنے کیلئے دوڑے' تو انہوں نے ان کو جذبہ "ترحم" کے تحت منع کر دیا اور فرمایا "صاحب میں تو اس سے بھی زیادہ ہوں جتنا تو کہہ رہا ہے اور میری جو باتیں تو نہیں جانتا' وہ ان سے زیادہ ہیں جو تو جانتا ہے۔ اگر تجھے ان سے کوئی مطلب ہے تو بیان کردوں" چنانچہ وہ آدمی شرمندہ اور نادم ہوا۔ زین العابدین رحمہ اللہ نے اپنی قمیض اس کو اتار کر دے دی اور ایک ہزار درہم نقد بھی دیئے۔

یہ معاف کرنا اور یہ احسان سے نوازنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے دل میں رحمت و مہربانی کی وجہ ہی سے تو تھا۔

ساتویں فصل

شرم وحیا

"حیا" مسلمان کی صفت ہے' وہ باحیا ہوتا ہے اور عفت اس کا زیور ہے۔ حیا ایمان کا ایک جزو ہے' اور ایمان مسلمان کا عقیدہ اور اس کی زندگی کی درستی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«اَلإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ أَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الإِيْمَانِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایمان کی ستر یا ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں' افضل شاخ "لا الہ الا اللہ" اور کم تر' راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔"

اور فرمایا: «اَلْحَيَاءُ وَالإِيْمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الآخَرُ» (مستدرك حاكم وصححه على شرط الشيخين)

"حیا اور ایمان دو ساتھی ہیں' جب ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔"

"حیا" ایمان کا جزو ہے۔ اس میں بنیاد یہ ہے کہ دونوں "خیر" کے داعی اور شر سے انسان کو دور کرتے ہیں' ایمان اطاعت کے کام کرنے اور گناہ چھوڑنے پر آمادہ کرتا ہے اور حیا "منعم" کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے میں کمی اور صاحب حق کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے روکتا ہے' باحیا انسان گندے کام نہیں کرتا اور برے الفاظ نہیں بولتا' اس لئے کہ وہ مذمت اور ملامت سے ڈرتا ہے' اسی بنیاد پر حیا خیر ہی خیر ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْحَيَاءُ لاَ يَأْتِيْ إِلاَّ بِخَيْرٍ»(صحيح بخارى وصحيح مسلم) وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ «اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"حیا خیر ہی لاتا ہے۔" مسلم کی روایت میں ہے کہ "حیا پورے کا پورا خیرو بھلائی ہے۔"

حیا کی ضد بے حیائی ہے جو قول و فعل میں برائی کا نام ہے جس سے کلام میں درشتی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان سخت کلام' برا' سنگدل اور خشک مزاج نہیں ہوتا' اس لئے کہ یہ جہنمیوں کی صفات ہیں جبکہ اور مسلمان اللہ کے فضل سے اہل جنت سے ہے۔ بنا بریں اس کی عادات میں سختی اور بدمزاجی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس پر شاہد ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ، وَالإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ»(مسند أحمد بسند صحيح)

"حیا ایمان ہے اور ایمان بہشت میں لے جائے گا اور بے حیائی جفا ہے اور جفا جہنم کا موجب ہے۔"

حیا میں مسلمان کیلئے بہترین نمونہ اولین و آخرین کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ناپسند چیز دیکھتے تو ہم اس کے آثار آپ کے چہرہ پر نمایاں پاتے تھے۔"

اس صفت کی حفاظت اور اس کے پرچار میں مسلمان کی ہروقت کوشش و سعی قائم رہتی ہے اور وہ لوگوں کی خیر و نیکی کی رہنمائی کرتا رہتا ہے' اسلئے کہ حیا ایمان کا جزو ہے اور ایمان فضائل اور نیکیوں کا مجموعہ اور عنصر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی کو وعظ کر رہا تھا کہ تجھے اتنا حیادار نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الإِيْمَانِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”اسے رہنے دے' حیا ایمان کا جزو ہے۔“

اس طرح نبی ﷺ نے مسلمان کو حیا کی بقا کی تلقین فرمائی اور اسے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ اسے اپنے بعض حقوق سے محروم ہی کیوں نہ ہونا پڑے کیونکہ بعض حقوق سے دستبردار ہو جانا بے حیا بننے سے کہیں بہتر ہے' اس لئے کہ حیا ایمان کا جزو' اعلیٰ انسانی اقدار کی نشانی اور نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے جس کا بیٹا شہید ہو گیا تو وہ نقاب اوڑھ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی تو لوگوں نے اس کے اس حالت میں نقاب اوڑھنے کو حیرت سے دیکھا تو کہنے لگی:

«لأَنْ أُرْزَأَ فِيْ وَلَدِيْ خَيْرٌ مِنْ أَنْ أُرْزَأَ فِيْ حَيَائِيْ أَيُّهَا الرَّجُلُ!»

”اے لوگو! اولاد کی مصیبت میں مبتلا ہو جانا بے حیائی کی مصیبت میں گرفتار ہو جانے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔“

ہاں ”باحیا“ انسان کو کلمہ حق کہنے' علم حاصل کرنے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رکنا نہیں چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیارے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک بار کسی کی سفارش کی تو آپ کے شرم و حیا نے آپ کو ناراضگی کے انداز میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانے سے نہیں روکا:

«أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ يَا أُسَامَةُ! وَاللهِ لَوْ سَرَقَتْ فُلَانَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

”اسامہ! اللہ کی حدود میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر فلاں عورت بھی چوری کرلیتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

اور شرم و حیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ مسئلہ پوچھنے میں بھی مانع نہیں ہوئی۔ کہتی ہیں ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل ہے؟“ آپ نے ارشاد فرمایا ”ہاں اگر وہ پانی دیکھتی ہے۔“ یہاں آپ نے بھی جواب دینے میں شرم محسوس نہیں کی۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک بار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور مہر کے زیادہ ہونے پر اعتراض کیا تو ایک عورت کہنے لگی ”عمر! جو چیز اللہ ہمیں دیتا ہے تم کیوں روکتے ہو؟ اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ (النساء٤/ ٢٠)

”تم ان میں سے کسی کو بہت مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ (واپس) نہ لو۔“

دیکھئے! شرم و حیا نے عورت کو عورتوں کے حقوق کے دفاع سے نہیں روکا اور عمر رضی اللہ عنہ بھی کسی قسم کی

خفگی محسوس کئے بغیر معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں "عمر! تم سے تو سب لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔"

ایک اور موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور لوگوں کو بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کہنے لگا ہم آپ کی بات سنتے ہیں نہ اطاعت کرتے ہیں' کیونکہ آپ نے دو کپڑے بنوالئے اور ہمیں ایک لباس کا کپڑا ملا" تو عمر رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز سے اپنے بیٹے کو بلایا' بیٹا حاضر ہوا تو اس نے حقیقت حال واضح کی کہ میں نے اپنے حصہ کا کپڑا انہیں دے دیا ہے۔ تب ان کے دو کپڑے تیار ہوئے ہیں۔ اس شخص نے کہا "اب فرمایئے ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔" نہ تو شرم کی وجہ سے وہ شخص ہی خاموش رہا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف میں شرم محسوس کی۔

مسلمان مخلوق کے سامنے شرم وحیا کرتا ہے' اس لئے ان کے سامنے ننگا نہیں ہوتا اور نہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ کسی کے احسان کا انکاری ہوتا ہے اور نہ برے انداز سے کسی کا سامنا کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے خالق کے آگے بھی وہ باحیا ہے کہ اس کی اطاعت و فرماں برداری اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کمی نہیں کرتا' اس لئے کہ وہ اللہ کی قدرت کاملہ اور علم تام کا اقراری ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول پر ہر ایمان والے کا عمل ہے:

«اسْتَحْيُوْا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، فَاحْفَظُوا الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى، وَالْبَطْنَ وَما حَوٰى، وَاذْكُرُوا الْمَوْتَ وَالْبَلَاءَ»(منذري)

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں پوری طرح باحیا رہو۔ سر اور جو اس میں ہے' پیٹ اور جو اس میں ہے' کی حفاظت کرو کہ کوئی ناجائز چیز ان میں نہ آنے پائے اور موت اور آزمائش کو یاد رکھو۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ»(صحيح بخاري)

"لوگوں سے زیادہ اللہ کا حق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔"

آٹھویں فصل

احسان و بھلائی

احسان پر مسلمان کی نظر صرف اس انداز کی نہیں کہ یہ ایک اچھی عادت ہے اور اسے اپنانا بہتر ہے' بلکہ وہ اسے اپنے عقیدہ کا ایک حصہ اور اسلام کا بڑا جزو سمجھتا ہے اس لئے کہ دین اسلام کی بنیادیں تین ہیں ایمان' اسلام اور احسان۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل میں جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيْلُ أَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں باتوں کو دین کا نام دیا ہے۔ اور قرآن پاک میں بھی اللہ عزوجل نے کئی مواقع پر احسان کا حکم دیا۔ ارشاد ہے:
﴿ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۵)
"اور احسان کرو' بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"
نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَـٰنِ ﴾ (النحل۱۶/ ۹۰)
"بے شک اللہ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"
نیز حکم حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ (البقرة۲/ ۸۳)
"اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔"
اور فرمان ایزدی: ﴿ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينِ وَٱلْجَارِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلْجَنۢبِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُكُمْ ۗ ﴾
(النساء٤/ ٣٦)
"اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں' یتیموں' مساکین' قرابت دار ہمسائے' دور کے ہمسائے' پہلو کے ساتھی' مسافر اور اپنے مملوک غلاموں کے ساتھ (بھی احسان کرو)۔"
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم)
"بے شک اللہ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے' جب تم قتل کرو تو اچھے انداز سے قتل کرو اور ذبح کرو تو ذبح کرنے کا اچھا انداز اپناؤ اور چھری تیز کرو اور ذبیحہ کو راحت دو۔"
عبادات میں احسان کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے' خواہ وہ نماز' روزہ' اور حج وغیرہ میں سے کوئی بھی ہو' یعنی ادائیگی میں شروط' ارکان' سنن و آداب کا پورا پورا لحاظ کیا جائے اور اس کی تکمیل یوں ہو گی کہ عبادت کی ادائیگی کے وقت انسان اللہ کے مراقبہ میں پوری طرح مستغرق ہو جائے۔ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے' یا کم از کم یہ شعور ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے احوال پر مطلع ہے۔ اس طرح وہ مطلوبہ طریقے سے اور مکمل طور پر عبادت کی ادائیگی کر سکے گا۔ یہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے:
«اَلإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»(صحيح بخاري)

"احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس انداز میں کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے' اگر ایسے نہیں تو پھر یہ (تصور کر) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

معاملات میں والدین کے ساتھ احسان یہ ہے: ان کی فرماں برداری کرنا' ان کے لئے خیر مہیا کرنا' ان سے تکلیف کو دور کرنا اور ان کے حق میں' دعا و استغفار کرنا' ان کے وعدے پورے کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت واکرام کرنا۔

دوسرے قرابت داروں کیلئے احسان میں یہ پہلو مدنظر رہے کہ ان سے حسن سلوک' نرمی' مہربانی اور اچھا برتاؤ کیا جائے اور برائی کو چھوڑنے اور قبیح قول و فعل سے اجتناب ہو۔

یتیموں کیلئے احسان میں ان کے اموال کی حفاظت کرنا' ان کے حقوق کا تحفظ' انہیں آداب سکھانا اور اچھی تربیت کرنا داخل ہے۔ اسی طرح انہیں ایذا نہ دی جائے اور ان پر قہرو ظلم روا نہ رکھا جائے' بلکہ ان کے سرپر دست شفقت رکھا جائے۔

مساکین کیلئے احسان یہ ہے کہ ان کی بھوک دور کی جائے' ان کو لباس مہیا کرنا اس طرح کہ ان کی عزت نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ ان کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ معیوب نہ جانا جائے' برے الفاظ اور ناپسند افعال کا انہیں ہدف نہ بنایا جائے۔

مسافر کے احسان میں اس کی ضرورت پوری کرنا' بھوک دور کرنا' اس کے مال وعزت کی حفاظت کرنا' راستہ پوچھے تو بتانا اور بھٹک جائے تو راہ راست دکھانا داخل ہے۔

خادم کیلئے احسان اس طرح ہے کہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کی جائے۔ جو کام اس کے ذمہ نہیں' اس سے نہ لیا جائے' اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا' اس کی عزت اور اس کی شخصیت کا احترام کرنا' اگر گھر کا خادم ہو تو اسے گھر والوں کے کھانے سے کھانا کھلانا اور اسے انہی کے معیار کا لباس دینا۔

عام لوگوں کیلئے احسان میں یہ باتیں داخل ہیں کہ ان کے ساتھ گفتگو میں نرمی' لین دین میں اچھا انداز' امربالمعروف' نہی عن المنکر' گم ہو جائے تو راستہ بتانا' جاہل ہے تو تعلیم دینا' انہیں انصاف مہیا کرنا' ان کے حقوق کا اعتراف' ان سے تکلیف اور ایذا دور کرنا اور کوئی ایسا کام نہ کرنا جو عام لوگوں کیلئے نقصان دہ اور ایذا کا باعث بن جائے۔ حیوان کیلئے احسان یہ ہے کہ بھوکا ہے تو اسے چارہ مہیا کرے' بیمار ہو جائے تو علاج کرے' طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لے' اتنا بوجھ نہ لادے جسے وہ برداشت نہ کر سکے' کام لینے میں اس سے نرم رویہ اپنائے اور تھک جائے تو اسے آرام کرنے کا موقع دے۔

بدنی کاموں میں احسان یہ ہے کہ کام عمدہ اور مضبوط ہو اور اس میں دھوکا وخیانت نہ ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح بخاري)

"جو ہمارے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

احسان کے چند مظاہر:

(۱) احد کے دن مشرکین نے نبی ﷺ کے دانت توڑ دیئے' چہرہ زخمی کر دیا' آپ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور مثلہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکین کیلئے بددعا کی درخواست کی تو' آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! میری قوم کی مغفرت کر' یہ لوگ نہیں جانتے۔"

(۲) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک دن اپنی لونڈی سے کہا "میں سونا چاہتا ہوں تم مجھے ہوا دو۔" چنانچہ لونڈی نے ہوا دی تو عمر بن عبدالعزیز سو گئے۔ اس کو نیند نے غلبہ کیا تو وہ بھی سو گئی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جاگے تو پنکھا پکڑ کر اسے ہوا دینے لگے' جب وہ جاگی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ہوا دیتے دیکھا تو گھبرا گئی۔ خلیفۂ اسلام نے فرمایا "کوئی حرج نہیں تو بھی انسان ہے' گرمی سے متاثر ہوتی ہے' تو نے مجھے ہوا دی ہے' اگر میں نے تجھے ہوا دے دی ہے تو کیا ہو گیا۔"

(۳) ایک زر خرید غلام پر ایک نیک آدمی ناراض ہو گیا اور انتقام کا ارادہ کیا' غلام نے کہا "اللہ غصہ پی جانے والوں کی تعریف کرتا ہے" نیک آدمی نے کہا "میں بھی غصہ پی گیا۔" غلام نے کہا "اللہ نے انسانوں کو معاف کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔" اس شخص نے کہا "میں نے بھی معاف کر دیا ہے۔" پھر غلام نے کہا "اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے" تو اس صالح شخص نے فرمایا "جا میں نے تجھے اللہ کی رضا کیلئے آزاد کر دیا ہے۔"

نویں فصل

سچائی

مسلمان سچا اور سچائی پسند ہوتا ہے' اپنے اقوال وافعال میں صداقت کا التزام کرتا ہے' اس لئے کہ سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جنت تو مسلمان کی سب سے بڑی مراد اور عظیم تمنا ہے' جبکہ جھوٹ سچائی کی ضد اور گناہ کی دعوت دیتا ہے اور گناہ جہنم میں پہنچاتا ہے اور جہنم ایک ایسا شر ہے جس سے مسلمان بہت ڈرتا اور اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہے۔

مسلمان صدق و سچائی محض ایک عادت کے طور پر نہیں اپناتا' بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح ایمان واسلام کی تکمیل ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صدق کا حکم دیا ہے اور اس صفت کے حامل

لوگوں کی تعریف کی ہے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی سچ کا حکم دیا' ترغیب دلائی اور اس کی دعوت دی ہے۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴾ (التوبة٩/ ١١٩)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ والوں کا ساتھ دو۔"

سچے لوگوں کی تعریف میں فرمایا:

﴿ مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا۟ مَا عَٰهَدُوا۟ ٱللَّهَ عَلَيْهِ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢٣)

"مومنوں میں کتنے ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے جو اللہ کے ساتھ عہد کیا تھا' سچ کر دکھایا۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَٱلصَّٰدِقِينَ وَٱلصَّٰدِقَٰتِ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٥)

"سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَٱلَّذِى جَآءَ بِٱلصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِۦٓ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ﴾ (الزمر ٣٣)

"اور جو شخص سچائی لایا اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی' یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔"

نبی ﷺ نے فرمایا: «عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَي الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّي يُكْتَبَ عِنْدَاللهِ صِدِّيْقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَاللهِ كَذَّابًا»(صحيح مسلم)

"سچائی اختیار کرو۔ سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی بہشت میں لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ بولتا اور سچائی تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو' جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں لے جاتا ہے اور انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹ بولنے والا) لکھ دیا جاتا ہے۔"

سچائی کے بہت اچھے ثمرات ہیں جو سچے لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کی چند اقسام حسب ذیل ہیں:

(ا) اس سے ضمیر کو راحت ملتی ہے اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصِّدْقُ طُمَأْنِيْنَةٌ»(سنن الترمذي وصححه)

"سچائی اطمینان انگیز ہے۔"

(۲) سچ کے نتیجہ میں کمائی میں برکت اور نیکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»(صحيح بخاري)

"بیچنے اور خریدنے والے جب تک جدا نہ ہوں انہیں (بیع ختم کرنے کا) اختیار ہے۔ اگر دونوں سچ کہیں گے اور بات واضح کریں گے تو ان کی بیع (یعنی سودے) میں برکت ہو گی اور اگر کوئی بات چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جاتی ہے۔"

(۳) سچائی سے شہداء کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد عالی ہے:

«مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ»(صحيح مسلم)

"جو اللہ سے صدق دل سے شہادت کا سوال کرے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے شہدا کا مقام عطا کر دیتے ہیں' چاہے اسے اپنے بستر پر ہی موت آئے۔"

(۴) ناپسندیدہ امور سے نجات ملتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص دشمن سے ڈر کر ایک صالح آدمی کی پناہ کا طلبگار بنا اور کہا "مجھے میرے طلبگار سے چھپا دیجئے" چنانچہ اس نیک شخص نے اسے ایک جگہ سونے کو کہا اور اس پر کھجور کے پتوں کا گٹھا ڈال دیا' جب تلاش کرنے والے آئے اور مفرور شخص کا پوچھا تو نیک آدمی نے کہا "ان پتوں کے نیچے ہے۔" انہوں نے اسے مذاق سمجھا اور چھوڑ کر چلے گئے اور اس طرح اس نیک آدمی کے سچ بولنے کی برکت سے اس شخص نے نجات پائی۔

سچائی کن باتوں میں نمایاں ہو سکتی ہے؟

(ا) بات میں۔ اس طرح کہ مسلمان حق اور صدق کے بغیر کوئی بات نہیں کرتا' اگر کسی خبر کی اطلاع دیتا ہے تو حقیقت اور نفس الامر کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا' اس لئے کہ جھوٹ بولنا تو نفاق کی نشانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں' بات کہے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو خلاف کرے اور امین گردانا جائے تو خیانت کرے۔"

(۲) لین دین میں مسلمان سچائی کو مد نظر رکھتا ہے' خیانت اور دھوکا نہیں کرتا اور کسی بھی حال میں جھوٹ اور دھوکے کا مرتکب نہیں ہوتا۔

(۳) مسلمان کا عزم و ارادہ سچا ہوتا ہے' جو کام کرنا چاہے بلا تردد صدق دل سے کرتا ہے' کسی

(دوسری) چیز کی طرف توجہ کئے بغیر اپنے کام میں لگ جاتا ہے اور وہ اس میں پورا اترتا ہے۔
(۴) وعدہ میں مسلمان سچ کا قائل ہے۔ وہ جب بھی کسی سے وعدہ کرے تو اسے پورا کرتا ہے' اس لئے کہ وعدہ خلافی تو منافق کی نشانی ہے' جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں گزر چکا ہے۔
(۵) مسلمان اپنے حال میں سچا ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر وباطن یکساں ہے' وہ نہ تو جھوٹ کا لباس پہنتا ہے اور نہ ریا و دکھلاوا کرتا ہے اور وہ مال کے اظہار میں بھی تکلف نہیں کرتا کہ جو مال اس کا نہیں اسے اپنا ظاہر کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ»(صحیح مسلم)

"نہ دی ہوئی چیز پر سیر ہونے کا دعویٰ کرنے والا' جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے شخص کی طرح ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ استغناء اور دولت کے اظہار کے لئے مانگی چیز سے زینت اور تجمل کرنا' ایسے ہے جیسے زہد و ورع کے اظہار کے لئے پھٹے پرانے کپڑے پہن لے۔ حالانکہ وہ زاہد و متقی نہیں ہے۔

سچ کی چند مثالیں:

(۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن حمساء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سودا کیا اور وعدہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں' میں بقیہ رقم ابھی لادیتا ہوں' میں بھول گیا تین دن بعد مجھے بات یاد آئی اور میں نے دیکھا کہ آپ وہیں کھڑے ہیں اور فرمایا "اے جوان! تم نے مجھے تکلیف دی ہے' میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں ہوں۔"

اسی انداز کا ایک واقعہ آپ کے جد اعلیٰ اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کو پیش آیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی تعریف کی:۔

﴿ وَٱذْكُرْ فِى ٱلْكِتَٰبِ إِسْمَٰعِيلَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴾ (مریم ۱۹/ ۵۴)

"اور کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کر' وہ سچے وعدہ والے اور رسول' نبی تھے۔"

(۲) حجاج بن یوسف نے ایک دن لمبا خطبہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا "نماز کا وقت ہو گیا ہے' وقت تیرا انتظار نہیں کرتا اور رب تعالیٰ تجھے معذور نہیں قرار دے گا۔" حجاج نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ اس کی قوم کے افراد آکر کہنے لگے "یہ تو مجنون ہے۔" حجاج نے کہا "وہ خود کہہ دے کہ میں پاگل ہوں تو میں اسے جیل سے چھوڑ دوں گا" اس پر اس آدمی نے کہا "میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت عقل کا کیسے انکار کر سکتا ہوں اور جس مرض جنون سے اس نے مجھے عافیت دی ہے' میں کیسے اس کا اقرار کروں؟" حجاج نے اس کی سچی بات سنی تو آزاد کر دیا۔

(۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں طلب حدیث کے لئے ایک شخص کے پاس گیا' دیکھا

کہ اس کا گھوڑا بھاگ رہا تھا اور وہ شخص اپنے دامن میں "جو" کا اشارہ دے کر اسے پکڑنا چاہ رہا تھا۔ میں نے کہا "تیرے دامن میں جو ہیں؟" اس نے کہا "نہیں۔ میں صرف گھوڑے کو پکڑنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔" امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا "جو شخص جانوروں کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے' میں اس سے حدیث حاصل نہیں کروں گا۔" صدق کے میدان میں جناب امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل کتنا بلند ہے۔

دسویں فصل

جود و کرم

"سخاوت" مسلمان کی صفت اور "کرم" اس کی علامت ہے۔ مومن کنجوس اور بخیل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ کنجوسی اور بخل دو مذموم صفتیں ہیں۔ جو خباثت نفس اور دل کی تاریکی کی بنیاد پر بنتی ہیں اور مومن کا نفس و دل ایمان اور عمل کی وجہ سے پاک اور روشن ہوتا ہے' بنا بریں طہارت نفس اور دل کی روشنی' کنجوسی اور بخل کی ضد ہیں' لہٰذا مسلمان کنجوس اور بخیل نہیں ہوتا۔

کنجوسی دل کی ایک عام بیماری ہے' جس سے شاید ہی کوئی انسان بچ سکا ہو۔ ہاں مومن کو اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز و زکوٰۃ ایسے اعمال کی وجہ سے اس گندی بیماری کے شر سے بچا لیتا ہے' تاکہ اسے فلاح اور اخروی کامیابی کے لئے تیار کرے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ ٱلْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا ٱلْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَآئِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَٱلَّذِينَ فِىٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ﴾ (المعارج ٧٠/ ١٩-٢٥)

"بے شک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے' جب اسے شر پہنچے تو جزع و فزع کرتا ہے اور خیر پہنچے تو نہ دینے والا ہوتا ہے' مگر نماز گزار جو ہمیشہ نماز کا التزام رکھتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالی اور محروم لوگوں کا حق معلوم و مقرر ہے۔"

اور ارشاد فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ (التوبۃ ٩/ ١٠٣)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لو کہ اس کے ساتھ ان کو پاک اور ان کا تزکیہ کرتے رہو۔"

نیز فرمان ایزدی ہے: ﴿وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر ٥٩/ ٩)

"اور جو اپنے نفسوں کی کنجوسی سے بچا لئے گئے' یقیناً یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

فضیلت و عظمت کی حامل عادات چونکہ ریاضت و تربیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں' اس لئے

مسلمان کی بھی کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ ایسی ہی عادات اپنائے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے حاصل کرنے کی ترغیبات اور ان کی ضد کی ترہیبات پر نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ سخاوت کے لئے وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے درج ذیل فرامین مقدسہ کے تدبر و تامل میں لگاتا ہے۔

فرمان ربانی ہے: ﴿ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴾ (المنافقون ٦٣/ ١٠)

"اور ہم نے جو روزی تمہیں دی ہے' اس میں سے خرچ کر لو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے رب! مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی' تا کہ میں خیرات کر لوں اور نیک لوگوں سے بن جاؤں۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴾ (الليل ٩٢/ ٥-١١)

"تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیز گاری اختیار کی اور نیک بات کو سچ جانا' اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا' اسے ہم سختی میں پہنچائیں گے اور (جب وہ دوزخ کے گڑھے میں گرے گا تو) اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔"

اور فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ (الحديد ٥٧/ ١٠)

"اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ اللہ ہی کے لئے آسمان اور زمین کی ملکیت ہے۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٧٢)

"اور جو مال تم خرچ کرو گے' تمہیں پورا پورا دیا جائے گا' اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ وَيُحِبُّ مَكَارِمَ الأَخْلاَقِ، وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا» (معجم الطبراني وسنن البيهقي)

"بے شک اللہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اور اچھے اخلاق کو پسند اور گھٹیا عادات کو ناپسند کرتا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا: «لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ

فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»(صحيح بخاري)

"صرف دو آدمیوں کے ساتھ رشک کرنا چاہیئے' ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے صحیح جگہوں پر خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے علم و حکمت سے نوازا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور تعلیم دیتا ہے۔"

نیز فرمایا: «أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَّالِهِ؟ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلاَّ مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ»(صحيح بخاري)

"تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پسند ہو؟ لوگوں نے کہا "یارسول اللہ ﷺ! ہر کسی کو اپنا ہی مال پسند ہے۔" فرمایا "اس کا اپنا مال تو وہ ہے جو اس نے آگے کے لئے بھیج دیا ہے اور جو پیچھے چھوڑے جارہا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے۔"

نیز فرمان نبوی ہے: «اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»(صحيح بخاري)

"آگ سے بچو' اگرچہ کھجور کا ٹکڑا خیرات کر کے ہی بچو۔"

مزید فرمایا: «مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلاَّ مَلَكَانِ يَنْزِلاَنِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا: اَللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُوْلُ الآخَرُ: اَللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»(صحيح بخاري)

"ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں' ایک کہتا ہے "اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض دے" اور دوسرا کہتا ہے "اے اللہ! کنجوسی کرنے والے کو بربادی دے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: «اِتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ»(صحيح مسلم)

"کنجوسی سے بچو' کیونکہ اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے آدمیوں کے خون بہائے اور محارم کو حلال جانا۔"

ایک دن آپ نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جو بکری ذبح کی تھی' اس کا کچھ حصہ باقی ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا «مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلاَّ كَتِفُهَا» "کہ سب ختم ہو گیا ہے' صرف کندھے کا گوشت باقی ہے۔" اس پر آپ نے فرمایا (آپ یہ الفاظ نہ کہو بلکہ یہ الفاظ کہو):

«بَقِيَ كُلُّهَا إِلاَّ كَتِفُهَا»

"کندھے کے سوا سب باقی ہے۔"

یعنی جو صدقہ ہوچکا ہے حقیقت میں تو وہی باقی ہے (جس کا اجر قیامت کے دن ملے گا)

ایک جگہ ارشاد فرمایا: «مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ۔ وَلاَ يَقْبَلُ اللهُ إِلاَّ الطَّيِّبَ ۔ فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّي تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر خیرات کی۔ اور اللہ حلال ہی قبول کرتا ہے۔ اسے اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر خیرات کرنے والے کے لئے بڑھاتا رہتا ہے۔ جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (صدقہ یعنی اس کا اجر) پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔''

سخاوت کے مظاہر:

* سائل کو دینے والا احسان اور ایذا رسانی کے بغیر دیتا ہے۔
* دینے والا سائل کو دیکھ کر فرحت محسوس کرتا اور عطیہ پر خوش ہوتا ہے۔
* فضول خرچی اور کنجوسی دونوں سے احتراز کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے۔
* جس کے پاس زیادہ ہے وہ زیادہ دیتا ہے اور جس کے پاس تھوڑا ہے وہ کم دیتا ہے' مگر دل کی خوشی' انبساط اور اچھے انداز کی گفتگو سے دیتا ہے۔

سخاوت کی چند مثالیں:

(۱) مروی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدة عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار (۱۸۰۰۰۰) درہم بھیجے' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خیرات کرنا شروع کر دیا اور شام کو اپنی نوکرانی سے فرمانے لگیں' ''میرے لئے افطاری لاؤ۔'' وہ روٹی اور زیتون لائی اور کہنے لگی ''اس مال میں سے جو آج آپ نے خرچ کیا ہے' ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں'' تو فرمایا ''اگر آپ یاد دلاتیں تو خرید لیتے۔''

(۲) مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خالد بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ سے اس کا گھر' جو مکہ کے بازار میں تھا' ستر ہزار درہم میں خرید لیا' رات کے وقت عبداللہ نے خالد کے اہل کے رونے کی آواز سنی۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا مکان کی فروخت پر افسوس ہو رہا ہے۔ تو اس پر عبداللہ بن عامر نے اپنے غلام کے ذریعے کہلا بھیجا کہ ''مکان بھی تم رکھو اور دیئے گئے درہم بھی تمہارے ہو گئے۔'' (رضی اللہ عنہم)

(۳) بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مرض الموت میں وصیت کی کہ مجھے فلاں شخص غسل دے۔ اسے غسل دینے کے لئے بلایا گیا تو اس نے کہا امام شافعی رحمہ اللہ کی وہ کتاب دکھاؤ' جس پر وہ اپنی ضروری یاد داشتیں لکھا کرتے تھے۔ وہ اس کو دی گئی' دیکھا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے قرضہ جات لکھے تھے۔ جو انہوں نے دینے تھے۔ اس آدمی نے وہ لکھ لئے اور کہا کہ میں ادائیگی کر دوں گا اور یہی میرا انہیں غسل

دینا ہے اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

(۴) مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رومیوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور مسلمانوں پر تنگی کا وقت تھا' اور اسی وجہ سے اس فوج کو "جیش العسرۃ" (یعنی تنگی کا لشکر) بھی کہتے ہیں۔ اس فوج کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار' تین سو اونٹ پورے سازو سامان سمیت اور پچاس گھوڑے دیئے تھے۔ (بعد میں مزید صدقہ کیا تو کل مقدار نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی) اس طرح (تقریباً) آدھی فوج کے لئے تو یہی سامان ہو گیا تھا۔

گیارہویں فصل

تواضع وانکساری کی عظمت اور تکبر کی مذمت

ذلت و بے قدری سے اجتناب کرتے ہوئے مسلمان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تواضع کا عادی ہوتا ہے اور یہ اس کی بلند مثال صفات میں سے ایک ہے' اس میں بڑائی اور تکبر نہیں ہوتا تواضع میں رفعت اور بلندی ہے اور تکبر میں گراوٹ' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تواضع کرنے والوں کو اونچا کرتے ہیں اور بڑائی کرنے والے لوگوں کو گرا دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلاَّ عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ للهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ»(صحيح مسلم)

"خیرات مال کو کم نہیں کرتی۔ معاف کرنے پر اللہ بندے کو اور عزت عطا کرتا ہے اور جو اللہ کے لئے تواضع کرے' اللہ اسے اونچا کرتا ہے۔"

اور فرمایا: «حَقٌّ عَلَي اللهِ أَنْ لاَّ يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إِلاَّ وَضَعَهُ»(صحيح بخاري)

"یہ بات اللہ پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی اونچی ہوتی ہے' وہ اس کو گرا دیتا ہے۔"

مزید ارشاد ہے: «يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الدَّجَّالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ إِلَى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُقَالُ لَهُ(بُوْلَسُ) تَعْلُوْهُ نَارُ الأَنْيَارِ، يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ»(سنن النسائى وسنن الترمذي وحسنه)

"قیامت کے دن متکبر دجال کی صورت میں اور چیونٹیوں کی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ہر جگہ ان پر ذلت حاوی ہو گی' جہنم سے "بولس" نامی ایک قید خانے میں ان کو دھکیلا جائے گا' سب سے بڑی

آگ اس پر غالب ہو گی اور انہیں جہنمیوں کی پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام مقدس اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین عالیہ میں جب ایک مسلمان' متواضع مسلمان کی تعریف اور متکبرین کی مذمت پر توجہ دیتا ہے اور کبھی غور کرتا ہے کہ اللہ نے تواضع کا حکم دیا ہے اور بڑائی سے منع کیا ہے تو وہ تواضع پسند کیوں نہ بنے گا اور تکبرو بڑائی سے اسے نفرت اور عداوت کیوں نہ ہو گی؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی تواضع کا حکم دیا ہے' فرمایا:

﴿ وَٱخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴾ (الشعراء٢٦/ ٢١٥)

"اور جو مومن آپ کے پیروکار ہو گئے ہیں' ان کے لئے اپنا بازو جھکا دیں۔"

اور حکم ربانی ہے: ﴿ وَلَا تَمۡشِ فِي ٱلۡأَرۡضِ مَرَحًا ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٣٧)

"اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی صفت "تواضع" کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يُحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴾ (المائدة٥/ ٥٤)

"وہ (اللہ) ان سے محبت کرتا ہے اور وہ (لوگ) اس (اللہ) سے محبت کرتے ہیں' مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔"

اور تواضع کرنے والوں کا صلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تِلۡكَ ٱلدَّارُ ٱلۡأٓخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ﴾ (القصص٢٨/ ٨٣)

"وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔"

تواضع کے حکم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللهَ أَوْحَي إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتَّي لاَ يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلاَ يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ»(صحيح مسلم)

"بے شک اللہ نے مجھے وحی کی ہے کہ تواضع کرو اور کوئی کسی پر فخرو بڑائی نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر زیادتی کرے۔"

تواضع کی ترغیب میں آپ کا فرمان ہے:

«مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلاَّ رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ؟ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لأَهْلِ مَكَّةَ»(صحيح بخاري)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا' اس نے بکریاں چرائی ہیں۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اور آپ نے بھی؟ فرمایا "ہاں میں نے بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔"

نیز فرمایا: «لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعِ شَاةٍ أَوْ ذِرَاعٍ لأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ»(صحيح بخاري)

"اگر مجھے بکری کے کھریا ٹانگ کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کر لوں گا اور اگر مجھے ٹانگ یا پائے کا تحفہ دیا جائے تو بھی قبول کر لوں گا۔"

کبر و غرور سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کیا میں تمہیں جہنمیوں کا پتہ نہ دوں؟ ہر وہ شخص جو سخت طبیعت' اترانے والا اور اپنے آپ کو بڑا جاننے والا ہے۔"

اور ارشاد ہے: «ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ»(صحيح مسلم)

"تین افراد کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا "بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ اور فقیر بڑائی کرنے والا۔"

نیز فرمایا: «قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: الْعِزُّ إِزَارِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاءِيْ، فَمَنْ يُنَازِعُنِيْ فِيْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَذَّبْتُهُ»(صحيح مسلم)

"اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ عزت میری تہبند اور بڑائی میری چادر ہے' ان میں سے کسی ایک میں جو بھی میرے ساتھ جھگڑا کرے گا' میں اسے عذاب دوں گا۔"

مزید فرمایا: «بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيْ حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ رَأْسَهُ يَخْتَالُ فِيْ مَشْيِهِ إِذْ خَسَفَ اللهُ بِهِ الأَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الأَرْضِ إِلَي يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک شخص "حلہ" (لمبے چوغے) میں ملبوس خود پسندی میں مبتلا تھا' اپنے سر کے بال سنوارے ہوئے چلنے میں اتراتا تھا کہ اللہ عزوجل نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔"

تواضع کے مظاہر:

* جو انسان اپنے جیسوں سے آگے چلنے کی کوشش کرے' وہ متکبر ہے اور جو پیچھے رہے' وہ متواضع ہے۔
* صاحب علم و فضل کی ملاقات کے لئے اٹھے' اسے بٹھائے اور اس کے جوتے سیدھے کرے اور گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ جاکر الوداع کرے' یہ شخص متواضع ہے۔
* زیادتی کرنے والے کے ساتھ خوشی و انبساط سے ملنا۔ سوال میں نرمی کا اظہار' اس کی دعوت قبول کرنا' اس کا کام کر دینا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر نہ سمجھنا بھی تواضع ہے۔
* جو اپنے سے فضل و علم میں کم تر یا برابر کی ملاقات کو جائے' اس کے ساتھ سامان اٹھائے یا اس کے کام کے لئے اس کے ساتھ جائے' وہ متواضع ہے۔
* فقراء' مساکین اور مصیبت زدہ لوگوں کے پاس بیٹھنے والا' ان کے ساتھ کھانا کھانے اور ان کے ساتھ راستہ میں چلنے والا بھی متواضع کہلائے گا۔
* کھانے پینے میں اسراف سے بچنے اور لباس میں تکبر و غرور سے احتراز کرنے والا بھی متواضع ہے۔

تواضع کی چند عظیم مثالیں:

(۱) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رات کو لکھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک مہمان آگیا۔ چراغ بجھ رہا تھا مہمان چراغ درست کرنے کے لئے جانے لگا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا "مہمان سے خدمت لینا کرم و شرف کے خلاف ہے" مہمان نے کہا "میں نوکر کو اٹھا دیتا ہوں" عمر رحمہ اللہ نے فرمایا "وہ ابھی ابھی سویا ہے' اسے اٹھانا مناسب نہیں ہے۔" چنانچہ خود اٹھے تیل کی بوتل سے چراغ بھر کر روشن کر دیا' جب مہمان نے کہا "آپ نے خود ہی یہ کام کر لیا ہے؟" تو فرمایا "میں پہلے بھی عمر تھا اور اب بھی وہی ہوں' میرے اندر کوئی بھی کمی نہیں ہوئی اور انسانوں میں اچھا وہ ہے جو اللہ کے ہاں متواضع ہے۔"

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہ ان دنوں مدینہ میں مروان کے قائم مقام تھے اور فرما رہے تھے کہ "امیر (یعنی ابو ہریرہ خود) آ رہا ہے' گزرنے کے لئے راستہ کھلا کر دو' اس لئے کہ وہ لکڑیوں کا گھٹا اٹھائے ہوئے ہے۔

(۳) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن بائیں ہاتھ میں گوشت اٹھائے ہوئے تھے اور دائیں میں درہ تھا اور یہ ان دنوں خلیفہ اور امیر المومنین تھے۔

(۴) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن گوشت خریدا اور اپنی چادر میں باندھ لیا' ساتھیوں نے کہا (یعنی) "ہم اٹھا لیتے ہیں" فرمایا "(جن) بچوں (نے کھانا ہے ان) کا باپ اٹھائے یہ بہتر ہے۔"

(۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدنیہ منورہ کی لونڈی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی

دوسرے لوگوں سے الگ (بات کرنے کے لئے) لے جاتی۔

(٦) ابو سلمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا "لوگوں نے لباس' طعام' سواری اور پینے کی چیزوں میں کیا کیا ایجادات کرلی ہیں؟" ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "بھتیجے! آپ کا کھانا' پینا اور پہننا سب اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اس میں اگر خودپسندی' فخر' ریا اور نمائش پیدا ہو جائے تو یہ گناہ اور اسراف ہے۔ تو گھر کے کاموں میں وہ سب کام کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ آپ اونٹ کو چارہ ڈالتے اور اسے باندھتے' گھر میں جھاڑو دیتے' بکری دوھتے' جوتے گانٹھتے' کپڑا پیوند کرلیتے' نوکر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے' وہ تھک جاتا تو آٹا پیس دیتے' بازار سے چیزیں خرید لاتے اور اس میں کبھی کوئی عار محسوس نہ کرتے اور خریدی ہوئی چیز اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لے آتے' یا کپڑا میں باندھ کر گھر واپس لے آتے۔ غنی' فقیر' بڑے اور چھوٹے سب سے مصافحہ کرتے اور نمازیوں میں سے جو سامنے آ جاتا چھوٹا یا بڑا' کالا یا گورا' آزاد یا غلام' ہر ایک کو سلام کہنے میں پہل کرتے۔"

بارہویں فصل

گندے اور قبیح اخلاق

﴿ظلم' حسد' دھوکا' ریا' خودپسندی' عاجزی اور سستی و کاہلی﴾

(الف) ظلم:

مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرتا' نہ اس پر ظلم کیا جاتا ہے یعنی نہ ہی اس سے کسی پر ظلم ہوتا ہے اور اگر اس پر کوئی ظلم و ستم کرتا ہے تو وہ اسے بھی برداشت نہیں کرتا۔ ظلم کی تین بنیادی اقسام ہیں اور تینوں کتاب و سنت کی رو سے حرام ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۹)

"نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا﴾ (الفرقان۲۵/ ۱۹)

"اور تم میں سے جو بھی ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کائنات کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

«يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا

تَظَالَمُوْا»(صحیح مسلم)

"اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے مابین بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

««اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحیح مسلم)

"ظلم سے بچو' کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیوں کا باعث ہو گا۔"

نیز فرمایا: «وَمَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ طَوَّقَهُ اللهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اور جو ایک بالشت کے قدر ظلم کرے گا' اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر سات زمینوں کے طوق ڈالے گا۔"

ایک جگہ فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ، فَإِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلْقُرَىٰ وَهِىَ ظَٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾(هود۱۱/ ۱۰۲ ـ صحيح بخاري و صحيح مسلم)

"اللہ تعالیٰ (پہلے تو) ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر کوئی مہلت نہیں دیتا۔" پھر آپ نے اس آیت (وکذلک اخذ......) کی تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے "اور ایسے ہی تیرے رب کی پکڑ ہے کہ جب وہ بستی کے ظالم باشندگان کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت سخت اور دردناک ہوتی ہے۔"

نبیٔ رحمت ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

«وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اور مظلوم کی بددعا سے بچ' کیونکہ اس کے اور اللہ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔"

ظلم کی تین اقسام ہیں:

(ا) بندہ کا رب کے بارے میں ظلم۔ [1] اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے مالک اور مربی کا انکار کر دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ (البقرة۲/ ۲۵٤)

"اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔"

اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے (یا اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ) غیر کی عبادت بھی کرنے لگ جائے تو یہ شرک اور بہت بڑا ظلم ہے۔

فرمایا ﴿إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۳)

"یقیناً شرک بڑا ظلم ہے۔"

(۲) انسان اللہ کی مخلوق اور انسانوں پر ظلم کرے۔ ان کی عزتوں' ابدان اور اموال کو ناحق پامال کرے تو یہ ظلم کی دوسری قسم ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لأَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ مِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَّ يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ» (صحيح بخاري)

"جس نے اپنے کسی بھائی کی عزت کا یا کوئی اور حق دینا ہے تو وہ آج ہی اسے حلال کرالے' اس سے پہلے کہ جب درہم و دینار نہیں ہوں گے اور اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو وہی بدلہ میں لئے جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہونگی تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔"

مزید فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ يَسِيْرًا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ: وَإِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ أَرَاكٍ» (صحيح مسلم)

"جس نے اپنی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق مارلیا' اللہ نے اس کے لئے جہنم واجب اور بہشت حرام کر دی ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا "یارسول اللہ (ﷺ)! چاہے وہ معمولی حق ہو؟" فرمایا "چاہے پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہی ہو۔"

نیز فرمایا: «لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا» (صحيح بخاري)

"مومن اپنے دین میں ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے' جب تک کہ وہ کسی کو ناجائز قتل نہ کر دے۔"

---

(۱) یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف نہیں کہ ﴿وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (البقرۃ ۵۷) انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ہیں۔" کیونکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے اس ظلم سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ان کے ظلم کا نقصان ان کی اپنی جانوں پر ہی ہوتا ہے۔ (مؤلف)

اور فرمایا: «كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحیح مسلم)
"مسلمانوں پر ایک دوسرے کا خون' مال اور عزت حرام ہیں۔"

(۳) انسان کا اپنے آپ پر ظلم۔ اور وہ یہ کہ وہ مختلف انداز کے جرائم اور برائیوں سے آلودہ ہوجائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴾ (البقرة۲/ ۵۷)
"اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔"

یعنی گناہ اور فحش کاری میں مبتلا انسان نے خباثت و تاریکی کو اپنے نفس میں جگہ دی ہے' جس کی وجہ سے وہ اللہ کی لعنت اور دوری کا مستحق بن گیا ہے اور یہی اپنے اوپر ظلم ہے۔

(ب) حسد:

مسلمان سب انسانوں کے لئے اچھائی چاہتا ہے اور اپنے پر دوسروں کو فوقیت دیتا ہے۔ بنا بریں وہ حاسد نہیں ہوتا اور نہ "حسد" اس کی صفت ہوتی ہے' اس لئے کہ نیکی سے محبت اور ایثار کی دونوں صفتیں حسد کے منافی ہیں۔ بلکہ مسلمان اور مومن حسد کو برا سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کی تقسیم پر اعتراض ہے جو مخلوق میں اس نے کر دی ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿ أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النساء٤/ ٥٤)
"کیا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ اس فضل پر جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔"

نیز ارشاد عالی ہے: ﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾ (الزخرف٤٣/ ٣٢)

"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی دنیا کی زندگی کی گزران ان میں تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر ان کے درجات بلند کئے ہیں' تاکہ ان کا ایک' دوسرے کو محکوم بنا کر کام لے۔"

"حسد" دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) حاسد دوسرے کی نعمت مال' علم' مرتبہ اور سلطنت کے زوال کی تمنا کرے اور یہ کہ وہ اسے حاصل ہو جائے۔

(۲) دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کرے۔ چاہے' اسے ملے یا نہ ملے اور یہ بدترین حسد ہے۔

البتہ رشک حسد نہیں ہے' اس میں انسان یہ تمنا کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے بھی یہ نعمت عطا کرے' اس میں دوسروں کی نعمتوں کے زوال کی تمنا نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ،

وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»(صحيح بخاري)

"دو آدمیوں پر رشک ہونا چاہئے' ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال عطا کرے اور وہ اسے جائز جگہوں میں خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ (علم و) حکمت کی دولت عطا کرے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔"

حکمت سے مراد کتاب و سنت ہیں۔ "حسد" دونوں انداز میں قطعی طور پر حرام ہے۔ کسی کے لئے کسی پر حسد روا رکھنا جائز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النساء٤/ ٥٤)

"کیا یہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل پر حسد کرتے ہیں۔"

اور فرمایا: ﴿ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم ﴾ (البقرة٢/ ١٠٩)

"خود حسد کرتے ہوئے۔"

دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴾ (الفلق١١٣/ ٥)

"(اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں) حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَبَاغَضُوْا وَلاَ تَحَاسَدُوْا وَلاَ تَدَابَرُوْا وَلاَ تَقَاطَعُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، فَلاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' حسد نہ کرو' اعراض نہ کرو اور قطع تعلق نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے۔"

اور فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ» (سنن أبي داود)

"حسد سے بچو! یہ نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے' جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔"

اگر بشر اور غیر معصوم ہونے کے ناطے مسلمان کے دل میں حسد آ بھی جائے تو وہ فوراً اسے دفع کرتا ہے اور اسے ناپسند کرتا ہے' اس لئے کہ ایک خیال بار بار دل میں آنے کی صورت میں عزم بن جاتا ہے اور اس پر عمل ہلاکت و بربادی ہے۔ اگر اسے کوئی چیز پسند آتی ہے تو کہتا ہے:

«مَا شَاءَ اللهُ، لاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ»

"جو اللہ چاہے' ہر کام کی طاقت و قوت اللہ کے پاس ہے۔"

اور اس طرح وہ خیال کی تباہ کاری سے محفوظ رہتا ہے۔

* دھوکا بازی:

مسلمان ہر ایک کیلئے خیر خواہی چاہتا ہے اور اسی پر اس کی زندگی کے لمحات گزرتے ہیں' وہ کسی سے خیانت اور دھوکا نہیں کرتا' اس لئے کہ کینہ پروری' خیانت کرنا اور دھوکا دہی انسان میں مذموم اور گندی صفات ہیں۔ ایمان و عمل سے حاصل کردہ نفس کی پاکیزگی ایسی صفات قبول کرنے سے یکسر انکار کرتی ہے اور یہ مذموم صفات محض "شر" ہیں' جن میں "خیر" کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے' جبکہ مسلمان خیر کے قریب ہوتا ہے اور شر سے کوسوں دور۔

دھوکے کے برے نتائج:

* دھوکا باز انسان اپنے دوسرے بھائی کے لئے قبیح کام اور شر و فساد کو مزین کر کے پیش کرتا ہے' تاکہ وہ اس میں گر پڑے۔

* ایک چیز کے ظاہر کو اچھا اور درست انداز میں دکھلاتا ہے اور اس کا باطن جو کہ برا اور خراب ہوتا ہے' اس کی نظروں سے اوجھل رکھتا ہے۔

* دھوکا دہی کی لئے دل میں بات چھپاتا ہے اور اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

* مخالف کے مال' بیوی' اولاد' خادم اور دوستوں کو چغل خوری اور عیب جوئی کے ذریعہ خراب کرتا ہے۔

* جان و مال کی حفاظت اور راز چھپانے کا وعدہ کرتا ہے' مگر بعد ازاں خیانت کرتا ہے اور دھوکا دیتا ہے۔ دشمنی' دھوکا اور خیانت سے اجتناب میں ایک مسلمان کا جذبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ہوتا ہے' اس لئے کہ یہ چیزیں کتاب و سنت کی رو سے حرام ہیں۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُؤْذُونَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ بِغَيْرِ مَا ٱكْتَسَبُواْ فَقَدِ ٱحْتَمَلُواْ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۸)

"اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انہوں نے نہ کیا ہو' ایذا دیتے ہیں' وہ بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ﴾ (الفتح ۴۸/ ۱۰)

"پس جو عہد توڑ دے گا تو عہد توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحِيقُ ٱلْمَكْرُ ٱلسَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِۦ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۴۳)

"اور بری تدبیر اس کے کرنے والے پر ہی پڑتی ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِیءٍ أَوْ مَمْلُوْكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»(رواه أبوداود بإسناد جيد)

"جو کسی کی بیوی یا غلام کو (خاوند یا سردار کے خلاف) ورغلائے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

نیز آپ کا ارشاد ہے: «أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّي يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس میں چار صفات ہوں' وہ خالص منافق ہے اور جس میں ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک صفت ہے' الا یہ کہ وہ اسے ترک کر دے (وہ یہ ہیں) جب امین سمجھا جائے تو خیانت کرے' بات کرے تو جھوٹ بولے' معاہدہ کرے تو دھوکا دے اور لڑے تو گالی دے۔"

ایک دن رسول اللہ ﷺ غلے کی ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیاں تر ہو گئیں پوچھا "اے غلے والے! یہ کیا ہے؟" صاحب طعام نے کہا "رات بارش ہو گئی تھی۔" (ہم نے خشک غلہ اوپر ڈال دیا ہے۔) آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ»(صحيح مسلم)

"گیلی جنس کو اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔ جس نے دھوکا دیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

* ریا:

دکھاوا نفاق اور شرک ہے اور مسلمان موحد و مومن ہونے کی وجہ سے کوئی کام دکھاوے کے طور پر نہیں کرتا' اس لئے کہ ایمان و توحید' ریا اور نفاق کے منافی ہیں۔ اس مذموم صفت کی برائی اور نفرت کی وجہ اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ اس صفت کو ناپسند کرتے ہیں اور اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ریا کرنے والوں کو عذاب و سزا کی وعید سنائی ہے۔

ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ (الماعون۱۰۷/ ٤-٧)

"تو ایسے نمازیوں کیلئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں' جو ریا کرتے ہیں اور برتنے کی عام چیز کا (عاریتاً دینے سے) انکار کر دیتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل شانہ' کا یہ فرمان عالی شان بیان کیا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيْهِ غَيْرِيْ فَهُوَ لَهُ كُلُّهُ، وَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ، وَأَنَا أَغْنَي الأَغْنِيَاءِ عَنِ الشِّرْكِ»(روى معناه مسلم)

"جس نے اپنے کسی عمل میں (میرے ساتھ) میرے غیر کو شریک کیا' وہ سارا اسی کا ہے' میں اس سے بری ہوں اور شرک سے میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔"

اور فرمایا: «مَنْ رَاءَى رَاءَى اللهُ بِهِ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو لوگوں کو دکھلاوے کے لئے عمل کرے' اللہ تعالیٰ اسے دکھلاوے گا' اور جو شہرت کیلئے کام کرے اللہ تعالیٰ اسے مشہور کر دے گا۔"

اور فرمان نبوی ہی ہے: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ، قَالُوْا: وَمَا الشِّرْكُ الأَصْغَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: الرِّيَاءُ، يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جَازَى الْعِبَادَ بِأَعْمَالِهِمْ: اذْهَبُوْا إِلَي الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِيْ الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمُ الْجَزَاءَ؟»

"سب سے زیادہ خطرناک چیز جس کا میں تم پر خطرہ محسوس کرتا ہوں' چھوٹا شرک ہے" لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ (ﷺ) ! شرک اصغر کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "وہ دکھاوا ہے۔ اللہ عزوجل قیامت کے دن جب بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے تو فرمائیں گے "جن کو دکھلانے کیلئے تم نے عمل کئے تھے' ان کے پاس جاؤ' پھر دیکھو کیا وہاں تمہیں کوئی صلہ ملتا ہے؟"

اور اصل میں ریا یہ ہے کہ بندہ اللہ عزوجل کی اطاعت اس غرض سے کرے کہ وہ لوگوں کے ہاں سرخرو ہو اور ان کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت ہو۔

ریا کے مظاہر:

* عمل کرنے والے کی تعریف ہو جائے تو وہ فرمانبرداری کا عمل بڑھاتا چلا جائے اور اگر (تعریف نہیں ہوئی یا) تنقیص ہو گئی' یا کسی نے اس عمل کی مذمت کر دی تو اسے چھوڑ دے' یا کم کر دے۔
* لوگوں کی معیت میں عمل کرے تو خوش و خرم اور اگر اکیلا ہو تو کاہل و سست ہو جائے۔
* ایسی خیرات کہ اگر لوگ دیکھنے والے نہ ہوں تو وہ خیرات نہ کرے۔
* حق اور نیکی کی جو بات بھی کہتا ہے' یا اطاعت و فرماں برداری کا کوئی کام کرتا ہے تو اس میں اسے محض اللہ کی رضا مطلوب و مقصود نہیں ہے' بلکہ اس میں انسانوں کی رضا اور خوشی کو ملاتا ہے' یا فقط انسانوں کی رضا کے لئے کام کرتا ہے۔ اللہ کی رضا سرے سے اس کے ذہن میں آتی ہی نہیں۔

(ھ) خود پسندی اور غرور:

مومن خود پسندی اور غرور سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی بھی ایسی صفات سے متصف نہیں ہوتا' کیونکہ یہ صفتیں اس کے کمال حاصل کرنے میں رکاوٹ ہوں گی اور نتیجۃً ہلاکت اور بربادی کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کتنی ہی نعمتیں خود پسندی اور غرور کے نتیجہ میں عذاب بن جاتی ہیں اور کتنی عزتیں ذلت میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور طاقت کمزوری کا روپ دھار لیتی ہے۔ للذا یہ خوفناک بیماری ہے اور انسان کے لئے وبال جان۔ اسی لئے مسلمان ان دونوں صفات سے (خود بھی بچتا ہے اور) دوسروں کو بھی ان سے ڈراتا رہتا ہے۔ بنابریں کتاب و سنت میں ان کی حرمت' ان سے نفرت اور ان سے واضح طور پر ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَغَرَّتۡكُمُ ٱلۡأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَآءَ أَمۡرُ ٱللَّهِ وَغَرَّكُم بِٱللَّهِ ٱلۡغَرُورُ ﴾ (الحديد٥٧/ ١٤)

"اور آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آگیا اور بڑا فریبی (شیطان) اللہ کے بارے میں تمہیں فریب دیتا رہا۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ﴾ (الأنفطار٨٢/ ٦)

"اے انسان! تجھے تیرے رب کے بارے میں کس نے فریب دیا ہے؟"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيَوۡمَ حُنَيۡنٍ إِذۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنكُمۡ شَيۡـٔٗا ﴾ (التوبة٩/ ٢٥)

"اور جنگ حنین کا دن یاد کرو جب تمہیں تمہاری کثرت پر ناز تھا' سو اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «ثَلاَثٌ مُهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ»(معجم الطبراني وغيره وسنده ضعيف)

"تین چیزیں تباہ کن ہیں' کنجوسی کی اطاعت' خواہش کی پیروی اور انسان کا اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنا۔"

نیز فرمایا: «إِذْ رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وحسنه)

"جب تو دیکھے کہ کنجوسی کی اطاعت کی جارہی ہے' خواہش کی پیروی ہو رہی ہے اور صاحب رائے اپنی رائے کو ہی پسندیدہ قرار دے رہا ہے تو اپنے نفس کو بچانے کی کوشش کرنا۔"

یہ بھی فرمایا: «اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالأَحْمَقُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا، وَتَمَنَّى عَلَي اللهِ الأَمَانِيَّ»(رواه أحمد والترمذي وابن ماجة)

"سمجھدار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پاتا اور آخرت کے لئے کام کرتا ہے اور احمق وہ ہے جو اپنی

خواہش پر چلتا ہے اور اللہ سے (غلط) تمنائیں قائم رکھتا ہے۔"

خود پسندی کی چند مثالیں:

* ابلیس لعین کو اپنا حال پسند آیا' اپنے نفس اور اپنی اصل پر غرور کیا اور کہا:

﴿ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴾ (صٓ ۳۸/ ۷۶)

"تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس آدم کو مٹی سے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور قدسیوں کے پڑوس سے بھگا دیا۔

* قوم عاد اپنی قوت وسلطنت پر مغرور ہو کر کہنے لگی' ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟ اللہ نے ان کو دنیا و آخرت میں رسوا کن عذاب میں مبتلا کر دیا۔

* حضرت سلیمان علیہ السلام عدم توجہ کی بنا پر کہہ بیٹھے:

«لأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى مِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ وَلَدًا يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، غَفَلَ فَلَمْ يَقُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ فَحَرَمَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ لِذٰلِكَ الْوَلَدَ»

"میں آج رات ایک سو عورتوں (بیویوں) کے پاس جاؤں گا' ہر عورت بیٹا جنے گی' جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا اور "انشاء اللہ" نہ کہا' چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں (اس متوقع) اولاد سے محروم کر دیا۔"

* جنگ حنین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی افرادی کثرت پر مغرور ہوئے اور کہنے لگے "ہم آج قلت کی بنیاد پر مغلوب نہ ہوں گے۔" اس کے نتیجہ میں (دوران جنگ) بدترین شکست سے دوچار ہوئے اور وسعت کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی اور میدان چھوڑ کر ہٹ گئے۔ (پھر جب اللہ نے چاہا تو پانسہ پلٹ گیا اور انہیں شاندار فتح نصیب ہوئی)

غرور کے مظاہر:

* علم میں۔ انسان کثرت علم پر مغرور ہو جائے تو مزید علم حاصل کرنے سے پہلو تہی کرنے لگ جاتا ہے اور اساتذہ سے استفادہ نہیں کرتا' بلکہ علم والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں اپنے سے کم تر گردانتا ہے اور یہی بات اس کی تباہی کے لئے کافی ہے۔

* مال میں۔ کثرت اموال کی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہو جائے تو فضول خرچی اور اسراف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مخلوق پر اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے اور حق کو حقیر جانتا ہے جو کہ اس کے لئے تباہ کن ہے۔

* قوت میں۔ اپنی طاقت اور حکمرانی کی عزت کا نشہ ہو جائے تو ظلم و ستم کرتا ہے' جوا کھیلتا ہے اور دھوکا دیتا ہے اور اسی میں اس کی ہلاکت و بربادی ہے۔

* شرف وعزت میں۔ بعض انسان اپنی نسبی شرافت اور خاندانی وجاہت کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر کردار کی بلندی سے محروم ہو کر کمالات و سعادت حاصل نہیں کر پاتے' اس لئے کہ عمل میں سستی آجائے تو نسب اسے تیز نہیں کر سکتا۔ نتیجۃً حقارت' گھٹیا پن اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

* عبادت میں۔ اپنے عمل اور کثرت عبادات کی بابت خود پسندی میں مبتلا انسان ذہن میں رب تعالیٰ پر احسان جتلاتا ہے کہ وہ عامل ہے اس طرح اس کے عمل ضائع قرار دیئے جاتے ہیں۔ اس کی عملی خود پسندی' اس کے لئے بد بختی اور ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

اس بیماری کا علاج: کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ بایں صورت کہ انسان یقین کرے کہ یہ علم' مال' طاقت اور نسبی شرف صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا ہے' وہ اسے چھین بھی سکتا ہے اور بندہ اپنے مالک کی کتنی ہی عبادت کیوں نہ کر لے' وہ اس کی بعض نعمتوں کا عوض بھی نہیں بن سکتی اور اللہ ہی بزرگی اور فضیلت کا اصل مصدر و منبع ہے اور وہی ہر طرح کی اچھائی دینے والا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يُّنْجِيَ أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ، قَالُوْا: وَلاَ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَتِهِ»(صحيح بخاري)

"تم میں سے کسی کو اس کے عمل نجات نہیں دلا سکیں گے۔ لوگوں نے کہا "یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کو بھی نہیں"؟ فرمایا "مجھے بھی نہیں' الا یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔"

* **عاجزی اور سستی:**

عاجزی اور سستی قابل مذمت صفات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان سے درج ذیل الفاظ کے ساتھ تحفظ طلب فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! میں عاجزی و کاہلی' بزدلی' بڑھاپا اور کنجوسی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔"

بنا بریں کوئی بھی مسلمان عاجزی اور سستی و کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا' بلکہ دانائی اور نشاط سے کام لے گا۔ عمل اور محنت کو طرز زندگی بنائے گا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے کام کرنے اور محنت کرنے کی تلقین کی ہے' آپ نے فرمایا:

«اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلاَ تَعْجَزْ، وَإِذَا أَصَابَكَ شَيْئٌ فَلاَ تَقُلْ لَوْ أَنِّيْ فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ

لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»(صحیح مسلم)

"مفید کاموں کی حرص کر اور اللہ سے مدد طلب کر اور عاجزی کا مظاہرہ نہ کر۔ اگر تجھے کوئی (مصیبت) پہنچے تو یہ نہ کہہ' اگر میں اس طرح کر لیتا تو یوں ہو جاتا۔ البتہ یہ کہہ کہ اللہ نے اسی طرح مقدر کیا تھا اور جو اس نے چاہا سو کیا۔ اس لئے کہ "اگر" کا لفظ شیطان کے عمل کا "دروازہ" کھول دیتا ہے۔"

یہ عاجزی کاہلی' بزدلی اور کنجوسی کیوں؟ اور اس بنیاد پر ترک عمل اور مفید کاموں کا چھوڑنا کس لئے؟ مومن تو نظام اسباب کا قائل ہے اور کائنات میں اس کے قانون "سنت" کو تسلیم کرتا ہے اور رب کائنات نے انسانوں کو مسابقت اور ایک دوسرے کو رغبت دلانے کی دعوت دی ہے' جس میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر اس مقصد کو پانے کی سعی کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ سَابِقُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ (الحدید۵۷/ ۲۱)

"اپنے رب کی بخشش کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور اس جنت کی طرف بھی جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی طرح ہے۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ ﴾ (المطففین۸۳/ ۲۶)

"اور (نجات کے) شائقین اس میں رغبت کریں۔"

اور مسلمان بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور نہ عمل و محنت سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ اس کو تو قضاء الٰہی کا یقین ہے وہ تقدیر کو مانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو تکلیف اسے پہنچی' وہ ہٹ نہیں سکتی تھی اور جو ہٹ گئی ہے وہ پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اچھے عمل کو وہ کیوں ترک کرے؟ جبکہ وہ یہ قرآنی آواز سن رہا ہے:

﴿ وَمَا يَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۵)

"اور جو یہ اچھے کام کرتے ہیں' اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی۔"

نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوا۟ لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ ٱللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ﴾ (المزمل۷۳/ ۲۰)

"اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیج رہے ہو' اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بہت بڑا پاؤ گے۔"

عاجزی اور کاہلی کے مظاہر:

* کاہل آدمی نماز کی اذان سن کر سو جاتا ہے' یا باتوں میں لگا رہتا ہے یا کسی اور کام میں مشغول رہتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ نماز کا وقت ختم ہونے کو ہے تو اٹھ کر آخر میں نماز پڑھتا ہے۔
* ضروری کام ترک کر کے غیر ضروری تفریح میں مشغول رہے یا دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں لگا رہے یا بازاروں میں آوارہ گردی کرتا رہے یہ بھی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہے۔

* ایسا انسان دنیا و آخرت کے مفید کام نہیں کرتا مثلاً علم حاصل کرنا' زمین کاشت کرنا' رہائشی مکانات وغیرہ کی تعمیراور عذر یہ تراشتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے میں کام نہیں کر سکتا یا یہ کام کرنے کی میرے اندر استعداد نہیں ہے یا میرے پاس اس کام کے کرنے کا وقت ہی نہیں ہے۔
* اسی طرح وہ نیکی اور خیرات کے مواقع حاصل ہونے کے باوجود ان سے استفادہ نہیں کرتا۔ حج کرنے کی فرصت اور قدرت ہے مگر حج نہیں کرتا' سامنے بے نوا ضرورت مند موجود ہیں مگر ان کی حاجت براری نہیں کرتا' رمضان المبارک کا مہینہ رحمت بن کر آ گیا مگر یہ راتوں کا قیام نہیں کرتا۔ ماں باپ دونوں یا ایک زندہ موجود ہیں اور ان کی خدمت کرنے کی استطاعت بھی ہے مگر عجز و کاہلی یا کنجوسی و بخل یا نافرمانی کی وجہ سے ان کی خدمت نہیں کرتا۔ اللہ ایسی صورت حال سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔
* ایک انسان ذلت و توہین سے نکل کر عزت و وقار کی زندگی میں محض سستی کی وجہ سے داخل نہیں ہو رہا اور بے عزتی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ خُلُقٍ لاَ يُرْضِى وَعَمَلٍ لاَ يَنْفَعُ»

''اے اللہ! ہم عاجزی اور سستی سے تیری حفاظت چاہتے ہیں اور بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں اور ہر ناپسند عادت اور غیر مفید عمل سے تیری حفاظت کی درخواست کرتے ہیں۔''

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

عبادات

- طہارت
- قضائے حاجت کے آداب
- وُضوء
- غسُل
- تیمّم
- مَسح
- حیض و نفاس
- نماز
- نماز جنازہ کے احکام
- زکوٰۃ
- روزہ
- حج و عُمرہ
- زیارتِ مسجد نبوی ﷺ
- قربانی و عقیقہ

پہلی فصل

طہارت کا بیان

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ

طہارت کا حکم اور اس کی اقسام

(ا) **طہارت کا حکم:** کتاب و سنت کی رو سے طہارت واجب و فرض ہے

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور اگر تم جنبی ہو تو طہارت حاصل کرو"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ (المدثر٧٤/ ٤)

"اور اپنے کپڑے پاک رکھیں"

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢)

"بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مِفْتَاحُ الصَّلاَةِ الطُّهُوْرُ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي، سنن ابن ماجة ومسند أحمد)

"نماز کی چابی طہارت (وضو) ہے"

نیز فرمایا: «لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(صحيح مسلم)

"وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی"

مزید ارشاد ہے: «الطُّهُوْرُ شَطْرُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم)

"صفائی و پاکیزگی نصف ایمان ہے۔"

(۲) طہارت کی اقسام:

طہارت کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی

باطنی طہارت: نفس کو گناہ اور نافرمانی کے آثار سے پاک اور صاف رکھنا ہے۔ اس کے لئے گناہوں اور نافرمانیوں سے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے اور دل کو شرک، شک، حسد، غصہ، کینہ، خیانت، بڑائی، خودپسندی، ریا اور نمود ونمائش کی آلودگیوں سے منزہ وپاک کرنا ہے۔ اس کے لئے اخلاص، یقین، نیکی کی محبت، حوصلہ، سچائی، تواضع اور تمام ارادوں اور اعمال میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا جذبہ ضروری ہے۔

ظاہری طہارت: پلید چیزوں اور ناپاکی سے صاف رہنا۔ نمازی پر لازم ہے کہ وہ لباس، بدن اور جائے نماز کو پاک پانی کے ساتھ نجاست زائل کرکے پاک بنائے۔ اور ناپاکی کی طہارت وضو، غسل اور تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مادہ — کن چیزوں سے طہارت حاصل ہوتی ہے؟

طہارت درج ذیل دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:

(۱) **سادہ پانی سے:** جس میں پاک یا پلید چیزوں میں سے کوئی چیز نہ ملی ہو، جیسے (بارش)، کنوئیں، چشمے، وادی، (ندی نالوں) دریاؤں کا پانی، پگھلنے والی برف اور سمندری پانی۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا ﴾ (الفرقان۲۵/ ۴۸)

"اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ إِلاَّ إِنْ تَغَيَّرَ رِيْحُهُ أَوْ طَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيْهِ»(البيهقي وهو ضعيف وله أصل صحيح وعليه العمل)

"پانی پاک کرنے والا ہے، الا یہ کہ اس کی بو، ذائقہ اور رنگ پلید چیز گرنے سے بدل جائے۔"

(۲) **پاک زمین سے:** جس میں ریت، مٹی، پتھر اور شور سب ہی داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا»(مسند أحمد وأصله في الصحيحين)

"زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔"

البتہ یہ اس وقت وضو کے قائم مقام ہوگی جب پانی میسر نہ ہو، یا اس کے استعمال سے بیماری یا کوئی اور چیز مانع ہو۔

فرمان ربانی ہے: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا ﴾ (النساء۴/ ۴۳)

"پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ»(سنن الترمذي وحسنه)

"پاک مٹی مسلمان کے لئے وضوء ہے' چاہے دس سال اسے پانی نہ ملے' جب پانی حاصل ہو جائے تو اپنے جسم کو اس سے صاف کرے۔"

نیز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سخت ٹھنڈی رات میں جنبی ہوگئے اور نہانے کی صورت میں انہیں جان نکلنے کا اندیشہ ہوا تو تیمم کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے درست قرار دیا۔ (صحیح بخاری تعلیقاً)

تیسرا مادہ

نجاست اور اس کی اقسام

انسان کی جسم سے خارج ہونے والی غلاظت 'پیشاب' مذی' ودی اور منی سب پلید اشیاء ہیں۔ اسی طرح حرام جانوروں کا پیشاب 'گوبر اور لید بھی پلید ہے اور بہنے والا خون' پیپ اور بدبودار قے بھی پلید ہے اور جو جانور ذبح نہ ہو سکے اور مرجائے تو اس کے اجزاء بھی پلید ہیں۔ البتہ (حلال) مردہ جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

فرمان نبوی ہے: «أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ»(صحیح مسلم)

"جو چمڑہ رنگ لیا جائے وہ پاک ہو گیا۔"

دوسری فصل

قضائے حاجت کے آداب

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ

ان آداب کے بیان میں ہے' جن کو قضائے حاجت سے پہلے ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) انسانی نظروں سے دور الگ جگہ تلاش کرے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لئے نکلتے تو اتنا دور چلے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔ (سنن ابی داؤد وسنن ترمذی)

(۲) اس حالت میں کوئی ایسی چیز اپنے ساتھ نہ رکھے جس پر اللہ کا ذکر لکھا ہوا ہو۔ ایک روایت میں

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی استعمال کی جس پر "محمد رسول اللہ" منقوش تھا اور آپ جب قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اسے اتار دیتے تھے۔ (ترمذی اور انہوں نے اسے صحیح کہا جبکہ حقیقت میں وہ معلول ہے)

(۳) بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں آگے کرکے یہ کہے:

«بِسْمِ اللهِ، اَللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»(صحيح بخاري)

"اللہ کے نام سے' اے اللہ! میں نر اور مادہ جنوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔"

(۴) زمین کے قریب ہونے سے پہلے کپڑا نہ اٹھائے' اس لئے کہ شرمگاہ کا ستر شریعت کی رو سے ضروری ہے۔

(۵) پاخانہ یا پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَسْتَقْبِلُوا القِبْلَةَ وَلاَ تَسْتَدْبِرُوْهَا بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پاخانہ یا پیشاب میں نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ"

(۶) اس کام کے لئے لوگوں کے راستے' سایہ کی جگہوں میں' پانی کے گھاٹ اور پھل دار درختوں کے پاس نہ بیٹھے۔

فرمان نبوی ہے: «اِتَّقُوا الْمَلاَعِنَ الثَّلاَثَةَ: اَلْبَرَازَ فِيْ الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ»(مستدرك حاكم بسند صحيح)

"تین لعنت کے کاموں سے بچو! گھاٹ کے قریب' درمیان راستہ اور سائے میں پاخانہ کرنے سے۔"

اسی طرح ایک اور حدیث میں پھل دار درختوں کے نیچے قضائے حاجت کی ممانعت آئی ہے۔

(۷) قضاء حاجت کے وقت گفتگو نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلاَنِ فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ، وَلاَ يَتَحَدَّثَا، فَإِنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلَى ذَلِكَ»(مسند أحمد وصححه ابن السكن وابن القطان وهو معلول)

"دو آدمی قضاء حاجت کے لئے جائیں تو ایک دوسرے سے چھپ کر بیٹھیں اور آپس میں باتیں نہ کریں۔ کیونکہ اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

دوسرا مادہ استنجاء اور ڈھیلے استعمال کرنے میں کتنی باتوں کو ملحوظ رکھا جائے؟

(۱) ہڈی یا لید سے صفائی نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ تَسْتَجْمِرُوْا بِالرَّوْثِ وَلاَ بِالْعِظَامِ، فَإِنَّهُ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو' کہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔"

اور ایسی چیز بھی استعمال نہ کرے جو دوسرے کے کام آسکتی ہے' جیسے کتان (روئی وغیرہ) کا ٹکڑا یا کاغذ وغیرہ' یا ایسی پاک چیز جسے گندگی کے ازالہ میں استعمال کرنا' اس کے احترام کے خلاف ہے' جیسے کھانے کی اشیاء وغیرہ۔ اس لئے کہ منافع ضائع کرنا اور مصالح کو خراب کرنا شرعاً حرام ہے۔

(۲) دائیں ہاتھ سے ڈھیلے استعمال کرنا یا استنجاء کرنا' یا شرمگاہ کو چھونا حرام ہے۔

ارشاد نبوی ہے: «لاَ يَمَسَّنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ وَهُوَ يَبُوْلُ، وَلاَ يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلاَءِ بِيَمِيْنِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی پیشاب کرتے وقت اپنے ذکر (شرمگاہ) کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔"

(۳) طاق ڈھیلے استعمال کرے' اگر تین کے ساتھ صفائی نہ ہو تو پانچ استعمال کرے۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلاَثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ أَوْ عَظْمٍ»(صحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں' یا دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں' یا تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں' یا لید اور ہڈی سے استنجاء کریں۔"

(۴) ڈھیلے اور پانی کے استعمال میں پہلے ڈھیلے اور بعد ازاں پانی سے استنجاء کرے۔ اگر ایک پر کفایت کرنا چاہے تو بھی جائز ہے' البتہ پانی بہتر ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

«مُرْنَ أَزْوَاجَكُنَّ أَنْ يَّسْتَطِيْبُوْا بِالْمَاءِ فَإِنِّي أَسْتَحْيِيْهِمْ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

كَانَ يَفْعَلُهُ»(سنن الترمذي)

"اپنے خاوندوں سے کہو کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا کریں۔ مجھے ان سے یہ بات کرتے شرم آتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔"

تیسرا مادہ

فارغ ہونے کے بعد کیا کرنا چاہیے؟

(۱) بیت الخلاء (لیٹرین) سے نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں آگے کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(۲) اور یہ دعاء پڑھے:

«غُفْرَانَكَ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وهو حسن)

"اے اللہ! (میں) تیری مغفرت طلب کرتا ہوں۔"

یا کہے: «اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّى الأَذٰى وَعَافَانِيْ»(سنن ابن ماجة)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے' جس نے مجھ سے گندگی دور کر کے مجھے عافیت دی۔"

یا کہے: «اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَحْسَنَ إِلَيَّ فِيْ أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ»

"سب تعریف اللہ کی ہے' جس نے ابتداء اور آخر میں مجھ پر احسان فرمایا۔"

یا یہ کہے: «اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ أَذَاقَنِيْ لَذَّتَهُ وَأَبْقَي فِيَّ قُوَّتَهُ وَأَذْهَبَ عَنِّيْ أَذَاهُ»

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے' جس نے مجھے خوراک کی لذت سے نوازا' اس کی قوت کو میرے اندر باقی رکھا اور گندگی مجھ سے دور کر دی۔"

تیسری فصل

وضو کا بیان

[اس میں چار مادے ہیں]

پہلا مادہ

وضو کی مشروعیت اور اس کی فضیلت

(۱) کتاب وسنت سے وضو کی مشروعیت ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُواْ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ﴾
(المائدة ٥/ ٦)

''اے ایمان والو! تم نماز کیلئے اٹھو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ۔''

آپ کا ارشار ہے: «لاَ تُقْبَلُ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتّٰي يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري)

''جب تم میں سے کوئی بے وضو ہو جائے تو بغیر وضو کئے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''

(۲) وضو کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان وضو کی بڑی فضیلت ثابت کرتا ہے:

«أَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللهُ بِهِ الخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ، قَالَ: إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلٰى الْمَكَارِهِ وَالْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الصَّلاَةِ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ»(صحيح مسلم)

''کیا میں تمہیں گناہوں کے مٹانے اور درجات کو بلند کرنے والی چیزیں نہ بتاؤں؟ حاضرین نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! (ﷺ) فرمایا ''ناپسندیدگی کے باوجود مکمل وضو کرنا اور مساجد کی طرف چلنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا' یہ دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو تیار رکھنا ہے۔''

نیز فرمایا: «إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ، وَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰي يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ»(رواه مالك وغيره)

''مومن جب وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو آخری ''قطرۂ پانی'' کے ساتھ اس کے چہرے سے سارے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں' جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ''آخری قطرۂ پانی'' کے ساتھ اس کے ہاتھوں کے گناہ گر جاتے ہیں' جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا' حتیٰ کہ (وضو کے بعد) وہ گناہوں سے صاف ہو کر نکل جاتا ہے۔''

دوسرا مادہ

وضو کے فرائض' سنتیں اور مکروہات

* فرائض:

(۱) وضو کے فرائض میں سب سے پہلے دل کا ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وضو کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔"

(۲) پیشانی کے اوپر کے حصوں سے ٹھوڑی کے اختتام تک اور ایک کان کی جڑ سے دوسرے کان کی جڑ تک چہرہ کا دھونا بھی فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"پس اپنے چہرے دھوؤ"

(۳) تیسرا فرض وضو میں دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک (دھوؤ)۔"

(۴) چوتھا فرض پیشانی کے بالوں سے گدی تک سر کا مسح کرنا ہے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور اپنے سروں کا مسح کرو۔"

(۵) پانچواں فرض دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھوؤ)۔"

(۶) اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح میں قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو ملحوظ رکھنا بھی فرض ہے' یعنی پہلے چہرہ دھوئیں' پھر دونوں ہاتھ (کہنیوں سمیت) پھر سر کا مسح کریں' پھر دونوں پاؤں (ٹخنوں سمیت) دھوئیں' اس لئے کہ اللہ کے حکم میں یہی ترتیب [1] مذکور ہے۔

(۷) وضو ایک ہی وقت میں کیا جائے' اعضاء کے دھونے میں وقفہ [2] اور تاخیر نہ ہو' اس لئے کہ عبادت شروع کرنے کے بعد منقطع کرنا ممنوع ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴾ (محمد٤٧/ ٣٣)

---

(۱) اگر ترتیب ضروری نہ ہوتی تو مغسول (دھوئے جانے والے اعضاء) الگ بیان ہوتے اور ممسوح (مسح کئے جانے والے اعضاء) الگ۔ نیز کبھی رسول اللہ ﷺ نے اس ترتیب کو نہیں چھوڑا اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ "اسی سے ابتدا کرو' جس سے اللہ نے ابتدا کی ہے" (الاثری)

(۲) اگر وضو میں توالی (یعنی پے درپے) اور لگاتار بلا توقف دھونا اور مسح کرنا ضروری نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے رسول اللہ ﷺ ایک بار ضرور توقف کر دیتے' حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے۔ (الاثری)

"اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔"

ہاں معمولی فاصلہ معاف ہے' یا کسی عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے۔ مثلاً پانی ختم ہو جائے' منقطع ہو جائے' یا بہہ جائے۔ چاہے فاصلہ طویل ہو' یہ بھی معاف ہے۔ اس لئے کہ:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا"

تنبیہ: بعض لوگ اعضاء کے ملنے کو وضو کے فرائض میں شمار کرتے ہیں اور بعض اسے مسنون قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ اعضاء کو اچھی طرح دھونے میں ہی داخل ہے۔ اس کو الگ نام نہیں دینا چاہئے۔

* سنن وضو:

(۱) وضو کی ابتدا میں بسم اللہ [1] کہنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ»(رواه أحمد وأبوداود بسند ضعيف)

"جو اللہ کا نام نہیں ذکر کرتا اس کا وضو نہیں ہے۔"

(۲) جب نیند سے بیدار ہو تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھونا۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلاَ يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ حَتَّي يَغْسِلَهَا ثَلاَثًا، فَإِنَّهُ لاَ يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے' حتیٰ کہ اسے تین بار دھولے' اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔"

ہاں اگر نیند سے بیدار نہ ہوا ہو تو پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اس وقت ہاتھ سے پانی لے کر تین بار دونوں ہتھیلیاں دھونا مسنون ہے۔

(۳) مسواک کرنا بھی سنت رسول (ﷺ) ہے۔ ارشاد عالی ہے:

«لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ»(موطا مالك)

"اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

(۴) کلی کرنا۔ یعنی منہ میں پانی لے کر صفائی کر کے باہر پھینک دینا' بھی اسی قبیل سے ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ»(رواه أبوداود بإسناد صحيح)

"جب تو وضو کرے تو کلی کر۔"

---

(۱) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔" (الاثری)

(۵) ناک میں پانی داخل کرنا اور اسے صاف کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَالِغْ فِي الاِسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا»(مسند أحمد، سنن أبي داود والسنن ترمذي)

"ناک میں پانی لے جانے میں مبالغہ کر' الا یہ کہ تو روزہ دار ہو۔"

(٦) داڑھی کا خلال کرنا' عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے وضو میں داڑھی کا خلال کیا تو اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا "میں خلال کیوں نہ کروں جبکہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے اپنی داڑھی کا خلال کرتے دیکھا ہے۔" (مسند احمد وسنن ترمذی)

(۷) ہر عضو تین تین بار دھونا مسنون ہے اور ایک بار دھونا فرض ہے۔

(۸) کانوں کے اندرون اور بیرون حصہ کا مسح کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کا فعل اور سنت ہے۔

(۹) ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔ ارشاد عالی ہے:

«إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ»(معناه في ابن خزيمة وصححه)

"جب تو وضو کرے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔"

(۱۰) ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے میں دائیں[1] طرف سے شروع کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَؤُوْا بِمَيَامِنِكُمْ»(مسند أحمد وسنن الترمذي)

"جب تم وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ ﷺ کو جوتے پہننے' کنگھی کرنے' وضو اور سب کاموں میں دائیں طرف پسند تھی۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۱) چہرے' ہاتھوں اور پاؤں کے زیادہ حصہ تک وضو کا پانی پہنچا کر قیامت کے دن کی نورانیت بڑھانا بھی مسنون ہے۔ چہرہ گردن تک دھوئے' بازو بغل تک اور پاؤں پنڈلیوں تک۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مقدس ہے:

«إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"قیامت کے دن میری امت کے چہرے ہاتھ اور پاؤں وضو کے آثار کی وجہ سے منور ہوں گے' تم

---

(۱) وضو میں ترتیب ضروری ہے' جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں پہلے دھوتے رہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں واضح ہے' لہٰذا ترتیب کی فرضیت میں یہ بھی داخل ہے۔ (الاثری)

میں جو اپنی چمک کو لمبا کرنا چاہے تو کر گزرے۔"

(۱۲) سر کا مسح[1] ماتھے کے بالوں سے شروع کرے اور گدی تک لے جائے۔ پھر پیشانی تک واپس لے آئے' رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کے اگلے حصہ سے مسح شروع کیا اور گدی تک لے گئے' پھر انہیں واپس لائے۔"

(۱۳) وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ، وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»(صحيح مسلم وسنن الترمذي)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ "اے اللہ! مجھے توبہ کرنے اور پاک رہنے والوں میں سے بنا"۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ»(صحيح مسلم) و في رواية له: «وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ»

"جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے اور «أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ» دعا پڑھتا ہے' اس کیلئے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' جس سے چاہے گا داخل ہو گا۔" (دوسری دعا سنن ترمذی میں ہے)

* وضو میں ناپسندیدہ امور:

(۱) پلید جگہ میں بیٹھ کر وضو کرنا۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ پلید چھینٹے اس پر پڑ جائیں۔

(۲) تین بار سے زیادہ دھونا۔ حدیث مبارک میں ہے:

---

(۱) سر کے مسح کا فرض طریقہ یہی ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔ اسے مسنون امور میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ (الاثری)

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَقَالَ: مَنْ زَادَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ»(سنن النسائي، مسند أحمد وسنن ابن ماجة)

"نبی ﷺ نے تین تین بار وضو کیا (یعنی اعضائے وضو کو دھویا) اور فرمایا "جو زیادہ کرتا ہے اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔"

(۳) پانی ضائع کرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ایک "مد" [1] پانی کے ساتھ وضو کر لیتے تھے۔ خیال رہے کہ اسراف ہر چیز میں ممنوع ہے۔

(۴) وضو کے ایک یا زیادہ مسنون اعمال کو ترک کر دینا۔ اس لئے کہ اس سے متوقع ثواب فوت ہونے کا امکان ہے' جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

(۵) عورت کے وضو سے بچا ہوا پانی استعمال کرنا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع [2] فرمایا ہے۔ (سنن ترمذی اور انہوں نے اسے حسن کہا ہے)

تیسرا مادہ

وضو کا طریقہ

وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پانی کا برتن دائیں طرف رکھے اور بسم اللہ کہہ کر وضو شروع کرے' وضو کی نیت کے ساتھ پانی دونوں ہتھیلیوں پر ڈالے اور انہیں تین بار دھوئے' پھر تین بار کلی کرے' پھر تین بار ناک میں پانی کھینچے اور اسے صاف کرے' پھر چہرہ سر کے بالوں سے شروع کر کے داڑھی کے اختتام تک لمبائی میں اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک دھوئے' تین بار ایسا کرے' پھر دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھوئے اور انگلیوں کا خلال کرے' پھر اسی طرح بایاں ہاتھ۔ پھر ایک بار سر کا مسح کرے' وہ اس طرح کہ سر کے اگلے حصہ سے شروع کر کے دونوں ہاتھ گدی تک لے جائے' پھر انہیں واپس لوٹائے اور مسح کرتا ہوا سر کے اگلے حصہ تک واپس لے آئے۔

---

(۱) اس کا وزن ۶۲۵ گرام ہے۔

(۲) امام نووی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف' امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن اور ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ جبکہ جمہور بلا کراہت عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ اور اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں۔ یا وہ پانی مراد لیتے ہیں جو استعمال شدہ ہو' اس لئے کہ احادیث صحیحہ سے (عورت کے بچے ہوئے پانی سے) وضو کا جواز ثابت ہے۔ (دیکھئے تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ج ۱'ص ۶۵)

پھر دونوں کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرے' اس تری کے ساتھ جو سر کے مسح کے بعد ہاتھوں میں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اگر ہاتھ خشک ہو گئے ہیں تو نیا پانی لے لے۔ پھر دایاں پاؤں ٹخنے تک تین بار دھوئے اور پھر بایاں پاؤں بھی اسی طرح دھوئے' پھر یہ دعا مانگے:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ، وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»(صحيح مسلم وسنن الترمذي)

"میں گواہی دیتا ہوں ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنا۔"

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور دونوں ہتھیلیاں اچھی طرح دھوئیں' پھر تین بار کلی کی' پھر تین بار ناک میں پانی داخل کیا اور تین بار چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھ تین بار دھوئے اور پھر سر کا ایک بار مسح کیا' پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے' پھر کہا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ بتانا چاہ رہا ہوں۔ (سنن ترمذی اور اسے صحیح کہا ہے)

چوتھا مادہ

نواقض وضو

(ا) دونوں راستوں سے نکلنے والی چیزیں' یعنی پیشاب' منی' مذی' ودی' پاخانہ اور ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کو حدث کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں یہی مراد ہے:

«لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلاَةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّي يَتَوَضَّأَ»(صحيح بخاري)

"اللہ تعالیٰ بے وضو ہونے والے کی نماز قبول نہیں کرتا' یہاں تک کہ وہ نیا وضو کرے۔"

(۲) لیٹ کر گہری نیند بھی "ناقض وضو" ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ»(رواه أبوداود وابن ماجة)

"آنکھ دبر (یعنی پیٹھ) کا بندھن ہے' جو سو جائے' اسے چاہئے کہ وضو کرے۔"

(۳) بے ہوشی' نشہ یا جنون کی وجہ سے عقل کا ماؤف ہونا۔ اس لئے کہ اس حالت میں انسان کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ ہوا خارج ہونے کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں۔

(۴) ہتھیلی اور انگلیوں کے ساتھ شرم گاہ کو ہاتھ لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلاَ يُصَلِّ حَتَّي يَتَوَضَّأَ»(سنن الترمذي وصححه)

"جو اپنی شرمگاہ کو (بغیر کسی کپڑے وغیرہ کے) ہاتھ لگائے' وہ (نیا) وضو کئے بغیر نماز نہ پڑھے۔"

(۵) "ارتداد" بایں طور کہ کوئی کفریہ لفظ بول دے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور تمام تعبدی (عبادت کے) اعمال باطل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۶۵)

"اگر تونے شرک کیا تو تیرے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔"

(۶) اونٹ کا گوشت کھانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "کیا ہم بھیڑ' بکری کے گوشت سے وضو کریں؟" فرمایا "اگر تو چاہے (تو کر لے)" عرض کی "کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟" فرمایا "ہاں۔" (صحیح مسلم)

البتہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے قائل نہیں' اس لئے کہ یہ حدیث منسوخ [1] ہے۔ جمہور صحابہ" جن میں خلفاء راشدین بھی داخل ہیں' اونٹ کے گوشت سے وضو نہیں کرتے تھے۔

(۷) عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا۔ اس لئے کہ شہوت کا ارادہ شہوت کے حکم میں ہے اور "ناقض وضو" [2] ہے' جیسا کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم صادر ہوا ہے' اس لئے کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانا شہوت کو ابھارتا ہے اور مؤطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عورت کو بوسہ دینا اور اسے ہاتھ لگانا «مُلَامَسَة» ہے' جو اپنی عورت کو بوسہ دے' یا اسے ہاتھ لگائے اس پر وضو ہے۔

وضو کی مستحب صورتیں:

(۱) "سلسل البول" میں مبتلا شخص (جسے پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں) یا جس کی ہوا خارج ہوتی رہتی ہے' اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کی تجدید کرے' جیسا کہ استحاضہ والی

---

(۱) "نسخ" میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم یہ ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو ضروری نہیں ہے" مگر بوجوہ اس سے "نسخ" ثابت نہیں ہوتا' اولاً اونٹ کے گوشت سے وضو کرنے کا حکم آگ کی پکی چیز سے وضو نہ کرنے کے حکم کے بعد صادر ہوا تھا' ثانی الذکر کے "نسخ" سے اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹنے کی تنسیخ کیسے ہو گئی؟ ثانیاً حدیث جابر رضی اللہ عنہ عام ہے اور اونٹ کے گوشت والی حدیث خاص ہے۔ عام کے "نسخ" سے خاص کا "نسخ" ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص عام پر مقدم قرار پاتا ہے۔ (الاثری)

(۲) اس نظریہ کے قائلین کا اصل استدلال آیت مبارکہ ﴿ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ ﴾ ہے' جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول میں بھی یہی اشارہ ہے' جبکہ صحیح تفسیر یہ ہے کہ «مُلَامَسَة» سے مراد جماع ہے' دوسرے معانی نہیں' اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کو بوسہ دیا تھا اور وضو نہیں کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (الاثری)

عورت کیلئے حکم ہے۔

(۲) استحاضہ والی وہ عورت ہے جسے ایام عادت کے علاوہ خون آتا رہے' اس کیلئے بھی مستحب یہی ہے کہ وہ "سلسل البول" کے مریض کی طرح ہر نماز کیلئے نیا وضو کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا:

«ثُمَّ تَوَضَّئِيْ لِكُلِّ صَلَاةٍ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي، وسنن النسائي)

"پھر تو ہر نماز کیلئے وضو کرے"

(۳) میت کو غسل دینے والا' یا جنازہ اٹھانے والا شخص بھی وضو کر لے تو بہتر ہے۔ حدیث نبویؐ میں ہے:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»(مسند أحمد، سنن النسائي وسنن الترمذي وحسنه ـ وقال أحمد: لا يصح في هذا الباب شيء)

"جو میت کو غسل دے وہ نہائے اور جو اٹھائے وہ وضو کرے۔"

چونکہ حدیث ضعیف ہے' لہٰذا علماء نے احتیاطاً وضو کرنا مستحب بتایا ہے۔

چوتھی فصل

غسل کا بیان

[اس میں چار مادے ہیں]

پہلا مادہ

غسل کی مشروعیت اور اس کے موجبات

* غسل کی مشروعیت:

غسل کا مشروع ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُواْ ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اور اگر تم جنبی ہو جاؤ تو نہاؤ۔"

اور فرمایا: ﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُواْ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) حتیٰ کہ تم غسل کرلو' مگر یہ کہ راہ چلتے مسافر ہو"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا تَجَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»(صحيح مسلم)

"(جب مرد کی) شرم گاہ (عورت کی) شرم گاہ میں تجاوز کرے تو غسل واجب ہو گیا۔"

* غسل کو واجب کرنے والے امور:

(ا) جنابت سے غسل واجب ہو جاتا ہے، یعنی جب مرد عورت سے جماع کرے، خواہ منی کا انزال ہو یا نہ ہو، غسل لازم ہو جاتا ہے اور اگر نیند میں ہے تو منی کے خارج ہونے سے ہی غسل ضروری ہو گا، محض خواب سے نہیں۔ مرد اور عورت اس حکم میں برابر ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ﴾ (المائدة ٥/ ٦)

"اور اگر تم جنبی ہو تو نہالیا کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»(صحيح بخاري)

"جب دونوں (کی) شرم گاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا۔"

(۲) ماہواری اور نفاس کا خون منقطع ہونے پر بھی غسل لازم ہے۔

حکم خداوندی ہے: ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ﴾ (البقرة ٢/ ٢٢٢)

"حیض (کے دنوں) میں عورتوں سے الگ رہو اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ۔ جب پاک ہو جائیں تو جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، جا سکتے ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اُمْكُثِيْ قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ»(صحيح مسلم)

"جتنے دن تجھے حیض آتا تھا، اتنے دن ٹھہری رہ، پھر غسل کر۔"

(۳) اسلام قبول کرنے پر بھی نہانا ضروری ہے۔ کفار میں سے جو اسلام قبول کرے، اس پر نہانا واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ بن اثال الحنفی (یہ بنو حنیفہ کی طرف نسبت ہے) کو اسلام قبول کرنے کے وقت نہانے کا حکم دیا تھا۔ (صحیح مسلم)

(۴) موت بھی غسل واجب کر دیتی ہے، اس لئے کہ مسلمان جب مر جاتا ہے تو اس کو غسل دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ زینب بنت رسول اللہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ان کو غسل دینے کا آپ نے حکم ارشاد فرمایا تھا۔

کن صورتوں میں نہانا مستحب ہے؟

(۱) جمعہ کیلئے: کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«غُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جمعہ کیلئے نہانا ہر بالغ شخص پر واجب (ثابت) ہے۔"

(۲) احرام کیلئے: عمرہ یا حج کے احرام سے پہلے نہانا مسنون ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی نہائے تھے اور اس کا حکم بھی دیا تھا۔

(۳) مکہ میں داخل ہونے اور عرفات میں وقوف کیلئے: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ان مواقع پر نہائے تھے۔

(۴) میت کو غسل دینے سے: جو میت کو نہلائے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ غسل کر لے' (ضعیف حدیث' ہے)

دوسرا مادہ

غسل کے فرائض' سنتیں اور مکروہات

* غسل کے فرائض:

(۱) نیت کرنا: جنابت زائل کرنے کے لئے نہانے کا دل میں ارادہ ضروری ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰى»(صحيح بخاري)

"عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کیلئے وہی کچھ ہے جو وہ ارادہ کرے۔"

(۲) جسم کے ہر حصے تک پانی پہنچانا' جہاں تک ہاتھ پہنچ سکے' جسم کو خوب ملنا چاہئے اور پانی اس حد تک اوپر بہایا جائے کہ یقین ہو جائے کہ کوئی جگہ خشک نہیں رہی۔

(۳) انگلیوں اور بالوں کا خلال کرنا اور جس جگہ امکان ہو کہ پانی نہیں لگے گا' جیسے ناف کا اندرونی حصہ' وہاں اہتمام کے ساتھ پانی پہنچانا اور خشک جگہ کو تر کرنا ضروری ہے۔

* غسل کی سنتیں:

(۱) بسم اللہ پڑھنا یاد رہے کہ ہر اچھے کام کی ابتدا اللہ کے نام سے ہونی چاہئے۔

(۲) برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کو دھونا۔

(۳) پہلے پلیدی زائل کرنا۔

(۴) سارے جسم کے دھونے سے پہلے وضو کے اعضاء سے پہل کرنا۔

(۵) کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' کانوں کے سوراخوں یعنی باطن کو دھونا۔

* غسل کے مکروہات:

(۱) پانی زیادہ استعمال کرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع (۲۵۰۰ گرام) پانی کے ساتھ غسل کیا تھا۔

(۲) پلید جگہ میں بیٹھ کر نہانا' اس لئے کہ چھینٹے لگنے سے جسم پلید ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل [۱] کرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ نہانے سے منع کیا ہے' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۴) دیوار وغیرہ کا پردہ کیے بغیر کھلی جگہ میں نہانا۔ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کیلئے پانی رکھا اور آپ کے لئے پردہ کیا' پھر آپ نہائے۔ اگر پردہ کے بغیر نہانا ناپسند نہ ہوتا تو وہ پردہ نہ لگاتیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ»(سنن أبي داود)

"بے شک اللہ حیا والا اور بہت پوشیدہ ہے' حیا پسند کرتا ہے' جب تم میں سے کوئی نہائے تو چھپ کر نہائے۔"

(۵) ٹھہرے ہوئے پانی میں نہانا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ»(صحیح مسلم)

"تم میں سے کوئی جنبی حالت میں' کھڑے پانی [۲] میں غسل نہ کرے۔"

تیسرا مادہ — غسل کا طریقہ

"بسم اللہ" کہہ کر غسل شروع کرے اور اس نیت سے کہ وہ حدث اکبر (جنابت) زائل کر رہا ہے' اپنی دونوں ہتھیلیاں تین بار دھوئے' پھر استنجاء کرے اور شرم گاہ سے ہر طرح کی آلائش صاف کرے' پھر وضو کرے۔ البتہ پاؤں وضو کے ساتھ دھونا بھی جائز ہے اور غسل کے آخر میں دھوئے تو بھی جائز ہے۔ پھر

---

(۱) احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک زوجہ محترمہ کے بچے ہوئے پانی سے نہانے لگے تو بی بی نے عرض کی "میں جنبی تھی۔" آپ نے فرمایا "پانی جنبی نہیں ہوتا۔" (سنن ترمذی و صحیح ابن خزیمہ) اس لئے احتیاط کے ساتھ غسل کرنے والی عورت کے بچے ہوئے پانی سے نہانا بلاکراہت جائز ہے۔ (الاثری)

(۲) کھڑے پانی میں نہانا "نہی" کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ "درجہ' کراہت" سے زیادہ ہے۔ (الاثری)

دونوں ہتھیلیاں پانی سے تر کرے اور سر کے بالوں کی جڑوں میں ان کو داخل کرے [1] اور سر کو کانوں سمیت تین بار دھوئے' پھر جسم کے دائیں پہلو پر پانی بہائے اور اوپر سے نیچے تک دھوئے' پھر اسی طرح بایاں پہلو۔ نیز ناف کے اندر' بغلوں کے نیچے' گھٹنوں کے نیچے اہتمام کے ساتھ پانی بہائے' اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت سے غسل کا ارادہ کرتے تو برتن میں داخل کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے اور وضو کرتے' جس طرح نماز کیلئے وضو ہوتا ہے' پھر بالوں کو پانی سے اچھی طرح تر کرتے' پھر تین بار سر پر پانی ڈالتے اور پھر سارے جسم پر پانی بہاتے۔ (سنن ترمذی اور انہوں نے اسے صحیح کہا ہے)

چوتھا مادہ — جنابت کی وجہ سے کیا کچھ ممنوع ہوتا ہے؟

(۱) قرآن پاک پڑھنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لاَ تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(سنن الترمذي وهو معلول)

"حیض والی عورت اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآن پڑھاتے تھے"۔ (سنن ترمذی اور انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) (البتہ "تعوذ" یعنی «اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم» وغیرہ جنابت میں پڑھنا جائز ہے۔ مترجم)

(۲) مساجد میں داخل ہونا۔ الا یہ کہ راستہ کے طور پر اس میں سے (بغیر ٹھہرے) گزر جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ ﴾ (النساء/ ٤٣)

"اور نہ جنبی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) مگر راستہ سے گزرتے ہوئے۔"

(۳) نماز پڑھنا۔ فرض ہو یا نفل۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقْرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُواْ ﴾ (النساء/ ٤٣)

---

(۱) غسل جناب میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا مرد کے ساتھ خاص ہے عورت بال کھولے بغیر تین لپ پانی ڈال کر سر کو ملے گی دلیل: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرے سر کے بال بہت گندھے ہوئے ہیں' کیا میں غسل جناب کے لیے انہیں کھول دیا کروں؟ فرمایا "نہیں' تجھے یہی کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لے" (سنن ترمذی) (مؤلف)

"اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنبی حالت میں' مگر راستہ میں گزرتے ہوئے یہاں تک کہ نہالو۔"

(۴) قرآن کو ہاتھ لگانا۔

فرمان ربانی ہے: ﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴾ (الواقعة ٥٦/ ٧٧-٧٩)

"یہ (بڑے) رتبے کا قرآن ہے' (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے) اسے صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَلاَ تَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلاَّ وَأَنْتَ طَاهِرٌ» (سنن الدارقطني وهو صحيح)

"اور پاک حالت کے بغیر قرآن کو ہاتھ نہ لگا۔"

پانچویں فصل

تیمم کا بیان

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ — تیمم کی مشروعیت اور کس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟

* "تیمم" کی مشروعیت قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٤٣)

"اور اگر تم بیمار ہو' یا سفر میں ہو' یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے آیا ہو' یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم کرلو۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلصَّعِيْدُ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ» (سنن النسائي وصحيح ابن حبان وهو صحيح)

"پاک مٹی مسلمان کیلئے وضو کا کام کرتی ہے' چاہے وہ دس سال پانی نہ پائے۔"

* جو شخص پانی تلاش کرتا ہے اور اسے نہیں ملتا' یا پانی موجود ہے' مگر بیماری کی وجہ سے استعمال کرنے پر قادر نہیں' یا بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہے' یا وہ بیماری کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور کوئی دینے والا بھی نہیں ہے تو ان تمام صورتوں میں تیمم کر سکتا ہے۔[1]

اگر پانی قلیل مقدار میں ہو' جس سے بعض اعضاء دھو سکتا ہے تو ان اعضاء کیلئے پانی استعمال کرلے' باقی کیلئے تیمم کرے' کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"اپنی استطاعت کے مطابق اللہ سے ڈرو"۔

دوسرا مادہ

تیمم کے فرائض اور اس کی سنتیں

* تیمم کے فرائض:

(۱) نیت: حدیث میں ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى»(صحيح بخاري)

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کیلئے وہی ہے جو وہ نیت کرے۔"

لہٰذا "تیمم" کرتے وقت دل میں یہ ارادہ ضروری ہے کہ اس ذریعہ سے وہ نماز وغیرہ کی ادائیگی اپنے لئے جائز کر رہا ہے' جو کہ اس سے قبل ممنوع تھی۔

(۲) مٹی کا پاک ہونا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

"پھر پاک مٹی کا قصد کرو۔"

(۳) ایک بار دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارنا۔

(۴) چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کرنا۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ فَٱمْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٤٣)

---

(۱) اگر پانی ٹھنڈا ہے اور اسے گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور "ظن غالب" بھی یہ ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی بیمار ہو جائے گا تو ایسی صورت میں "تیمم" کر کے نماز پڑھ لے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد میں "جید سند" سے مروی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ایسے ہی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی تھی۔ (مؤلف)

"اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔"

* تیمم کی سنتیں:

(۱) "بسم اللہ" سے شروع کرنا۔ اس لئے کہ یہ ہر اچھے کام سے پہلے مشروع ہے۔

(۲) دوسری بار مٹی پر ہاتھ مارنا۔ اس لئے کہ ایک بار ایسا کرنا فرض ہے اور کافی ہے' جبکہ دوسری بار مسنون ہے۔[۱]

(۳) ہتھیلیوں کے ساتھ کہنی تک کا مسح کرنا'[۲] اس لئے کہ ہتھیلیوں کا مسح بھی کافی ہے' مگر احتیاطاً کلائی کا مسح کرلے' اس لئے کہ آیت تیمم میں "ایدیکم" کے معنی میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد صرف ہتھیلیاں ہیں یا کہنیوں تک کا ہاتھ بھی اس میں داخل ہے۔

تیسرا مادہ — نواقض تیمم اور جو کام تیمم سے جائز و مباح ہیں

* نواقض تیمم:

تیمم دو وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے (۱) وہ سب امور جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے "تیمم" چونکہ وضو کا بدل ہے' لہٰذا ان سے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ (۲) نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل جائے' یا نماز کے دوران ہی پانی حاصل ہو جائے تو بھی تیمم ختم ہو جائے گا اور وضو کرنا ضروری ہو گا۔ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی حاصل ہوا تو اس صورت میں نماز درست ہو گی اور اس کا اعادہ ضروری نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تُصَلُّوا صَلاَةً فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ»(سنن النسائي، سنن أبي داود، مسند أحمد، صحيح ابن حبان وصححه ابن السكن)

"ایک دن میں ایک نماز دو بار نہ پڑھو۔"

* "تیمم" سے کون سے امور مباح ہو جاتے ہیں؟

---

(۱) صحیح احادیث میں "تیمم" کا طریقہ ایک بار مٹی پر ہاتھ مارنا ہے۔ دوسری مرتبہ کی روایت مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔ بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے "موقوف" مروی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "تیمم" میں زمین پر ایک بار دونوں ہاتھ مارے اور چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ (الاثری)

(۲) صحیح احادیث سے صرف ہتھیلیوں کا مسح کرنا ثابت ہے' باقی رہا "وَأَيْدِيَكُمْ" کا لفظ تو رسول اللہ ﷺ اس کو بہتر جانتے تھے چنانچہ آپ نے صرف ہتھیلیوں پر اکتفا کیا ہے' گویا آپ کا فعل اس لفظ کی تفسیر ہے۔ (الاثری)

نماز' طواف' قرآن کو ہاتھ لگانا' قرأت قرآن' مسجد میں ٹھہرنا اور وہ تمام امور جو پہلے بے وضو ہونے کی وجہ سے جائز نہیں تھے "تیمم" سے جائز ہو گئے ہیں۔

چوتھا مادہ

تیمم کا طریقہ

"بسم اللہ" کہے اور دل میں اس کام کے مباح ہونے کا ارادہ کرے' جس کیلئے وہ تیمم کر رہا ہے اور دونوں ہتھیلیاں زمین پر مارے۔ مٹی ہو یا ریت' پتھر ہو یا شوریلی زمین' سب جگہ جائز ہے اور دونوں ہاتھوں کو گرد سے جھاڑ لے تو کوئی حرج نہیں ہے' پھر ایک ہی بار چہرے کا مسح کرے اور اگر چاہے تو دوبارہ زمین پر مارے اور ہتھیلی' کلائی اور کہنیوں تک کا مسح کرے' یہ جائز ہے اور اگر ہتھیلی کے مسح پر ہی اکتفا کر لے تو بھی جائز ہے۔

ایک سوال: اگر "تیمم" نہیں ٹوٹا تو کیا ایک "تیمم" سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے؟

جواب: مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے' نیز اس میں کوئی صریح نص بھی موجود نہیں ہے' جس سے کسی ایک پہلو کا اثبات ہو سکے' تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ہر نماز کیلئے الگ [1] "تیمم" کرے۔

چھٹی فصل

موزوں اور پٹیوں پر مسح

[اس میں تین مادے ہیں]

موزوں اور پٹیوں پر مسح کی مشروعیت

موزے اور جو چیزیں ان کی اسی افادی حیثیت میں مساوی ہیں' مثلاً جرابیں' موق (باریک موزوں پر موٹے موزے) اور تساخین (موزے) ان پر مسح کرنا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں وضو کی آیت مبارکہ ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ ﴾ میں ایک قرأت جر کے ساتھ ہے' یہ اس وقت ہے جب اس کا عطف ﴿ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ ﴾ پر ہو' تب یہ پاؤں پر (یعنی موزوں اور جرابوں پر) مسح کے جواز پر دلالت

---

(1) اگر نصوص سے "تیمم" کے وضو کا قائم مقام ہونا مسلم ہے تو پھر "وضو" اور "تیمم" میں یہ تفریق صریح نص کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہذا راجح یہی ہے کہ ایک "تیمم" سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ (الاثری)

کرے گا اور "جواز مسح" سنت سے ثابت ہے بھی رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا وَلْيُصَلِّ، وَلاَ يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلاَّ مِنْ جَنَابَةٍ»(سنن الدارقطني ومستدرك حاكم وصححه)

"اگر تم میں سے کوئی وضو کرنے کے بعد موزے پہنے تو (اگلے وضو میں) ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لے' اور ماسوائے جنابت کے اگر چاہے تو موزے نہ اتارے۔"

اس حدیث میں موزوں پر مسح کی مدت کا اظہار نہیں ہے' مگر ایک اور حدیث میں وقت کی پابندی کا بیان ہے' جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

پٹیوں پر مسح کی مشروعیت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہے' جو آپ نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا' جس کا سر زخمی ہو گیا تھا اور نہانے سے فوت ہو گیا تھا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُعَصِّبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ»(سنن أبي داود)

"اسے یہی کافی تھا کہ "تیمم" کرتا' زخم پر پٹی باندھتا اور اس پر مسح کر لیتا اور پھر باقی جسم کا غسل کر لیتا۔"

دوسرا مادہ: مسح کی شرائط:

موزوں پر مسح کی شرائط حسب ذیل ہیں:

(۱) موزے یا جرابیں وغیرہ باوضو ہو کر پہنے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو' جب انہوں نے آپ کے موزے اتارنے کی کوشش کی' فرمایا:

«دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"انہیں رہنے دے' میں نے جب یہ پہنے تھے تو باوضو تھا۔"

(۲) موزے پاؤں کے اس حصے کو ڈھانپتے ہوں' جس کا دھونا ضروری ہے۔

(۳) اتنے موٹے ہوں کہ ان کے نیچے سے پاؤں کا چمڑا نہ نظر آتا ہو۔

(۴) مقیم کیلئے "مدت مسح" ایک دن اور ایک رات ہے' اس سے زائد نہیں اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ»(صحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے مسافر کیلئے (مسح کی مدت) تین دن اور تین راتیں اور مقیم کیلئے ایک دن اور

ایک رات مقرر فرمائی ہے۔"

(۵) مسح کے بعد ان کو اتارا نہ ہو' اگر موزے وغیرہ اتار لئے تو پاؤں کا دھونا ضروری ہو جائے گا' ورنہ وضو باطل قرار پائے گا۔

(٦) پٹی پر مسح کیلئے پٹی باندھنے سے پہلے باوضو ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ کوئی مدت کی شرط ہے' البتہ یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ زخم کی جگہ سے زیادہ جگہ پر جس کا دھونا ضروری تھا' پٹی نہ باندھی ہوئی ہو۔ اتنی جگہ پر پٹی ہو جس کے باندھنے کیلئے ضرورت ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ زخم ٹھیک ہونے پر اس کا دھونا ضروری ہو جائے گا' اگر پٹی گر گئی یا زخم درست ہو گیا تو مسح باطل اور دھونا فرض ہو گا۔

تنبیہ:

(۱) سردی یا سفر کی ضرورت کی بنا پر پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فِيْ سَفَرِهِ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ»(صحيح مسلم)

"نبی ﷺ نے دوران سفر وضو کیا اور پیشانی کے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا۔"

اس کی صورت یہ ہو گی کہ کچھ پیشانی کے بالوں پر اور باقی پگڑی پر مسح کیا جائے' جیسا کہ حدیث میں ہے۔

(۲) موزے' پٹی اور سر کے ڈھانپنے والے کپڑے پر مسح کرنے میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے' جس طرح مردوں کیلئے ان اشیاء پر مسح کرنا جائز ہے' ایسے ہی عورتوں کیلئے بھی جائز ہے۔

تیسرا مادہ

مسح کرنے کا طریقہ

موزے پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کو تر کرکے پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے شروع کرکے پنڈلی تک چھوتا ہوا لائے۔ اور یہ صرف اوپر کے حصے پر ہی کرنا ہو گا' نیچے کی طرف نہیں۔ جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ»(رواه أبوداود وإسناده حسن)

"اگر دین رائے کی بنیاد پر ہوتا تو موزے کے نچلے حصہ کا مسح اوپر کے مسح سے بہتر ہوتا۔"

اور پٹیوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ بھگو کر پٹی کے اوپر ایک بار پھیر لیا جائے۔

ساتویں فصل

حیض و نفاس کا بیان

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ — حیض و نفاس کی تعریف اور ان کے احکام

* حیض : حیض اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے اور معلوم اوقات میں اس کی وہ عادی ہوتی ہے اور اس میں اولاد کی تربیت کی حکمت مضمر ہے۔ اس کا کم سے کم وقت ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن۔ اور عام طور پر چھ یا سات دن آتا رہتا ہے۔

طہر (یعنی حیض کے علاوہ باقی دنوں) کی کم از کم مدت تیرہ یا پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ عام طور پر طہر تئیس یا چوبیس دن رہتا ہے۔ اس بارے میں عورتوں کی تین اقسام ہیں: پہلی بار حیض والی عورت۔ دوسری وہ عورت جس کے ہاں حیض کی ایک عادت معلوم ہے۔ تیسری استحاضہ والی عورت۔ ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں۔

جسے پہلی بار حیض آیا ہے وہ خون دیکھتے ہی نماز' روزہ اور جنسی ملاپ ترک کر دے اور ایام طہر (پاکیزگی کے دنوں) کا انتظار کرے۔ ایک دن رات کے بعد پاک ہو جائے' یا پندرہ دن کے بعد تو اسکے بعد نہائے اور نماز پڑھے' اگر پندرہ دن کے بعد بھی خون جاری رہے تو وہ "مستحاضہ" سمجھی جائے گی اور "استحاضہ" کے احکام کی پابندی کرے گی۔

اگر پندرہ دنوں کے دوران اسے ایک دو دن خون آتا ہے اور پھر منقطع ہو جاتا ہے تو "طہر" کے دنوں میں نہا کر نماز پڑھے گی اور "ایام خون" میں رک جائے گی۔

اور جس کے ہاں حیض کی ایک عادت معلوم ہے کہ ہر مہینہ میں مقررہ ایام میں اسے ماہواری آتی ہے تو وہ ایام عادت میں نماز' روزہ اور جنسی ملاپ ترک کر دے گی۔ ایام عادت کے بعد اگر خون کا پیلا یا گدلا رنگ دیکھے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كُنَّا لاَ نَعُدُّ الصُّفْرَةَ أَوِ الْكُدْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا»(صحيح بخاري)

"ہم "آغاز طہر" کے بعد پیلے یا مٹیالے رنگ کی کچھ پروا نہیں کرتی تھیں۔" (اسے حیض شمار نہیں

کرتی تھیں)

ہاں اگر ایام عادت میں ایسا رنگ دیکھے تو وہ حیض ہی شمار ہو گا۔ تب وہ غسل کر کے نماز روزہ شروع نہیں کر سکتی[1]۔

"مستحاضہ" وہ عورت ہے جس کا خون مسلسل جاری رہے' اگر اس سے پہلے اس کی کوئی "عادت معروفہ" ہو تو اس کے مطابق ہی حیض اور طہر کے دن شمار کرلے' یعنی جتنے دن پہلے اسے حیض آتا تھا' وہ دن حیض میں شمار کرے اور باقی "طہر" کے دن شمار ہوں گے۔ ان دنوں میں غسل کے بعد نماز' روزہ اور وطی' سب جائز ہیں اور اگر پہلے سے کوئی "عادت معروفہ" اسے حاصل نہیں ہے' یا عادت تھی مگر اسے اس کا نسیان ہو گیا ہے تو پھر غور کرے' اگر حیض کے خون کی تمیز سیاہ یا سرخ رنگ کے ذریعہ ہو سکتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرے' اگر رنگ سے بھی امتیاز کرنا اس کیلئے ممکن نہیں ہے تو پھر ہر ماہ چھ یا سات دن حیض کے بنائے اور باقی ایام "استحاضہ" کے قرار دے' جن میں نماز اور روزہ کی ادائیگی کرے گی۔

"استحاضہ" کے دنوں میں عورت ہر نماز کیلئے وضو کرے' پٹی باندھے اور نماز پڑھے' چاہے خون کثرت سے ہی جاری ہو اور اس صورت میں ضرورت کے بغیر اس سے مجامعت نہیں کرنی چاہئے۔ درج ذیل احادیث "مستحاضہ" عورت کے مذکورہ بالا احکام کی دلیل ہیں:

(ا) ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

«إِنَّهَا اسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي امْرَأَةٍ تُهْرَاقُ الدَّمَ، فَقَالَ: لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلاَةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فَإِذَا خَلَفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ»(سنن أبي داود وسنن نسائي وإسناده حسن)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جسے بہت خون آرہا تھا تو آپ نے فرمایا "استحاضہ کے آنے سے قبل مہینے میں جتنے دن اور راتیں وہ حیض میں گزارتی تھی' اس کے برابر انتظار کرے اور نماز ترک کردے' جب وہ دن گزر جائیں تو نہائے اور کپڑے کی لنگوٹ باندھے اور نماز پڑھے۔"

(ا) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایام عادت کے بعد خون جاری رہنے کی صورت میں تین دن تک دیکھے' پھر نہا کر نماز پڑھے۔ اس صورت میں اگر خون پندرہ دن سے تجاوز کر گیا تو یہ "مستحاضہ" کے حکم میں ہو گی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ "ایام عادت" کے بعد اگر خون جاری رہے تو نماز ترک نہ کرے۔ ہاں اگر دو یا تین بار ایسا ہو گیا تو پھر گویا وہی عادت قرار پائے گی۔ ظاہرا یہی رائے قوی ہے۔ (مؤلف)

یہ حدیث' عادت والی مستحاضہ کے لئے دلیل ہے۔

(۲) فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا استحاضہ کی بیماری میں مبتلا تھیں' انہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي، فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ»(سنن أبي داود وسنن النسائی وصححه ابن حبان)

"اگر حیض کا خون ہو وہ تو سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے' اگر یہی ہے تو نماز سے رک جا اور اگر کوئی اور رنگ ہے تو وضو کر اور نماز پڑھ' اس لئے کہ یہ ایک رگ (استحاضہ) کا خون ہے۔"

یہ حدیث غیر معتادہ (یعنی جو عادت والی نہ ہو) یا جسے عادت بھول گئی ہو' کے مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے۔

(۳) حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

«كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَسْتَفْتِيْهِ، فَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ اغْتَسِلِيْ، فَإِذَا اسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّيْ أَرْبَعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًاأَوْ ثَلَاثَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا، وَصُوْمِيْ وَصَلِّيْ، فَإِنَّ ذٰلِكِ يُجْزِئُكِ، وَكَذٰلِكِ فَافْعَلِيْ كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ»(سنن الترمذي وصححه)

"میں سخت "استحاضہ" میں مبتلا تھی' نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا کہ کیا کروں؟ آپ نے فرمایا "یہ شیطان کی طرف سے دھکا ہے' چھ دن یا سات دن حیض کے شمار کر' پھر نہا لے' جب صاف ہو جائے تو چوبیں یا تیئس دن نماز پڑھ اور روزے رکھ' یہی تجھے کافی ہے اور ہر ماہ اسی طرح کرتی رہ' جس طرح کہ عام عورتیں ایام ماہواری گزارتی ہیں۔"

یہ حدیث ان عورتوں کیلئے ہے جن کی نہ کوئی عادت مقرر ہو اور نہ ہی وہ حیض اور غیر حیض کا امتیاز کر سکتی ہوں۔

✽ **نفاس:** نفاس وہ خون ہے جو ولادت کے بعد عورت کی شرم گاہ سے خارج ہوتا ہے۔ اس کے کم سے کم کی کوئی حد نہیں' جب بھی عورت پاک صاف ہو جائے تو نہا کر نماز پڑھنی شروع کر دے۔ ہاں چالیس روز سے قبل اس سے وطی (جماع کرنا) مناسب نہیں ہے' اسلئے کہ اس سے ایذا اور تکلیف لاحق ہونے کا اندیشہ ہے' نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے' اس لئے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَجْلِسُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا»(سنن أبي داود، سنن الترمذي وسنن ابن ماجة)

"نفاس والی عورتیں چالیس دن انتظار کرتی تھیں۔"

نیز فرماتی ہیں "میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بچہ جنم دینے کے بعد کتنے دن انتظار کرے، تو آپ نے فرمایا:

«أَرْبَعِينَ يَوْمًا إِلاَّ أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ»(سنن ترمذي وأعله بالغرابة وصححه الحاكم)

"چالیس دن انتظار کرے، الا یہ کہ اس سے پہلے پاک صاف ہو جائے۔"

وہ اس طرح کرے گی کہ چالیس دن گزرنے کے بعد نہائے، نماز پڑھے اور روزے رکھے، چاہے پاک صاف ہوئی ہے، یا خون آرہا ہے۔ ہاں اگر اسے خون آرہا ہے تو مستحاضہ کی طرح اس کے احکام ہوں گے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نفاس والی عورت پچاس دن یا ساٹھ دن انتظار کرے۔ مگر دینی طور پر احتیاط اسی میں ہے کہ وہ چالیس دن ہی نفاس کے شمار کرے۔

دوسرا مادہ

طہر کی پہچان

"طہر" کی پہچان دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ اولاً: عورت کو خالص سفید پانی آنا شروع ہو جائے۔ ثانیاً: بالکل خشک ہو جائے۔ روئی کا ٹکڑا اندر لے جائے اور باہر نکالے، اگر بالکل خشک ہے تو "طہر" کی نشانی ہے، سونے سے پہلے اور بعد ازاں اسی طرح کرے، تاکہ معلوم ہو وہ نفاس سے پاک وصاف ہے یا نہیں۔

تیسرا مادہ

حیض ونفاس میں کیا منع اور کیا جائز ہے؟

* حیض و نفاس کے ایام میں ممنوع اعمال:

(۱) حیض ونفاس والی عورت سے مجامعت کرنا منع ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۲)

"اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ۔"

(۲) نماز اور روزہ بھی ممنوع ہے۔ البتہ پاک ہونے کے بعد روزے کی قضا دے گی۔ جبکہ نماز کی قضا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ»(صحيح بخاري)

"کیا ایسا نہیں کہ جب عورت حیض والی ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔"

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا

اور نماز کی قضا کا نہیں۔" (صحیح بخاری)

(۳) مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلاَ جُنُبٍ»(رواه أبوداود وصححه ابن خزيمة)

"میں مسجد کو حیض والی عورت اور جنبی کیلئے حلال نہیں کرتا۔"

(۴) قرآن کی قرأت بھی نہ کرے۔ حدیث میں ہے:

«لاَ يَقْرَأُ الْجُنُبُ وَلاَ الْحَائِضُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(سنن الترمذي وأعله)

"جنبی مرد اور حیض والی عورت قرآن پاک نہ پڑھیں۔"[1]

(۵) حیض کی حالت میں عورت کو طلاق دینا جائز نہیں' بلکہ طہر کا انتظار کیا جائے اور طہر بھی وہ جس میں جماع نہ کیا ہو۔ مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو "حالت حیض" میں طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا "اسے ماہواری سے پاک ہونے تک اپنے پاس رکھ۔" (صحیح بخاری)

* حیض ونفاس میں جائز کام:

(۱) مجامعت کے علاوہ عورت کے ساتھ ہر انداز میں اٹھنا بیٹھنا اور بوس وکنار کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلاَّ النِّكَاحَ»(صحيح مسلم، سنن أبي داود، سنن الترمذي وسنن النسائي)

"جماع کے علاوہ سب کام کر سکتے ہو۔"

(۲) اللہ کا ذکر بھی کر سکتی ہے' اس لئے کہ اس کی شارع علیہ السلام سے کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔

(۳) بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حج اور عمرہ کے سب اعمال مثلاً احرام' وقوف عرفہ وغیرہ جائز ہیں۔ طہر اور غسل کے بعد بیت اللہ کا طواف بھی کر سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

«اِفْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

---

(۱) یہ حدیث معلول ہے' عون المعبود (ج:۱' ص:۹۱) میں ہے کہ جنبی کیلئے قرأت قرآن کی ممانعت میں کئی احادیث آئی ہیں مگر سب میں مقال ہے' ہاں چونکہ ان میں شدید ضعف نہیں ہے' لہٰذا مجموعی طور پر استدلال کے قابل ہیں۔ خطابی فرماتے ہیں "جنبی قرآن پاک نہ پڑھے' اسی طرح حیض والی عورت وہ بھی قرأت قرآن نہ کرے' اس لئے کہ اس کا حدث' جنابت سے زیادہ سخت ہے۔" (الاثری)

"وہ تمام افعال کر جو حاجی کرتے ہیں' البتہ پاک وصاف ہونے تک طواف نہ کرنا"

(۴) عورت کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔ عائشہ ؓ فرماتی ہیں "میں حیض کی حالت میں ہوتی اور پانی پیتی تو رسول اللہ ﷺ اسی جگہ منہ لگا کر پیتے جس جگہ میں نے منہ لگایا ہوتا۔" (صحیح مسلم)

اور عبد اللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں "میں نے رسول اللہ ﷺ سے حائضہ بیوی کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔" (مسند احمد وسنن ترمذی باسناد حسن)

آٹھویں فصل

نماز کا بیان

[اس میں چودہ مادے ہیں]

پہلا مادہ

نماز کا حکم، حکمت اور فضیلت

الف۔ نماز کا حکم:

اللہ جل مجدہ کی طرف سے ہر مومن پر نماز فرض ہے۔ قرآن پاک میں متعدد آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"پس نماز قائم کرو' بے شک نماز ایمان والوں پر مقررہ وقت پر لازم ہے۔"

نیز فرمایا: ﴿ حَـٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں دوسرا رکن قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

«بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح بخاري)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

نماز کا تارک شرعاً واجب القتل ہے اور سستی کرنے والا قطعی طور پر فاسق ہے۔

ب۔ حکمت نماز:

نفس انسانی کی تطہیر و تزکیہ اس کا بنیادی مقصد ہے اور اس کے ذریعے سے بندہ دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مناجات اور آخرت میں اس کے قرب کا اہل قرار پاتا ہے' نیز نماز بے حیائی اور منکرات سے انسان کو دور کرتی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ ۖ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ ۗ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۴۵)

"اور نماز قائم کر' بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔"

ج۔ فضیلت نماز:

نماز کی فضیلت اور اس کی شان کی برتری میں احادیث مبارکہ کثیر تعداد میں وارد ہیں' نمونہ کے طور پر ان میں سے چند ملاحظہ فرمایئے:

(۱) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلاَمُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلاَةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ» (صحيح مسلم)

"اصل دین اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی عظمت وبلندی (کا نشان) اللہ کے راستہ میں جہاد ہے۔"

(۲) اور فرمایا: «بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلاَةِ» (صحیح مسلم حدیث۸۲)

"نماز چھوڑ دینا انسان اور شرک و کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔"

یعنی انسان جب نماز چھوڑ دیتا ہے تو کفر کی طرف چل پڑتا ہے۔

(۳) نیز ارشاد فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلاَةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑائی کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب یہ کام کرلیں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کرلیے۔ ہاں اسلامی حقوق (کی ادائیگی میں ان کے خون اور اموال مستثنیٰ ہیں) اور ان (کے دل) کا حساب لینا اللہ پر ہے۔"

(۴) نیز آپ سے' افضل عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا»(صحیح مسلم)

"(یعنی) بروقت نماز کی ادائیگی۔"

(۵) نیز ارشاد ہے: «مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ عَذْبٍ غَمْرٍ بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَقْتَحِمُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، فَمَا تَرَوْنَ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٍ؟ قَالُوا لَا، قَالَ: فَإِنَّ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ تُذْهِبُ الذُّنُوبَ كَمَا يُذْهِبُ الْمَاءُ الدَّرَنَ»(صحیح مسلم)

"پانچ نمازوں کی مثال اس میٹھی اور گہری نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی ایک کے دروازے (کے پاس سے گزر رہی ہو) وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گی؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "نہیں۔" فرمایا "پانچ نمازیں بھی گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں' جیسا کہ پانی میل کو ختم کر دیتا ہے"

(۶) نیز فرمایا: «مَا مِنَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَالَمْ تُؤْتَ كَبِيرَةٌ، وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ»(صحیح مسلم)

"جس مسلمان کے پاس کسی فرضی نماز کا وقت آپہنچتا ہے' وہ اس کے لئے اچھے وضو' خشوع اور رکوع کا اہتمام کرتا ہے تو وہ نماز اس کے پہلے گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گی' جب تک کہ بڑا گناہ نہ کیا جائے اور یہ قانون ساری زندگی جاری رہتا ہے۔"

دوسرا مادہ

فرض' سنت اور نفل نمازیں

(ا) فرض نمازیں:

پانچ نمازیں فرض ہیں: فجر' ظہر' عصر' مغرب اور عشاء' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللهُ عَلَى الْعِبَادِ، مَنْ أَتَى بِهِنَّ، لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ»(رواه أحمد وغيره بإسناد حسن)

"پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر لکھ دی ہیں' جو ان کی پابندی کرتا ہے اور بے قدری کر کے انہیں ضائع نہیں کرتا' اللہ کا اس کیلئے وعدہ ہے کہ وہ اسے بہشت میں داخل کرے گا اور جو پابندی نہیں

کرتا' اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وعدہ نہیں ہے' چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔"

(۲) سنت نمازیں:

سنت نمازیں وتر' فجر کی دو رکعتیں' عیدین کی نماز' نماز کسوف اور نماز استسقاء داخل ہیں اور یہ سب سنت مؤکدہ ہیں۔ اور غیر مؤکدہ میں تحیۃ المسجد فرائض کے ساتھ روزمرہ[1] کی سنتیں' وضو کے بعد دو رکعت' چاشت کی نماز' قیام رمضان اور قیام اللیل شامل ہیں۔

(۳) نفل نماز:

نفل نمازیں دن' رات میں مذکورہ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کے علاوہ پڑھی جانے والی نمازیں (بھی) داخل ہیں۔

تیسرا مادہ — شرائط نماز

الف۔ شرائط فرضیت نماز:

(ا) "وجوب نماز" کی شرطوں میں ایک اسلام ہے' کیونکہ کافر پر نماز واجب نہیں ہے' اس لئے کہ نماز سے پہلے دونوں شہادتوں کا اقرار ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰي يَشْهَدُوْا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑتا رہوں' یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔"

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کیلئے آپ کا فرمان ہے:

«فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوْا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، فَإِنْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ»(صحيح بخاري)

"ان کو دعوت دے کہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ)

---

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرائض کے ساتھ سنتوں کی ترغیب و تائید فرمائی ہے اور ساری زندگی آپ کا اس پر عمل رہا ہے' لہٰذا یہ بھی مؤکدہ سنتیں ہیں۔ (لاثری)

اللہ کے رسول ہیں' اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتا دے کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں"

(۲) عقل مند ہونا: اس لئے کہ پاگل پر نماز فرض نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّي يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّي يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتَّي يَعْقِلَ»(سنن أبي داواد ومستدرك حاكم وصححه)

"تین انسان مرفوع القلم ہیں' سویا ہوا جاگنے تک' نابالغ بالغ ہونے تک اور پاگل عقل درست ہونے تک"

(۳) بالغ ہونا: اس لئے کہ بچے پر نماز فرض نہیں ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے معلوم ہے' البتہ تعلیم وتربیت کیلئے بچہ کو استحباباً سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا إِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا، وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن الترمذي وحسنه)

"اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں' نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز کیلئے سرزنش کرو اور ان کے سونے کے بستر الگ کردو۔"

(۴) وقت کا داخل ہونا: اس لئے کہ وقت سے پہلے نماز فرض نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ' نے فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر نبی ﷺ کو اوقات نماز کی تعلیم دی اور فرمایا "(اے محمد! (ﷺ) اٹھیں اور (ظہر) کی نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی' پھر عصر کے وقت آکر فرمانے لگے "اٹھیں اور نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوا' عصر کی نماز پڑھی' پھر مغرب کے وقت آکر فرمانے لگے "اٹھیں اور نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز پڑھی' پھر عشاء کے وقت آکر کہنے لگے "اٹھیں اور نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے سرخی کے غائب ہونے پر عشاء کی نماز پڑھی' پھر صبح صادق کے وقت آئے' پھر دوسرے دن ظہر کے وقت آکر فرمانے لگے "اٹھیں اور نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوا ظہر کی نماز پڑھی' پھر عصر کے وقت آکر کہنے لگے "اٹھیں اور نماز پڑھیں" چنانچہ آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہوا' عصر کی نماز پڑھی' پھر مغرب کیلئے پہلے دن کے وقت ہی میں آئے' پھر آدھی یا راوی کے بقول

ایک تہائی رات ہونے پر عشاء کیلئے آئے اور نماز ادا کی' پھر اچھی طرح روشنی ہونے پر صبح کے لئے آئے اور نماز ادا کی اور پھر فرمایا "ان دو وقتوں کے درمیان (نمازوں کے) اوقات ہیں" (مسند احمد' سنن نسائی وسنن ترمذی)

(۵) حیض ونفاس کے خون سے پاک ہونا۔ اس لئے کہ حیض اور نفاس والی عورت پر نماز فرض نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَاتْرُكِي الصَّلاَةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تجھے ماہواری آجائے تو نماز ترک کردے"

ب۔ شرائط نماز:

(۱) نماز کی صحت کیلئے شرط ہے کہ آدمی بے وضو نہ ہو' جنبی نہ ہو اور اس کا کپڑا' بدن اور جگہ پلید نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلاَةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ»(صحيح مسلم)

"اللہ پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا۔"

(۲) شرم گاہ کو چھپانا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ خُذُواْ زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف٧/ ٣١)

"ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کرلیا کرو۔"

لہذا ستر پوشی نہ ہو تو نماز صحیح نہیں ہوتی' اس لئے کہ کپڑوں کی زینت وہی ہے جس میں ستر ہو۔ مرد پر ناف سے لیکر دونوں گھٹنوں تک جسم کا ڈھانپنا ضروری ہے اور چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ عورت کیلئے سارا جسم ستر ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلاَةَ حَائِضٍ إِلاَّ بِخِمَارٍ»(رواه أبوداود وإسناده جيد)

"اللہ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔"

نیز رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کیا عورت قمیص اور اوڑھنی میں بغیر تہبند کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: «إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا»(سنن الترمذي وحسنه ومستدرك حاكم وصححه)

"(ہاں جائز ہے) جب اس کی قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس کے قدموں کے ظاہر کو ڈھانپ رہی ہو۔"

(۳) قبلہ رخ ہونا۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (البقرة٢/ ١٥٠)

"اور جہاں بھی ہو اسی (مسجد حرام) کی طرف منہ کرو۔"

ہاں خوف' یا بیماری' یا اسی انداز کے کسی اور عذر کی بنا پر یہ شرط ساقط ہو جائے گی۔ جیسا کہ مسافر سواری کی پیٹھ پر بیٹھ کر نفل ادا کر سکتا ہے' خواہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو' یا کسی اور طرف' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا گیا کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف آ رہے تھے تو آپ سواری پر نماز پڑھ رہے تھے' خواہ سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا۔ (صحیح مسلم)

چوتھا مادہ: نماز کے فرائض' سنتیں' مکروہات' باطل کر دینے والی چیزیں اور جو کچھ اس میں جائز ہے

الف۔ فرائض نماز:

(۱) صاحب طاقت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے۔ اس لئے کہ جو کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہے' مگر وہ کھڑا ہو کر نہیں ادا کرتا' اس کی طرف سے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَـٰنِتِينَ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۸)

"اور اللہ کیلئے خاموش ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ»(صحيح بخاري)

"کھڑے ہو کر نماز پڑھ' اگر طاقت نہیں تو بیٹھ کر' اگر پھر بھی طاقت نہیں تو پہلو پر لیٹ کر ہی نماز پڑھ۔"

(۲) نیت کرنا۔ یعنی دل میں ارادہ کرے کہ میں فلاں نماز ادا کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح بخاري)

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

(۳) تکبیر تحریمہ یعنی "اللہ اکبر" کہنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي وصححه الحاكم)

"نماز کی کنجی وضو ہے' اس کی تحریم [1] تکبیر اور اس کی تحلیل سلام ہے۔"

(۴) قرأت سورۂ فاتحہ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»(صحيح بخاري)

"اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا۔"

ہاں اگر امام جہری قرأت کر رہا ہے تو مقتدی پر اس کا پڑھنا فرض نہیں ہے' اس لئے کہ اسے امام کی قرأت کے وقت خاموش [۲] رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

---

(۱) یعنی نیت کے ساتھ تکبیر "اللہ اکبر" کہنے سے منافی کام حرام ہو جاتے ہیں اور سلام کہنے سے پھر سارے کام جو نماز کی وجہ سے حرام ہو گئے تھے' حلال ہو جاتے ہیں۔ (الاثری)

(۲) بعض علماء کی رائے یہی ہے کہ جہری نماز میں مقتدی پر قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے' البتہ سری میں ضروری ہے' مگر اکابر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ سب نمازوں میں امام' مقتدی اور منفرد سب پر فاتحہ پڑھنا ضروری اور لازم ہے۔ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کا مستدل ہے' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے' اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "التمہید" میں' کرمانیؒ نے شرح بخاری میں اور قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں' اس حدیث کا مفہوم یہی واضح کیا ہے کہ یہ حدیث منفرد' امام اور مقتدی سب کے لئے جہری اور سری نمازوں میں فاتحۃ الکتاب کو لازم قرار دیتی ہے۔ «قَالُوْا فَهٰذَا عَلٰى عُمُوْمِهٖ فِي الْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ لِأَنَّهٗ لَمْ يُخَصَّ إِمَامًا مِنْ مَأْمُوْمٍ وَلَا مُنْفَرِدٍ قَالَ ابْنُ عَبْدِالبر في التمهيد» اور علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی نے "السعایۃ" ص:۳۰۳ میں لکھا ہے کہ قوی السند حدیث عبادہؓ سے مقتدی کے لئے "فاتحۃ الکتاب" پڑھنا ثابت ہے' اس قول میں حدیث عبادہؓ سے وہ حدیث مراد ہے جس میں نماز صبح کی صراحت ہے' دیکھئے (جامع ترمذی) اور کتاب القراءۃ للبیہقی (ص:۴۷) میں صراحت ہے کہ «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ» "یعنی امام کے پیچھے جو فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہے۔" اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث بھی مؤید ہے کہ حدیث صحیح بخاری مقتدی کو بھی شامل ہے' صحیح مسلم و مؤطا امام مالک میں ہے' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو نماز میں فاتحہ نہ پڑھے' اس کی نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے' پوری نہیں۔" ابو ہریرہؓ سے سوال ہوا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں؟ تو فرمایا "آہستہ پڑھ لے" پھر ایک حدیث سے استدلال کیا جس میں فاتحۃ الکتاب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے "نماز" کہا ہے۔ اور یہ فاتحۃ الکتاب کے رکن نماز ہونے کی دلیل ہے۔ متواتر احادیث مبارکہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے' تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب القراءۃ للبیہقی' جزء القراءۃ للبخاری' تحقیق الکلام اور توضیح الکلام وغیرہ۔ اور آیت قرآن ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْءَانُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ ہجرت سے پہلے مکی دور میں نازل ہوئی ہے' اور یہ مذکورہ حکم نزول آیت کے بعد مدینہ منورہ میں جاری ہوا۔ نیز فاتحۃ الکتاب آہستہ' دل میں پڑھنا استماع اور انصات کے منافی نہیں ہے' اور حدیث «إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا» میں قرأت سے مراد حدیث مذکور کی بناپر فاتحہ کے علاوہ کی قرأت مراد ہے' اور "انصات" آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا راجح مسلک یہی ہے کہ امام' مقتدی اور منفرد سب ام الکتاب کی قرأت کریں گے' جہری نماز ہو یا سری۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (الاثری)

﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟﴾ (الأعراف ٧/ ٢٠٤)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا كَبَّرَ الإِمَامُ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»(صحيح مسلم)

"جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

اور جب امام آہستہ قرأت کر رہا ہے تو مقتدی پر سورت فاتحہ پڑھنا لازم ہو گا۔

(۵ ـ ۶) رکوع کرنا اور رکوع سے سر اٹھانا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے نماز درست نہیں پڑھی تھی' فرمایا تھا:

«اِرْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا»(صحيح بخاري)

"رکوع اطمینان کے ساتھ کر' پھر سر اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو جا۔"

(۷ ـ ۸) سجدہ کرنا اور سجدہ سے سر اٹھانا۔ اس لئے کہ رسول اللہ نے نماز درست نہ پڑھنے والے کو فرمایا تھا:

«ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا»(أيضًا)

"پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر اور سر اٹھا اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا۔"

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟﴾ (الحج ٧٧)

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔"

(۹) رکوع' سجدہ' قیام اور جلسہ میں اطمینان کو ملحوظ رکھنا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ان مواقع پر «مُسِيْئُي الصَّلٰوةِ» (درست نماز نہ پڑھنے والے) کے لئے «حَتّٰى تَطْمَئِنَّ» کا حکم ہے کہ اطمینان سے پڑھ۔ اطمینان کا مقصد یہ ہے کہ رکوع' قیام' سجدہ اور جلسہ میں اعضاء کے استقرار کے بعد اتنی دیر ٹھہرے کہ کم از کم ایک بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ» کہہ لے۔ اس سے زائد ٹھہرنا مسنون ہے۔

(۱۰ ـ ۱۱) سلام اور سلام کیلئے بیٹھنا۔ اس لئے کہ نمازی سلام کہے بغیر نماز سے فارغ نہیں ہو سکتا' نیز سلام بیٹھے بیٹھے ہی کہنا چاہئے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ»(سنن أبي داود وسنن الترمذي وصححه الحاكم)

"اور نماز کی "تحلیل" سلام ہے۔"

(۱۲) نماز کے ارکان میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا۔ تکبیر تحریمہ سے پہلے نمازی سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور نہ رکوع سے پہلے سجدہ کر سکتا ہے' اس لئے کہ نماز کی کیفیت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو اسی کی تعلیم دی ہے' چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ»(صحيح بخاري)

"اس طرح نماز پڑھو' جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔"

لہٰذا نماز میں کوئی مقدم رکن' مؤخر نہیں کیا جاسکتا اور نہ مؤخر کو مقدم کرنا جائز ہے' ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

ب۔ سنن نماز:

نماز میں سنتیں دو طرح کی ہیں' مؤکدہ جو واجب کے حکم میں ہیں اور غیر مؤکدہ جو مستحب کے درجہ میں ہیں۔

مؤکدہ سنتیں:

(ا) فجر کی نماز اور ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کوئی مکمل سورت' یا قرآن پاک کی ایک دو آیات تلاوت کرنا۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ الکتاب اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف ام الکتاب (سورہ فاتحہ) اور کبھی کبھی کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) امام اور منفرد کا «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» اور مقتدی کا صرف «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہنا۔ اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پیٹھ اٹھاتے ہوئے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے' پھر کھڑے ہو کر «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» کہتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "جب امام «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، کہے تم «اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہو۔ (صحیح مسلم)

(۳) رکوع میں تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ» اور سجدہ میں تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» کہنا۔ اس لئے کہ جب آیت مبارکہ ﴿فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ﴾ "اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کرو" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "رکوع میں اس کی تعمیل کرو" اور جب آیت مبارکہ ﴿سَبِّحِ ٱسْمَ رَبِّكَ ٱلْأَعْلَى﴾ "اپنے اعلیٰ رب کی تسبیح بیان کرو" نازل ہوئی تو فرمایا "سجدہ میں اس کے مطابق ذکر کرو۔" (مسند احمد و سنن ابی داؤد بسند جید)

(۴) سجدہ کو جاتے وقت اور سجدہ سے جلسہ یا قیام یا تشہد کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر «الله اکبر» کہنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان مواقع میں یہ ثابت ہے۔

(۵) پہلا اور دوسرا تشہد اور ان کے لئے بیٹھنا بھی سنت مؤکدہ میں شمار ہے۔

(٦) الفاظ تشہد پڑھنا۔ جو کہ یہ ہیں:

«اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَي عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"(میری) تمام قولی' بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) ! آپ پر سلام' اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں' ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلامتی ہو' میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اقرار کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

(۷) جہری نمازوں' یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں اور نماز فجر (کی دونوں رکعتوں) میں جہری قرآت کرنا اور باقی رکعات میں آہستہ تلاوت کرنا۔

(۸) سری نمازوں میں آہستہ قرآت کرنا۔ یہ فرض نمازوں کیلئے حکم ہے۔ نوافل میں آہستہ قرآت کرنا' اگر وہ نوافل دن کے وقت پڑھ رہاہو' سنت ہے۔ اگر رات کے وقت پڑھے تو جہری پڑھے گا' الا یہ کہ اونچی آواز سے قرآت کرنے میں کسی کو تکلیف کا خطرہ ہے تو پھر آہستہ قرآت کرنا مسنون ہے۔

(۹) آخری تشہد میں «التحيات» کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درج ذیل درود پڑھنا:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»(صحيح مسلم)

"اے اللہ! محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحم وکرم فرما' جیسا کہ تونے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت فرمائی تھی یقیناً تو ستائش وشان والا ہے اور محمد ﷺ اور آپ کی آل پر برکت فرما' جیسا کہ تونے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت فرمائی تھی۔ یقیناً تو ستائش و شان والا ہے" (۱)

غیر مؤکدہ امور:

(ا) دعائے استفتاح یعنی: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلاَ إِلٰهَ غَيْرُكَ»(صحيح مسلم موقوفًا على عمر رضى الله عنه)

"اے اللہ! تو پاک ہے (میں) تیری تعریف کرتا ہوں' تیرا نام برکت والا ہے' تیری عظمت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" (۲)

---

(۱) مؤلف کی اصطلاح میں یہ سنت مؤکدہ واجب کے حکم میں داخل ہے۔ (الاثری)

(۲) اس کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر ادعیہ واذکار مبارکہ ثابت ہیں' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) پہلی رکعت میں "تعوذ" اور ہر رکعت میں آہستہ بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴾ (النحل١٦/ ٩٨)

"جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ"

(۳) تکبیر تحریمہ، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا (یعنی رفع الیدین کرنا) اور اسی طرح دوسری رکعت سے اٹھتے وقت بھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّي يَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذٰلِكَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"نبی ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھا کر" اللہ اکبر" کہتے، پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اسی طرح اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح رفع الیدین کرتے۔"

اور فرماتے: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ نے اس کی (دعا) سن لی جس نے اس کی حمد کی، اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔"

(۴) قرأت "فاتحۃ الکتاب" کے بعد آمین کہنا۔ کیونکہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ﴿ غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ﴾ پڑھتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے۔ (سنن ترمذی وحسنہ)

اور اس لئے بھی کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَالَ الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح بخاري

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) جن میں سے ایک یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ»

(صحيح مسلم)

"اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان مشرق و مغرب جتنی دوری ڈال دے، اے اللہ! میرے گناہوں کو مٹا دے، جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، اولوں اور برف کے ساتھ دھو دے"

وصحيح مسلم)

"جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھے تو تم آمین کہو، جس کی آواز فرشتوں کی آواز کے موافق ہو گئی، اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔"

(۵) صبح کی نماز میں لمبی، عصر و مغرب میں مختصر اور عشاء و ظہر میں درمیانی قرأت کرنا۔ اس لئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "صبح کی نماز میں طوال مفصل (یعنی سورہ حجرات سے سورہ بروج تک) اور "ظہر" میں اوساط مفصل (یعنی سورہ بروج سے سورہ بینہ تک) اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل (لم یکن الذین سے آخر تک) پڑھو۔" (سنن ترمذی)

(۶) دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں یہ دعا پڑھنا:

«رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ»(سنن الترمذي)

"اے میرے رب! مجھے معاف کر دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت دے، مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما۔"

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے۔ (ایضا)

(۷) صبح کی آخری رکعت یا وتر کی رکعت میں قراءت کے بعد، یا رکوع سے سر اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا۔[1] جس کے الفاظ یہ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ وَاصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ ـ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَبِكَ وَمِنْكَ، لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ»(سنن أبي داود وسنن النسائي)

"اے اللہ! مجھے ہدایت کی راہ دکھا کر ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے ہدایت نصیب فرمائی ہے اور مجھے عافیت دے کر ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے عافیت سے نوازا ہے اور مجھے (اپنا) دوست بنا کر ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے (اپنا) دوست بنایا ہے اور جو تو نے درست بنایا ہے اور جو تو نے مجھے عطا کر رکھا ہے اس میں مجھے برکت عطا فرما۔ اور جو تو نے (برا) فیصلہ کر رکھا

---

(۱) صبح کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ثابت ہے، اور رکعت وتر میں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ (مؤلف)

ہے اس کے شر سے مجھے بچالے اور اسے مجھ سے پھیر لے۔ اس لئے کہ تو فیصلے فرماتا ہے تجھ پر فیصلہ لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ کہ جس سے تو دوستی لگالے وہ کبھی رسوا نہیں ہوتا اور جسے تو دشمن بنا لے وہ کبھی عزت نہیں پاسکتا۔ اے ہمارے رب! تو بابرکت ار بلند مقام والا ہے۔ اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اور تیری سزا سے تیری بخشش کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ تیری سزا سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں میں تجھ پر تیری حمد وثنا کو شمار نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

(۸) آپ جس انداز [۱] پر بیٹھتے تھے' اسی طرح بیٹھنا۔ یعنی بیٹھنے کے جملہ مواقع میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا رکھنا اور آخری تشہد کے موقع پر سرین پر بیٹھنا اور بایاں پاؤں دائیں پنڈلی کے نیچے سے نکالنا اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر انگلیاں پھیلا کر رکھنا اور دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں بند کرنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ تشہد میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے' اس حالت میں نگاہ اشارہ سے آگے متجاوز نہ ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

(۹) سینہ پر دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھنا۔ صحابی حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ أَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلَاةِ»(صحيح بخاري)

"لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ [۲] بائیں کلائی پر رکھیں۔"

اور اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِرَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَقَدْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْيُمْنٰى فَانْتَزَعَهَا وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى»(مسند أحمد وإسناده صحيح)

"رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے' جو اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھ کر نماز پڑھ

---

(۱) بیٹھنے کی مذکورہ کیفیت صحیح بخاری میں بروایت ابو حمید رضی اللہ عنہ مروی ہے' کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے' اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کرتے' اور دوسرا (دایاں) کھڑا کرتے اور سرین پر بیٹھ جاتے۔ یہ کیفیت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے سامنے بیان کی تھی' جس کی انہوں نے تصدیق کی۔ (مؤلف)

(۲) قیام میں سیدھا کھڑا ہونا ضروری ہے' دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں تو ہاتھ آسانی سے سینہ پر آتے ہیں' لہذا یہی مسنون ہے۔ اس کیفیت میں ہاتھ ناف کے نیچے تک نہیں جاتے۔ (الاثری)

رہا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دایاں ہاتھ بائیں پر کر دیا۔"

(۱۰) سجدہ میں دعا کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ - حَقِيقٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ»(صحيح مسلم)

"سنو! مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدہ میں قرآن کی قرأت کروں' رکوع میں رب تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں دعا کی کوشش کرو' تمہارے لئے قبولیت کی پوری توقع ہے۔"

(۱۱) آخری تشہد میں درود کے بعد ان کلمات مبارکہ کے ساتھ دعا کرنی چاہئے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»(صحيح مسلم)

"اے اللہ ! میں عذاب جہنم' عذاب قبر' آزمائش حیات و ممات اور فتنۂ مسیح دجال سے تیری حفاظت کا طلبگار ہوں۔"

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "جب تم میں سے کوئی ایک آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو (درج بالا) چار چیزوں سے اللہ کی پناہ کی درخواست کرے۔" (صحیح مسلم)

(۱۲ - ۱۳) دائیں اور بائیں طرف «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» کہنا' اس لئے کہ نبی ﷺ دائیں اور بائیں طرف منہ کر کے سلام پھیرا کرتے تھے' یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی مقتدیوں کو نظر آتی تھی۔ (صحیح مسلم)

(۱۴) سلام کے بعد درج ذیل احادیث کے مطابق ذکر و دعا کرنا۔

* ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار «أَسْتَغْفِرُ اللهَ» (یعنی میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں) کہتے۔

پھر فرماتے: «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ» (صحيح مسلم)

"اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تیری طرف سے ہی ہے' اے جلالت و عزت کے مالک! تو برکت والا ہے۔"

* معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

«يَامُعَاذُ! إِنِّيْ أُحِبُّكَ أُوْصِيْكَ يَامُعَاذُ! لَا تَدَعَنَّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»(مسند أحمد وسنن

أبي داود ومستدرك حاکم وصححه)
"اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے، میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلمات کہنا نہ چھوڑنا «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»
"اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت کیلئے میری مدد کر۔"

* مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:
«لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح بخاري)
"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تعریف بھی اسی کیلئے ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو تو دے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روک دے، اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی بڑے کو اس کی بڑائی تیری گرفت سے نہیں بچاسکتی۔"

* ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر نماز کے بعد «آیۃ الکرسی» پڑھتا ہے، مرنے کے بعد وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ (سنن نسائی و معجم طبرانی)

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ بار «سُبْحَانَ اللهِ»، ۳۳ بار «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»، اور ۳۳ بار «اَللهُ أَكْبَرُ» کہے اور ایک بار «لَاۤ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ» کہے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔ (صحیح مسلم)

* سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے:
«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»(صحيح بخاري)
"اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور بزدلی سے تیری پناہ پکڑتا ہوں اور یہ کہ میں رذیل عمر میں ڈال دیا جاؤں، اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں اور دنیا کی آزمائش اور عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔"
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ دعا اپنے بچوں کو بھی سکھاتے تھے۔

ج۔ نماز میں ناپسندیدہ امور:

* نماز میں سر کو ادھر ادھر پھیرنا' یا آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«هُوَ اخْتِلاَسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلاَةِ الْعَبْدِ»(صحيح بخاري)

''یہ ایک جھپٹ ہے' جو شیطان بندے کی نماز پر مارتا ہے۔''

* آسمان کی طرف دیکھنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُوْنَ أَبْصَارَهُمْ إِلَي السَّمَاءِ فِيْ صَلاَتِهِمْ، لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ، أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''جو لوگ نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں' وہ اس کام سے رک جائیں' یا پھر ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔''

* پہلو پر ہاتھ رکھنا: اس لئے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلوؤں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

* لٹکے ہوئے بالوں' آستین یا کپڑوں کو سمیٹنا اور درست کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلاَ أَكُفَّ ثَوْبًا وَلاَ شَعْرًا»(صحيح مسلم)

''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ میں کپڑا یا بالوں کو نہ سمیٹوں۔''

* انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرنا اور ان کو چٹخانا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اس طرح کرتے دیکھا تو فرمایا:

«لاَ تُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ وَأَنْتَ فِي الصَّلاَةِ»(سنن ابن ماجة وإسناده ضعيف)

''نماز میں اپنی انگلیوں کو نہ چٹخا۔''

* سجدہ کی جگہ میں ایک سے زیادہ بار کنکریوں پر ہاتھ پھیرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلاَةِ فَلاَ يَمْسَحِ الْحَصٰى، فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ»

(سنن أبي داود وسنن الترمذي بسند صحيح)

''جب تم سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے' اس لئے کہ رحمت اس (نمازی) کے سامنے ہوتی ہے۔''

نیز آپ کا فرمان ہے: «إِنْ كُنْتَ فَاعِلاً فَمَرَّةً وَاحِدَةً»

''اگر تو نے ایسا کرنا ہی ہے تو ایک بار کر۔''

* کوئی ایسا بے فائدہ کام کرنا' جو نماز کے خشوع میں مخل ہو' مثلاً لباس یا داڑھی کے بالوں کو ہاتھ لگاتے رہنا' یا جائے نماز اور یا دیواروں کے رنگوں اور ڈیزائنوں کو دیکھتے رہنا وغیرہ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

«اُسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم)

"نماز میں سکون اختیار کرو۔"

* رکوع یا سجدہ میں تلاوت قرآن کرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نُهِيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»(صحيح مسلم)

"مجھے رکوع یا سجدہ میں "قرأت قرآن" سے منع کیا گیا ہے۔"

* پاخانہ یا پیشاب کو روکے رکھنا۔

* اسی طرح کھانے کی موجودگی میں نماز شروع کر دینا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»(سنن أبي داود)

"کھانے کی موجودگی اور پاخانہ و پیشاب کی حاجت میں نماز جائز نہیں ہے۔"

* (تشہد میں) ایڑیوں پر بیٹھنا اور (سجدہ میں) بازو زمین پر بچھا دینا۔ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ، وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ افْتِرَاشَ السَّبُعِ»(صحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا کرتے تھے یعنی (ایڑیوں پر بیٹھنا) اور اس سے بھی روکا کرتے تھے کہ انسان (سجدہ) میں اپنے بازو درندہ کی طرح زمین پر بچھا دے۔"

د۔ نماز کو باطل کرنے والی چیزیں:

(۱) نماز کا کوئی رکن چھوٹ جائے' بشرطیکہ نماز میں یا نماز کے فوراً بعد اس کا تدارک نہ کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے آپ کے سامنے نماز پڑھی اور اطمینان واعتدال کو' جو کہ رکن نماز ہے' ترک کیا تو آپ نے فرمایا:

«اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(صحيح مسلم)

"واپس جا' نماز پڑھ' اس لئے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔"

(۲) نماز میں کھانا یا پینا۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"نماز میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) مصروفیت ہوتی ہے۔"

(۳) نماز کی درستی کے علاوہ کوئی اور بات کرنا' اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۸)

"اور اللہ کیلئے خاموش ہو کر کھڑے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلاَةَ لاَ يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلاَمِ النَّاسِ»(صحيح مسلم)

"نماز میں کوئی انسانی کلام جائز نہیں ہے۔"

البتہ نماز کی درستی کیلئے (حسب ضرورت) بولنا درست ہے۔ مثلاً امام سلام کے بعد اگر مقتدیوں سے دریافت کرے کہ نماز پوری ہو گئی ہے تو اس کے بولنے سے نماز خراب نہیں ہوگی' یا امام کو غلطی لگ رہی ہے تو مقتدی اس کو قرأت کر کے بتا دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے دوران کلام فرمائی اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ بھی بولے اور ان کی نماز باطل نہیں ہوئی تھی' ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی "اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں قصر (کمی) ہو گئی ہے؟" آپ نے فرمایا "نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کوئی کمی ہوئی ہے۔"
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) کھل کھلا کر ہنسنا' البتہ مسکرانے سے نماز باطل نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قہقہہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے' بلکہ بعض علماء تو اس سے وضو کے ٹوٹنے کے قائل بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«لاَ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ الْكَشْرُ وَلٰكِنْ يَقْطَعُهَا الْقَهْقَهَةُ»(الطبراني بسند لا بأس به)

"مسکراہٹ نماز کو نہیں توڑتی' البتہ قہقہہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔"

(۵) کسی کام میں زیادہ مشغولیت جو عبادت کے منافی ہونے اور دل واعضاء کے نماز کے علاوہ کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کے باطل ہونے کا باعث ہو' ہاں معمولی کام' جیسا کہ پگڑی درست کرنا' یا صف کو درست کرنے کیلئے آگے پیچھے ہونا' یا ایک ہی بار کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا' اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی امامت کراتے ہوئے امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھایا اور نیچے اتارا تھا۔ (صحیح بخاری)

(۶) بھول کر نماز کی رکعات دگنی پڑھ لینا' مثلاً نماز ظہر کی آٹھ رکعات پڑھ لے' یا مغرب کی چھ رکعات' یا صبح کی چار رکعات۔ اس لئے کہ اتنی بڑی بھول سے یہ بات واضح ہے کہ اس نمازی کی توجہ اور خشوع نماز میں نہیں ہے اور یہی نماز کی روح ہے جس کے فقدان سے نماز باطل قرار پائے گی۔[1]

(۷) کسی نماز میں داخل ہونے کے بعد یاد آجائے کہ اس نے پہلی نماز نہیں پڑھی تو یہ نماز باطل ہو جائے گی' کیونکہ پانچوں نمازوں میں ترتیب فرض ہے' اس لئے کہ شارع علیہ السلام نے فرائض نماز کی ادائیگی ترتیب کے ساتھ کی ہے' لہٰذا کوئی نماز اس سے پہلی نماز سے مقدم ادا نہیں کی جاسکتی۔

ھ۔ نماز میں نمازی کے لئے کون سی چیزیں جائز ہیں؟

(۱) کوئی معمولی ضروری کام' مثلاً کپڑے وغیرہ کی درستی۔ اس لئے کہ صحیح حدیث سے اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔

(۲) اضطراری حالت میں کھانسنا۔

(۳) صف بندی میں درستی کرنا' یعنی امام کی جہت میں دوسرے مقتدی کو کھینچنا' یا آگے پیچھے کرنا' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں طرف سے دائیں طرف کر دیا تھا' جبکہ وہ آپؐ کے پہلو میں رات کی نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ (صحیح بخاری)

(۴) جمائی لینا اور منہ پر ہاتھ رکھنا۔

(۵) امام قراءت بھول جائے تو اسے بتانا' یا "سہو" کی صورت میں «سُبْحَانَ اللهِ» کہنا۔ اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ نَابَهُ شَيْئٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ اللهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس کو نماز میں کوئی عارضہ لاحق ہو جائے (یعنی بھول وغیرہ ہو جائے) تو "سبحان اللہ" کہے۔"[۲]

(۶) آگے سے گزرنے والے کو ہٹانا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَإِذَا أَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب کوئی "سترہ" کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو وہ اسے روک دے' اگر انکار کرے تو وہ اس سے لڑائی کرے' اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔"

(۷) نمازی کو اگر سانپ اور بچھو کے ایذا رسانی کرنے کا ڈر ہو تو اسے قتل کر دے۔ فرمان رسول

---

(۱) اگر جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو پھر نماز باطل ہو گی' اگر بھول کر ایسا ہوا ہے تو نماز باطل نہیں ہو گی کیونکہ وہ بھول ہی ہے خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو نیز خشوع وخضوع کی کمی یا فقدان بھی کسی حدیث کی رو سے نماز کو باطل نہیں کرتا البتہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں ہے۔ صاحب کتاب کی اس بات کے لئے کوئی بھی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس حدیث میں آتا ہے کہ:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لأُمَّتِي عَنْ ثَلَاثٍ: عَنِ الْخَطَأ وَالنِّسْيَانِ، وَالإِسْتِكْرَاهِ»(ابن أبي حاتم)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک اور مجبوری کی حالت میں کام سے درگزر فرمایا ہے۔" واللہ اعلم بالصواب۔ (محمود الحسن اسد)

(۲) البتہ خاتون سبحان اللہ نہیں کہے گی بلکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے گی وضاحت صحیحین کی اسی حدیث میں دیکھئے (ع' ر)

اللہ ﷺ ہے:

«اُقْتُلُوا الأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلاَةِ: اَلْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ»(سنن الترمذي)

"نماز میں دو سیاہ چیزوں' سانپ اور بچھو کو قتل کر دو۔"

(۸) اپنے ہاتھ کے ساتھ نمازی (حسب ضرورت) خارش کر سکتا ہے' اس لئے کہ یہ قابل معافی معمولی عمل ہے۔

(۹) اگر کوئی سلام کہے تو نمازی ہتھیلی سے اشارہ کر دے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کیا تھا۔ (سنن ترمذی)

پانچواں مادہ

سجدہ سہو کا بیان

نماز میں رکعت' یا سجدہ یا کوئی اور رکن بھول کر زائد ہو جائے تو نمازی اس غلطی کو دور کرنے کے لئے نماز مکمل کر کے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔ اسی طرح اگر نماز کی سنن مؤکدہ میں سے کوئی چیز رہ جائے تو سلام سے پہلے "سجدہ سہو" کرے۔ مثلاً درمیان کا تشہد چھوٹ جائے اور بالکل یاد نہ آئے' یا سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد نہ آئے تو تشہد کیلئے واپس نہ جائے' بلکہ آخر میں سلام سے پہلے سجدہ کرے' اسی طرح اگر تشہد مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر دے اور پھر جلدی میں یاد آجائے تو دوبارہ نماز کی تکمیل کرے اور سلام کے بعد "سجدہ سہو" کرے' ان احکام پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے۔

دو رکعت پر آپؐ نے سلام پھیر دیا تھا تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ دوبارہ آئے نماز مکمل کی اور سلام کے بعد سجدہ سہو کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ایک بار آپ تشہد کئے بغیر دوسری رکعت سے اٹھ گئے تو سلام سے پہلے "سجدہ سہو" کیا اور فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلاَتِهِ فَلَمْ يَدْرِكَمْ صَلَّى ثَلاَثًاأَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَ وَلْيَبْنِ عَلَي مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلاَتَهُ، وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلْشَّيْطَانِ»(صحيح مسلم)

"جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو شک سے قطع نظر کر کے یقین پر بنا کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے' اس صورت میں اگر اس نے واقعتاً پانچ رکعات پڑھی ہیں تو پانچویں رکعت اور دو سجدے (مل کر) اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے۔ اگر پوری چار رکعتیں تھیں تو یہ سجدے شیطان کے لئے باعث تذلیل ہوں گے۔"

امام کے پیچھے اگر مقتدی بھول جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس پر "سجدہ سہو" نہیں ہے' الا یہ کہ

امام بھول جائے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا' اس لئے کہ امام کی متابعت ضروری ہے اور اس لئے بھی کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مربوط ہے اور رسول اللہ ﷺ جب بھول گئے تو آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی "سجدہ سہو" کیا تھا۔ (سنن ترمذی)

چھٹا مادہ

نماز کا طریقہ

مسلمان باوضو ہو کر قبلہ رخ ہو اور اقامت کے بعد اس نماز کی نیت کر کے جو شروع کرنا چاہتا ہے' کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے اور «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہہ کر نماز میں داخل ہو جائے۔ اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ کے اوپر رکھے' پھر دعاء استفتاح پڑھے اور آہستہ سے کہے «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ» اور پھر سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے' ﴿وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ پڑھ کر آمین کہے اور پھر کوئی مکمل سورت یا جو آیات آسان ہوں' پڑھے اور پھر دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھائے اور "اللہ اکبر" کہتا ہوا رکوع کو جائے' دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکائے اور پیٹھ سیدھی کرے' سر اونچا ہو نہ نیچا' بلکہ کمر کے برابر ہو اور رکوع میں تین یا زیادہ بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ» کہے۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے ہوئے «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور عرض کرے «رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ» اور پھر سجدے کیلئے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتا ہوا جائے اور سات اعضاء پر سجدہ کرے' یعنی چہرہ' دونوں ہتھیلیاں' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ ماتھا اور ناک زمین پر ٹکے ہوتے ضروری ہیں اور تین یا زیادہ بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلٰى» کہے۔ اگر کوئی اچھائی کے لئے دعا کرلے تو بھی بہتر ہے' پھر سجدہ سے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہتے ہوئے اٹھے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے' دائیں کو کھڑا رکھے اور کہے «رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِي وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ» پھر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے' پھر دوسری رکعت کیلئے اٹھ جائے اور اسی طرح کرے جیسا کہ اس نے پہلی رکعت میں کیا اور پھر تشہد کیلئے بیٹھے' اگر نماز دو رکعت والی ہو' مثلاً صبح کی نماز تو تشہد اور درود پڑھے اور پھر دائیں اور بائیں طرف منہ کر کے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» کہے۔

اور اگر نماز دو رکعت سے زائد والی ہے تو تشہد پڑھ کر تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھائے۔ اور اوپر ذکر کئے گئے طریقہ کے مطابق نماز مکمل کرے۔ البتہ پچھلی رکعات میں قیام میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے [1] اور آخری تشہد میں سرین پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے' اس

---

(1) آخری دو رکعات میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جا سکتی ہے' یہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔" (محمود الحسن اسد)

حال میں کہ انگلیوں کے بطون (نچلے حصے) زمین پر ٹکے ہوئے ہوں اور پھر تشہد میں درود پڑھے' اور پھر عذاب جہنم' عذاب نار' عذاب قبر' زندگی و موت کی آزمائشوں اور مسیح دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ چاہے' پھر دائیں طرف منہ کر کے اونچی آواز سے «اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» کہے اور اسی طرح بائیں طرف بھی۔ چاہے دونوں طرف کوئی (انسان) نہ ہو۔

ساتواں مادہ

نماز باجماعت' امامت اور دیر سے آنے والے مقتدی کے احکام

الف۔ نماز باجماعت کا بیان:

(ا) **نماز باجماعت کا حکم:** ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے' بشرطیکہ اسے کوئی شرعی عذر نہ ہو۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ ثَلاَثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلاَ بَدْوٍ لاَ تُقَامُ فِيْهِمْ صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ إِلاَّ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةِ»(مسند أحمد، سنن أبي داود، سنن النسائي ومستدرك حاكم ۔ حديث صحيح)

"جس شہر یا دیہی آبادی میں تین شخص رہتے ہوں اور ان میں جماعت کا انتظام نہ ہو تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے' لہٰذا جماعت قائم کرو' کیونکہ بھیڑیا ریوڑ میں سے الگ رہنے والی (بھیڑ یا بکری) کو کھاجاتا ہے۔"

اور فرمایا: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ يُحْتَطَبُ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلاَةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ لاَ يَشْهَدُوْنَ الصَّلاَةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ»(صحيح بخاري)

"مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں' ادھر نماز کے لئے اذان کہی جائے' پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں ان لوگوں کا رخ کروں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ پس ان کے گھروں کو جلا دوں۔"

ایک اور نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں ہے' کیا مجھے اجازت ہے کہ مسجد میں نہ آؤں؟" آپ نے اس کو اجازت

مرحمت فرمائی مگر' جانے لگے تو بلا لیا اور فرمایا "کیا اذان سنتے ہو؟" عرض کی "ہاں" فرمایا "تو پھر ضرور آؤ۔" (صحیح مسلم)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا' سوائے منافق کے اور بیمار کو بھی دو انسان چلا کر لاتے تھے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۲) باجماعت نماز کی فضیلت:

شریعت میں نماز باجماعت کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس پر اجر عظیم ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جماعت کے ساتھ نماز' اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ (ثواب رکھتی) ہے۔"

اور فرمایا: «صَلاَةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلاَتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَصَلاَتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ بِضْعًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً، وَذٰلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَي الْمَسْجِدَ لاَ يُرِيْدُ إِلاَّ الصَّلاَةَ فَلَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلاَّ رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً، حَتّٰي يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، وَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلاَةٍ مَا كَانَتِ الصَّلاَةُ تَحْبِسُهُ، وَالْمَلاَئِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰي فِيْهِ، يَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ يُحْدِثْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا' گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے بیس سے زیادہ درجے کی فضیلت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ایک انسان جب اچھا وضو کرتا ہے اور صرف نماز کے لئے مسجد کا رخ کرتا ہے تو ہر قدم کے عوض اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور گناہ مٹا دیتا ہے اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ جتنی دیر نماز کا انتظار کرتا ہے' نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں' جب تک کہ وہ نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما' اس پر رحم کر' جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے۔"

(۳) کم از کم جماعت:

دو آدمی اکٹھے ہو جائیں تو ایک امام بن جائے دوسرا مقتدی' یہی جماعت ہے' البتہ جماعت میں کثرت

تعداد اللہ کی محبت کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

«صَلاَةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلاَتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلاَتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلاَتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللهِ تَعَالٰى»(مسند أحمد، سنن أبي داود، سنن النسائي، صحيح ابن حبان وصححه الحاكم)

"اکیلے کی نماز سے دوسرے آدمی کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے اور دو کے ساتھ نماز پڑھنا ایک کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ جماعت میں جتنی زیادہ تعداد ہوگی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔"

اسی طرح مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے اور دور والی مسجد قریب کی مسجد سے اور بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ أَعْظَمَ النَّاسِ أَجْرًا أَبْعَدُهُمْ مَمْشًى إِلَيْهَا»(صحيح مسلم)

"بے شک زیادہ ثواب ان لوگوں کو حاصل ہو گا جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں۔"

(۴) جماعت میں عورتوں کی شمولیت:

اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو عورتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کیلئے آسکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ»(مسند أحمد وسنن أبي داود بسند صحيح)

"عورتوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو۔"

البتہ وہ سادہ انداز میں آئیں اور خوشبو استعمال نہ کریں۔ اس لئے کہ خوشبو استعمال کر کے مسجد میں آنا' ان کیلئے حلال نہیں ہے۔ (مسند احمد وابوداؤد)

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بُخُوْرًا فَلاَ تَشْهَدْ مَعَنَا العِشَاءَ الآخِرَةَ»(صحيح مسلم)

"عورت خوشبو استعمال کر کے ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔"

نیز عورت کی نماز اپنے گھر میں زیادہ افضل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

«وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ» **"اور ان کے گھر' ان کے لئے بہتر ہیں۔"**

(۵) نماز کے لئے نکلنا اور چلنا:

مسجد میں جانے کیلئے جو گھر سے نکلتا ہے' اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنا دایاں پاؤں آگے بڑھائے

اور کہے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»(سنن الترمذي وصححه)

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشِرًا وَلاَ بَطَرًا وَلاَ رِيَاءً وَلاَ سُمْعَةً، خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، أَسْأَلُكَ أَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَلِي ذُنُوْبِي جَمِيْعًا، فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلاَّ أَنْتَ ـ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ کے نام سے' میں اللہ پر توکل کرتا ہوں' کسی نیک کام کرنے کی قوت اور کسی برے کام سے رک جانے کی دسترس' اللہ کے سوا کسی سے حاصل نہیں ہے' اے اللہ! میں تیری حفاظت چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں' یا کیا جاؤں' پھسل جاؤں یا پھسلا دیا جاؤں' ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں' جاہلانہ کلام کروں یا مجھ پر جاہلانہ وار کیا جائے۔"

بخاری و مسلم کے الفاظ ہیں کہ "اے اللہ! میں مانگنے والوں کے حق اور میرے اس چلنے کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں' میں بڑائی اور تکبر' ریا اور شہرت کیلئے نہیں نکلا' بلکہ تیری ناراضگی سے بچنے کیلئے اور تیری رضا حاصل کرنے کیلئے نکلا ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ مجھے آتش جہنم سے بچا اور میرے سارے گناہ معاف کر دے کہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ اے اللہ! میرا دل' میری زبان' میرا کان اور آنکھ نور سے بھر دے اور مجھے میرے دائیں' بائیں اور اوپر روشنی عطا کر۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا دے۔"

پھر اطمینان کے ساتھ اور پروقار طریقہ سے چلے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح مسلم)

"جب تم نماز کیلئے آؤ تو اطمینان کے ساتھ چلو' جتنی رکعات مل جائیں ادا کرو اور جو فوت ہو جائیں انہیں (بعد میں) پورا کرلو۔"

مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں آگے کرے اور یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَسَلِّمْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»(مسند أحمد وسنن ابن ماجة)

"اللہ کے نام سے 'عظیم اللہ' اس کے مبارک چہرے اور اس کی قدیم سلطنت کی شیطان مردود کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود وسلام بھیج' اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

اور تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہونے کے بعد) کی دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّي يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح مسلم)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔"

ہاں! اگر سورج طلوع ہو رہا ہے' یا غروب ہو رہا ہے تو بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو بایاں پاؤں آگے رکھے اور داخل ہونے کے وقت کی دعا ہی پڑھے البتہ اس میں «وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» کے بجائے «وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ» کہے۔ یعنی "اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔"

ب امامت کا بیان:

(ا) امام کی شرائط: امام کیلئے شرط ہے کہ وہ مرد' عادل اور فقیہ ہو' لہٰذا عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی اور نہ فاسق جو فسق میں مشہور ہو' امام بن سکتا ہے' الآ یہ کہ حکومت پر فائز ہو اور حکم عدولی میں اس سے خطرہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح ان پڑھ جاہل کی امامت درست نہیں ہے' البتہ اپنے جیسوں کا امام بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ وَلاَ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا إِلاَّ أَنْ يَقْهَرَهُ بِسُلْطَانٍ أَوْ يَخَافَ سَوْطَهُ أَوْ سَيْفَهُ»(سنن ابن ماجة وهو ضعيف)

"کوئی عورت اور کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کرائیں' الآ یہ کہ حکومت کی زبردستی ہو یا اس کی لاٹھی یا تلوار کا ڈر ہو"

اس روایت کی اگرچہ سند ضعیف ہے' مگر جمہور علماء کا اس پر عمل ہے۔ عورت کی امامت کے بارے میں اجازت خاندان کی عورتوں اور بچوں کی امامت کے ساتھ مشروط ہے' جیسا کہ فاسق کی امامت اضطراری حالت سے مشروط قرار دی گئی ہے۔

(۲) امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟:

جماعت کی امامت کیلئے کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھنے والا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے' پھر اللہ کے دین کے ماہر علماء' پھر تقویٰ میں زیادہ' پھر بڑی عمر والا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَكْثَرُهُمْ سِنًّا»(صحيح مسلم)

"لوگوں کی امامت وہ کرائے جو اللہ کی کتاب کا زیادہ پڑھنے والا ہو' اگر قرأت میں برابر ہوں تو سنت کو زیادہ جاننے والا' اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو ہجرت میں سبقت لے جانے والا' اگر ہجرت میں برابر ہوں تو عمر میں بڑا۔"

ہاں اگر حاکم وقت' (امام مسجد) یا صاحب خانہ ہو' تو دوسروں سے زیادہ امامت کا مستحق وہی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يُؤَمَّنَّ الرَّجُلُ فِيْ أَهْلِهِ وَلاَ سُلْطَانِهِ إِلاَّ بِإِذْنِهِ»(سنن سعيد بن منصور)

"صاحب خانہ اور حاکم کا اس کی اجازت کے بغیر امام نہ بنے"

(۳) بچے کی امامت:

نابالغ نفل میں امام بن سکتا ہے' فرض کیلئے نہیں۔ اس لئے کہ فرض پڑھنے والا' نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نابالغ کی نماز نفل ہے' لہٰذا فرض میں وہ امامت نہ کرائے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«لاَ تَخْتَلِفُوْا عَلَى إِمَامِكُمْ»(صحيح بخاري)

"اپنے امام سے اختلاف نہ کرو"

اور یہ بھی مخالفت [۱] ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے۔

---

(۱) مؤلف کا یہ فرمان کہ مفترض متنفل کے پیچھے نماز نہ پڑھے' یہ امام کی مخالفت ہے' جو ناجائز ہے' محل نظر ہے' کیونکہ معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فرض نماز ادا کرتے تھے' اور پھر اپنی قوم کو امامت کراتے تھے' صحیح بخاری ج:۱' ص:۹۸ میں ہے۔

«كَانَ مُعَاذُ يُصَلِّيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّ بِهِمْ» معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فرض ہوتی تھی۔ ارشاد ہے: «إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلاَّ الْمَكْتُوْبَةَ . . . .»(فافهم) اور افراد قوم ان کے پیچھے فرض پڑھتے تھے' جبکہ یہ نفل پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (الاثری)

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نابالغ لڑکا فرض نماز میں بھی امام بن سکتا ہے۔ ان کا استدلال عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن کا جو زیادہ قاری ہو وہی امام بنے۔" بنا بریں عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے' جبکہ یہ اس وقت سات سال کی عمر میں تھے۔ (صحیح بخاری)

مگر جمہور علماء نے اس روایت کو ضعیف[۲] کہا ہے اور اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تو یہ احتمال موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی کہ یہ لوگ مدینہ سے دور صحرا میں آباد تھے۔

(۴) عورت کی امامت:

عورت عورتوں کی نماز میں امام بن سکتی ہے اور وہ صف میں ان کے درمیان ہی کھڑی ہو گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کو گھر کی مسجد کا مؤذن مقرر کرنے کی اجازت دی تھی' تاکہ وہ اہل بیت کو نماز پڑھا سکے۔ (سنن ابی داؤد اور یہ حدیث صحیح ہے)

(۵) نابینا آدمی کی امامت:

نابینا نماز کا امام مقرر ہو سکتا ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دو بار مدینہ میں اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے' جبکہ وہ نابینا تھے۔

(سنن ابی داؤد اور یہ حدیث صحیح ہے)

(۶) مفضول کی امامت:

افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت بھی جائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ نے مختلف مواقع میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے' جبکہ آپ ان دونوں' بلکہ کل مخلوق سے افضل ہیں۔ (صحیح بخاری)

(۷) تیمم والے کی امامت:

جس نے تیمم کیا ہو' وہ وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے' اس لئے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تیمم

---

(۲) مؤلف سے سہو ہوا ہے' کسی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا' یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے اور اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ مؤلف کا یہ احتمال بھی درست نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس پر عمل رہا' اگر ممنوع ہوتا تو لازماً اس کی ممانعت نازل ہوتی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل جس پر آپ کا سکوتی استقرار ہو' شرعاً حجت ہے۔ (الاثری)

کے ساتھ ایک فوجی دستہ کو نماز پڑھائی تھی' جبکہ وہ سب وضو سے تھے۔ چنانچہ پھر جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تھا تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ (سنن ابی داؤد اور یہ حدیث صحیح ہے)

(۸) مسافر کی امامت:

مسافر مقیم لوگوں کا نماز میں امام بن سکتا ہے۔ البتہ مقیم لوگ مسافر امام کی نماز کے بعد اٹھ کر نماز پوری پڑھیں گے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو نماز پڑھائی اور آپ مسافر تھے' جبکہ وہ مقیم تھے' پھر فرمایا:

«يَأَهْلَ مَكَّةَ أَتِمُّوا صَلاَتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سُفْرٌ»(مؤطا مالك)

"اے اہل مکہ اپنی نماز پوری کر لو' ہم مسافر لوگ ہیں۔"

اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے ساتھ پوری نماز پڑھے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا "یہ ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے۔" (مسند احمد' اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے)

(۹) مقتدی کا امام کے ساتھ کھڑا ہونا:

اگر مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت دوسری کی امامت کرا رہی ہے تو وہ بھی اس کے پہلو کے ساتھ کھڑی ہو گی اور اگر مقتدی دو یا زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے مرد کھڑے ہوں گے اور پھر ان کے پیچھے عورتیں اور اگر ایک مرد اور ایک عورت مقتدی ہو تو مرد امام کے دائیں جانب اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہو گی۔ چاہے وہ مرد نابالغ لڑکا ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم)

"مردوں کی صفوں میں بہتر پہلی اور گھٹیا آخری ہے اور عورتوں کی صفوں میں آخری بہتر اور پہلی صف گھٹیا ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ کے موقع پر جابر رضی اللہ عنہ کو جو بائیں طرف کھڑے تھے' اپنی دائیں طرف کر دیا تھا اور پھر جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے اور بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دونوں کو پیچھے دھکیل دیا اور وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور اسی طرح انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور میری ماں کو اپنے پیچھے۔" (صحیح مسلم)

نیز انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں اور ایک یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور عورت ہمارے پیچھے۔" (صحیح بخاری)

(۱۰) امام کے سترے کا مقتدیوں کے لئے کافی ہونا:

اگر امام نے "سترہ" بنا لیا ہو تو مقتدیوں کو الگ الگ "سترہ" بنانے کی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آگے ایک نیزہ کھڑا کر لیا کرتے تھے' پھر کسی کو بھی اپنے پیچھے "سترہ" بنانے کا حکم نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۱) امام کی اقتدا کا واجب ہونا:

مقتدیوں پر لازم ہے کہ امام کی اتباع کریں اور کسی بھی حرکت میں امام سے آگے تجاوز کرنا حرام ہے اور برابر رہنا بھی ناپسند ہے۔ اگر تکبیر تحریمہ امام سے پہلے کہہ لی ہے تو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے' ورنہ نماز باطل ہو گی۔ اسی طرح اگر سلام پہلے کہے تو بھی نماز باطل ہے۔ اگر رکوع یا سجدہ' یا ان سے اٹھنا پہلے کر لے تو امام کے بعد رکوع یا سجدہ کرنا دوبارہ لازم ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوْا قُعُوْدًا أَجْمَعُوْنَ»(صحيح بخاري)

"امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' سو اس پر اختلاف نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو' جب وہ رکوع کرے تب تم رکوع کرو اور جب وہ «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے تو تم «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔"[1]

نیز آپ کا فرمان ہے: «أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ يُحَوِّلَ صُوْرَتَهُ صُوْرَةَ حِمَارٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے' کیا وہ ڈرتا نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا سر یا شکل وصورت گدھے کی طرح بنا دیں۔"

---

(۱) امام کی اقتداء میں نمازیوں کا بیٹھ کر نماز ادا کرنا منسوخ ہے کیونکہ آپ نے حیات طیبہ کی آخری نمازیں بیٹھ کر پڑھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی (صحیح بخاری / ع' ر)

(۱۲) کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کی جگہ لینا:

دوران نماز امام کو یاد آجائے کہ وہ بے وضو ہے' یا وہ بے وضو ہو جائے' یا نکسیر پھوٹ پڑے' یا کوئی اور عارضہ لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے وہ نماز جاری نہ رکھ سکے تو جائز ہے کہ مقتدیوں میں سے کسی کو آگے کر دے' جو نماز مکمل کرائے اور خود امام چلا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں زخمی کر دیا گیا تھا' عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ (صحیح بخاری)

اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی نکسیر کی وجہ سے اپنا نائب امام بنایا تھا۔ (سنن سعید بن منصور)

(۱۳) نماز ہلکی کرانا:

امام کیلئے مستحب ہے کہ نماز لمبی نہ کرے' البتہ پہلی رکعت اس نیت سے طویل کر سکتا ہے کہ جماعت میں شریک ہونے والے پہلی رکعت میں آملیں' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت لمبی کرتے تھے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، فَإِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے' اس لئے کہ ان میں کمزور' بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں' ہاں جب اکیلا پڑھے تو جتنی چاہے طوالت کرے۔"

(۱۴) مقتدیوں کے ہاں ناپسندیدہ شخص' کی امامت مکروہ ہے: اگر لوگوں کا کسی کو ناپسند سمجھنا دینی وجوہات کی بنا پر ہو تو وہ شخص ان کی امامت نہ کرائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ تُرْفَعُ صَلاَتُهُمْ فَوْقَ رُؤُوسِهِمْ شِبْرًا: رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ»(سنن ابن ماجة ـ وسنده حسن)

"تین آدمیوں کی نماز ایک بالشت کے قدر بھی ان کے سروں کے اوپر (قبولیت کے لئے) نہیں اٹھتی' ایک وہ جو کسی قوم کی امامت کراتا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور وہ عورت جس پر اس کا خاوند ساری رات ناراض رہا اور وہ دو بھائی جو آپس میں قطع تعلق کر چکے ہیں۔"

(۱۵) امام کے قریب کون کھڑا ہوگا؟ نماز ختم ہونے کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف پھرنا:

یہ امر مستحب ہے کہ امام کے قریب اہل علم وفضل کھڑے ہوں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نے فرمایا:

«لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُوا الأَحْلاَمِ وَالنُّهَي»(صحيح مسلم)

"تم میں صاحب علم وفراست میرے قریب کھڑے ہوا کریں۔"

اور یہ بھی مستحب ہے کہ امام سلام کے بعد دائیں (یا بائیں) طرف سے مڑے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل اسی طرح تھا۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ قبیصہ بن حلب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَؤُمُّنَا فَيَنْصَرِفُ جَانِبَيْهِ جَمِيْعًا عَلٰى يَمِيْنِهِ وَعَلٰى شِمَالِهِ»(حسنه الترمذي)

"نبی ﷺ ہمارے امام ہوتے تھے اور کبھی دائیں طرف سے (ہماری طرف) پھرتے اور کبھی بائیں طرف سے۔"

(۱۶) صفیں برابر کرنا:

امام اور مقتدی صفوں کی درستگی اور ان کو سیدھا رکھنے کا خصوصی اہتمام کریں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف توجہ کر کے فرمایا کرتے تھے:

«تَرَاصُّوْا وَاعْتَدِلُوْا»(صحيح بخارى صحيح مسلم)

"ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اور سیدھے کھڑے ہوا کرو"

اور فرمایا: «سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اپنی صفیں سیدھی کرو' صفوں کی درستی نماز کی تکمیل سے ہے۔"

اور ارشاد ہے:

«لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ»(سنن الترمذي وحسنه)

"تم اپنی صفیں سیدھی کرو گے' یا پھر اللہ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا"

مزید فرمایا: «مَا مِنْ خُطْوَةٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ خُطْوَةٍ مَشَاهَا الرَّجُلُ إِلٰى فُرْجَةٍ فِي الصَّفِّ فَسَدَّهَا»(رواه البزار وهو حسن)

"صف میں خالی جگہ پر کرنے کیلئے آدمی جو قدم بڑھاتا ہے' اس سے بڑھ کر اجر میں کوئی اور قدم نہیں ہے۔"

ج۔ مسبوق کا حکم:

(۱) ہر صورت میں مسبوق کا امام کے ساتھ مل جانا ضروری ہے:

نماز پڑھنے والا جب مسجد میں آتا ہے اور امام کو رکوع' سجدہ' جلسہ یا قیام جس کسی بھی حالت میں پاتا ہے تو اس پر فوراً اس کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالإِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ»(سنن الترمذي بسند ضعيف)

"جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے تو وہ امام کی پیروی کرے' خواہ امام جس حالت میں بھی ہو۔"

جمہور علماء کا اس پر عمل ہے' کیونکہ دیگر روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

(۲) رکوع کے پالینے سے رکعت کا حصول:

مقتدی امام کو رکوع میں پائے اور اس کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع کر لے تو مقتدی کی ایک رکعت پوری ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا جِئْتُمْ إِلَي الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»(سنن أبي داود)

"جب تم نماز کیلئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے شمار نہ کرو اور جو رکعت[1] پالے اس نے نماز پالی۔"

(۳) امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کا فوت شدہ نماز کی قضا دینا:

امام کے سلام کے بعد مقتدی فوت شدہ رکعات کو پورا کرے' چاہے تو فوت شدہ رکعات کو آخر نماز قرار دے' جیسا کہ اس حدیث سے مستفاد ہے:

«فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا»(صحيح مسلم)

"جتنی رکعات پاؤ پڑھ لو اور جو رہ جائیں ان کو پورا کرلو۔"

مثلاً: مغرب کی ایک رکعت پالی ہے تو اٹھ کر دو رکعت پڑھے' پہلی میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھے اور دوسری میں صرف فاتحہ۔ پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور اسی کو بعض محققین اہل علم راجح[2] قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) اس حدیث سے استدلال تب ہو سکتا ہے کہ جب رکعت سے مراد رکوع لیا جائے۔ (مؤلف) اور اس سے رکوع مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ "رکعۃ" کا حقیقی مفہوم یہاں زیادہ موزوں ہے' حدیث کا مقصد یہ ہے کہ انسان نماز باجماعت کا پالینے والا تب قرار پائے گا جب ایک رکعت پوری امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رکوع میں مل جانے سے دو رکن نماز قیام اور قرأۃ فاتحہ رہ گئے ہیں۔ لہٰذا اسے پوری رکعت کا مدرک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (الاثری)

اور چاہے تو فوت شدہ کو اپنی نماز کی پہلی رکعات سمجھے اور سلام کے بعد ان کی قضا کرے' جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ: «وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا»(صحيح بخاري)
"اور جو تم سے رہ جائے اس کی قضا کرو۔"
سے مستفاد ہے۔ بنا بریں مغرب کی ایک رکعت رہ جائے تو اٹھے اور سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت جہراً پڑھے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔[۳]

(۴) مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا:

جہری نماز میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے' بلکہ خاموشی مسنون ہے اور امام کی قرأت ہی اسے کافی ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ»(مسند أحمد وسنن ابن ماجة)
"جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔"
نیز آپ کا فرمان ہے: «مَا لِيْ أُنَازَعُ الْقُرْآنَ»(سنن الترمذي وحسنه)
"کیا بات ہے کہ قرآن کی قراءت مجھ پر گراں ہو رہی ہے!؟"
چنانچہ لوگ جہری نمازوں میں آپ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔
اور فرمایا: «إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا»
(صحيح مسلم)
"امام بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے' لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو۔"

---

(۲) امام نووی شرح مسلم (ج ۱' ص ۲۲۰) میں لکھتے ہیں "اکثر روایات میں «مَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا» ہے' ایک روایت میں «فَاقْضِ مَا سَبَقَكَ» ہے' امام شافعی اور جمہور علماء سلف وخلف اسی کے قائل ہیں کہ مسبوق نے جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں' وہ اس کی اول نماز ہے۔ اور سلام کے بعد اس کی تکمیل کرے گا۔ امام ابو حنیفہ اور ایک طائفہ اس کے برعکس قائل ہیں۔ امام مالک سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ اور «فَاقْضِ مَا سَبَقَكَ» میں قضا سے مراد فقہاء کا اصطلاحی مفہوم نہیں' بلکہ لغوی معنی ہے' یعنی ادائیگی نماز' جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ﴾ "جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ......" (الاثری)

(۳) اس جہر کا جواز محل نظر ہے' ایک تو مؤلف نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی دوسرا یہ الٹا ساتھ والے نمازیوں کی نماز میں مخل ہو سکتا ہے (ع۔ ر)

ہاں امام جن نمازوں میں ''جہر'' نہیں کر رہا' ان میں قراءت مسنون ہے اور ''جہری'' میں بھی امام کے سکتات (یعنی جہاں امام خاموش ہوتا ہے) میں فاتحہ پڑھ لی جائے تو بہتر[1] ہے۔

(۵) فرض نماز کے ہوتے ہوئے نفلی نماز ادا کرنا:

فرض نماز کی تکبیر ہو جائے تو نفل[1] میں داخل ہونا ناجائز ہے' اور اگر نفل پڑھ رہا ہے اور رکوع مکمل کر کے رکعت پوری نہیں کی تو اسے منقطع کر دے' اگر ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو مختصر[2] انداز سے مکمل کرے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلاَّ الْمَكْتُوبَةَ»(صحيح مسلم)

''جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں ہے۔''

(۶) جس نے نماز ظہر ادا نہ کی' جب وہ آئے اور نماز عصر کھڑی ہو چکی ہو تو....؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''ظہر'' کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور سلام کے بعد عصر پڑھے' جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ عصر کی نیت کرے اور ساتھ شامل ہو

---

(۱) اس مسئلہ میں جمہور محدثین وفقہاء کی تحقیق یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کے پیچھے آہستہ فاتحۃ الکتاب کی قراءت لازماً کریں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے «لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری) یعنی ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے۔ حدیث «مَن كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَأَةُ الإِمَامِ لَهُ قِرَأَةٌ» محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (تحفۃ الاحوذی) اور بعض اکابرین نے قراءت سے ماسوی الفاتحہ بھی مراد لی ہے۔ حدیث «مَا لِيْ أُنَازَعُ الْقُرْآنَ» میں مقتدی کی ایسی قراءت جو امام کی قراءت میں منازعت پیدا کرے' یعنی جہراً ہی مراد ہے' جیسا کہ «مَا لِيْ أُنَازَعُ» کا لفظ دال ہے اور اس لئے کہ ابوداؤد (ج:۱' ص:۳۰۴) اور ترمذی میں صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ''تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''ہاں'' آپ نے فرمایا ''نہ پڑھو سوا فاتحۃ الکتاب کے'' خطابی کہتے ہیں ''اس کی سند جید ہے' اس میں کوئی طعن نہیں ہے' اور روایت «إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا» میں جو انصات ہے' فاتحہ کا پڑھنا اس کے منافی نہیں ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ قراءت سے مراد ماسوی الفاتحہ کی قراءت ہے۔ یاد رہے کہ مؤلف کتاب امام کے پیچھے سورہ فاتحہ آہستہ پڑھنے کو ضروری قرار نہیں دیتے' امام کے سکتات میں پڑھ لی جائے تو اسے مستحب قرار دیتے ہیں' جیسا کہ ان کے بیان سے واضح ہے۔ (الاثری)

(۲) سنن رواتبہ بھی شرعاً نفل میں داخل ہیں۔ (الاثری)

(۳) حدیث مبارک کا عموم اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک رکعت پوری کر چکا ہے تو بھی منقطع کر دے۔

جائے۔ امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلے ظہر پڑھے اور پھر عصر کی نماز اور امام کے ساتھ جو نماز پڑھی ہے وہ نفل ہو گی۔ وہ نمازوں کی ترتیب ضروری قرار دیتے ہیں اور حدیث مبارک:

«فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَى الإِمَامِ»

''امام کے خلاف نہ کرو۔''

سے یہی مستفاد ہے کہ احتیاطاً عصر کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور فارغ ہونے کے بعد ظہر اور عصر ترتیب کے ساتھ ادا کرے' اگر یہ حدیث مذکور نہ ہوتی تو پھر ظہر کی نیت سے شامل ہونا اولیٰ تھا۔

(۷) نمازی صف کے پیچھے اکیلا نماز نہ پڑھے:

مقتدی اگر صف میں شامل نہ ہو اور پیچھے کھڑا ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اگر کسی مجبوری کے بغیر اکیلا پیچھے نماز پڑھے تو نماز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے اسی طرح نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا:

«اسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ فَلَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ»(سنن ابن ماجة ومسند أحمد بسند حسن)

''نماز دوبارہ پڑھو' جو اکیلا صف کے پیچھے نماز پڑھے' اس کی نماز نہیں ہے۔''

اگر امام کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔

(۸) پہلی صف افضل ہے:

امام کے دائیں طرف پہلی صف میں ملنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الأَوَّلِ، قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَعَلَى الثَّانِيْ؟ قَالَ: وَعَلَي الثَّانِيْ»(مسند أحمد، معجم الطبراني وإسناده جيد)

''پہلی صف والوں کیلئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور فرشتے ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔'' صحابہ کرام ؓ نے کہا ''اور دوسری صف والوں کیلئے بھی؟'' فرمایا ''اور دوسری صف والوں کیلئے بھی۔''

اور فرمایا: «خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم)

''مردوں کی بہتر صف پہلی ہے اور کم تر آخری اور عورتوں کی بہتر صف پچھلی ہے اور کم تر پہلی''

نیز فرمایا: «إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلَى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ»

(سنن أبي داود)

"اللہ اور اس کے فرشتے ان لوگوں کیلئے رحمت کی دعا کرتے ہیں' جو صفوں کے دائیں طرف نماز پڑھتے ہیں۔"

اور ارشاد ہے: «تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِيْ وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ وَرَاءَكُمْ، وَلاَ يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ حَتَّي يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ»(صحيح مسلم)

"آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو اور تمہارے پیچھے والے تمہاری اقتدا کریں گے اور کچھ لوگ ہمیشہ پیچھے ہوتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ اللہ بھی ان کو پیچھے کر دیتا ہے۔"

آٹھواں مادہ — اذان واقامت کا بیان

الف - اذان

(۱) اذان کی تعریف:

مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے اوقات کی اطلاع دینے کا نام "اذان" ہے۔

(۲) اذان کا حکم:

شہر وقصبہ جات والوں پر نماز کی اذان کہنا فرض کفایہ ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور تمہیں تمہارا بڑا امامت کرائے۔"

جبکہ یہ مسافروں' جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے لئے مسنون ہے (فرض نہیں)' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلاَةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لاَ يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلاَ إِنْسٌ وَلاَ شَيْءٌ إِلاَّ شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري)

"جب تو بھیڑ بکریوں میں ہے' یا دیہات میں' تو اونچی آواز سے نماز کے لئے اذان کہہ' اس لئے کہ جنوں' انسانوں اور دیگر مخلوق میں سے جو بھی مؤذن کی آواز سنے گا' قیامت کے دن اس کیلئے گواہی دے گا۔"

(۳) اذان کے الفاظ:

رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے یہ الفاظ سکھائے:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ» أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ـ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ»

(مذکورہ دونوں شہادتوں کے الفاظ بلند آواز سے دہرانے کو ترجیع کہتے ہیں)

«حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الفَلاَحِ، حَيَّ عَلَى الفَلاَحِ»

اگر صبح کی اذان ہو تو اضافہ کرے۔[1] «اَلصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ»

اذان کا ترجمہ:

اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ نماز کیلئے آؤ' نماز کیلئے آؤ۔ کامیابی کی طرف آؤ' کامیابی کی طرف آؤ۔ (اور صبح کی اذان میں) نماز نیند سے بہتر ہے' نماز نیند سے بہتر ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں ہے۔

ب۔ اقامت

(ا) اقامت کا حکم:

پانچوں نمازوں کیلئے تکبیر (اقامت) کہنا سنت واجبہ ہے' خواہ وقتی نماز ہو' یا فوت شدہ' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ ثَلاَثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلاَ بَدْوٍ لاَ تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلاَةُ إِلاَّ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ،

(ا) «اَلصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» کو اصطلاحاً تثویب بھی کہتے ہیں' یعنی دوبارہ نماز کی طرف بلانا۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں بھی اس کا حکم ہے' اور بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مجھے رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں «اَلصَّلاَةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» کہنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابن ماجہ' مسند احمد) یاد رہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں ترجیع نہیں ہے (الاثری) بارش کی صورت میں «أَلاَ صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ» (گھروں میں نماز پڑھ لو) کہنا بھی مشروع ہے (صحیح بخاری / ع' ر)

فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ»(سنن أبي داود، سنن النسائی ومستدرك حاكم وهو صحيح)

"کسی شہر یا دیہات میں تین آدمی ہوں اور ان میں نماز کی اقامت نہ ہو تو ان پر شیطان غالب آجاتا ہے' لہٰذا تم جماعت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ بھیڑیا بکریوں میں سے الگ رہنے والی بکری کو کھا جاتا ہے۔"

اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اذان دہری کہیں اور اقامت اکہری۔" (صحیح مسلم)

(۲) اقامت کے الفاظ:

اذان کو خواب میں سننے والے صحابی عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق اقامت کے الفاظ یہ ہیں:

اَللهُ أَكْبَرُ اَللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ، حَيَّ عَلَى الفَلاَحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلاَةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلاَةُ، اَللهُ أَكْبَرُ اَللهُ أَكْبَرُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ»

تنبیہ: اقامت (تکبیر) امام کی مرضی کے وقت کہنی چاہئے۔ امام کی موجودگی اور اجازت کے بغیر مؤذن تکبیر نہ کہے۔ حدیث میں ہے:

«اَلْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالأَذَانِ وَالإِمَامُ أَمْلَكُ بِالإِقَامَةِ»(سنن الترمذي)

"مؤذن اذان کا زیادہ اختیار رکھتا ہے اور امام تکبیر (کہلانے) کا۔"

اس کی سند میں اگرچہ مجہول راوی ہے' تاہم فقہاء کا تعامل اسی پر ہے اور ایک شاہد جو علی رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ ہاں اذان کہنے میں مؤذن کو اختیار ہے' جب بھی وقت ہو جائے کسی کا انتظار کئے بغیر اذان کہے۔

اذان و تکبیر میں مستحب امور:

(۱) اذان ٹھہر ٹھہر کر دینا اور تکبیر (اقامت) میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

«إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ، وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ»(أبوالشيخ عن أبي هريرة بسند حسن)

"جب تو اذان کہے تو ٹھہر ٹھہر کر کہہ اور جب اقامت کہے تو جلدی کر"

(۲) سننے والا وہی الفاظ آہستہ آہستہ دہرائے جو مؤذن یا تکبیر کہنے والا کہہ رہا ہے۔ البتہ «حَيَّ

عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ» کے جواب میں «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» کہے اور «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» کے جواب میں أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا کہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت میں «قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ» کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا کہا[1] اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ، ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّي عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ تَكُوْنَ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ»

"جب تم اذان سنو تو مؤذن کی طرح کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو' جو ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے' اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ پھر میرے لئے "وسیلہ" کا سوال کرو' جو اللہ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرتا ہے اس کیلئے میری سفارش حلال ہو گئی۔"

(۳) اذان کے بعد دعائے خیر کرنی چاہئے' جامع ترمذی میں حسن سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

«اَلدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ»(سنن الترمذي)

"اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔"

مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا بھی مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِيْ»

"اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے' تیرے دن کے جانے اور تجھے پکارنے والوں کا وقت ہے' پس مجھے بخش دے۔"

نواں مادہ — قصر' جمع' بیمار کی نماز اور صلاۃ الخوف کا بیان

الف۔ نماز قصر:

(۱) قصر کا معنی:

قصر کا معنی یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھی جائے' جن میں سورۂ فاتحہ اور کسی دوسری

---

(۱) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور بعض صحیح روایات میں آتا ہے کہ تکبیر کا جواب بھی اسی طرح دیا جائے جیسے مکبر کہے۔ (اسد)

سورت کی قراءت ہو گی۔ مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں ہے' اس لئے کہ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور صبح کی دو رکعتیں۔

(۲) قصر کا حکم:

شریعت میں "قصر" کے بارے میں اللہ عزوجل کا یہ حکم وارد ہے:

﴿ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ ﴾ (النساء٤/ ١٠١)

"اور جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ تم پر اللہ کی ایک خیرات ہے' تم اس کی خیرات قبول کرو۔"

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بھی سفر کیا تو نماز میں قصر کیا' اس سے اس کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۳) مسافت کی مقدار جس میں قصر کرنا مسنون ہو:

نبی ﷺ نے صراحت کے ساتھ قصر کی کوئی مسافت متعین نہیں کی۔ تاہم جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ائمہ کرام رحمہم اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کی مسافت کا اعتبار کیا ہے جس میں آپ نے قصر کی تھی۔ وہ تقریباً چار برد یعنی اڑتالیس میل [۱] بنتا ہے' اس لئے ان کے ہاں یہ ادنیٰ مسافت "قصر" قرار پائی ہے یعنی اگر کوئی شخص اڑتالیس میل سفر اختیار کرتا ہے اور وہ سفر کسی گناہ کیلئے نہیں ہے تو وہ چار رکعت والی نماز مثلاً ظہر' عصر اور عشاء کو دو رکعت ادا کرے۔

(۴) آغاز اور انتہائے قصر:

مسافر اپنے شہر کی رہائشی آبادی سے جدا ہوتے ہی قصر کر سکتا ہے اور اپنے شہر کی حدود میں آنے تک قصر کرتا رہے' الاّ یہ کہ کسی جگہ چار یا زیادہ دن رہنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو وہ پوری نماز ادا کرے گا' پھر

---

(۱) ان روایات سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اڑتالیس میل کے سفر پر قصر کی تھی' جب کہ صحیح مسلم (ج: ۱' ص: ۲۴۳) میں ہے «كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ» یعنی "رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا نو میل کے سفر پر نکلتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔" یہ حدیث صریح ہے کہ تین یا نو میل کے سفر پر قصر کی جائے' تین اور نو میں شک ہے' لہٰذا نو میل یقینی ہے' اور اسی کو حد قصر سفر قرار دیا جانا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (الاثری)

قصر نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اقامت کے ارادہ سے اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور سکون قلب حاصل ہو جائے گا اور جس غرض کیلئے "قصر" کی مشروعیت تھی وہ باقی نہیں رہی' یعنی مسافر کا سفری پریشانی میں مبتلا ہونا اور دل کا سفری ضرورتوں میں مشغول ہونا۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور اس دوران آپ نماز قصر ادا کرتے رہے۔ (مسند احمد)

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے وہاں اقامت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

(۵) سفر میں نوافل:

مسافر "سنن راتبہ" اور دیگر نوافل' ماسوائے صبح کی سنتوں اور وتر کے' کیونکہ ان دونوں کا چھوڑنا مستحسن نہیں ہے' ترک کر سکتا ہے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر نوافل پڑھوں تو پھر "قصر" کی کیا ضرورت ہے' پھر نماز پوری پڑھتا۔"

ہاں مسافر اگر نوافل پڑھنا چاہے تو بلا کراہت جائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی حالت میں صلاۃ الضحی (چاشت کی نماز) آٹھ رکعت پڑھی تھی اور آپ جانور کی پیٹھ پر بھی سفری راستہ میں نفل پڑھ لیتے تھے۔

(۶) ہر مسلمان کے لئے قصر کرنا سنت ہے:

مسافر پیدل چل رہا ہے یا سواری پر' اونٹ پر سفر کر رہا ہے' یا بس پر' یا ہوائی جہاز پر' بہرصورت وہ قصر کر سکتا ہے' ہاں ملاح جو ہمیشہ سفر میں رہتا ہے اور اس کے اہل وعیال اس کے ساتھ ہی رہتے ہیں تو سفینہ ہی اس کی اقامت گاہ ہے' وہ پوری نماز پڑھے "قصر" اس کیلئے مسنون نہیں ہے۔

ب۔ نمازوں کو جمع کرنا:

(۱) نمازیں جمع کرنے کا حکم:

دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ ہاں عرفات میں نماز ظہر اور عصر کو جمع کرنا اور مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء کو جمع کرنا لازم ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ عرفات میں ادا کی اور جب مزدلفہ آئے تو عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمائی۔ (صحیح مسلم)

(۲) **جمع کا طریقہ:** مسافر کیلئے جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح جائز ہے۔ جمع تقدیم اس طرح کہ نماز ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لے اور جمع تاخیر یہ کہ نماز عصر کے وقت میں دونوں کو ادا کرے۔ اسی طرح مغرب وعشاء دونوں مغرب کے وقت میں پڑھے تو یہ جمع تقدیم ہے اور عشاء کے وقت میں پڑھے تو

جمع تاخیر ہے۔

اس لئے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں ایک دن رسول اللہ ﷺ نے تاخیر کر کے ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں اور مغرب وعشاء بھی اکٹھی ہی ادا کیں جبکہ آپ لڑائی کے لئے تبوک میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اسی طرح اہل بلد (شہر والے) بھی مسجد میں بارش' یا سخت سردی' یا تیز آندھی کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں' بشرطیکہ عشاء کیلئے دوبارہ آنے میں مشقت کا خطرہ ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش کی رات [1] مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری)

اگر شدت بیماری کی وجہ سے مریض کو نمازوں کی ادائیگی میں تکلیف ہو رہی ہے تو وہ بھی دو نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے' اس لئے کہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی علت مشقت ہے اور حضر میں بھی شدید ضرورت پیش آسکتی ہے۔ مثلاً جان ومال اور عزت کا خوف ہو تو ایسی صورتوں میں "ظہرین" (یعنی ظہر اور عصر) ایک وقت میں اور عشائین (یعنی مغرب اور عشاء) ایک وقت میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار بارش کے بغیر بھی ایک ہی وقت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"نبی ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب اور عشاء کی سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھی تھیں۔"

اس کی صورت یہ ہوگی کہ نماز ظہر آخر وقت میں ادا کی جائے اور نماز عصر اول وقت میں۔ اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں۔ اس طرح دونوں نمازیں ایک وقت میں ادا ہو جائیں گی (اسے اصطلاحا جمع صوری کہا جاتا ہے)

ج۔ بیمار کی نماز:

اگر مریض ٹیک لگا کر بھی کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرے اور اگر بیٹھ بھی نہ پڑھ سکے تو پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہے تو پیٹھ پر سیدھا لیٹ جائے' ٹانگیں قبلہ کی طرف پھیلا دے اور سجدہ' رکوع سے نیچا کرے۔ اگر رکوع و سجود بھی نہیں کر سکتا تو اشارہ سے ادائیگی کر لے' اس لئے کہ ترک نماز کسی بھی صورت جائز نہیں۔

---

(1) یہ لفظ بخاری میں نہیں ہے۔ امام مالک نے اس کی یہی توجیہ فرمائی ہے کہ وہ رات بارش کی تھی۔ (الاثری)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی تکلیف تھی' میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ فرمایا:

«صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَصَلِّ عَلَى جَنْبِكَ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا»(صحيح بخاري)

"کھڑے ہو کر نماز پڑھا کر' اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر' اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو پہلو پر لیٹ کر اور اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو چت لیٹ کر ہی نماز ادا کر۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی جان کو اس کی استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔"

د۔ نماز خوف:

(ا) نماز خوف کی مشروعیت:

خوف کے وقت مخصوص انداز سے نماز کی ادائیگی اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ثابت ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ ٱلصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

"اور جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز قائم کرو تو ان کا ایک گروہ تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑا ہو' پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو یہ گروہ تمہارے پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جنہوں نے تمہارے ساتھ نماز نہیں پڑھی' وہ آجائے اور تمہارے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ کریں اور اپنے ہتھیار ساتھ رکھیں۔"

(۲) سفر میں نماز خوف کا طریقہ:

اس نماز کی ادائیگی کے مختلف طریقے احادیث میں وارد ہیں' جس کی وجہ خوف کا کم وبیش ہونا ہے۔ اگر لڑائی سفر میں ہے تو اس کی مشہور ترین کیفیت یہ ہے کہ فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہو جائے اور دوسری امام کے پیچھے' امام ان کو ایک رکعت پڑھائے اور کھڑا رہے' اس اثناء میں یہ مقتدی اپنے طور پر ایک رکعت پڑھ لیں اور سلام پھیر دیں۔ یہ جماعت سلام کے بعد دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑی ہو اور دوسرا گروہ آجائے' امام ان کو بھی ایک رکعت پڑھائے اور تشہد میں بیٹھا رہے' یہ گروہ ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لیں اور پھر امام کے ساتھ سلام پھیریں۔

نماز خوف کی یہ کیفیت حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ صحیح مسلم میں

مروی ہے۔

(۳) حضر میں نماز خوف کا طریقہ:

اگر لڑائی "حضر" میں ہو رہی ہو' جہاں نماز قصر نہیں ہوتی تو پہلا گروہ دو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھے اور دو رکعتیں اپنے طور پر اور امام کھڑا رہے پھر دوسرا گروہ آکر دو رکعتیں امام کے ساتھ ادا کرے اور امام بیٹھا رہے' اتنے میں وہ دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھ لیں گے اور بعد ازاں امام ان کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔

(۴) اگر لڑائی کی شدت کی وجہ سے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہو تو .....؟

اگر لڑائی شدت اختیار کر جائے اور فوج کو تقسیم کر کے ان کو نماز پڑھانا ممکن نہ ہو تو اکیلے اکیلے اشارے کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ برابر ہے کہ پیدل ہوں یا سوار' قبلہ رخ ہوں یا نہیں' کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٩)

"اگر تمہیں خطرہ ہے تو پیدل یا سوار ہو کر (نماز ادا کرو)۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَلْيُصَلُّوْا قِيَامًا وَّرُكْبَانًا»(صحيح بخاري)

"اور اگر وہ (خوف یا دشمن) زیادہ ہوں تو مسلمان پیدل اور سوار ہو کر نماز پڑھ لیں۔"

(۵) دشمن کا متلاشی یا دشمن سے بھاگنے والا:

جو شخص دشمن کی تلاش میں ہو اور اس کے نکل جانے کا اندیشہ ہو' یا دشمن اس کے پیچھے پڑا ہوا ہو اور اسے پکڑے جانے کا خطرہ ہو' یا کسی موذی جانور کی ایذا رسانی کا اندیشہ ہو تو جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے' پیدل چلتے ہوئے یا دوڑتے ہوئے قبلہ رخ ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٩)

"پس اگر تمہیں خطرہ ہو' تو پیدل یا سوار ہو کر (نماز ادا کرو)۔"

نیز عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ نے ہذلی کی تلاش میں بھیجا۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے نماز کی تاخیر کا خوف ہوا تو میں نے چلتے چلتے اشارے کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ (صحیح بخاری)

دسواں مادہ

نماز جمعہ کا بیان

(۱) نماز جمعہ کا حکم:

نماز جمعہ فرض ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ٩)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آجایا کرو اور تجارت چھوڑ دیا کرو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ»(صحيح مسلم)

"لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آجائیں' یا پھر اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا' پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔"

نیز فرمایا: «اَلْجُمْعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلاَّ أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيْضٌ»(سنن أبي داود ـ حديث مرسل)

"جمعہ جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر حق اور لازم ہے' البتہ چار قسم کے لوگوں پر (واجب نہیں ہے۔ مملوک غلام' عورت' بچہ اور بیمار"

(۲) نماز جمعہ کی مشروعیت کی حکمت:

نماز جمعہ جن مقاصد کیلئے مشروع ہے' ان میں ایک یہ ہے کہ شہر یا دیہات کے وہ ذمہ دار' بالغ اور مکلف افراد جو شہری ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں' کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے' تا کہ مسلمانوں کے امام یا خلیفہ' اہل اسلام کے دین و دنیا سے متعلقہ اہم ترین بیانات اور قرار دادوں کو سن سکیں۔ اور وہ (اہل اسلام) ترغیب و ترہیب اور وعد و وعید پر مبنی ضروری باتیں ذہن نشین کر کے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور ان پر عمل و سعی کی کوشش کریں' تو اس طرح وہ پورا ہفتہ جوش و خروش اور خوشی کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوتے رہیں گے۔

جمعہ کی شرائط و خصائص پر اگر ایک نظر ڈال لی جائے تو مذکورہ بالا حکمت کی نشاندہی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی شرائط میں قریہ' (بستی) جماعت اور مسجد ہے اور یہ کہ سب لوگ ایک ہی

جگہ جمعہ ادا کریں اور خطبہ سربراہ حکومت یا اس کا نمائندہ ارشاد فرمائے اور دوران خطبہ گفتگو حرام ہے۔ غلام، عورت، نابالغ اور بیمار پر جمعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ پورے مکلف نہیں ہیں اور منبر پر ارشاد کردہ ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی قدرت واستطاعت نہیں رکھتے۔

(۳) یوم جمعہ کی فضیلت:

یوم جمعہ دنیا کے تمام ایام سے افضل اور عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، وَفِيْهِ خُلِقَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، وَفِيْهِ أُدْخِلَ إِلَى الْجَنَّةِ وَفِيْهِ أُخْرِجَ مِنْهَا، وَلاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلاَّ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ»(صحيح مسلم)

”جمعہ کا دن تمام ایام میں افضل ہے، اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، بہشت میں داخل کئے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہو گی۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دن کو عظمت دی ہے، لہٰذا اس میں کثرت سے نیکیاں کی جائیں اور گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔

(۴) جمعہ کے آداب اور جمعہ کے دن کے مسنون اعمال:

(ا) جو جمعہ میں شریک ہوں وہ نہالیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«غُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”جمعہ کے دن ہر مسلمان (بالغ) پر غسل واجب ہے۔“

(۲) اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنیں اور خوشبو استعمال کریں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَلْبَسُ مِنْ صَالِحِ ثِيَابِهِ، وَإِنْ كَانَ لَهُ طِيْبٌ مَسَّ مِنْهُ»(مسند أحمد وسنن أبي داود)

”تمام مسلمان جمعہ کے دن غسل کریں اور اچھے کپڑے پہنیں اور اگر خوشبو ہے تو استعمال کریں۔“

(۳) نماز اور خطبہ کے وقت سے پہلے مسجد میں آنا بہتر ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الأُوْلَى، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً،

فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلاَئِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»(مؤطا مالك)

''جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کرے اور پہلے وقت میں ہی چل پڑے تو گویا اس نے اللہ کے تقرب میں اونٹ دیا اور جو دوسرے وقت میں جائے' گویا اس نے گائے تقرب کیلئے دی اور جو تیسرے وقت میں جائے تو گویا اس نے سینگ والا مینڈھا دیا اور جو چوتھے وقت میں جائے' وہ ایسا ہے جیسے اس نے مرغی کی قربانی دی اور جو پانچویں وقت میں جائے' گویا اس نے مرغی کا انڈہ قربانی میں دیا اور جب امام خطبہ کے لئے آتا ہے تو فرشتے ذکر سننے کیلئے حاضر ہو جاتے ہیں۔''

(۴) مسجد میں داخل ہونے کے بعد جتنے نوافل آسانی سے پڑھ سکے' پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَرُوحُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَلاَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ لِلإِمَامِ إِذَا تَكَلَّمَ، إِلاَّ غُفِرَ لَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى مَالَمْ يَغْشَ الْكَبَائِرَ»(صحيح بخاري)

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور استطاعت کے مطابق اچھی طرح وضو کرتا ہے اور تیل یا خوشبو لگاتا ہے اور پھر مسجد میں پہنچ جاتا ہے اور دو آدمیوں میں تفریق نہیں کرتا اور جو اس کے لئے مقدر ہے نماز پڑھتا ہے' پھر امام کے خطبہ میں خاموش رہتا ہے تو اگلے جمعہ تک کے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں' بشرطیکہ بڑے گناہوں کا ارتکاب نہ کرے۔''

(۵) امام کے آنے پر گفتگو ترک کر دے اور کنکر وغیرہ سے مشغولیت منقطع کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ أَنْصِتْ، فَقَدْ لَغَوْتَ» (صحيح مسلم)

''اگر جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو اور تو اپنے ساتھی کو کہے ''خاموش ہو جا'' تو تو نے لغو کام کیا۔''

نیز فرمایا: «مَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا، وَمَنْ لَغَا فَلاَ جُمُعَةَ لَهُ»(سنن أبي داود)

''جو کنکریوں کو ہاتھ لگائے' اس نے لغو کام کیا اور جو لغو کام کرے' اس کا جمعہ نہیں ہے۔''

(۶) اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آتا ہے' جب امام خطبہ دے رہا ہو تو پہلے تحیۃ المسجد کے طور پر دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ

فِيْهِمَا»(صحيح مسلم)

”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں تخفیف سے کام لے۔“

(۷) مسجد میں بیٹھنے والوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور نہ ان کے درمیان تفریق کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو لوگوں کی گردنوں پر سے گزرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ»(سنن إبي داود)

”بیٹھ جا تو نے ایذا دی ہے۔“

نیز فرمایا: «وَلاَ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ»(صحيح بخاري)

”اور وہ (اکٹھے بیٹھنے والے) دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے۔“

(۸) جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ﴾ (الجمعة٦٢/ ٩)

”جمعہ کے دن جب نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلد نکلو اور تجارت چھوڑ دو۔“

(۹) جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ کہف کی تلاوت مستحب ہے۔

ارشاد نبوی ہے: «مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمْعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّوْرِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ»(مستدرك حاكم وصححه)

”جو شخص جمعہ کے دن ”سورۂ کہف“ پڑھتا ہے تو دو جمعہ کے درمیان اس کیلئے نور چمکتا رہتا ہے۔“

(۱۰) رسول اللہ ﷺ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود وسلام پڑھنا چاہیے۔ اس لئے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«أَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلاَةِ يَوْمَ الْجُمْعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَّشَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(رواه البيهقي بإسناد حسن)

”جمعہ کے دن اور رات کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ جو اس کی تعمیل کرے گا میں قیامت کے دن اس کیلئے گواہ اور سفارشی ہوں گا۔“

(۱۱) جمعہ کے دن کثرت سے دعا کرنا بہتر ہے' اس لئے کہ اس دن میں ایک ساعت دعا کی قبولیت کی ہے' جو اس وقت میں دعا کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ قبول کرتا ہے اور جو مانگے دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لاَ يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا خَيْرًا إِلاَّ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ»(صحيح مسلم)

”جمعہ کے دن میں ایک ایسا وقت ہے کہ جب کوئی مسلمان اللہ کا بندہ اس میں اللہ عزوجل سے اچھائی کا سوال کرے تو وہ یقیناً اس کو دیتا ہے۔“

بعض روایات میں ہے کہ یہ وقت امام کے خطبہ کیلئے آنے سے نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیان میں ہے۔ (ابوداؤد' اس کی سند کمزور ہے)

اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ عصر کے بعد ہے۔ (رواہ احمد وابن ماجہ اس کی سند صحیح ہے)

(۵) وجوب جمعہ کی شرائط:

(ا) مرد ہونا کیونکہ' عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۲) آزاد ہونا کیونکہ' غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۳) بالغ ہونا کیونکہ' نابالغ پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۴) تندرست ہونا کیونکہ' بیمار جو بیماری کی وجہ سے جمعہ میں شریک نہیں ہو سکتا' اس پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

(۵) مقیم ہونا کیونکہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ إِلاَّ أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيْضٌ»(رواه أبوداود عن طارق بن شهاب مرسلاً ومرسل الصحابي حجة)

”جمعہ چار کے سوا سب مسلمانوں پر واجب اور ثابت ہے (اور وہ چار یہ ہیں) غلام مملوک' عورت' نابالغ لڑکا اور بیمار“

اور فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلاَّ مَرِيْضًا أَوْ مُسَافِرًا أَوِ امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَمْلُوْكًا»(رواه البيهقي والدارقطني بسند ضعيف والعمل عليه عند جمهور المسلمين)

”اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہر مومن پر جمعہ کے دن جمعہ (واجب) ہے مگر بیمار' مسافر' عورت' نابالغ اور غلام پر (واجب نہیں)“

ہاں جس پر جمعہ واجب نہیں ہے' اگر وہ امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کر لیتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے۔' وہ اس کے بعد نماز ظہر نہیں پڑھے گا۔

(۶) صحت جمعہ کی شرائط:

(ا) آبادی (بستی' شہر میں) ہو تو جمعہ صحیح ہے' صحرا یا سفر میں جمعہ درست[1] نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں شہروں اور بستیوں میں جمعہ ہوتا تھا' جبکہ بادیہ نشینوں کو اس کا حکم آپ نے نہیں دیا تھا اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر میں اس کا اہتمام کیا ہو۔

(۲) مسجد کی عمارت یا صحن ہی میں جمعہ درست ہے' اس کے علاوہ کھلے میدانوں میں جمعہ درست نہیں ہے' اس لئے کہ ایسی جگہوں میں گرمی یا سردی سے مسلمانوں کا تحفظ نہیں ہو سکے گا خاص طور جب ضرر ومشقت کا اندیشہ ہو۔[2]

(۳) نماز سے پہلے خطبہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہے' اس لئے کہ جمعہ کی مشروعیت خطبہ (جس میں وعظ وتذکیر ہوتا ہے) کیلئے ہی ہے۔

(۷) بستی سے دور رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے:

جس شہر (یا آبادی) میں جمعہ کی اقامت کا انتظام ہو' اس سے تین میل دور رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ»(سنن أبي داود وسنن دارقطني بسند ضعيف وعليه العمل عند أحمد ومالك والشافعي)

"جمعہ اس پر ہے جو اذان سن سکتا ہے۔"

اور عام طور پر تین میل سے زیادہ مؤذن کی اذان نہیں سنی جا سکتی۔ تین میل[3] ساڑھے چار کلومیٹر ہوتا ہے۔

(۸) جمعہ کی ایک رکعت یا کم پانے والے شخص کا حکم:

(ا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا "تم جہاں ہو جمعہ قائم کرو" (معرفة السنن للبيهقي وقال إسناده حسن) نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی یہ اثر مروی ہے' عینی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (كذا في عون المعبود١/ ٤١٥)

(۲) صاحب کتاب کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "ساری زمین میرے لئے مسجد بنا دی گئی ہے۔" اس بنا پر جمعہ صرف مسجد ہی میں ہونا شرط نہیں ہے۔ (محمود الحسن اسد)

(۳) اس کا اطلاق پاک و ہند کے گنجان آباد علاقوں پر نہیں ہوتا' بالعموم تین میل کے اثناء میں بستیاں اور آبادیاں موجود ہیں' لہٰذا ہر بستی میں جمعہ کا انتظام کرنا لازم ہے۔ البتہ جہاں صحرائی علاقے ہیں' وہاں موجود کسی اکیلے مرد پر جمعہ لازم نہیں ہوگا' اسلئے کہ وہ مسافر کے حکم میں ہے۔ (الاثری)

مسبوق (یعنی بعد میں ملنے والا) جمعہ کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو اس کے ساتھ ایک اور ملالے' اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلاَةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا كُلَّهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص (کسی) نماز کی ایک رکعت پالے تو (گویا) اس نے پوری نماز پالی ہے۔"

اور جو ایک رکعت سے کم پائے' مثلاً سجدہ میں شامل ہو تو وہ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے اور امام کے سلام کے بعد پوری کرے۔

(۹) ایک شہر میں متعدد جمعوں کا اہتمام:

اگر مسجد نمازیوں کی گنجائش سے تنگ ہے اور اس کی توسیع کا امکان بھی نہیں ہے تو شہر کی دوسری مسجد یا مساجد میں حسب ضرورت اس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰) نماز جمعہ کی کیفیت اور طریقہ:

سورج کے زوال کے بعد امام آئے اور منبر پر چڑھ جائے۔ لوگوں کو سلام کہے اور بیٹھ جائے تو مؤذن ظہر کی اذان کی طرح اذان کہے' مؤذن جب اذان سے فارغ ہو جائے تو امام کھڑا ہو کر لوگوں کو خطبہ دے۔ ابتدا اللہ کی تعریف اور اس کی حمد و ثنا سے کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کہے اور لوگوں کو اونچی آواز کے ساتھ وعظ و نصیحت کرے' اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے اوامر بتائے اور منہیات سے اجتناب کی تلقین کرے' ترغیب وترہیب کا انداز اپنائے اور وعد ووعید کے ذریعہ لوگوں کو سمجھائے اور پھر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جائے اور پھر کھڑا ہو کر دوبارہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثناء پر مشتمل خطبہ پڑھے' اسی لہجہ اور اسی آواز کے ساتھ کہ گویا وہ کسی دشمن فوج سے ڈرا رہا ہے۔ اس سے فارغ ہو جائے تو امام منبر سے نیچے اتر آئے تو مؤذن نماز کی طرح اقامت کہے اور امام لوگوں کو دو رکعت پڑھائے' جس میں اونچی آواز سے قراءت کرے' بہتر[1] یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہٴ فاتحہ کے بعد سورۃ "الاعلیٰ" اور دوسری میں "الغاشیہ" پڑھے۔

---

(۱) صحیح مسلم میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (مؤلف)

اور مؤطا امام مالک میں سورۃ الجمعہ پہلی رکعت میں اور "الغاشیہ" دوسری رکعت میں پڑھنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے' لہٰذا ان سب پر وقتاً فوقتاً عمل کرنا چاہیے' یاد رہے کہ یہ سورتیں مکمل پڑھنی چاہیں بعض لوگ ان میں سے چند آیات پڑھ لیتے ہیں' یہ استحباب وسنت کے خلاف ہے۔ (الاثری)

گیارہواں مادہ سنت وتر' سنت فجر' مؤکدہ سنتیں اور دیگر نوافل

الف ۔ نماز وتر کا بیان:

(۱) نماز وتر کا حکم اور اس کی تعریف:

وتر لازمی سنت ہے' جسے کسی حال میں بھی مسلمان ترک نہ کرے۔ عشاء کے بعد رات کے نوافل کے آخر میں ایک رکعت کو وتر کہتے ہیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَلاَةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَاحِدَةً، تُوْتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰي»(صحيح بخاري)

"رات کی نماز دو دو رکعت ہے' جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو ایک رکعت پڑھے' اس طرح اس کی ساری پڑھی ہوئی نماز وتر (طاق) بن جائے گی۔"

(۲) وتر سے قبل سنت طریقہ کیا ہے؟:

مسنون طریقہ یہ ہے کہ وتر سے پہلے کم از کم دو رکعت یا زیادہ سے زیادہ دس رکعات تک پڑھے' پھر وتر پڑھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(۳) وتر کا وقت:

عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح کی نماز سے پہلے تک' وتر کا وقت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اسے پڑھا جائے' اگرچہ ابتدائی حصہ میں بھی جائز ہے' الآ یہ کہ بیدار نہ ہونے کا اندیشہ ہو (تو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھ لے) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ ظَنَّ مِنْكُمْ أَنْ لاَّ يَسْتَيْقِظَ آخِرَ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ ظَنَّ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَيْقِظَ آخِرَهُ، فَلْيُوْتِرْ آخِرَهُ، فَإِنَّ صَلاَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَحْضُوْرَةٌ، وَهِيَ أَفْضَلُ»(صحيح مسلم وهذا اللفظ لأحمد)

"جس کا خیال یہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو وہ اول حصہ میں وتر پڑھ لے اور جو گمان کرتا ہے کہ وہ آخری حصہ میں بیدار ہو جائے گا' وہ آخری حصہ میں ہی وتر پڑھے' اس لئے کہ رات کے آخری حصہ کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے۔"

(۴) جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے اور صبح ہو جائے:

ایک مسلمان سویا رہا اور وتر نہ پڑھ سکا اور اسی طرح صبح ہو گئی تو وہ صبح کی نماز سے پہلے قضا کر لے'

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ وَلَمْ يُوتِرْ فَلْيُوتِرْ»(مستدرك حاكم وهو صحيح)

"اگر تم میں سے کوئی شخص صبح ہونے تک وتر نہ پڑھ سکا تو وتر پڑھ لے۔"

نیز ارشاد ہے: «مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّهِ إِذَا ذَكَرَهُ»(سنن أبي داود وهو صحيح)

"جو سویا رہا' یا بھول گیا اور وتر نہ پڑھ سکا تو جب یاد آئے وتر پڑھ لے۔"

(۵) وتر میں کس طرح کی قرأت کرنی چاہیے؟:

وتر سے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد "سورۃ الاعلی" اور "سورۃ الکافرون" پڑھے اور وتر کی رکعت میں "سورۃ الاخلاص" اور "معوذتین" کی تلاوت کرے۔ (سنن ابوداوٗد' سنن نسائی و مسند احمد باسناد حسن)

(۶) ایک رات میں کئی وتر پڑھنے کی کراہت:

ایک ہی رات میں وتر کا تکرار ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ وِتْرَانِ بِلَيْلَةٍ»(سنن الترمذي وهو حسن)

"ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔"

جس شخص نے رات کے اول حصہ میں وتر پڑھا اور پھر آخری حصہ میں نفل پڑھنا چاہتا ہے تو صرف نفل پڑھے' وتر کا اعادہ نہ کرے' اس لئے کہ آپؐ نے فرمایا:

«لاَ وِتْرَانِ بِلَيْلَةٍ»(أيضًا)

"ایک رات میں دو وتر نہیں۔"

ب۔ سنت فجر کا بیان:

(۱) فجر کی سنتوں کا حکم:

وتر کی طرح یہ دو رکعتیں بھی سنت مؤکدہ ہیں' اس لئے کہ یہ رکعتیں دن کی نماز کی ابتدا ہیں' جبکہ وتر رات کی نماز کا اختتام اور رسول اللہ ﷺ کے معمول سے ان کا مؤکدہ ہونا ثابت ہوتا ہے' اس لئے کہ آپ نے ہمیشہ ان کی پابندی کی ہے اور کبھی ترک نہیں کیں۔ اور اپنے اس فرمان عالی سے ترغیب بھی دلائی ہے:

«رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»(مسند أحمد وسنن أبي داود)

"صبح کی دو رکعتیں دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔"

نیز ارشاد ہے: «لَا تَدَعُوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، وَإِنْ طَارَدَتْكُمُ الْخَيْلُ» (مسند أحمد وسنن أبي داود)

"صبح کی دو رکعتیں نہ ترک کرو' چاہے (دشمن کے) گھوڑے تمہارے مقابلہ میں ہوں۔"

(۲) صبح کی سنتوں کا وقت:

صبح کی سنتوں کا وقت طلوع فجر اور صبح کی فرض نماز کے درمیان ہے۔ اگر ایک شخص سورج طلوع ہونے تک نہ جاگ سکا اور سویا رہا یا اسے نسیان ہو گیا تو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے' یا جب یاد آئے پڑھ لے۔ ہاں سورج کے زوال کے بعد یہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ حَتَّي تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُصَلِّهِمَا» (سنن البيهقي وسنده جيد)

"جس نے صبح کی دو رکعتیں سورج طلوع ہونے تک نہیں پڑھیں' وہ طلوع کے بعد پڑھے۔"

ایک جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سورج چڑھے تک سوئے رہے' چنانچہ (بیدار ہونے کے بعد) اس جگہ سے ہٹ کر آگے بڑھے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا اور پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر صبح کی نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری)

(۳) سنتیں ادا کرنے کا طریقہ:

دو خفیف (ہلکی) رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ الکافرون اور سورہ اخلاص پڑھے اگر صرف سورہ فاتحہ پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے فرض سے پہلے دو خفیف رکعتیں پڑھتے تھے' مجھے شک ہوتا کہ سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں۔ نیز فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں ﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْكَـٰفِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے اور آہستہ پڑھتے تھے۔" (صحیح مسلم)

ج۔ سنن رواتب:

فرائض سے پہلے یا بعد میں جو مؤکدہ سنتیں پڑھی جاتی ہیں' رواتب کہلاتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں' ظہر سے پہلے اور بعد میں دو رکعتیں' اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد دو یا چار رکعتیں اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ عَشْرَ رَكْعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں‘ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد اور دو مغرب کے بعد گھر میں‘ دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔“

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ الرَّسُوْلُ ﷺ لاَ يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ»(صحيح بخاري)

”رسول اللہ ﷺ نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں ترک نہیں کرتے تھے۔“

نیز آپ کا ارشاد ہے: «بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”ہر دو اذانوں (یعنی اذان اور اقامت) کے درمیان میں نماز ہے۔“

نیز فرمایا: «رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّي أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ»(سنن الترمذي وهو حسن)

”اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص پر رحم کرے‘ جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھیں۔“

د۔ نوافل:

(۱) نوافل کی فضیلت:

نفل نماز کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِعَبْدٍ فِيْ شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا، وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ فَوْقَ رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِيْ صَلاَتِهِ»(سنن الترمذي وهو حسن)

”اللہ تعالیٰ نے بندے کو کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں دی جو ان دو نوافل سے بہتر ہو‘ جنہیں وہ ادا کرتا ہے اور بندہ جب تک اپنی نماز میں رہتا ہے اس کے سر پر نیکی ڈالی جاتی ہے۔“

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہشت میں معیت کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ»(صحيح مسلم)

”کثرت سجود (یعنی شدت نوافل) کے ساتھ میری معاونت کرو۔“

(۲) نفل نماز کی حکمت:

فرض نمازوں میں کمی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ النَّاسُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَعْمَالِهِمُ الصَّلاَةُ، يَقُوْلُ رَبُّنَا لِلْمَلاَئِكَةِ ـ وَهُوَ أَعْلَمُ ـ انْظُرُوْا فِيْ صَلاَةِ عَبْدِيْ أَتَمَّهَا أَمْ نَقَصَهَا؟ فَإِنْ كَانَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ لَهُ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتَقَصَ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ: انْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ قَالَ: أَتِمُّوْا لِعَبْدِيْ فَرِيْضَةً مِنْ

تَطَوُّعِهِ، ثُمَّ يُؤْخَذُ الأَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ»(رواه أبوداود وأحمد وهو حسن)

"قیامت کے دن لوگوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا' اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے--- اور وہ خوب جانتا ہے--- میرے بندے کی نماز دیکھو' اس نے اسے مکمل کیا ہے یا ناقص چھوڑا ہے؟ اگر پوری ہے تو لکھ دیا جائے گا کہ اس کی نماز مکمل ہے' اور کچھ کمی ہے تو حکم فرمائے گا کہ میرے بندے کی نفل نماز دیکھو اگر نوافل اس کی نماز میں ہوں گے تو فرض کو نفل نماز سے مکمل کر دیا جائے گا اور پھر باقی اعمال بھی اسی طرح دیکھے جائیں گے۔"

(۳) نوافل کا وقت:

پانچ اوقات کے سوا دن اور رات کے سب اوقات میں نفل پڑھے جاسکتے ہیں۔ وہ پانچ اوقات یہ ہیں:

(۱) فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک۔

(۲) سورج نکلنے سے لیکر ایک نیزہ سورج کے اونچا ہونے تک۔

(۳) سورج جب سر کے اوپر ہوتا ہے' زوال تک۔

(۴) عصر کے بعد سے سورج کے زرد رنگ ہونے تک۔

(۵) سورج کے زرد رنگ ہونے سے لیکر غروب آفتاب تک۔

اس لئے کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّ صَلاَةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ حَتَّي تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَرْتَفِعَ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ، ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتَّي يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ فَإِنَّهُ حِيْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ أَيْ يُوْقَدُ عَلَيْهَا، فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتَّي تُصَلِّيَ الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلاَةِ حَتَّي تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ»(صحيح مسلم)

"صبح کی نماز پڑھ' پھر سورج کے طلوع اور اونچا ہونے تک نماز سے رک جا' اس لئے کہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھ' یقیناً نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور سورج کے سیدھا سر پر ہونے (یعنی زوال) کے وقت نماز سے رک جا' اس لئے کہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے اور پھر زوال کے بعد نماز پڑھ' اس لئے کہ نماز کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ پھر نماز عصر پڑھ' پھر اس کے بعد غروب آفتاب تک ٹھہر

جا' اس لئے کہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔"

(۴) بیٹھ کر نفل ادا کرنا:

بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے' البتہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی نسبت بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے۔[1] اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صَلاَةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلاَةِ»(سنن أبي داود وسنن النسائی)

"آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز کے برابر ہے۔"

(۵) نفلی نماز کی اقسام:

(ا) تحیۃ المسجد:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلاَ يَجْلِسْ حَتَّي يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔"

(۲) نماز چاشت:

یہ چار رکعات سے آٹھ رکعات تک ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِيْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن الترمذي وسنده جيد)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! دن کے اول حصہ میں میرے لئے چار رکعات پڑھ' اس کے آخر میں تیرے لئے کفایت کروں گا۔"

(۳) تراویح رمضان:

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح بخاري)

---

(۱) فرائض و نوافل کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر ادا کئے جائیں تو پورا ثواب ملتا ہے اگر بلا عذر بیٹھا جائے اور اسے طریقہ نہ بنایا جائے تو نوافل ادا ہو جائیں گے اور نصف ثواب ملے گا جبکہ فرائض ادا نہیں ہوں گے کیونکہ قیام رکن ہے جس کے چھوٹنے سے عمل باطل ہو جاتا ہے واللہ اعلم (ع' ر)

"جس نے ایمان اور طلب ثواب کے ساتھ رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔"[1]

(۴) وضو کے بعد کی دو رکعتیں:

اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ إِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلاَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا» (صحيح مسلم)

"جو مسلمان اچھا وضو کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اگلی نماز تک کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

(۵) سفر سے واپس آکر قبیلہ کی مسجد میں دو رکعتیں پڑھنا:

کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرِهِ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَرَكَعَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ» (صحيحين)

"نبی ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔"

(۶) توبہ کی دو رکعات:

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ إِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ» (سنن الترمذي وهو حسن)

"جو آدمی کوئی گناہ کرتا ہے، پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو معاف کر دیتے ہے۔"

(۷) مغرب سے پہلے دو رکعتیں:

اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«صَلُّوْا قَبْلَ الْمَغْرِبِ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ» (صحيح بخاري)

---

(۱) صحیح بخاری (ج:۱، ص:۱۵۴) میں ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ "رسول اللہ ﷺ رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "آپ رمضان میں وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔" گیارہ رکعات میں آٹھ رکعات قیام رمضان ہیں اور تین رکعتیں وتر۔ (الاثری)

"مغرب سے پہلے نماز پڑھو" اور تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے۔"

(۸) استخارہ کیلئے دو رکعتیں:

اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِيْنِي وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِي دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهِ»(صحيح بخاري)

"جب تم میں کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعات نفل پڑھ کر یہ دعا (دعاء استخارہ) پڑھے یعنی "اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے اچھائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت کا طالب ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں' تو قدرت رکھتا ہے' مجھے قدرت نہیں ہے' تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو پوشیدہ امور کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' معاش میں اور نتیجہ کے طور پر میرے لئے درست ہے تو اسے میرے لئے مقدر کر اور آسان کر اور پھر مجھے اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' معاش میں اور نتیجہ کے اعتبار سے میرے لئے شر ہے تو اسے مجھ سے ہٹا دے اور مجھے اس سے دور کردے اور میرے لئے اچھائی مقدر کر جہاں بھی ہے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔"

(نوٹ)«اَنَّ هَذَا الأَمْرَ»کی بجائے اپنی ضرورت کا نام لے۔[1]

(۹) نماز حاجت:

وہ اس طرح کہ مسلمان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ

---

(۱) استخارہ مباح کاموں کے لئے کرنا چاہئے' امور واجبہ یا محرمہ میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو کام انسان پر واجب ہیں' ان میں خیر طلب کرنے کی ضرورت نہیں' وہ خیر ہی خیر ہیں' اور جس کام کے چھوڑنے کا امر ہے' اس میں خیر کا پہلو نہیں ہوتا' لہٰذا اس میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (مؤلف)

سے اپنی ضرورت کا سوال کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يُتِمُّهُمَا، أَعْطَاهُ اللهُ مَا سَأَلَ مُعَجَّلاً أَوْ مُؤَخَّرًا»(مسند أحمد وسنده صحيح)

"جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے' پھر اچھے طریقے سے دو رکعتیں پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا سوال پورا کر دیں گے۔"

(۱۰) نماز تسبیح:

یہ چار رکعات ہیں' ہر رکعت میں قرأت کے بعد پندرہ بار یہ ذکر کرے «سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ» اور رکوع میں دس بار اور رکوع سے سر اٹھا کر دس بار' پھر سجدہ میں دس بار اور سجدہ سے اٹھ کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں دس بار اور دو رکعتوں کے درمیان جلسۂ استراحت میں دس بار [1] اس طرح ہر رکعت میں پچھتّر تسبیحات ہوں گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر مندرجہ بالا طریقہ سے صلاۃ تسبیح پڑھنے کا کہا اور فرمایا:

«إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً»(رواه أبوداود وغيره وصححه بعضهم)

"اگر تو روزانہ پڑھ سکے تو پڑھ' اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو ہفتہ میں ایک بار اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو سال میں ایک بار' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھ۔"

(۱۱) سجدۂ شکر:

مسلمان کو کوئی پسندیدہ نعمت حاصل ہو جائے' یا کسی خوفناک چیز سے نجات پا لے تو اللہ کیلئے اس نعمت پر سجدۂ شکر بجالائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی خوش کن خبر آتی تو آپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے سجدۂ شکر بجالاتے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام ایک بار یہ پیغام لائے کہ "جو شخص آپ پر ایک بار درود پڑھے گا' اللہ جل مجدہ اس کے لئے دس رحمتیں نازل فرمائیں گے۔ تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔" (مسند احمد)

(۱۲) سجدۂ تلاوت:

---

(۱) نمازی ہر رکعت کے بعد جلسۂ استراحت یا تشہد کے لیے بیٹھتا ہے گویا ہر رکعت کے بعد بیٹھ کر وہ دس بار یہ تسبیحات پڑھے گا۔ (ع' ر)

سجدہ تلاوت بھی مسنون ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُوْلُ: يَا وَيْلَهُ أُمِرَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ»(صحيح مسلم)

"ابن آدم جب سجدہ کی آیت پڑھتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے افسوس! اس کو سجدہ کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کرلیا' اس کیلئے بہشت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی' میرے لئے جہنم ہے۔"

جب کوئی مسلمان "آیت سجدہ" پڑھے' یا سنے تو اس کے لئے سجدہ کرنا مسنون ہے اور سجدہ کو جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہے اور سجدہ میں یہ دعا پڑھے:

«سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ»(سنن أبي داود وسنن ترمذی)

"میرے چہرے نے اس (اللہ تعالیٰ کی) ذات کے لیے سجدہ کیا' جس نے اپنی قوت وطاقت کے ساتھ اسے پیدا کیا' اس کی تصویر بنائی اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں' پس اللہ احسن الخالقین برکت والا ہے۔"

اس میں زیادہ ثواب ہے کہ سجدہ کرنے والا باوضو ہو اور قبلہ رخ ہو کر سجدہ کرے۔ قرآن پاک میں سجدہ کے مقامات معلوم ہیں اور وہ پندرہ ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "نبی ﷺ نے قرآن پاک میں پندرہ "آیات" سجدہ پڑھیں' جن میں سے تین مفصلات میں ہیں اور سورۃ "حج" میں دو سجدے ہیں۔" (ابوداؤد وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے اور بعض نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

بارہواں مادہ

نماز عیدین کا بیان

الف۔ نماز عیدین کا حکم اور ان کا وقت:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں واجب کی طرح سنت مؤکدہ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے درج ذیل فرمان میں ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے:

﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴾ (الكوثر ۱۰۸/ ۱_۲)

"بے شک ہم نے تجھے کوثر دی ہے' پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

اور اس کے ساتھ مومن کی فلاح وکامیابی منسلک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۝١٤ وَذَكَرَ ٱسْمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ ﴾ (الأعلى ۸۷/ ۱٤_۱٥)

"وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی"

اور رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی ادائیگی پر ہمیشگی کی ہے اور حکم بھی دیا ہے۔ حتیٰ کہ بچوں اور عورتوں کو بھی گھروں سے باہر آکر اس میں شریک ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ اسلام کے شعائر میں سے ایک نشانی اور اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے' جس سے ایمان اور تقویٰ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی ادائیگی کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے قدر اونچا ہونے سے شروع ہوتا ہے اور زوال تک باقی رہتا ہے۔ افضل یہی ہے کہ صلاۃ الاضحیٰ کی ادائیگی اول وقت میں ہو' تاکہ لوگ جلدی قربانی کر سکیں اور عید الفطر کی نماز میں تاخیر کی جائے' تاکہ لوگ صدقۂ فطر کی پہلے ادائیگی کر سکیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی ﷺ ہمیں نماز فطر اس وقت پڑھاتے تھے جب سورج دو نیزے پر ہوتا اور نماز اضحیٰ اس وقت پڑھاتے' جب سورج ایک نیزہ پر ہوتا۔"

ب۔ نماز عیدین کے آداب:

(ا) اس کے لئے غسل کرنا چاہئے' خوشبو استعمال کی جائے اور خوبصورت لباس زیب تن کیا جائے' اس لئے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "رسول اللہ ﷺ نے عیدین کے موقع پر ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم عمدہ لباس پہنیں' عمدہ خوشبو لگائیں اور قیمتی قربانی ذبح کریں۔ (مستدرک حاکم' اس کی سند میں کوئی کمزوری نہیں)

اور خود رسول اللہ ﷺ ہر عید کے موقع پر خوبصورت یمنی چادریں پہنتے تھے۔" (امام شافعی نے ایسی سند کے ساتھ اسے بیان کیا ہے جسے متابعت میں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں)

(۲) عید الفطر میں کچھ کھا کر جانا اور عید الاضحیٰ میں نماز سے فارغ ہو کر قربانی کے جگر سے کھانا چاہئے' اس لئے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن صبح سویرے کھا لیتے تھے اور قربانی کے دن واپس آکر قربانی میں سے کھاتے تھے۔ (امام ترمذی نے اسے ذکر کیا اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے)

(۳) عیدین کی راتوں میں کثرت سے تکبیریں کہنی چاہئیں۔ عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کے آخر تک اور عید الفطر میں امام کے نماز کیلئے نکلنے تک تکبیرات کہتے رہنا چاہئے۔

تکبیرات عید کے الفاظ:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ»

عید گاہ کی طرف جاتے وقت اور تین "ایام تشریق" میں فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کے ذکر کی تاکید آئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۰۳)

"گنتی (یعنی قیام منیٰ) کے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔"

اور ارشاد ہے: ﴿ وَذَكَرَ ٱسْمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ ﴾ (الأعلى ٨٧/ ١٥)

"اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِتُكَبِّرُوا۟ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ ﴾ (الحج ٢٢/ ٣٧)

"اور تا کہ تم اس بات کے بدلے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہے' اس کی بڑائی بیان کرو۔"

(۴) ایک راستہ سے عید گاہ کی طرف جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا بھی آداب عید میں سے ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل یہی تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ "نبی ﷺ عید کے دن راستہ بدل لیتے تھے۔" (صحیح بخاری)

(۵) عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنی چاہیے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کھلے میدان میں نماز عید پڑھتے تھے' جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے۔

(۶) عید کی ایک دوسرے کو مبارک دینی چاہیے' وہ اس طرح کہ ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کہے: «تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ»(مسند أحمد بسند جيد)

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہماری اور تمہاری (عبادت) قبول کرے۔"

اس لئے بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عید کے دن جب وہ ایک دوسرے کو ملتے تو مذکورہ الفاظ کہتے۔

(۷) عید الاضحیٰ کے دن کھانے پینے میں وسعت کرنا اور مباح کھیل کود میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ»(صحيح مسلم)

"ایام تشریق (۱۱' ۱۲' ۱۳ ذوالحجۃ) کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دن ہیں"

نیز انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں کے لوگ دو دن کھیل کود میں مشغول رہتے تھے تو آپ نے فرمایا:

«قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللهُ تَعَالٰى بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمُ الْفِطْرِ وَيَوْمُ الأَضْحٰى»(صحيح بخاري)

"اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلہ میں ان سے بہتر دن دیئے ہیں (یعنی) فطر اور اضحیٰ کا دن۔"

نیز عید کے دن دو بچیاں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شعر گا رہی تھیں' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَابَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا، وَإِنَّ الْيَوْمَ عِيْدُنَا»(صحيح بخاري)

"اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) ہر قوم عید مناتی ہے اور یہ ہمارا عید کا دن ہے۔"

ج ۔ نماز عیدین کا طریقہ:

لوگ تکبیریں کہتے ہوئے عید گاہ کی طرف جائیں۔ جب سورج چند میٹر اونچا ہو جائے تو امام اذان و تکبیر کے بغیر دو رکعت نماز پڑھائے' پہلی رکعت میں سات بار اللہ اکبر کہے اور لوگ بھی اس کے ساتھ تکبیر کہتے رہیں' پھر سورہ' فاتحہ اور سورۃ الاعلیٰ اونچی آواز سے پڑھے اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام سمیت چھ تکبیریں کہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ غاشیہ یا والشمس وضحاھا پڑھے۔ پھر سلام کہنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے۔ خطبہ کے دوران بھی تکبیرات کا ورد کرے اور افتتاح اللہ کی حمد وثنا سے کرے۔ اگر عید الفطر ہے تو صدقہ' فطر کی ترغیب دلائے اور احکام فطرے سے آگاہ کرے۔ اگر عید الاضحیٰ ہے تو قربانی کرنے کی ترغیب دلائے اور قربانی کے مسائل لوگوں کو بیان کرے' فارغ ہو جائے تو لوگ بھی اس کے ساتھ واپس ہو جائیں' اس لئے کہ عیدین کی نمازوں سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ الا یہ کہ نماز عید اگر کسی سے فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت اپنے طور پر پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے کہ ابن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں "جو شخص نماز عید میں شریک نہ ہو سکے وہ چار رکعات پڑھے اور جو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے' چاہے تشہد میں ہی ہو تو وہ امام کے سلام کے بعد اٹھے اور دو رکعت پڑھ لے۔"

تیرھواں مادہ — نماز کسوف کا بیان

(ا) نماز کسوف کا حکم اور اس کا وقت:

مردوں اور عورتوں کے حق میں "نماز کسوف" سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوا»(صحيح بخاري)

"سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے' جب تم ایسا ہوتے دیکھو تو نماز پڑھو۔"

(۲) کسوف میں کیا کچھ مستحب ہے؟

سورج بے نور ہونے کی صورت میں کثرت سے ذکر' تکبیریں' استغفار' دعا' صدقہ' غلام آزاد کرنا' نیکی اور صلہ رحمی کرنا چاہیے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ

لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا»(صحيح بخاري)

"سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' یہ کسی کے مرنے اور جینے پر بے نور نہیں ہوتے' جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا مانگو (اللہ کی) بڑائی بیان کرو' صدقہ کرو اور نماز پڑھو"

(۳) "نماز کسوف" کا طریقہ:

لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں' اذان اور اقامت کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ آواز دی جاسکتی ہے:

«اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ»

"لوگو! نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔"

امام دو رکعت نماز پڑھائے۔ ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع اور دو دو قیام کرے اور قرأت' رکوع اور سجود میں طوالت اختیار کرے اور نماز کے دوران جب بے نوری ختم ہو جائے تو عام نفل کی طرح نماز مکمل کر لینا جائز ہے۔

"نماز کسوف" میں کوئی مسنون خطبہ نہیں ہے۔ البتہ امام چاہے تو لوگوں کو وعظ و نصیحت کر سکتا ہے' اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج بے نور ہو گیا تو آپ مسجد میں آئے اور کھڑے ہو کر تکبیر کہی۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں۔ آپ نے لمبی قرأت کی' پھر "اللہ اکبر" کہہ کر لمبا رکوع کیا' پھر سر اٹھایا اور «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»کہا' پھر کھڑے ہو کر لمبی قرأت کی جو پہلی قرأت سے کچھ کم تھی۔ پھر دوسرا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا۔ پھر «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ» کہا اور پھر سجدہ کیا' اور پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھائی۔ اس طرح آپ نے چار رکوع اور چار سجدے کئے اور آپ کے نماز ختم کرنے سے پہلے سورج روشن ہو گیا' پھر آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا' اللہ کی تعریف کی اور فرمایا "سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' یہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ جب تم انہیں اس حالت میں دیکھو تو جلدی نماز کے لئے آجاؤ۔" (صحیح مسلم)

(۴) نماز خسوف (خسوف قمر):

چاند بے نور ہونے کے وقت بھی اسی طرح نماز پڑھی جائے جس طرح سورج گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَافْزَعُوْا إِلَى الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم)

"جب تم اسے (گرہن) دیکھو تو نماز کی طرف جلدی آؤ۔"

البتہ بعض علماء کا خیال ہے کہ چاند گرہن کے وقت اکیلے اکیلے گھروں اور مساجد میں نماز پڑھ لی

جائے' اس کے لئے جماعت کی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے خسوف قمر (یعنی چاند گرہن) کے وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے' جبکہ "کسوف سورج" (یعنی سورج گرہن) کے وقت آپ نے نماز باجماعت پڑھی تھی۔ مگر اس بارے میں وسعت ہے' جماعت کرلیں تو بھی درست ہے اور اکیلے پڑھیں تو بھی جائز۔ اصل مقصد نماز اور دعا میں مشغول ہونا ہے' برابر ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں' یہاں تک کہ یہ کیفیت دور ہو جائے۔

چودھواں مادہ

نماز استسقاء کا بیان

(۱) نماز استسقاء کا حکم:

یہ نماز بھی سنت مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس پر عمل رہا آپ لوگوں میں اعلان کر کے کھلے میدان میں اس غرض کیلئے آپ نکلے تھے۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "نبی ﷺ بارش کی دعا کیلئے نکلے' قبلہ کی طرف منہ کیا اور کندھے پر چادر کی تحویل کی (یعنی چادر کو الٹایا) پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں اونچی آواز سے قرأت کی۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) استسقاء کا معنی:

قحط سالی ہو جائے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے نماز' دعا اور استغفار کے ذریعہ بارش طلب کرنا استسقاء ہے۔[1]

(۳) نماز استسقاء کا وقت:

اس نماز کا وقت نماز عید کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

«خَرَجَ إِلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وصححه)

"رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کیلئے اس وقت نکلے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا۔"

البتہ مکروہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے' کے علاوہ ہر وقت بارش کے لئے نماز پڑھنا جائز ہے۔

---

(۱) قحط سالی اور بارش کی قلت کے اسباب میں گناہ اور نافرمانیوں کی کثرت ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان میں ہے کہ "جو قوم اجناس کے ماپنے اور موزون چیزوں کے وزن میں کمی کرتی ہے' انہیں قحط سالی' قلت خوراک اور بادشاہی جور و ستم میں مبتلا کر دیا جاتا ہے' اور جو اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان سے بارش روک دی جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوتے تو ان کے لئے بارش نہ ہوتی۔ (ابن ماجہ) (مؤلف)

(۴) اس سے پہلے کیا مستحب ہے؟

وقت مقررہ سے کئی دن پہلے امام اس نماز کا اعلان کر دے اور لوگوں کو تلقین کرے کہ گناہوں سے توبہ کریں' ظلم کے کام چھوڑ دیں' روزے اور خیراتوں کا اہتمام کریں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض وعداوت ترک کر دیں' اس لئے کہ قحط سالی کا باعث یہی نافرمانیاں ہوتی ہیں۔ جبکہ اللہ کی فرماں برداری موجب خیروبرکات ہے۔

(۵) نماز استسقاء کا طریقہ:

بارش طلب کرنے کیلئے نماز کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ کھلے میدان میں پہنچ جائیں' امام انہیں دو رکعت پڑھائے' پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں نماز عید کی طرح کہہ سکتا ہے۔ نیز پہلی رکعت میں فاتحۃ الکتاب کے بعد سورۃ "الاعلی" اور دوسری میں "الغاشیہ" کی جہراً تلاوت کرے' پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور خطبہ پڑھے' جس میں کثرت سے استغفار کرے اور پھر دعا مانگے۔ لوگ آمین کہیں پھر قبلہ رخ ہو کر تحویل چادر اس طرح کرے کہ کندھے پر موجود' چادر کی دائیں طرف کو بائیں کندھے پر اور بائیں طرف کو دائیں کندھے پر ڈال لے۔ عام لوگ بھی اسی طرح چادر کی تحویل کریں اور کچھ دیر دعا کرتے رہیں اور پھر واپس چلے جائیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب بارش کی دعا کیلئے باہر نکلے اور اذان اور اقامت کے بغیر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں' پھر خطبہ پڑھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کی اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کیا اور چادر کندھے پر تبدیل کی۔ دائیں طرف بائیں کندھے اور بائیں طرف دائیں کندھے پر تبدیل کرلی۔" (مسند احمد' سنن ابن ماجہ وسنن بیہقی۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

(۶) نماز استسقاء میں وارد بعض دعائیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کیلئے درج ذیل ادعیہ مبارکہ مروی ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا طَبَقًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍ»(سنن ابن ماجة)

"اے اللہ! ہمیں موافق آنے والی' زیادہ خوش حالی والی' ابھی جلدی' نہ کہ لیٹ' مفید اور نقصان نہ دینے والی بارش عطا کر۔"

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا طَبَقًا غَدَقًا عَاجِلاً غَيْرَ رَائِثٍ»(أيضًا)

"اے اللہ! ہمیں مفید' اچھے انجام والی اور خوشحالی والی' زیادہ' اور موسلا دھار بارش جلدی دے' تاخیر نہ فرما۔"

«اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلاَ تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ»(کتاب الأذکار للنووي)

"اے اللہ! ہمیں بارش دے اور ناامید ہونے والوں میں نہ بنا۔"

«اَللّٰھُمَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلاَدِ وَالْبَھَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّأْوَاءِ وَالْجَھْدِ وَالضَّنْكِ مَا لاَ نَشْكُوْهُ إِلاَّ إِلَیْكَ»(أیضًا)

"اے اللہ! تیرے بندوں' شہروں' جانوروں اور مخلوق کو وہ شدت ومشقت اور تنگی ہے جس کی شکایت ہم تیرے سوا کسی کے پاس نہیں کر سکتے۔"

«اَللّٰھُمَّ أَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ، وَأَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ، وَاسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ، وَأَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الأَرْضِ»

"اے اللہ! ہمارے لئے کھیت اگا اور دودھ کی فراوانی کر اور ہمیں آسمان کی برکتوں سے پلا اور زمینی برکات سے ہمارے لئے رزق پیدا کر۔"

«اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَھْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرٰی، وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلاَءِ مَالاَ یَكْشِفُهُ غَیْرُكَ»(أیضًا)

"اے اللہ! ہم سے مشقت' بھوک اور بے لباسی دور کر اور مصیبتیں ہٹا دے' جنہیں تیرے سوا کوئی نہیں کھول (دور کر) سکتا۔"

«اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا فَأَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْنَا مِدْرَارًا»(أیضًا)

"اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں' بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔ ہمارے لئے بہت بارش عطا کر۔"

«اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَھَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَیِّتَ»(سنن أبي داود وسنن ابن ماجة)

"اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے ویران شہر آباد فرما۔"

نیز یہ بھی مروی ہے کہ بارش کے وقت رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

«اَللّٰھُمَّ سُقْیَا رَحْمَةٍ وَلاَ سُقْیَا عَذَابٍ وَلاَ بَلاَءٍ وَلاَ ھَدْمٍ وَلاَ غَرَقٍ»

"اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش دے' عذاب' مصیبت' دیواریں گرانے اور غرق کرنے والی بارش نہ دے۔"

«اَللّٰھُمَّ عَلَی الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ»

"اے اللہ! ٹیلوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا۔"

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا»

"اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش دے' ہمارے اوپر نہیں۔"

نویں فصل

احکام الجنائز

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ — بیماری سے لے کر وفات تک کے مسائل

(۱) صبر کرنا ضروری ہے:

مسلمان کو نازل شدہ تکلیف پر صبر کرنا چاہئے' ناراضگی کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی جزع وفزع کرے' اس لئے کہ اللہ جل مجدہ اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک اور احادیث میں صبر کا حکم دیا ہے' ہاں بیمار سے اگر پوچھا جائے! کیا حال ہے؟ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں بیمار ہوں' یا مجھے تکلیف ہے' بہرحال حمد وتعریف اللہ کیلئے ہے۔

(۲) علاج معالجہ مستحب ہے:

مسلمان بیمار کیلئے مستحب ہے کہ وہ مباح اور حلال ادویہ کے ساتھ علاج کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يُنْزِلْ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً فَتَدَاوَوْا»(سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم وصححه)

"اللہ نے جتنی بیماریاں اتاری ہیں' ان کا علاج بھی اتارا ہے۔ پس علاج کرو۔"

حرام اشیاء کے ساتھ علاج کرنا ناجائز ہے' جیسا کہ شراب اور خنزیر وغیرہ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(معجم الطبراني بإسناد صحيح)

"جو چیزیں اللہ نے تم پر حرام کی ہیں' ان میں اس نے تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔"

(۳) دم کرنا جائز ہے:

مسلمان کے لیے آیات قرآنی' مسنون دعاؤں اور اچھے کلام کے ساتھ دم کرنا یا کرانا جائز ہے' اس

لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰی مَالَمْ یَکُنْ فِیْهِ شِرْكٌ»

''دم میں کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں''

(۴) تعویذ گنڈہ کی تحریم:

منکے اور تعویذ [1] استعمال کرنا حرام ہیں۔ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ تعویذ یا منکے گلے میں ڈالے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ عَلَّقَ تَمِیْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد، مستدرك حاکم وصححه).

''جس نے ''تمیمہ'' (منکا وغیرہ) گلے میں ڈالا' اس نے شرک کیا۔''

نیز ارشاد ہے: «مَنْ عَلَّقَ تَمِیْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ عَلَّقَ وَدْعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند أحمد ومستدرك حاکم وقال صحیح)

''جو منکے گلے میں ڈالے' اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو کوئی کوڈ یا سیپیاں گلے میں ڈالے' اس کو اللہ آرام نہ دے۔'' [2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیتل کا کڑا ہاتھ میں ڈالے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا ''افسوس یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا ''کمزوری دور کرنے کیلئے استعمال کیا ہے۔'' آپ نے فرمایا:

«اِنْزَعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِیْدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، وَإِنَّكَ لَوْ مِتَّ وَهِيَ عَلَیْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا» (مسند أحمد)

''اسے اتار دے' یہ تیری کمزوری اور زیادہ کرے گا۔ اگر تو اس حال میں مرگیا تو کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔''

(۵) بعض وہ چیزیں جن کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے شفا طلب فرمائی:

رسول اللہ ﷺ اپنا بابرکت ہاتھ مریض پر رکھتے اور کہتے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لاَ شِفَاءَ إِلاَّ شِفَاؤُكَ

---

(۱) اس سے مراد وہ تعویذ ہیں جن میں شرکیہ کلمات لکھے ہوں' یا اس کاغذ یا لکھنے والے کی ذات میں تاثیر کا عقیدہ ہو۔ (الاثری)

(۲) ''تمیمہ'' کی جمع ''تمائم'' ہے۔ یعنی وہ منکے جنہیں بچوں کے گلے میں نظربد' یا بد روحوں سے حفاظت کے لئے باندھتے تھے' اسی طرح ودعہ (کوڈ یا سیپی) جو نظربد یا زینت کے طور پر گلے میں ڈالتے تھے۔ (الاثری)

شِفَاءً لاَّ يُغَادِرُ سَقَمًا»(صحيح بخاري)

"اے اللہ! انسانوں کے پالنے والے' تکلیف دور فرما' شفا دے' تو ہی شافی ہے' تیرے سوا کسی کے پاس شفا نہیں ہے۔ ایسی شفا دے جو بیماری کو نہ چھوڑے۔"

ایک شخص نے آپ کے سامنے درد کی شکایت کی تو آپ فرمایا "جسم میں درد والی جگہ پر ہاتھ رکھ اور تین بار بسم اللہ کہہ اور سات بار یہ دعا پڑھ:

«أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ»(صحيح مسلم)

"میں اللہ کی بڑائی اور اس کی قدرت کی پناہ لیتا ہوں' اس شر سے جو میں محسوس کر رہا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ پر یہ دم پڑھا:

«بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيْكَ، بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ»

"میں اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں' ہر اس بیماری سے جو تجھے ایذا دے رہی ہے' ہر نفس کے شر اور حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے' اللہ تجھے شفا دے۔ اللہ کے نام سے تجھ پر دم کرتا ہوں۔"

(۶) کافر اور خاتون معالج سے علاج کروانے کا جواز:

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر اگر مسلمان کیلئے امین ہو تو اس سے علاج کرانا جائز ہے اور ضرورت کے وقت عورت بھی مرد کا علاج کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ نے بعض کاموں میں مشرکین سے خدمت لی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ازواج مطہرات جہاد میں زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔[1]

(۷) متعدی اور خطرناک مریضوں کو مخصوص وارڈ میں رکھنے کا جواز:

متعدی امراض کے علاج کیلئے ہسپتال میں الگ وارڈ بنانا بہتر ہے اور ان سے تندرستوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ معالجین کے علاوہ کوئی ان سے ملاقات نہ کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے مالکوں کو حکم دیا تھا کہ "بیمار اونٹوں کو تندرست اونٹوں میں شامل نہ کیا جائے۔" (صحیح مسلم)

---

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو راستہ بتانے کیلئے مزدور بنایا تھا۔ اسی طرح ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوات میں جاتی تھیں' مجاہدین کو پانی پلاتیں' ان کی خدمت کرتیں' مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ منورہ میں منتقل کرتیں۔ (مؤلف)

جب جانوروں میں اتنی احتیاط کی جاسکتی ہے تو انسانوں کیلئے بطریق اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کا طاعون کے بارے میں ارشاد ہے:

«إِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا»(سنن الترمذي وصححه)

''جب کسی علاقہ میں طاعون کی وبا پھیل جائے اور تم اس میں ہو تو اس سے نہ نکلو اور اگر تم اس علاقہ میں نہیں ہو تو وہاں نہ جاؤ۔''

ہاں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان جس میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے' کا مقصد یہ ہے کہ بیماری بالذات اللہ کے ارادہ اور قانون کے بغیر متعدی نہیں ہوتی' بلکہ اللہ کے ملک کی ہر چیز اس کے ارادہ سے ہی واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس اعتقاد کے ساتھ کہ بیماریوں سے بچانے والا صرف ایک اللہ ہے اور اگر وہ نہ بچائے تو بندہ کسی صورت نہیں بچ سکتا' احتیاط و پرہیز کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ خارش والے اونٹ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ''تو پہلے (اونٹ) کو کس نے بیماری لگائی تھی؟'' (صحیح مسلم)

اس میں آپ نے واضح کر دیا کہ مؤثر ایک اللہ ہی کی ذات ہے' وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

(۸) بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے:

مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ»(صحيح بخاري)

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ' بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔''

اور بہتر یہ ہے کہ طبع پرسی کیلئے جب جائے تو اس کیلئے دعائے شفا کرے اور صبر کی تلقین کرے اور ایسی باتیں کہے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے اور وہاں زیادہ دیر تک بیٹھا نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

«لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللهُ»(صحيح بخاري)

''کوئی حرج نہیں' اللہ کی مشیت سے (بیماری گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''

لہٰذا ایک دوسرے کی طبع پرسی کے وقت اسی پر عمل ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھنا واجب ہے:

بیمار اور قریب المرگ ہونے کی صورت میں مسلمان کا اللہ کے بارے میں اچھا گمان ہونا چاہئے کہ وہ رحم کرے گا اور عذاب نہیں دے گا' یا مغفرت فرمائے گا اور مؤاخذہ نہیں کرے گا اور یہ کہ اس کی مغفرت وسیع ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلاَّ وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّـنَّ بِاللهِ»(صحيح مسلم)

"تمہارے ایک کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔"

(۱۰) قریب المرگ شخص کو «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» کی تلقین کرنا:

جب ایک مسلمان محسوس کرے کہ اس کے بھائی کی موت کا وقت قریب ہے تو اسے کلمہ اخلاص کی تلقین اس طرح کرے کہ «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» کا ورد اس کے سامنے شروع کر دے' تاکہ اسے یاد آجائے اور وہ بھی یہ کلمہ مبارک کہہ لے جب وہ «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» اپنی زبان سے کہے تو پھر تلقین سے رک جائے! ہاں اگر اس کے بعد اس نے کوئی اور بات کہہ دی تو پھر تلقین شروع کرے' کوشش یہ ہو کہ آخری لفظ اس کی زبان پر یہی کلمہ «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» ہو' تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

«لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ»(صحيح مسلم)

"اپنے مرنے والوں کو «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» کی تلقین کرو۔"

نیز فرمایا: «مَنْ كَانَ آخِرُ كَلاَمِهِ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»(مسند أحمد وسنن أبي داود وهو حسن)

"جس کی آخری کلام «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ» ہوئی وہ بہشت میں داخل ہو گا۔"

(۱۱) قبلہ رخ کرنا:

جس پر موت کی علامات نمایاں ہو جائیں' اسے دائیں پہلو پر لٹانا اور منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے' اگر دائیں پہلو پر نہ لیٹ سکے تو پیٹھ پر لٹا دیں اور پاؤں قبلہ کی طرف کردیں (اس طرح اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے گا)

اگر موت کی سختیوں کی شدت ہو جائے تو اس پر سورہ یاسین پڑھنی چاہئے' امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی برکت سے تخفیف کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ فَتُقْرَأَ عِنْدَهُ يٰسٓ ، إِلاَّ هَوَّنَ اللهُ عَلَيْهِ»(مسند الفردوس للديلمي وسنده ضعيف)

"جس پر موت واقع ہو رہی ہے اس کے پاس سورہ یٰسین پڑھی جائے تو اللہ اس پر آسانی کر دیتا

ہے۔"[1]

(۱۴) مرنے کے بعد اس کی آنکھیں بند کرنا اور اسے ڈھانپنا:

مسلمان کی جب روح نکل جائے اس کی آنکھیں بند کرنا اور کپڑے سے ڈھانپنا ضروری ہے اور اس کے پاس اچھے کلمات کہنے چاہئیں۔ مثلاً:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ»

"اے اللہ! اس کی بخشش فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم کر۔"

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ»(صحیح مسلم)

"جب تم بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہو' اس لئے کہ فرشتے اس بات پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر گئے تو ان کی آنکھیں کھل چکی تھیں' آپ نے انہیں بند کیا۔ پھر فرمایا:

«إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ، فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ فَقَالَ: لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ»(صحیح مسلم)

"روح جب قبض ہو جاتی ہے تو نظر اسکا پیچھا کرتی ہے' پھر اسکے گھر کے افراد رونے لگے تو آپ نے فرمایا': اپنے نفسوں کیلئے صرف اچھائی کی دعا کرو' تم جو کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔"

دوسرا مادہ — وفات سے لے کر دفن تک کے جملہ مسائل

(۱) وفات کا اعلان کرنا:

مسلمان کی وفات کا اعلان اس کے قرابت داروں' دوستوں اور نیک لوگوں میں کرنا مستحب ہے' تاکہ

---

(۱) صاحب الفردوس نے اسے بروایت "ابو الدرداء" اور "ابو ذر" نقل کیا ہے' اس کی سند ضعیف ہے۔ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں دوسرے الفاظ مروی ہیں۔ (مؤلف)

(سنن ابی داؤد (ج: ۳ ص: ۱۹۰)) میں مرفوعاً وارد ہے «إِقْرَؤُوْا يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ» یعنی "مرنے والوں پر سورہ یاسین کی تلاوت کرو۔" (الاثری)

وہ اس کے جنازہ میں شریک ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے نجاشی کے فوت ہونے کی لوگوں کو اطلاع دی تھی' اسی طرح جب زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے تو آپ نے ان کی وفات کا اعلان کیا۔

جس اعلان سے منع کیا گیا ہے وہ ایسا اعلان ہے جو گلیوں اور مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے چیخ چیخ کر کیا جائے' اس طرح کا اعلان شرعاً ممنوع ہے۔

(۲) نوحہ کی حرمت اور رونے کا جواز:

بین کرنا اور آواز کے ساتھ رونا حرام ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ»(صحيح مسلم)

''زندوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔''[1]

نیز فرمایا: «مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم)

''جس پر بین کیا جائے' قیامت کے دن اس بین کی وجہ سے اس کو عذاب ہوگا۔''

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کی بیعت میں یہ اقرار بھی لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (صحیح بخاری)

نیز فرمایا: «إِنِّي بَرِيءٌ مِّنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ»(صحيح بخاري)

''میں اونچی آواز کرنے والی' سر کے بال نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بری ہوں۔''

آنکھوں سے آنسو بہنے میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر فرمایا:

«إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلاَ نَقُوْلُ إِلاَّ مَا يُرْضِيْ رَبَّـنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ»(صحيح بخاري)

''آنکھ بہہ رہی ہے' دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر (بہت) غمگین ہیں۔''

اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا[2] کی وفات پر آپ روئے تو کہا گیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے تو رونے سے منع کیا ہے؟ تو اس پر آپ نے فرمایا:

---

(۱) ظاہراً یہ روایت آیت مبارکہ «لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی» کے خلاف ہے' مگر اس سے وہ فوت شدہ شخص مراد ہے جو بین یا رونے پر راضی تھا' یا اس کی وصیت کر گیا تھا۔ اسی لئے بعض روایات حدیث میں «بِبَعْضِ بُكَاءِ الْحَيِّ» وارد ہوا ہے۔ (سنن نسائی)۔ لہٰذا یہ عذاب اس کے اپنے جرم کی بنیاد پر ہے۔ واللہ اعلم (الاثری)

«إِنَّمَا هُوَ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»(صحيح بخاري)

"یہ رحمت ہے' جو اللہ نے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے اور اللہ اپنے بندوں میں رحم کرنے والوں پر ہی رحم کرتا ہے۔"

(۳) تین دن سے زائد سوگ منانا حرام ہے:

کوئی مسلمان عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کر سکتی۔ سوائے اپنے خاوند کے کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«لاَ تُحِدُّ الْمَرْأَةُ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے' ہاں خاوند پر وہ چار ماہ دس دن (تک) سوگ کرے گی"

(۴) میت کے قرض کی ادائیگی:

میت کے قرضہ جات کی ادائیگی جلدی کرنی چاہئے' اگر اس نے قرض دینا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ مقروض میت کے قرض کی ادائیگی تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے' آپ نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ»(صحيح بخاري)

"مومن کی روح قرض کی ادائیگی تک قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے۔"

(۵) بوقت وفات «إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» پڑھنا' دعا اور صبر کرنا:

میت والوں کو اس غم کے موقع پر صبر کا دامن پکڑنا چاہئے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُوْلٰى»(صحيح بخاري)

"صدمہ کے ابتدائی وقت میں ہی تو صبر ہوتا ہے۔"

اور کثرت سے دعا اور «إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» کہنا چاہئے' اس لئے کہ آقا ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ: إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ آجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا إِلاَّ آجَرَهُ اللهُ تَعَالٰى فِيْ مُصِيْبَتِهِ وَأَخْلَفَ

---

(۲) اس موقع پر امامہ بنت زینب کی وفات نہیں ہوئی تھی' بلکہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ کا ایک بیٹا فوت ہوا تھا۔ دیکھئے (صحیح بخاری' ج:۱' ص:۱۷۱)

لَهُ خَيْرًا مِنْهَا»(صحيح مسلم٩١٨)

"جس بندے کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ «إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» پڑھے (یعنی ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے) اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور اس سے بہتر اس کا عوض دے' تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت میں اسے اجر عطا کرتا ہے اور اس کا بہتر عوض اس کو دیتا ہے۔"

نیز فرمایا: «يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى : مَا لِعَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلاَّ الْجَنَّةَ»(صحيح بخاري)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے نزدیک میرے اس بندے کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے' کہ اہل دنیا میں سے جس کی میں پسندیدہ چیز (یعنی کوئی قرابت دار) چھین لوں اور وہ اس پر ثواب طلب کرے۔"

(۶) میت کو غسل دینا واجب ہے:

مسلمان نابالغ ہو یا بڑا' جب فوت ہو جائے تو اسے غسل دینا ضروری ہے۔ اس کا پورا جسم محفوظ ہے یا جسم کا کچھ حصہ' البتہ میدان جنگ میں شہید ہونے والے مسلمان کو غسل نہیں دیا جاتا' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ تُغَسِّلُوْهُمْ، فَإِنَّ كُلَّ جُرْحٍ أَوْ كُلَّ دَمٍ يَفُوْحُ مِسْكًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(مسند أحمد بسند صحيح)

"انہیں غسل نہ دو' اس لئے کہ ہر زخم یا ہر خون قیامت کے دن کستوری کی طرح مہکے گا۔"

(۷) میت کو غسل کا طریقہ:

اگر جسم کے تمام حصہ پر پانی ڈال دیا جائے اور پانی سارے جسم کو تر کر دے تو کفایت ہو جائے گی' مگر مستحب اور مکمل طریقہ غسل یہ ہے کہ میت کو کسی تختے پر لٹایا جائے جو سطح زمین سے اونچا رکھا گیا ہو اور پھر نیک اور قابل اعتماد آدمی غسل دے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«لِيُغَسِّلْ مَوْتَاكُمُ الْمَأْمُوْنُوْنَ»(سنن ابن ماجة بسند ضعيف)

"تمہارے فوت شدگان کو قابل اعتماد لوگ نہلائیں۔"

نیز آہستہ آہستہ میت کے پیٹ کو دبائے' تاکہ کوئی آلائش وغیرہ ہو تو نکل جائے' پھر اپنے ہاتھ پر کپڑے کا لفافہ باندھ لے' غسل کی نیت کرے اور اس کی شرم گاہ دھوئے' نجاست ہو تو صاف کرے' پھر ہاتھ پر سے لفافہ اتار کر اسے نماز کے وضو کی طرح وضو کرائے' پھر جسم پر پانی ڈالے' اوپر سے شروع

کرے اور نیچے کو لے جائے' تین بار ایسا کرے۔ اگر اس سے جسم کی صفائی نہیں ہوئی تو پانچ بار غسل دے اور آخری غسل میں صابن وغیرہ استعمال کرے۔

اگر میت مسلمان عورت ہے تو غسل دینے والی اس کے بالوں کی لٹیں کھول کر غسل دے گی' بعدازاں دوبارہ بالوں کی لٹیں بنا دے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کے بالوں کے بارے میں یہی حکم دیا تھا۔ (صحیح بخاری) پھر حنوط یا کوئی اور خوشبو لگائی جائے۔

(۸) میت کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو اسے تیمم کرانا:

میت کو غسل دینے کیلئے پانی نہ ہو یا مرد فوت ہوا اور غسل دینے والا کوئی مرد موجود نہیں صرف عورتیں موجود ہیں' یا عورت فوت ہو گئی ہے اور مردوں کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے تو ایسی صورت میں تیمم کرایا جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے' اس لئے کہ ضرورت کے وقت تیمم غسل کے قائم مقام ہوتا ہے' جیسا کہ جنبی اگر کسی عذر کی وجہ سے غسل نہ کر سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا مَاتَتِ الْمَرْأَةُ مَعَ رِجَالٍ لَيْسَ مَعَهُمُ امْرَأَةٌ غَيْرُهَا، وَالرَّجُلُ مَعَ النِّسَاءِ لَيْسَ مَعَهُنَّ رَجُلٌ غَيْرُهُ، فَإِنَّهُمَا يُيَمَّمَانِ وَيُدْفَنَانِ»(رواه أبوداود في المراسيل)

"جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور مردوں کے سوا اس کے ساتھ کوئی عورت نہ ہو' یا مرد عورتوں کے ساتھ تھا' وہ فوت ہو جائے اور کوئی مرد نہ ہو تو اس صورت میں ان کو تیمم کرا کر دفن کر دیا جائے۔"

اور یہ دونوں اس شخص کے حکم میں ہیں جس کے پاس پانی موجود نہیں ہے۔ (رواہ البیھقی)

(۹) میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا:

مرد اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور عورت اپنے خاوند کو نہلا سکتی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا:

«لَوْ مِتِّ لَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ»(سنن ابن ماجة، مسند أحمد، وسنن النسائي بسند ضعيف) [1]

"اگر تو فوت ہو گئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن دوں گا۔"

اور اس لئے بھی کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ (اسے دار قطنی' بیہقی اور شافعی نے

---

(۱) ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے' کما فی بلوغ المرام (الاثری)

نقل کیا ہے' اس کی سند حسن ہے)

اسی طرح عورت چھ سال' یا اس سے کم عمر کے لڑکے کو نہلا سکتی ہے۔ مگر مرد نابالغ بچی کو غسل نہیں دے سکتا۔ علماء نے اسے نادرست قرار دیا ہے۔

(۱۰) کفن پہنانا ضروری ہے:

نہلانے کے بعد مسلمان میت کو کفن دینا ضروری ہے' جس سے اس کا سارا جسم ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ "شہداء احد" میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی چادر میں کفن دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے سر اور جسم کو اس چادر سے ڈھانپ دیں اور پاؤں پر "اذخر" جو ایک قسم کی گھاس ہے' ڈال دیں۔" (صحیح بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارے جسم کو ڈھانپنا ضروری ہے۔

(۱۱) سفید اور صاف ستھرے کفن کا انتخاب کرنا مستحب ہے:

بہتر یہ ہے کہ کفن سفید اور صاف ہو' نیا کپڑا ہو یا پرانا جائز ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ»(سنن الترمذي وصححه)

"سفید لباس پہنو' یہ تمہارے لباس میں سے ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔"

اور کفن کو عود (خوشبودار لکڑی) کی دھونی دینا مستحب ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَجْمَرْتُمُ الْمَيِّتَ فَأَجْمِرُوْهُ ثَلَاثًا»(مسند أحمد ومستدرك حاكم وصححه)

"جب تم میت کو دھونی دو تو تین بار دو۔"

مرد کیلئے تین چادریں اور عورت کیلئے پانچ چادریں ہوں' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحول کے بنے ہوئے نئے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا اور ان میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔ البتہ محرم کو اس کے احرام میں ہی کفنایا جائے۔ ایک کو تہبند اور دوسری کو بڑی چادر بنالیا جائے۔ اسے خوشبو نہ لگائی جائے اور سر نہ ڈھانپا جائے' تاکہ وہ اپنے احرام میں باقی رہے' اس لئے کہ عرفات کے دن جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سے گر کر فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«غَسِّلُوْهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَا تُحَنِّطُوْهُ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اسے اس کے دو کپڑوں میں کفناؤ۔ نہ خوشبو

لگاؤ اور نہ ہی اس کا سر ڈھانپو' اس لئے کہ یہ قیامت کے دن تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔"

(۱۲) ریشمی کفن کا حکم:

مسلمان مرد کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا حرام ہے' اس لئے کہ مردوں کیلئے ریشمی لباس استعمال کرنا حرام ہے۔ عورتوں کیلئے اگرچہ ریشم پہننا حلال ہے' مگر انہیں اس میں کفنانا درست نہیں ہے' اس لئے کہ یہ اسراف اور غلو ہے' جس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ :

«لاَ تُغَالُوْا بِالْكَفْنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا»(رواه أبوداود وفي سنده مقال)

"کفن میں غلو (فضول خرچی) نہ کرو' یہ جلدی چھین لیا جاتا ہے۔"

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نئے کپڑے کی زندہ کو میت سے زیادہ ضرورت ہے' یہ تو میت کی پیپ اور لہو کے حوالہ ہو جاتا ہے۔" (صحیح بخاری)

(۱۳) نماز جنازہ کا بیان:

غسل' کفن اور دفن کی طرح مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا بھی فرض کفایہ ہے' جب کچھ مسلمان یہ فریضہ ادا کرلیں تو باقیوں سے یہ حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مرنے والوں پر جنازہ پڑھتے تھے اور ابتدا میں آپ مقروض (جس نے ادائیگی کیلئے مال نہ چھوڑا ہوتا) کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیتے اور فرماتے "تم خود اس پر نماز پڑھ لو" مگر بعد ازاں آپ نے مقروض ایمانداروں کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری خود قبول فرمائی تھی۔ (صحیح بخاری)

(۱۴) نماز جنازہ کی شرائط:

جو کچھ عام نماز کے لئے شرط ہے' وہی نماز جنازہ کے لئے شرط ہے' مثلاً: باوضو اور نجاست سے پاک ہونا' شرم گاہ کا مستور ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "صلوۃ" (یعنی نماز) کا نام دیا ہے۔ ارشاد ہے:

«صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ»(صحيح بخاري)

"تم اپنے ساتھی پر (خود ہی) نماز پڑھ لو۔"

لہذا جو شرطیں نماز میں ہیں' وہی نماز جنازہ میں ہوں گی۔

(۱۵) نماز جنازہ کے فرائض:

(۱) جسے قدرت ہے' وہ کھڑا ہو کر نماز جنازہ پڑھے۔

(۲) نماز جنازہ کی نیت کرے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ»(صحيح بخاري)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔"

(۳) سورہ فاتحہ کی قرأت کرے' یا اللہ کیلئے حمد وثنا کرے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کہے۔

(۵) چار تکبیرات کہے' دعا کرے اور سلام پھیر دے۔

(۱۶) نماز جنازہ کا طریقہ:

جنازہ ایک ہو' یا زیادہ قبلہ کی طرف رکھا جائے۔ امام اس کے سامنے کھڑا ہو جائے اور عام لوگ تین یا زیادہ صفوں میں اس کے پیچھے کھڑے ہوں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ فَقَدْ أَوْجَبَتْ» (سنن الترمذي وحسنه)

"جس میت پر تین صفوں نے نماز جنازہ پڑھی' انہوں نے (اس کے لئے جنت کو) واجب کر لیا۔"

امام ایک میت یا زیادہ اموات پر نماز جنازہ کے ارادے سے ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہے' پھر سورہ فاتحہ پڑھے یا حمد وثنا کرے' پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے' یا ہاتھ نہ اٹھائے' بلکہ دایاں ہاتھ بائیں سے پکڑ کر سینہ پر رکھے۔ دونوں طرح درست ہے۔ اور درود ابراہیمی پڑھے۔ پھر «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہے اور میت کیلئے دعا کرے' پھر اللہ اکبر کہے' چاہے تو دعا کر لے اور چاہے تو سلام کہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الإِمَامُ ثُمَّ يَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الأُوْلَى سِرًّا فِي نَفْسِهِ ثُمَّ يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَيُخْلِصَ الدُّعَاءَ لِلْجَنَازَةِ فِي التَّكْبِيرَاتِ، وَلَا يَقْرَأُ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ، ثُمَّ يُسَلِّمَ سِرًّا فِي نَفْسِهِ» (الشافعي وصحح الحافظ إسناده)

"نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر[1] کہے اور آہستہ' دل میں فاتحۃ الکتاب پڑھے' پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور تکبیرات کے دوران میں میت کے لئے خلوص سے دعا کرے اور قرأت نہ

---

(۱) زہریؒ کہتے ہیں کہ عام لوگ اس طریق میں امام کی اقتدا کریں اور اسی کے مطابق کریں۔ (معرفۃ السنن ج: ۳' ص: ۱۶۸)

ادعیہ میں امام جہر کرے' اور باقی لوگ صرف آمین کہتے رہیں' یہ طریق سلف صالحین سے منقول نہیں ہے' بلکہ عام لوگوں کو بھی میت کے لئے خاص مغفرت وعفو کی دعائیں پڑھنی چاہئیں' جیسا کہ درج ذیل حدیث کے ظاہر سے بھی مستفاد ہے: «إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ» (ابو داود وصححہ ابن حبان) "جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھو تو خلوص سے اس کے لئے دعا کرو۔" (الاثری)

کرے' پھر آہستہ سے سلام کہے۔"

(۱۷) نماز جنازہ سے پیچھے رہ جانے والے شخص کا حکم:

اگر کوئی شخص بعض تکبیرات میں شامل نہ ہو سکا ہو تو اگر وہ چاہے تو امام کے سلام کے بعد باقی تکبیرات پوری کرے اور چاہے تو امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے' اس لئے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا "اگر بعض تکبیرات میں سن نہ سکوں تو کیا کروں؟" آپؐ نے فرمایا:

((ما سمعت فكبري وما فاتك فلا قضاء عليك))

"جو سن لے تکبیر کہہ اور جو نہ سن سکے اس کی تیرے اوپر قضا نہیں ہے۔"

اس روایت سے صاحب "المغنی" نے استدلال کیا ہے' مگر اس کے ماخذ کا مجھے پتہ نہیں چل سکا۔

(۱۸) اس شخص کا حکم جس کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا جائے:

اگر کسی شخص کو جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد ایک عورت کا جنازہ پڑھا تھا' جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اور آپ کے اصحاب نے بھی آپ کے پیچھے جنازہ پڑھا[۱]۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھنا جائز ہے۔ چاہے درمیاں میں طویل مسافت ہو' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا تھا اور وہ حبشہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں تھے۔

(۱۹) نماز جنازہ کی دعائیں:

اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی دعائیں مروی ہیں' ان میں سے جو بھی پڑھ لیں درست ہے۔

چند ایک یہ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ ۔ اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ»

"اے اللہ! فلاں کا بیٹا فلاں تیری حفاظت اور تیری ہمسائیگی میں ہے' پس اسے قبر کی آزمائش اور

---

(۱) اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جنازہ پڑھے بغیر اس عورت کو دفن کر دیا تھا' ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے جنازہ پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیئے بغیر دفن کر دیا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جنازہ پڑھا' تو اس حدیث سے بھی یہ مستفاد ہے کہ ایک ہی میت کی دو بار نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ (الاثری)

جہنم کے عذاب سے بچا' تو وفا اور حق والا ہے' اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم کر' یقیناً تو ہی بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔"

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلاَمِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الإِيْمَانِ، اَللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تُضِلَّنَا بَعْدَهُ»

"اے اللہ! ہمارے زندہ' ہماری میت' ہمارے حاضر وغائب' ہمارے چھوٹے بڑے اور ہمارے مردوں اور عورتوں کی مغفرت کر۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے' اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے وفات دے اسے ایمان پر وفات دے۔ اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر۔"

اگر میت نابالغ بچہ ہو تو یہ کہے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِوَالِدَيْهِ سَلَفًا وَذُخْرًا وَفَرَطًا وَثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمْ، وَأَعْظِمْ بِهِ أُجُوْرَهُمْ، وَلاَ تَحْرِمْنَا وَإِيَّاهُمْ أَجْرَهُ، وَلاَ تَفْتِنَّا وَإِيَّاهُمْ بَعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ أَلْحِقْهُ بِصَالِحِ سَلَفِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ كَفَالَةِ إِبْرَاهِيْمَ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلاً خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ، وَعَافِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ»

"اے اللہ! اسے اپنے والدین کے لئے پیش رو' ذخیرہ اور آگے جانے والا بنا اور اس کے ذریعہ ان کا ترازو بھاری کر اور انہیں اجر عظیم عطا کر' ہمیں اور انہیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور نہ ہی ہمیں اور ان کو اس کے بعد آزمائش میں ڈال۔ اے اللہ! اسے پہلے جانے والے صالح ایمان داروں کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ملا دے'[1] اسے اس کے گھر سے بہتر گھر دے اور اسے اس کے اہل سے بہتر اہل دے اور اسے آزمائش قبر اور عذاب جہنم سے عافیت عطا فرما۔"

(۲۰) جنازہ کے ساتھ چلنا اور اس کی فضیلت:

جنازہ کے ساتھ جانا مسنون ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«عُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَامْشُوْا مَعَ الْجَنَازَةِ تُذَكِّرْكُمُ الآخِرَةَ»(صحیح مسلم)

"بیمار کی عیادت کرو اور جنازہ کے ساتھ چلو' یہ عمل تمہیں آخرت یاد کرائے گا۔"

جنازہ جلدی اٹھانا چاہئے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(۱) مسند احمد (۲ / ۳۲۶) میں ہے کہ مسلمانوں کے بچے (وفات کے بعد) جنت میں ہوتے ہیں اور ابراهیم علیہ السلام ان کی کفالت کرتے ہیں۔ (ع ' ر)

«أَسْرِعُوْا، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ سِوَى ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ»(صحيح بخاري)

"جلدی کرو' اگر نیک ہے تو تم اچھائی کی طرف اسے لے جا رہے ہو اور اگر ایسا نہیں تو "شر" ہے' جسے تم جلدی اپنی گردنوں سے اتار لو گے۔"

جنازہ کے آگے چلنا بہتر[1] ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ' ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جنازہ کے آگے چلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

جنازہ کے ساتھ چلنے کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهَا حَتَّي يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مَعَ الأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ»(صحيح بخاري)

"جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا' پھر نماز جنازہ اور دفن تک اس کے ساتھ رہا تو وہ دو قیراط ثواب کے ساتھ واپس آیا (جبکہ) ایک قیراط احد پہاڑ کے مثل ہے' جو شخص اس کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے قبل ہی لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط ثواب کے ساتھ واپس آیا۔"

(۲۱) میت کے ساتھ چلتے وقت کیا کچھ مکروہ ہے؟

جنازہ کے ساتھ عورتوں کا جانا ناجائز ہے۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«نُهِيْنَا أَنْ نَتَّبِعَ الْجَنَازَةَ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا»(صحيح مسلم)

"ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا' مگر اس کو ہم پر لازم اور ضروری قرار نہیں دیا گیا۔"

اسی طرح جنازہ کے پاس اونچی آواز سے ذکر و قرأت کرنا' یا اسی طرح کا کوئی اور کام کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے' اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین اوقات میں آوازیں اونچی کرنا پسند نہیں کرتے تھے: جنازہ کے ساتھ' ذکر کیلئے اور لڑائی کے وقت۔

(یہ حدیث ابن منذر نے قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ذکر کی ہے)

اسی طرح جنازہ نیچے رکھنے سے پہلے بیٹھ جانا بھی ناپسندیدہ فعل ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا

---

(۱) جمہور ائمہؒ جنازے کے آگے چلنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ (مؤلف)

ارشاد ہے:

«إِذَا اتَّبَعْتُمُ الْجَنَازَةَ فَلَا تَجْلِسُوْا حَتَّى تُوْضَعَ بِالأَرْضِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تم جنازہ کے ساتھ جاؤ تو اسے زمین پر رکھنے سے پہلے نہ بیٹھو۔"

(۲۲) میت کو دفن کرنے کا حکم:

جسم کو مٹی میں دفنانا[1] فرض کفایہ ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴾ (عبس ۸۰/ ۲۱)

"پھر اس کو موت دی اور قبر میں دفن کرایا۔"

دفنانے کے چند احکام حسب ذیل ہیں:

(۱) قبر گہری کھودی جائے' تاکہ درندے اور پرندے میت تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور دفن کرتے وقت اچھی طرح قبر بند کی جائے' تاکہ ہوا باہر نہ آسکے اور دوسروں کیلئے ایذا کا باعث نہ بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِحْفِرُوْا وَأَعْمِقُوْا وَأَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْا الاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ»

"قبر گہری کھودو' اچھی بناؤ اور ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی پہلے کس کو قبر میں اتاریں؟ تو آپ نے فرمایا:

«قَدِّمُوْا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا»(سنن الترمذي وصححه)

"جسے قرآن زیادہ آتا ہے' اسے آگے کرو۔"

(۲) "شق" کے انداز کی قبر بھی (ضرورت کے وقت) جائز ہے' مگر افضل "لحد" ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن الترمذي وفي إسناده مقال وصححه بعضهم)

"لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کیلئے۔"

---

(۱) بحری سفر کے دوران کسی کے فوت ہونے کی صورت میں اگر جسم کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تاخیر جائز ہے ورنہ غسل دے کر جنازہ پڑھا جائے اور جسم کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر سمندر کے حوالے کر دیا جائے یہ جائز ہے۔ یہی علماء کا فتویٰ ہے۔ (مؤلف)

"لحد" قبر کے گڑھے میں نیچے دائیں طرف کھودنا اور "شق" گڑھے کے درمیان میں کھودنا ہوتا ہے۔

(۳) دفن میں شریک ہونے والوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے تین بار مٹی قبر کے سرہانے کی طرف سے ڈالیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا' جیسا کہ ابن ماجہ میں مناسب سند کے ساتھ ثابت ہے۔

(۴) میت کو قبر کی پائنتی کی طرف سے داخل کیا جائے' بشرطیکہ آسانی سے ایسا ہو سکے اور قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر کے لٹایا جائے اور کفن کے بندھن کے جوڑ کھول دیئے جائیں اور یہ دعا پڑھی جائے:

«بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وصححه)

"اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر (ہم اسے رکھ رہے ہیں)۔"

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

(ابوداؤد و مستدرک حاکم اور اسے انہوں نے صحیح کہا ہے)

(۵) عورت کو قبر میں رکھتے وقت پردہ کر لیا جائے' اس لئے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا عورت کیلئے یہی معمول تھا' مرد کیلئے نہیں۔

تیسرا مادہ — دفن کے بعد کے جملہ مسائل

(۱) میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا:

دفن میں شریک ہونے والوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ میت کیلئے استغفار کریں اور اس کیلئے' سوال میں ثابت قدمی' کی دعا کریں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت ہے:

«اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ، فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ»(سنن أبي داود وصححه الحاكم)

"اپنے بھائی کیلئے مغفرت کی دعا کرو اور اس کیلئے ثابت قدمی کا سوال کرو' اس لئے کہ اب اس سے پوچھا جائے گا۔"

آپ دفن سے فارغ ہو کر یہ حکم فرمایا کرتے تھے اور بعض سلف صالحینؒ یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ نَزَلَ بِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهِ فَاغْفِرْ لَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ»(سنن ابن ماجة بسند حسن)

"اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے' تیرے پاس آگیا ہے اور تیرے پاس اچھا مقام نزول ہے' پس اس کی مغفرت کر اور اس کے داخل ہونے کی جگہ وسیع بنا۔"

(۲) قبر کو زمین کے برابر کیا جائے یا کیسا رکھا جائے؟

مناسب یہی ہے کہ قبر کو زمین کے برابر کر دیا جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو زمین کے ساتھ ہموار کرنے کا حکم دیا ہے' ہاں اگر ایک بالشت کے قدر اونٹ کی کوہان کی طرح اونچی کر لی جائے تو جائز ہے اور جمہور علماء نے اسی کو مستحب قرار دیا ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح کوہان نما ہے۔ (صحیح مسلم)

قبر پر نشان کے طور پر پتھر وغیرہ رکھ دینا جائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایک پتھر رکھ کر ممیز کر کے فرمایا تھا:

«أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ أَخِيْ، وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِيْ»

"میں اس علامت سے اپنے بھائی کی قبر پہچان لوں گا اور میرے اہل میں سے جو فوت ہوا میں اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔"

(۳) قبر کو پکا اور چونا گچ کرنے کی حرمت:

قبر کو چونا سے پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا حرام ہے' اس لئے کہ امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ أَوْ يُبْنٰى عَلَيْهِ»(صحيح مسلم)

"نبی ﷺ نے منع کیا ہے کہ قبر کو چونا سے پختہ کیا جائے' یا اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔"

(۴) قبر پر بیٹھنے کی کراہت:

مسلمان کیلئے ناجائز ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر بیٹھے' یا اپنے پاؤں سے اس کو روندے' اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلاَ تُصَلُّوْا إِلَيْهَا»(صحيح مسلم)

"قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔" (۱)

نیز فرمایا: «لأَنْ يَجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ»(صحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی آدمی انگارے پر بیٹھے اور انگارہ کپڑے جلا کر اس کے چمڑے تک پہنچ جائے' یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔" (۲)

---

(۱) حدیث کے عموم میں قبروں پر مجاور کے طور پر بیٹھنا بھی داخل ہے' اور ممنوع ہے۔ (الاثری)

(۵) قبر پر مساجد بنانے کی حرمت:

قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبرستان میں چراغ جلانا بھی حرام ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَعَنَ اللهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذَاتِ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ»(سنن الترمذي ومستدرك حاكم وصححه)

"اللہ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مسجدیں بنانے اور چراغ جلانے والیوں پر لعنت کی ہے۔"

نیز فرمایا: «لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ نے یہود پر لعنت کی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔"

(۶) قبر کھول کر ہڈیاں نکالنا اور انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا حرام ہے:

قبروں کو اکھیڑنا اور ہڈیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا' یا قبر میں مدفون کو نکالنا حرام ہے' الا یہ کہ کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے' مثلاً غسل کے بغیر دفنا دیا گیا ہو' اسی طرح ایک شہر سے میت کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا بھی درست نہیں ہے' الا یہ کہ حرمین شریفین (مکہ ومدینہ) یا بیت المقدس میں منتقل کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِدْفِنُوْا الْقَتْلٰى فِيْ مَصَارِعِهِمْ»(رواه أبوداود وهو حسن)

"مقتولوں کو ان کے گرنے کی جگہ میں ہی دفن کرو۔"

(۷) تعزیت کرنا مستحب ہے:

اہل میت کے ہاں خواہ مرد ہوں یا عورتیں' تین دن تک تعزیت کرنا بہتر ہے۔ اور تعزیت دفن سے پہلے اور بعد ازاں بھی جائز ہے۔ الا یہ کہ کوئی فرد غائب ہو تو تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّیْ أَخَاهُ بِمُصِيْبَةٍ إِلاَّ كَسَاهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ

---

(۲) بعض علماء نے اس بیٹھنے سے قبر پر پاخانہ کے لئے بیٹھنا مراد لیا ہے۔ اس لئے کہ وعید بہت سخت ہے۔ (مؤلف) نذر ونیاز وصول کرنے کے لئے قبر پر بیٹھنا بھی بہت بڑا گناہ ہے' اس پر بھی یہ وعید درست ہے۔ (الاثری)

يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن ابن ماجة بسند حسن)

”جو مومن مصیبت میں اپنے بھائی کو تسلی دلائے‘ اللہ عزوجل اسے قیامت کے دن عزت کا لباس پہنائے گا۔“

(۸) کسی کی وفات پر اس کے عزیزواقارب کو تسلی دینا مستحب ہے:

صبر کی تلقین کرنا اور میت کے افراد خانہ کو تسلی دلانا اور ایسی باتیں کہنا جن سے ان کی مصیبت میں کمی کا احساس ہو اور شدت غم میں کمی واقع ہو جائے‘ شرعاً تعزیت کہلاتا ہے‘ اس کیلئے کوئی خاص لفظ مقرر نہیں ہے۔ آپ کی بیٹی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے تو آپ نے اس کو سلام کے ساتھ یہ پیغام بھجوایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»(صحيح بخاري)

”بے شک اللہ ہی کے لئے ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے اور ہر چیز کے لئے اس کے ہاں وقت مقرر ہے‘ پس چاہئے کہ وہ صبر کرے اور اجروثواب طلب کرے۔“

سلف ؒ میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو اس کے بیٹے کی تعزیت میں لکھا ”فلاں سے فلاں کی طرف‘ السلام علیکم‘ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ امابعد: اللہ تجھے اجر عظیم عطا کرے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر ادا کرنے کی ہمت دے‘ اس لئے کہ ہماری جانیں‘ ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال سب اللہ کے بابرکت عطیات ہیں اور اسی کی امانتیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تجھے ان کی بابت خوشی اور رشک کا فائدہ دے اور انہیں اجر کبیر کے ساتھ وصول کرے‘ یعنی نماز‘ رحمت اور ہدایت کے ساتھ۔ اگر تونے ثواب طلب کیا ہے تو صبر کر‘ کہیں تیری بے صبری تیرے اجر کو ضائع نہ کر دے‘ پھر تو نادم ہو گا۔ یاد رکھ! جزع فزع مرنے والے کو واپس نہیں لاتا اور نہ غم کو دور کرتا ہے‘ جو مصیبت نازل ہوئی ہے‘ وہ نازل ہو کر ہی رہتی ہے۔ والسلام علیکم۔“

اور تعزیت میں اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ ”اللہ تجھے اجر عظیم دے اور صبر کی توفیق سے نوازے اور میت کی مغفرت فرمائے۔“ اور جس سے تعزیت کی جارہی ہے‘ وہ جواب میں کہے آمین! اللہ آپ کو بدلہ دے اور تجھے کسی ناپسندیدہ چیز کا سامنا نہ ہو۔

(۹) سوگ کی بدعات:

لوگوں نے جہالت عام ہونے کی وجہ سے تعزیت کیلئے گھروں میں اکٹھے ہو کر بیٹھنے‘ کھانے کے انتظامات کرنے اور فخرومباہات کے طور پر اموال خرچ کرنے کا وطیرہ بنالیا ہے‘ اسے ترک کرنا اور اس سے

دور رہنا ضروری ہے' اس لئے کہ سلف صالحین گھروں میں جمع نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ قبرستان میں ایک دوسرے کو تسلی دلاتے' یا جب ملاقات ہوتی تو تعزیت کرتے تھے۔ ہاں اگر قبرستان میں نہ مل سکے اور راستہ میں بھی سامنا نہ ہو سکا ہو تو گھر میں انفرادی طور پر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ عمداً مخصوص انداز میں اجتماع کرنا اور اس کیلئے خصوصی اہتمام بدعت ہے۔

(۱۰) ورثاء میت کے لئے کھانا پکانا:

اہل میت کیلئے کھانے کا انتظام کرنا مستحب ہے اور یہ انتظام رشتہ دار' یا قریبی ہمسائے وفات کے دن کریں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِصْنَعُوْا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»(مسند أحمد، سنن الترمذي ومستدرك حاكم وهو صحيح)

''آل جعفر کیلئے کھانا تیار کرو' اس لئے کہ وہ اندوہناک خبر کی وجہ سے مشغول ہو گئے ہیں۔''

اہل میت دوسروں کیلئے طعام کا انتظام کریں' یہ ایک بری بات اور غیر مناسب فعل ہے' اس لئے کہ یہ تو ان پر مصیبت کا اضافہ کرنا ہے' اگر ان کے ہاں کوئی مسافر مہمان آجائے تو اہل میت کے بجائے ہمسائے اور رشتہ دار اس کی ضیافت کا اہتمام کریں۔

(۱۱) میت کی طرف سے صدقہ کرنا:

میت کیلئے خیرات کرنا مستحب ہے' اس لئے کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا ''اے اللہ کے رسول! میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور مال چھوڑ گیا ہے' کوئی وصیت بھی نہیں کی' اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو کیا یہ اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنے گا؟ آپ نے فرمایا ''ہاں۔'' اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے اللہ کے رسول! میری ماں فوت ہو گئی ہے' کیا میں اس کی طرف سے خیرات کر سکتا ہوں؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں۔'' عرض کی کونسی خیرات بہتر رہے گی؟ فرمایا ''پانی پلانے کا انتظام۔'' (مسند احمد وسنن نسائی وغیرہ)

(۱۲) میت کیلئے قرآن پڑھنا:

اگر کوئی شخص مسجد یا گھر میں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور تلاوت سے فارغ ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے میت کیلئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتا ہے اور اس تلاوت قرآن پاک کو (قبولیت دعاء کا) وسیلہ بناتا ہے تو جائز ہے۔

لیکن پڑھنے والوں کا میت کے گھر میں جمع ہونا اور قرأت کرنا اور قرأت کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا اور پڑھنے والوں کو اجرت ومزدوری دینا' یہ طریقہ بدعت ہے' جس کا ترک کرنا ضروری ہے اور مسلمان

بھائیوں کو اس سے اجتناب اور دور رہنے کی تلقین کرنا لازم ہے۔ اس امت کے سلف صالحینؒ میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ امت کے اچھے زمانوں میں اس پر عمل رہا ہے اور جو کام امت کے اولین طبقہ میں نہیں ہوا' وہ بعد کے لوگوں کیلئے شریعت اور دین نہیں بن سکتا۔

(۱۳) زیارت قبور کا حکم:

قبرستان جانا مستحب ہے' اس لئے کہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور میت کو دعا اور استغفار سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمْ بِالآخِرَةِ»(صحيح مسلم)

"میں تمہیں زیارت قبور سے منع کیا کرتا تھا' سو اب تم زیارت قبور کر لیا کرو' اس لئے کہ یہ تمہیں آخرت یاد دلائے گی۔"

الا یہ کہ قبرستان یا میت بہت دور کی مسافت پر ہے اور جانے کیلئے سامان باندھنے اور سفر کیلئے خصوصی اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر یہ سفر مشروع نہیں ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هَذَا وَالْمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لئے (ثواب وبرکت کی نسبت سے) رخت سفر نہ باندھا جائے (وہ تین مساجد یہ ہیں) مسجد حرام' میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔"[1]

(۱۴) قبروں کی زیارت کرنے والا کونسے الفاظ استعمال کرے؟

رسول اللہ ﷺ بقیع غرقد کے قبرستان میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

«اَلسَّلاَمُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لاَحِقُوْنَ، أَنْتُمْ فَرَطُنَا وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُمْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمْ»(صحيح مسلم)

"اے قبرستان کے مسلمانو اور مومنو! تم پر سلام ہو' بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ تم پہلے چلے گئے' ہم تمہارے بعد میں آئیں گے۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔"

---

(۱) ان سے وہ سفر مستثنیٰ ہیں جن کی مشروعیت کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (ع ' ر)

(۱۵) عورتوں کیلئے قبروں کی زیارت کا حکم:

علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کا بار بار قبرستان جانا حرام ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ»(سنن ترمذی وسنن ابن ماجة ومسند أحمد)

"اللہ نے قبروں کی زیارت کے لئے کثرت سے جانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔"

مذکورہ حدیث کی بنا پر بعض علماء نے عورتوں کے قبرستان جانے کو مطلقاً ناپسند کیا ہے' البتہ بعض دیگر علماء نے کبھی کبھار جانے کی رخصت دی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمان رضی اللہ عنہ کی قبر پر گئی تھیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا "ہاں پہلے قبروں کی زیارت ممنوع تھی' بعد ازاں اس کی اجازت دے دی گئی تھی۔" (مستدرک حاکم وسنن بیہقی امام ذھبی نے اسے صحیح کہا ہے)

البتہ جو علماء جواز کے قائل ہیں' وہ یہ شرط ضرور لگاتے ہیں کہ وہ وہاں جاکر کوئی خلاف شرع کام نہ کرے' قبر کے پاس نوحہ نہ کرے' اونچی آواز نہ نکالے' زیب وزینت کر کے نہ جائے' میت کو امداد کے لئے نہ پکارے اور نہ اس سے اپنی حاجات کا سوال کرے اور اسی طرح کے دیگر کام جو دینی امور سے ناواقف عورتیں کرتی ہیں' نہ کرے۔

دسویں فصل

زکوٰۃ کا بیان

[اس میں پانچ مادے ہیں]

پہلا مادہ زکوٰۃ کا حکم' اسکی حکمت اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا حکم

(الف) زکوٰۃ کا حکم:

زکوٰۃ ہر اس مسلمان پر اللہ کی طرف سے فرض ہے جو کسی مال کے نصاب کا مالک ہو' قرآن پاک میں آیات ذیل اس کو فرض قرار دیتی ہیں:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ﴾ (التوبة۹/ ۱۰۳)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے انہیں پاک بنایئے اور ان کا تزکیہ کیجئے۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۶۷)

"اے ایمان والو! اس پاک مال میں سے جو تم کماتے ہو اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا'

خرچ کرو۔"

نیز ارشاد ہوا: ﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۲۰)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلوٰةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا' اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

اور فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلاَةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں' یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب یہ کام سرانجام دیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے' سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہو گا۔"

اور جب آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّهُ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ إِلَى فُقَرَاءِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْكَ لِذٰلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تو اہل کتاب کے پاس جا رہا ہے' انہیں اس شہادت کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' اگر وہ لوگ اس کو تسلیم کرلیں تو پھر ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر

دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو انہیں خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے وصول کر کے انہیں کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا' اگر وہ یہ بھی تسلیم کر لیں تو ان کے قیمتی اموال سے خود کو بچانا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا' اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔"

ب۔ زکوٰۃ کی حکمت:

زکوٰۃ کی مشروعیت میں درج ذیل حکمتیں پنہاں ہیں:

(۱) بخل اور کنجوسی سے انسانی مزاج کا صاف و پاک ہونا۔

(۲) فقراء کے ساتھ ہمدردی اور تنگ دستوں' فقراء اور ناداروں کی حاجت براری۔

(۳) مصالح عامہ جن پر امت کی زندگی اور سعادت موقوف ہے' کا پورا کرنا۔

(۴) دولت مندوں کی دولت و ثروت میں حد بندی' تاکہ وہ دولت کسی ایک طبقہ میں بند ہو کر نہ رہ جائے۔

ج۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کا حکم:

زکوٰۃ نہ دینا اگر انکار فرضیت کی وجہ سے ہے تو کفر ہے اور اگر کنجوسی اور بخل کی وجہ سے ہے تو گناہ ہے۔ اس سے زکوٰۃ زبردستی وصول کی جائے گی اور وہ سزا کا مستحق ہو گا' اگر لڑائی پر اتر آئے تو اس سے اللہ کے حکم کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی تک جنگ کی جائے گی' اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ فَإِخۡوَٰنُكُمۡ فِي ٱلدِّينِۗ ﴾ (التوبة٩/ ١١)

"اگر وہ توبہ کریں' نماز کی اقامت کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلاَةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں' یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے۔ سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہو گا۔"

اور جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے انکار کرنے والوں سے جنگ کی اور فرمایا "اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے' مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔" (صحیح بخاری)

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مسئلہ میں ان سے متفق تھے تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اجماعی فیصلہ تھا۔

دوسرا مادہ — زکوۃ اور غیر زکوۃ والے اموال واجناس کے بیان میں

(الف) سونا اور چاندی:

سونا' چاندی اور وہ سامان تجارت جس کی قیمت سونا اور چاندی سے متعین ہوتی ہے' اسی طرح کانوں سے حاصل شدہ اموال اور جاہلی دور میں مدفون خزانہ بھی سونا چاندی کے ساتھ ملحق ہے اور اس کے علاوہ دیگر مالی کرنسی جو سونا اور چاندی کے قائم مقام ہیں' ان سب میں زکوۃ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (التوبة٩/ ٣٤)

"اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا لیتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی نوید سنا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔"

نیز فرمایا: «اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»(صحيح بخاري)

"جانور کسی کا نقصان کر دے تو وہ ضائع (یعنی اس میں قصاص وغیرہ نہیں) ہے' کنویں میں کام کرتے ہوئے کسی کا نقصان ہو جائے تو ضائع ہے اور کان میں نقصان ہو جائے تو ضائع ہے اور جاہلی مدفون خزانہ میں پانچواں حصہ ہے۔"

ب۔ چوپائے:

اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں میں زکوۃ ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (البقرة٢/ ٢٦٧)

"اے ایمان والو! اس پاک مال میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔"

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«وَيْحَكَ إِنَّ شَأْنَهَا شَدِيْدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ تُؤَدِّيْ صَدَقَتَهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"افسوس ہے اسکا معاملہ تو بہت سخت ہے! کیا تیرے پاس اونٹ ہیں جن کی تو زکوٰۃ ادا کرتا ہے؟ کہا "ہاں"" آپ نے فرمایا "پھر تو سمندر پار عمل کر' اللہ تیرے عمل میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔"[1]

اور فرمایا: «وَالَّذِيْ لاَ إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا مِنْ رَجُلٍ تَكُوْنُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لاَ يُؤَدِّيْ زَكَاتَهَا إِلاَّ أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطِحُهُ بِقُرُوْنِهَا، كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُوْلاَهَا، حَتَّى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ»(صحيح بخاري)

"اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' جس مرد کے پاس اونٹ یا گائے یا بھیڑ بکریاں ہوں اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو انہیں قیامت کے دن لایا جائے گا۔ تو وہ بڑی بڑی ہوں گی اور موٹی موٹی' اسے اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی۔ جب (مارتے ہوئے) سب گزر جائیں گی تو پہلی کو پھر لوٹایا جائے گا۔ لوگوں کے فیصلہ ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔"

ج۔ پھل اور غلہ جات:

غلہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو خوراک میں استعمال ہوتی ہیں اور ان کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً گندم اور جو۔ پھلوں میں کھجور' زیتون اور کشمش ہے جن میں زکوٰۃ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٦٧)

"اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو اور اس سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ وَءَاتُواْ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤١)

"اور اجناس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔"

---

(۱) یعنی اگر تو دینی فرائض و واجبات ادا کرتا ہے تو پھر تو جہاں کہیں بھی زندگی گزارے اللہ تیرے ثواب اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ (ع' ر)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

اور فرمایا: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»(صحيح بخاري)

"بارش، چشمے اور نیچے سے پانی حاصل کرنے والی اجناس اور پھلوں وغیرہ میں دسواں حصہ ہے اور اگر انہیں پانی کھینچ کر پلایا جائے تو بیسواں حصہ ہے۔"

د۔ وہ اموال جن کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی:

(۱) غلاموں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ فِيْ فَرَسِهِ وَغُلاَمِهِ صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري)

"بندے پر اس کے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ خچروں اور گدھوں کی زکوٰۃ لینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

(۲) جو مال نصاب سے کم ہو، اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، الا یہ کہ مالک اپنی خوشی سے دے دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور چاندی میں پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں ہے، اور پانچ عدد اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔[1]"

(۳) تازہ استعمال ہونے والے پھلوں اور سبزیوں میں رسول اللہ ﷺ سے زکوٰۃ ثابت نہیں ہے۔ البتہ فقراء اور ہمسایوں کو اس میں سے دے دینا مستحب ہے، اس لئے کہ اللہ رب العزت کا یہ فرمان عام ہے:

﴿أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ﴾ (البقرة۲/ ۲۶۷)

---

(۱) ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اڑھائی کلو کا، لہٰذا پانچ وسق سات سو پچاس کلو کا ہوا۔ اور ایک اوقیہ چالیس درہم، اور پانچ اوقیہ دو سو درہم جو کہ باون تولہ کے برابر ہے۔ (الاثری)

"جو تم پاک مال کماتے ہو اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے' اس میں سے خرچ کرو۔"

(۴) عورتوں کے زیورات [1] پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے' اس لئے کہ یہ صرف زینت کے لئے ہوتے ہیں' ہاں اگر زینت کے ساتھ بوقت ضرورت کام میں لانے کی نیت بھی اس میں ہے تو ادخار (یعنی سٹور) کی وجہ سے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

(۵) قیمتی جواہرات جیسا کہ زمرد' یاقوت' موتی اور دیگر جواہرات وغیرہ' البتہ اگر یہ تجارت کی غرض سے حاصل شدہ ہیں تو ان میں سامان تجارت کی طرح زکوٰۃ ہوگی۔

(۶) گھریلو سامان' مکانات' کارخانے' گاڑیاں اور گھوڑے میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے' اس لئے کہ شارع علیہ السلام سے ان میں زکوٰۃ کا حکم نہیں ہے۔

تیسرا مادہ — اموال زکوٰۃ میں نصاب زکوٰۃ کی شرائط اور واجب مقدار

الف۔ سونا' چاندی اور جو ان کے حکم میں ہو:

(۱) سونا:

سونے میں زکوٰۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اگر بیس دینار ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔ یعنی بیس دینار میں سے نصف دینار' اس سے زائد کا بھی یہی حساب ہے۔

(۲) چاندی:

چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور اس میں پانچ درہم (یعنی چالیسواں حصہ) زکوٰۃ ہے' بشرطیکہ اس پر ایک سال گزر چکا ہو۔

(۳) اگر ایک شخص کے پاس نہ تو سونے کا پورا نصاب ہے اور نہ ہی چاندی کا' البتہ اگر دونوں کو اکٹھا کر لیا جائے تو نصاب بن جاتا ہے تو ہر ایک کا حساب کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر لی جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونا چاندی کے ساتھ اور چاندی سونے کے ساتھ ملا کر دونوں کی زکوٰۃ دی تھی۔ جیسا کہ دونوں نقود میں سے کسی ایک کو دوسری نقدی کی طرف سے نکالنا بھی جائز ہے' مثلاً اگر کسی

---

(۱) بوقت ضرورت کام میں آنے کی نیت نہ بھی ہو تو بھی عموم حکم کی وجہ سے عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے۔ قرآن پاک میں ہے' ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (التوبۃ ۹/ ۳۴) (الاثری)

پر ایک دینار واجب ہوا ہو تو اس کے لئے دس درہم چاندی نکالنا جائز ہے' اسی طرح اس کے برعکس بھی صحیح ہے' چنانچہ دور حاضر میں دونوں نقدیوں سونے اور چاندی کی طرح کاغذی کرنسی کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے گی اور وہ چالیس واں حصہ ہے' یاد رہے کہ حکومتوں کے ہاں کرنسی کا بھاؤ اور معیار سونا اور چاندی دونوں سے مل کر بنتا ہے۔

(۴) سامان تجارت:

یہ دو طرح کا ہوتا ہے' روزانہ فروخت ہو رہا ہے' یا اس کو ذخیرہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو سال گزرنے پر اس کی نقد قیمت بنالی جائے' اگر نصاب پورا ہو جائے تو اڑھائی روپے فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ لیکن اگر نصاب پورا نہ ہو اور اس کے علاوہ نقد رقم اس کے پاس موجود ہے تو وہ اس کے ساتھ شامل کر کے نصاب پورا کر لیا جائے اور اگر سامان تجارت ذخیرہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے تو جس دن فروخت ہو گا اس دن ایک سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے' چاہے کئی سال تک اس کے پاس بصورت سامان ذخیرہ رہے' تاکہ اس کی قیمت بڑھ جائے۔[1]

(۵) قرضہ جات:

اگر کسی نے قرض لینا ہے اور جب چاہے اس کے ملنے کی توقع ہے تو اسے سال گزرنے پر اپنے پاس موجود نقدی میں شامل کر کے زکوٰۃ ادا کرے اور اگر قرض والی رقم کے علاوہ نقدی نہیں ہے اور مال قرض سے نصاب پورا ہو گیا ہے تو بھی زکوٰۃ دے' لیکن اگر قرض کسی تنگ دست سے لینا ہے جس سے مرضی کے مطابق وصولی کی امید نہیں ہے تو جب وصولی ہو گی ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے' چاہے اس پر کئی سال گزر چکے ہوں۔

(۶) جاہلی دفینے:

اگر کسی کو زمین یا گھر میں مدفون خزانہ مل جائے تو اس کا پانچواں حصہ فقراء و مساکین اور خیراتی مہمات میں خرچ کر دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»

---

(۱) امام مالکؒ کی رائے یہی ہے' مگر امام شافعی' امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ ہر سال اس سامان کی زکوٰۃ ادا کریں۔ اس لیے کہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم کرتے تھے کہ سامان تجارت کی ہر سال زکوٰۃ ادا کریں۔ (رواہ ابو داوٗد) اس پر ابوداوٗد اور منذری کا سکوت ہے۔ ابن عبد البر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (الاثری)

"جاہلی دفینے میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے۔"

(۷) کانیں:

سونا یا چاندی کی کان ہے اور برآمدگی نصاب تک ہو گئی ہے تو زکوٰۃ ادا کر دے' اس میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔ کان کی آمدنی میں چالیسواں حصہ ہے یا بیسواں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے' جو بیسویں حصہ کی ادائیگی کے قائل ہیں وہ اسے رکاز (جاہلی دفینے) پر قیاس کرتے ہیں اور جو چالیسواں حصہ ادا کرنے کا کہتے ہیں' وہ اس پر درج ذیل حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں:

«لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ»(صحیح مسلم وغیرہ)

"پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

اس لئے کہ "اوقیہ" کا لفظ سونا اور چاندی کی کان کو بھی شامل ہے۔ مگر اللہ کے فضل سے اس معاملہ میں وسعت ہے۔

اگر کان میں سے لوہا' تانبا' بارود وغیرہ حاصل ہو تو اس کی قیمت سے اڑھائی روپے فی سینکڑہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ کسی صریح نص میں ان اشیاء میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی یہ سونا' چاندی میں داخل ہیں کہ ان کی زکوٰۃ فرض ہو۔

(۸) درمیان سال میں حاصل شدہ مال:

اگر وہ سامان تجارت کے منافع کی صورت میں ہے' یا جانوروں کی نسل کی بڑھوتری کی صورت میں' تو اصل کے ساتھ دوران سال میں حاصل شدہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا' خواہ اس پر سال گزرے یا نہ گزرے اور اگر پہلے سے موجود سامان تجارت کا منافع' یا جانوروں کی نسل نہیں' بلکہ الگ سے مال حاصل ہو گیا ہو تو اس کیلئے پورا سال اس کی ملکیت میں رہنا زکوٰۃ کی فرضیت کیلئے لازم ہے۔ لہٰذا ھبہ یا عطیہ یا وراثت میں آمدہ مال پر زکوٰۃ اس وقت ہو گی جب اس پر پورا سال گزر جائے گا۔

ب - چوپائے:

(ا) اونٹوں میں زکوٰۃ فرض ہونے کی شرط یہ ہے کہ نصاب (پانچ اونٹ) ملکیت میں آجائیں اور ان پر پورا سال گزر جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ»(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

"پانچ عدد اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔"

پانچ اونٹ ہوں تو ایک سالہ بکری' یا بھیڑ کا بچہ ادا کرنا ہے اور دس میں دو بکریاں' یا بھیڑیں اور پندرہ میں تین اور بیس میں چار اور پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) اگر یہ نہ ہو تو ابن لبون

(دو سالہ اونٹ) اور اسی طرح چھتیس اونٹوں میں ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) اور چھیالیس میں ایک حقہ (تین سالہ اونٹنی) اور اکسٹھ میں جزعہ (چار سالہ مادہ اونٹنی) اور چھہتر اونٹوں میں دو بنت لبون اور اکانوے میں دو حقے اور اگر ایک سو بیس ہو جائیں تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ۔

تنبیہ: اگر اونٹوں میں متعین عمر سے کم عمر کا جانور موجود ہو تو وہی زکوٰۃ میں دے دیا جائے اور کمی کو دو بکریوں یا بیس درہم ساتھ ملا کر پورا کیا جائے۔ اگر متعین عمر سے بڑی عمر کا جانور ہے تو وصول کرنے والا دو بکری، یا ان کی قیمت بیس درھم مالک کو واپس کرے گا۔ ہاں ابن لبون، بنت مخاض کی جگہ زکوٰۃ میں بغیر زیادتی کے کفایت کر جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) گائے:

اس کی زکوٰۃ میں بھی نصاب اور پورا سال گزرنے کی شرط ہے اور نصاب تیس عدد گائیں ہیں، اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور تیس میں ایک سال کا بچھڑا واجب ہے، چالیس ہو جائیں تو دو سالہ مادہ اور اگر اس سے زائد ہوں تو ہر چالیس میں دو سالہ مسنہ (دو دانت والا) اور ہر تیس میں ایک سالہ بچھڑا۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِيْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعٌ، وَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ»(سنن أبي داود، سنن الترمذي وصححه ابن حبان والحاكم)

"ہر تیس گایوں میں ایک سالہ اور ہر چالیس میں دو سالہ بچھڑا ہے۔"

(۳) بھیڑ اور بکری کی زکوٰۃ میں بھی نصاب اور سال گزرنا شرط ہے۔

ان کا نصاب چالیس کی تعداد ہے، چالیس بھیڑ بکریوں میں ایک بھیڑ یا بکری ہے اور ایک سو اکیس میں دو، جب دو سو ایک یا زائد ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں، یا بھیڑیں ہیں، البتہ اگر تین سو سے زائد ہو جائیں تو ہر ایک سو میں ایک بکری یا ایک بھیڑ ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِذَا زَادَتْ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ»(سنن أبي داود وغيره)

"جب (تین سو سے) زائد ہو جائیں تو ہر سو میں ایک بھیڑ یا بکری ہے۔"

تنبیہات:

(ا) جمہور فقہاء جانوروں کی زکوٰۃ میں یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ وہ سال کا اکثر حصہ جنگل وغیرہ میں گھاس چرتے ہوں۔ تاہم امام مالک رحمہ اللہ یہ شرط نہیں لگاتے، وہ بہرصورت زکوٰۃ کے قائل ہیں اور فقہاء مدینہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ جمہور کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«وَفِيْ سَائِمَةِ الْغَنَمِ، إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا شَاةٌ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ»

"اور جنگل میں چرنے والی بھیڑ بکریاں چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک (جانور) ہے' ایک سو بیس تک۔"

جمہور نے بکریوں میں صراحت اور گائے اور اونٹ میں اس پر قیاس کر کے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ سال کا اکثر حصہ باہر چرتے ہوں۔ کہتے ہیں کہ اگر مالک انہیں گھر میں گھاس مہیا کرتا ہے تو اس میں مشقت و محنت کی وجہ سے زکوٰۃ معاف ہو جاتی ہے۔

(۲) جانوروں کے درمیانی نصاب میں زکوٰۃ نہیں ہے' مثلاً جس کے پاس چالیس بکریاں ہیں وہ ایک دے گا اور ایک سو بیس تک درمیانی تعداد ہے تو بھی ایک ہی بکری ادا کرے گا' جب ایک سو بیس سے ایک بڑھ جائے گی تو پھر دو بکریاں اس پر واجب ہوں گی۔ چالیس اور ایک سو بیس کی درمیانی تعداد کو "وقص" کہتے ہیں۔ اسی طرح اونٹوں اور گائے کے "وقص" میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«إِذَا بَلَغَتْ كَذَا فَفِيْهَا كَذَا»

"جب اتنی تعداد ہو جائے تو اس میں اتنی زکوٰۃ ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ درمیانی تعداد پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) بھیڑ اور بکریوں کو زکوٰۃ میں ایک جنس قرار دیا گیا ہے اور بھینس اور گائے کو ایک جنس' اسی طرح بختی (وسط ایشیا میں پایا جانے والا دو کہانوں والا) اور عربی اونٹ (زکوٰۃ کی مد میں) ایک ہی جنس شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں وارد شدہ الفاظ الغنم' البقر' الابل ان دونوں اقسام کو شامل ہیں۔

(۴) دو آدمیوں کے جانور ایک ہی گلے میں اکٹھے ہیں' جبکہ ان کا چرواہا ایک ہے تو دونوں کے جانوروں کی اکٹھی زکوٰۃ لی جائے گی۔ پھر وہ آپس میں حساب کر لیں گے۔ مثلاً ایک کی چالیس بکریاں ہیں اور دوسرے کی اسی۔ اگر صدقہ وصول کرنے والا چالیس کے مالک کی بکریوں میں سے ایک بکری لے جائے تو وہ دوسرے سے دو تہائی بکری کی قیمت وصول کرے گا۔

یاد رہے کہ زکوٰۃ سے فرار کی نیت سے دو ریوڑوں کی بکریوں کو اکٹھا کرنا اور ایک ریوڑ کی بکریوں کو الگ الگ کرنا ناجائز ہے' اس لئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکتوب گرامی میں لکھا ہے:

«وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ»(صحيح بخاري وموطا مالك)

"اور صدقہ کے ڈر سے متفرق کو اکٹھا اور مجتمع (اکٹھے) کو جدا نہ کیا جائے۔ اور جو مال دو شریکوں کا ہو وہ دونوں (زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد) آپس میں برابر برابر حساب کر لیں۔"

(۵) زکوٰۃ میں جانوروں کے چھوٹے بچے نصاب میں شمار تو ہوتے ہیں' مگر وہ زکوٰۃ میں نہیں دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو حکم دیا تھا:

«عُدَّ عَلَيْهِمُ السَّخْلَةَ وَلاَ تَأْخُذْهَا»(مالك في مؤطا)

''بھیڑ کا بچہ شمار کر' مگر اس کو زکوٰۃ میں نہ لینا۔''

(٦) زکوٰۃ میں بوڑھا جانور اور عیب دار نہ لیا جائے'

اس لئے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«لاَ تُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلاَ ذَاتُ عَوَارٍ وَلاَ تَيْسٌ»(صحيح بخاري، سنن النسائي وسنن ابن ماجة)

''صدقہ میں بوڑھی' بھینگی اور ریوڑ کا بکرا (جس سے نسل کشی کا کام لیا جائے) نہ لیا جائے۔''

اسی طرح لوگوں کا قیمتی مال بھی نہ لیا جائے' جیسا کہ حاملہ بکری جس کے بچے کی ولادت قریب ہے اور گلے کا وہ نر اور مادہ جو خوراک کیلئے تیار کی جارہی ہے اور اسی طرح دودھ والی بکری بھی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''لوگوں کے قیمتی اموال سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔''

نیز عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ وصول کرنے والے کو ۃ اکولہ' الربی' ماخض اور فحل الغنم لینے سے منع کر دیا تھا۔[1]

ج۔ پھلوں اور غلہ جات کی زکوٰۃ:

غلہ اور پھلوں میں شرط یہ ہے کہ پھل اور دانہ پختگی کو پہنچ جائیں۔ یعنی پھل زرد یا سرخ ہو جائے۔ اور دانہ نکالا جاسکے۔ اسی طرح انگور اور زیتون بھی جب عمدہ اور قابل استعمال ہو جائیں' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَءَاتُواْ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ﴾ (الأنعام٦/ ١٤١)

''اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق دے دو۔''

اس کا نصاب پانچ وسق ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار مد کا۔

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

---

(۱) ''اکولہ'' جو کھانے کے لئے پالی جارہی ہے' ''الربی'' جو دودھ کے لئے گھر میں پالی جارہی ہے' ماخض حاملہ بکری اور فحل الغنم بکریوں کے ریوڑ کا نر بکرا۔ (الاثری)

"پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔"

اگر کھیت یا باغ کو چشمے یا دریا کا پانی سیراب کرتا ہو تو اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے' یعنی پانچ وسق میں نصف وسق۔ لیکن اگر پانی لگانے میں مشقت ہے' یا خرچ آتا ہے' یعنی کنویں سے پلایا گیا ہے' یا جانوروں کے ذریعے تو اس میں بیسواں حصہ ہے۔ یعنی پانچ وسق میں چوتھائی وسق۔ اگر اس سے زائد ہے تو اسی حساب سے ادائیگی کی جائے' خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بارش اور چشمے سے سیراب شدہ ہے یا عثری (یعنی ایسا پودا یا درخت جو جڑ کے ذریعے نیچے سے پانی حاصل کرے) اس میں دسواں حصہ ہے۔ اور جسے کھینچ کر پانی دیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔"

تنبیہات:

(۱) ایک شخص نے ایک مرتبہ آلات کے ذریعہ سے پانی دیا اور دوسری مرتبہ اس کے بغیر (یعنی بارش یا دریا سے) تو اس میں دسواں حصہ کے تین ربع (تین چوتھائی) ہیں۔ علماء یوں ہی کہتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ "ہمیں اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔"

(۲) کھجور کی تمام اقسام اکٹھی کر کے نصاب پورا ہو جائے تو اوسط قسم سے زکوٰۃ دے دی جائے۔ نہ زیادہ عمدہ سے ادائیگی کی جائے اور نہ ہی ردی سے۔

(۳) گندم' جو اور سلت (یہ جو کی ایک قسم ہے جس پر چھلکا نہیں ہوتا) کو زکوٰۃ میں ایک نصاب بنایا جائے۔ ان کا مجموعہ نصاب زکوٰۃ تک پہنچ جائے تو جو زیادہ ہے اس میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔

(۴) دالوں کی جملہ اقسام لوبیا' چنا' مسور' مٹر اور ترمس[1] کو ایک نصاب میں شمار کیا جائے' اگر نصاب پورا ہو جائے تو جو دال زیادہ ہو اس میں سے ادائیگی کر دی جائے۔

(۵) زیتون' مولی بیج اور تل (یا کشنیز) اگر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کے تیل سے ان کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

(۶) انگور کی جملہ اقسام ایک نصاب میں شمار کی جائیں اور زکوٰۃ دی جائے۔ کشمش بنانے سے پہلے اگر انہیں فروخت کر دیا گیا ہو تو نوع سیراب کے مطابق اس کی قیمت سے دسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے۔

---

(۱) بضم تاء ایک قسم کی نبات ہے جسکا بیج کڑوا ہوتا ہے' اور پانی میں بھگو کر استعمال کیا جاتا ہے۔ (المنجد اردو)

(۷) چاول' مکئی اور کنگنی (باجرے کے مشابہ ایک غلہ ہوتا ہے جس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے) ہر ایک الگ الگ نوع ہے' انہیں ایک نہ بنایا جائے۔ اگر ہر ایک نوع میں نصاب پورا نہیں ہوتا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہو گی۔

(۸) ایک شخص نے ٹھیکہ پر رقبہ لیا اور اسے نصاب کے قدر غلہ حاصل ہو گیا تو وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(۹) ایک شخص پھل دار درخت یا کسی کھیت کا مالک ہبہ' خرید یا وراثت کے ذریعہ بن گیا' اگر وہ پھل یا غلہ کے مکمل اپنی حالت پر آنے سے پہلے مالک بنا ہے تو زکوٰۃ وہی دے گا' ورنہ اس کا فروخت کرنے والا' یا ہبہ کرنے والا ہی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(۱۰) جس پر اتنا قرض ہے جو اس کے تمام مال کو محیط ہے' یا اسے نصاب سے کم کر دیتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔[1]

چوتھا مادہ: زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف ہیں' جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ذکر کئے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَٱلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَٱلْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ (التوبة۹/ ۶۰)

"صدقات' فقراء' مساکین' اس پر کام کرنے والے' جن کے دلوں کی تالیف مطلوب ہو' قیدی آزاد کرانے میں' مقروض لوگوں کیلئے' اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کیلئے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

زکوٰۃ کے جملہ مصارف اور ان کی وضاحت:

(۱) فقراء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ وہ اپنے عیال کی ضروریات خوراک' پانی' لباس اور رہائش پوری کر سکیں' چاہے وہ کسی نصاب کے ہی مالک ہوں۔

(۲) مسکین احتیاج میں کبھی فقیر سے کم تر ہوتا ہے اور کبھی زیادہ مگر ہر معاملہ میں ان کے احکام ایک

---

(۱) زمینی پیداوار کے مالک کے لئے یہ بات درست نہیں ہے' اس لئے کہ زکوٰۃ (عشر) اس کی زمینی پیداوار پر ہے' چاہے وہ مقروض ہے یا نہیں' حدیث مبارک میں ہے۔ «فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَفِيْمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم) (الاثری)

ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بعض احادیث میں مسکین کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

«لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِي يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لاَ يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ، وَلاَ يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلاَ يَقُوْمُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ»(صحيح بخاري)

"مسکین وہ نہیں ہے جو ایک دو لقموں' یا ایک دو کھجور کی خاطر لوگوں کے پاس چکر لگاتا پھرے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں' گمنامی میں رہتا ہے کہ اس کو خیرات نہیں دی جا رہی اور نہ ہی وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔"

(۳) "عامل علی الزکوٰۃ" سے مراد زکوٰۃ وصول کرنے والا' یا زکوٰۃ اکٹھی کرنے والا' یا زکوٰۃ کا نگران و منتظم اور تحریر کرنے والا (سیکرٹری) ہے' ان کو زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے' چاہے وہ غنی ہی ہوں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلاَّ لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ غَارِمٍ، أَوْ غَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، أَوْ مِسْكِيْنٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدَى مِنْهَا لِغَنِيٍّ»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن ابن ماجة وصححه الحاكم وأعل بالإرسال)

"غنی کیلئے صدقہ حلال نہیں ہے' مگر پانچ کیلئے صدقہ میں کام کرنے والا' جو اپنے مال سے اس کو خرید لے' مقروض انسان' اللہ کے راستہ میں لڑنے والا اور مسکین جس کو صدقہ کا مال دیا گیا اور وہ اس میں سے کسی غنی کو ہدیہ دے دے۔"

(۴) جن کے "دلوں کی تالیف" مطلوب ہو' اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی اسلامی حالت تو کمزور ہو' البتہ برادری میں اس کا اثر و رسوخ ہو۔ ایسے شخص کی دلجوئی کیلئے زکوٰۃ دی جائے' تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور لوگوں کیلئے مفید ثابت ہو' یا وہ اس کے شر سے بچ سکیں۔ اسی طرح اس سے مراد وہ کافر بھی ہے جو ایمان اور اسلام کی طلب و طمع میں ہے' اس کو اور اس کی قوم کو اسلام کی ترغیب کیلئے زکوٰۃ دینی چاہئے۔

اسی طرح یہ حصہ مصلحت کی خاطر ہر اس شخص کیلئے استعمال ہو سکتا ہے جو کسی بھی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض صحافت سے تعلق رکھنے والے اصحاب قلم وغیرہ وغیرہ۔

(۵) گردن آزاد کرانے میں۔ اس مصرف سے مراد مسلمان غلام ہے چنانچہ زکوٰۃ کے مال سے اسے خرید کر آزاد کیا جائے' یا غلام "مکاتب"[1] ہے تو زکوٰۃ سے اس کی کتابت کی اقساط (اس کے مالک کو) ادا

کی جائیں' تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

(٦) مقروض سے مراد ایسا صاحب قرض ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں مقروض نہیں ہوا اور اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو تو اسے زکوٰۃ سے اس قدر دیا جائے کہ قرض کی ادائیگی اس کیلئے آسان ہو جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَحِلُّ الْمَسْأَلَةُ إِلاَّ لِثَلاَثٍ: لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ، أَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ»(سنن الترمذي وحسنه وسنن أبي داود)

"سوال صرف تین قسم کے لوگوں کیلئے جائز ہے فقیر کیلئے جو بہت شدت میں ہے۔ مقروض کیلئے جسے قرض کی وجہ سے بہت پریشانی ہے اور خون کی دیت کی ذمہ داری دینے والا' جو اس کیلئے دکھ کا باعث بن گئی ہے۔"

(٧) اللہ کے راستہ میں۔ اس سے مراد وہ کام ہیں جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے موجب ہیں' بالخصوص اسلامی جہاد جو اللہ کے دین کی عظمت اور اعلاء کیلئے کیا جارہا ہے' بنا بریں غازی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے' چاہے وہ غنی ہے۔

اور اس مد میں وہ تمام شعبے آجاتے ہیں جو مصالح شرعیہ عامہ میں اپنا اپنا حصہ اور کردار ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً مساجد' شفاخانے' مدارس اور یتامیٰ کیلئے پناہ گاہیں تعمیر کرنا اور انہیں حصول اہداف کیلئے جاری رکھنا۔ البتہ سب سے پہلے جہادی ضروریات پوری کی جائیں۔ مثلاً آلات حرب کی تحصیل' مجاہدین کے اخراجات اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے دیگر اہم ترین ضروریات۔

(٨) "ابن سبیل" سے مراد وہ مسافر ہے جو اپنے شہر سے دور ہو' چنانچہ سفر میں ضروریات پوری کرنے کیلئے اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے' چاہے وہ اپنے علاقے میں غنی ہی ہو۔ اس لئے کہ اگر سفر میں اس کی ضروریات پوری کرنے کیلئے مال نہیں ہے تو وہ محتاج ہے' البتہ اس کو اگر قرض مل سکتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرض حاصل کرے اور اس وقت تک اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے جب تک وہ اپنے علاقے میں غنی ہے۔

تنبیہات:

(ا) اگر کوئی مسلمان اپنی زکوٰۃ مذکورہ مصارف میں سے کسی ایک مد میں دے دے تو جائز ہے' البتہ یہ ہے کہ ان مصارف میں اہم اور زیادہ ضروریات والے کو مقدم قرار دے' ہاں اگر زکوٰۃ کا مال بہت

(ا) مکاتب: وہ غلام جس نے اپنے مالک سے مخصوص رقم کے عوض آزادی حاصل کرنے کا تحریری معاہدہ کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم (ع' ر)

زیادہ ہے اور آٹھ مصارف میں سے ہر نوع پر وہ تقسیم کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

(۲) جن افراد کا خرچہ کسی کے ذمہ ہے، وہ ان کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ والدین، اولاد اور بیوی، اس لئے کہ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کا خرچ ادا کرنا اس پر لازم اور فرض ہے۔

(۳) نبی ﷺ کی آل کو ان کے خصوصی شرف ومقام کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی اور ان سے مراد بنو ہاشم، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَنْبَغِيْ لآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ»(صحيح مسلم)

"صدقہ آل محمد ﷺ کیلئے جائز نہیں، کیونکہ یہ لوگوں (کے مالوں) کی میل ہے۔"

(۴) مسلمان اپنی زکوٰۃ مسلمان سربراہ حکومت کو دے دے تو کافی ہے، چاہے وہ ظالم ہو، اس سے ادائیگی کرنے والے کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا:

«إِذَا أَدَّيْتَهَا إِلٰى رَسُوْلِيْ فَقَدْ بَرِئْتَ مِنْهَا، فَلَكَ أَجْرُهَا، وَإِثْمُهَا عَلٰى مَنْ بَدَّلَهَا»(مسند أحمد وسكت عنه الحافظ في التلخيص)

"جب تو اسے میرے قاصد کو ادا کر دے تو تو بری ہو گیا اور گناہ گار وہ ہے جو اس میں تبدیلی کرے گا۔"

(۵) کافر اور فاسق کو زکوٰۃ نہ دی جائے، مثلاً نماز کا تارک اور احکام اسلام کا مذاق اڑانے والا۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِهِمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"زکوٰۃ مسلمان اغنیاء سے لی جائے اور مسلمان فقراء کو دی جائے۔"

اسی طرح دولت مند اور کمانے والے تندرست آدمی کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلاَ لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ»(رواه أحمد وقواه)

"اس میں غنی اور کمانے والے طاقت ور کا کوئی حصہ نہیں ہے۔"

اس سے مراد وہ کمانے والا ہے جو اپنی ضرورت کے مطابق کما سکتا ہے۔

(۶) ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں جو نماز قصر کرنے کی مسافت پر ہے، منتقل نہ کی جائے، یا اس سے بھی بعید۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے «تُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِهِمْ» کہا ہے، جس کا ظاہری مفہوم یہی

ہے کہ اسی شہر کے فقراء میں زکوٰۃ تقسیم کی جائے۔ البتہ علماء نے اس سے یہ صورت مستثنیٰ قرار دی ہے کہ اغنیاء کے شہر میں اگر فقراء نہ ہوں' یا دوسرے شہر میں ضرورت زیادہ ہو' تو ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کی جاسکتی ہے۔ بہرصورت ذمہ دار افراد اس پر غور کریں گے۔

(۷) ایک شخص نے مستحق زکوٰۃ سے قرض لینا ہے' اگر اسے قرض کی ادائیگی کی توقع ہے کہ جب ہی میں قرض طلب کروں گا' وہ کوشش کر کے اس کی ادائیگی کر دے گا تو وہ زکوٰۃ میں اسے رکھ سکتا ہے' لیکن اگر اسے اس فقیر سے قرض کی وصولی کی امید نہیں ہے' یا اس نیت سے زکوٰۃ دیتا ہے کہ فقیر یہی رقم مجھے واپس قرض میں دے دے گا تو اس طرح ادائیگی زکوٰۃ ناجائز ہو گی۔

(۸) زکوٰۃ کی ادائیگی نیت کے بغیر نہیں ہوگی' اگر نیت کے بغیر کسی کو دے دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح بخاري)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کیلئے وہ ہے جو وہ نیت کرے۔"

لہٰذا دینے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کی فرض زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرے اور ارادہ محض اللہ کی رضا جوئی ہو' اس لئے کہ ہر عبادت میں اخلاص شرط ہے' جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ﴾ (البينة۹۸/ ۵)

"اور انہیں یہی حکم ملا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔"

پانچواں مادہ — صدقہ فطر کا بیان

(۱) صدقہ فطر کا حکم:

مسلمانوں پر فطرانہ دینا واجب ولازم ہے' اس لئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے غلام اور آزاد' مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے سب مسلمانوں پر صدقۂ فطر کھجور یا جو کا ایک صاع فرض کیا ہے۔"

(۲) صدقۂ فطر کی حکمت:

لغو ورفث کے آثار سے روزے دار کو یہ خیرات صاف وپاک کر دے گی' جبکہ عید کے دن فقراء ومساکین کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ»(رواه أبوداود وسنن ابن ماجة وصححه الحاكم)

"رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو لغو ورفث سے پاک کرنے اور مساکین کی خوراک کیلئے صدقہ فطر فرض کیا ہے۔"

اور فرمایا: «أَغْنُوْهُمْ عَنِ السُّؤَالِ فِيْ هَذَا الْيَوْمِ»(سنن البيهقي وسنده ضعيف)

"اس دن ان کو سوال سے بے نیاز کردو۔"

(۳) صدقہ فطر کی مقدار اور جن چیزوں سے یہ ادا کیا جائے گا:

صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہے اور ایک صاع چار مد (اڑھائی کلو) کا ہوتا ہے اور شہر میں جو خوراک گندم، جو، کھجور، چاول، کشمش اور پنیر میں سے زیادہ استعمال ہوتی ہو، اسی میں سے یہ صدقہ ادا کیا جائے گا، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چھوٹے بڑے، آزاد وغلام کی طرف سے ایک صاع طعام، یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع جو، یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش کا نکالتے تھے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) فطرانہ کی ادائیگی: نقدی سے یا غلہ سے؟

لازم یہی ہے کہ صدقہ فطر میں خوراک کی انواع میں سے کوئی جنس دی جائے، اس کے بجائے بلا ضرورت نقد رقم نہیں دینی چاہئے، اس لئے کہ رسول اللہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے طعام کے بدلے نقد روپے کی ادائیگی کی ہو، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے۔ البتہ صرف، ضرورت کے وقت نقدی دی جاسکتی ہے۔

(۵) صدقہ فطر کے وجوب اور ادائیگی کا وقت:

صدقہ فطر شوال کی پہلی تاریخ یعنی عید کی رات کی ابتدا سے واجب ہو جاتا ہے اور عید کی نماز سے پہلے ادائیگی ضروری ہے، ہاں ایک دو دن پہلے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صدقہ فطر ادا کرنا ثابت ہے، جس سے جواز نکلتا ہے اور افضل وقت یہ ہے کہ عید کی صبح صادق کے بعد اور نماز عید سے پہلے ادا ہو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ نماز کی طرف جانے سے پہلے زکوۃ فطر ادا کرلی جائے،

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مُتَقَبَّلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ

الصَّلاَةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ»(رواه أبوداود وابن ماجة وصححه الحاكم)

"رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو لغو ورفث سے پاک کرنے اور مساکین کو خوراک مہیا کرنے کیلئے صدقہ فطر فرض قرار دیا ہے' چنانچہ جو نماز سے پہلے ادا کرے گا وہ زکوٰۃ ہے' اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے گا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو یہ عام خیرات ہے۔"

(۶) صدقہ فطر کا مصرف:

اس کے مصارف بھی عام مالی زکوٰۃ کی طرح ہیں' البتہ باقی مصارف کے بجائے بہتر یہ ہے کہ فقراء اور مساکین کو یہ خیرات دی جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَغْنُوْهُمْ عِنِ السُّؤَالِ فِيْ هَذَا الْيَوْمِ»(سنن البيهقي وسنده ضعيف)

"اس دن ان کو سوال سے بے نیاز کر دو۔"

غیر فقراء کو اس صورت میں دیا جاسکتا ہے' جب فقراء نہ ہوں' یا ان کی ضرورت معمولی ہو' یا فقیر کے علاوہ دوسرے حقداروں کی ضرورت بہت زیادہ ہو۔

تنبیہات:

(۱) دولت مند عورت اپنے فقیر خاوند کو صدقہ فطر دے سکتی ہے' جبکہ خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا' اس لئے کہ بیوی کا خرچ خاوند پر لازم ہے اور خاوند کا خرچ بیوی پر نہیں ہے۔

(۲) اس شخص سے صدقہ فطر ساقط ہو جائے گا جو ایک دن کی خوراک کا بھی مالک نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

(۳) ایک دن کی خوراک سے زیادہ کا مالک جب صدقہ فطر کسی کو دے گا تو یہ اس کیلئے کفایت کرے گا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"اللہ سے اتنا ڈرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔"

(۴) ایک شخص کا "صدقہ فطر" کئی افراد کو دیا جاسکتا ہے اور کئی افراد کا صدقہ ایک فرد کو بھی دیا جاسکتا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس معاملہ میں کسی قسم کی حدبندی اور تعیین وارد نہیں۔

(۵) مسلمان پر "زکوٰۃ فطر" اسی شہر میں واجب ہے جس میں وہ مقیم ہے۔

(۶) ایک شہر سے دوسرے شہر میں "زکوٰۃ فطر" منتقل نہ کی جائے' الاّ یہ کہ کوئی ضرورت درپیش ہو' نیز اس معاملہ میں اس کا حکم زکوٰۃ والا ہے۔

گیارہویں فصل

روزہ کے احکام

[اس میں دس مادے ہیں]

پہلا مادہ — صوم (روزے) کی تعریف اور تاریخ فرضیت

(۱) روزے کی تعریف:

"صیام" لغت عرب میں مطلق رک جانے کو کہتے ہیں۔ شرعاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت کے ارادہ سے کھانے' پینے اور عورتوں کی مجامعت اور دیگر روزہ توڑ دینے والی چیزوں سے صبح صادق کے طلوع سے سورج کے غروب تک اجتناب کرنا۔

(۲) روزے کی تاریخ فرضیت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلی امتوں کی طرح امت محمدیہ ﷺ پر بھی اپنے درج ذیل فرمان میں روزہ فرض قرار دیا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا' تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

یہ آیت مبارکہ بروز سوموار شعبان المعظم ۲ھ میں نازل ہوئی۔

دوسرا مادہ — روزے کی فضیلت اور فائدے

(الف) ۔ روزے کی فضیلت:

درج ذیل احادیث مبارکہ روزے کی فضیلت واہمیت کو ثابت کرتی ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْقِتَالِ»(رواه أحمد وغيره)

"روزہ جہنم سے ڈھال ہے' جس طرح تمہارے ایک کی "لڑائی سے بچانے والی" ڈھال ہوتی ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ صَامَ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ زَحْزَحَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص اللہ عزوجل کے راستہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے' اللہ اس کا چہرہ اس دن کے عوض جہنم سے ستر سال دور کر دے گا۔"

نیز ارشاد فرمایا: «إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ دَعْوَةً لاَ تُرَدُّ»(رواه ابن ماجة والحاكم وصححه)

"افطار کے وقت روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔"

نیز ارشاد ہے: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لاَ يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ، لاَ يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوْا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جنت میں ایک دروازہ ہے جسے "ریان" کہا جاتا ہے' قیامت کے دن اس سے روزے دار داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ اس میں سے کوئی اندر نہیں جاسکے گا۔ پکارا جائے گا روزے دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے' ان کے سوا کوئی اور اس (دروازے) سے داخل نہیں ہو گا۔ جب یہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر بعد میں کوئی بھی اس میں داخل نہ ہو گا۔"

(ب) ۔ روزہ کے فوائد:

روزے کے روحانی' اجتماعی اور طبی فائدے ہیں۔ روزے کے روحانی فوائد میں "صفت صبر" کے حصول اور اس کو قوی بنانا ہے' یہ اپنے آپ پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے اور اس میں معاون بنتا ہے' اسی طرح نفس وروح میں تقویٰ کا ملکہ ایجاد کرتا اور اس کو بڑھاتا ہے۔ اور یہ علت تقویٰ' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہوتی ہے۔

ارشاد ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة ٢/ ١٨٣)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا' تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

روزے کے اجتماعی فوائد میں سے یہ ہے کہ اس سے امت میں نظم ونسق اور اتحاد کی عادت پیدا ہوتی ہے' عدل ومساوات سے محبت بڑھتی ہے اور ایمانداروں میں "جذبہ ترحم" اور ایک دوسرے پر احسان کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح روزہ معاشرے کو مفاسد اور خرابیوں سے بچاتا ہے۔

اور روزے کے طبی فوائد میں سے یہ ہے کہ اس سے آنتیں درست ہوتی ہیں' معدہ کی اصلاح ہو جاتی ہے' جسم کو فضلات اور بے کار اجزاء سے پاک وصاف کرتا ہے اور اسی طرح موٹاپے اور پیٹ کی چربی کے بوجھ میں کمی کا موجب بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ہے:

«صُوْمُوْا تَصِحُّوْا»(رواه ابن السنی وأبونعيم وحسنه السيوطی)
"روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔"

تیسرا مادہ

مستحب، مکروہ اور ناجائز روزوں کا بیان

(الف) کون سے روزے مستحب ہیں؟

درج ذیل ایام میں روزہ رکھنا مستحب ہے:

(ا) **یوم عرفہ:** نو ذو الحجہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے، سوائے محرم (جس نے احرام باندھا ہے) کے، وہ روزہ نہ رکھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ ذُنُوْبَ سَنَتَيْنِ مَاضِيَةٍ وَمُسْتَقْبِلَةٍ، وَصَوْمُ عَاشُوْرَاءَ يُكَفِّرُ سَنَةً مَاضِيَةً»(صحيح مسلم)

"نو ذوالحجہ کا روزہ، گذشتہ اور آنے والے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور دس محرم کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔"

(۲) **عاشورہ کا روزہ:** یعنی محرم کے نویں اور دسویں دن کا روزہ بھی مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَصَوْمُ عَاشُوْرَاءَ يُكَفِّرُ سَنَةً مَاضِيَةً»(صحيح مسلم)

"دس محرم کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے خود دس محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا:

«فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ»(رواه مسلم وأبوداود)

"ان شاء اللہ ہم اگلے سال نو محرم کا (بھی) روزہ رکھیں گے۔"

(۳) **شوال کے چھ روزے بھی مستحب ہیں۔** اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَأَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»(صحيح مسلم)

"جس نے رمضان کے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔"

(۴) **ماہ شعبان کے پہلے پندرہ دنوں میں روزے رکھنا مستحب ہیں۔** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلاَّ رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَهْرِ شَعْبَانَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رمضان المبارک کے علاوہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پورا مہینہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا،

اور شعبان کے ایام سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزے رکھتے بھی میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔"

(۵) ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کے روزے رکھنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الأَيَّامِ ـ يَعْنِيْ الْعَشْرَ الأَوَّلَ مِنْ ذِيْ الْحَجَّةِ ـ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ وَلاَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ: وَلاَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، إِلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ»(صحيح البخاري)

"ذوالحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو۔ لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟" فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد میں چلا جائے اور پھر ان (دونوں میں سے) کچھ واپس نہ لائے۔ (یعنی شہید ہو جائے)"

(۶) محرم کے مہینہ میں روزے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ رمضان المبارک کے بعد کونسا روزہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«شَهْرُ اللهِ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهُ الْمُحَرَّمَ»(صحيح مسلم)

"اللہ کے اس مہینے میں جسے تم محرم کہتے ہو۔"

(۷) ایام بیض یعنی ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ مستحب ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ نَصُوْمَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامِ الْبِيْضِ: ثَلاَثَ عَشَرَةَ وَأَرْبَعَ عَشَرَةَ وَخَمْسَ عَشَرَةَ، وَقَالَ: هِيَ كَصَوْمِ الدَّهْرِ»(سنن النسائي وصححه، سنن ابن ماجة وسنن ابن حبان)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھیں اور فرمایا "یہ سال کے روزے کی طرح ہیں۔"

(۸ ـ ۹) سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر ان دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا، تو فرمایا:

«إِنَّ الأَعْمَالَ تُعْرَضُ كُلَّ اثْنَيْنِ وَخَمِيْسٍ، فَيَغْفِرُ اللهُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ أَوْ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ إِلاَّ الْمُتَهَاجِرَيْنِ فَيَقُوْلُ: أَخِّرْهُمَا»(مسند أحمد وسنده صحيح)

"ہر سوموار اور جمعرات کے دن اعمال پیش کئے جاتے ہیں، سب مسلمانوں یا ایمان والوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ معاف کر دیتا ہے، سوائے آپس میں ترک گفتگو کرنے والوں کے۔ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ ان کا معاملہ مؤخر کر دو۔"

(۱۰) ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار مستحب ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول ہے:

«أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَهُ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَكَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا» (صحيح البخاري وصحيح مسلم)

''اللہ کو روزوں میں داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں اور نمازوں میں بھی داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند ہے۔ وہ نصف رات سوتے اور ایک تہائی قیام کرتے اور پھر چھٹا حصہ سوتے اور اسی طرح ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔''

(۱۱) غیر شادی شدہ کیلئے جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا' اس کیلئے روزہ رکھنا بہتر ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ» (صحيح البخاري)

''جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے' یہ نگاہ کو بہت نیچا کرتا ہے اور شرم گاہ کو بہت بچاتا ہے اور جو طاقت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے' یہ اس کیلئے (شہوت کی تیزی) ختم کرنے والا ہے۔''

ب ۔ مکروہ روزے:

(۱) میدان عرفات میں وقوف کرنے والے حجاج کیلئے یوم عرفہ کا روزہ ناجائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ والوں کیلئے روزہ ممنوع قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲) صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا بھی درست نہیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عِيْدُكُمْ فَلَا تَصُوْمُوْهُ إِلَّا أَنْ تَصُوْمُوْا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ» (مسند بزار وسنده جيد وأصله في الصحيحين)

''جمعہ کا دن تمہارے لئے عید ہے' اس دن کا روزہ نہ رکھو' الا یہ کہ ایک دن پہلے یا بعد کا اس کے ساتھ روزہ رکھو۔''

(۳) صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنا بھی درست نہیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْعُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ» (أصحاب السنن وحسنه الترمذي)

''ہفتہ کے دن فرض روزہ کے علاوہ کوئی روزہ نہ رکھو' اگر اس دن کھانے کو کچھ نہ ملے تو انگور کا چھلکا یا پودے کی لکڑی ہی چبالو۔''

(۴) شعبان کے آخری ایام میں بھی روزہ مکروہ ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلاَ تَصُوْمُوْا»(أصحاب السنن وصححه ابن حبان)

"جب شعبان کا نصف ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔"

تنبیہ:

مذکورہ بالا ایام میں روزے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے' جبکہ درج ذیل ایام میں روزے رکھنا مکروہ تحریمی یعنی حرام ہے:

(۱) "وصال کے روزے"۔ یعنی دو یا زیادہ دن کے افطار کئے بغیر تسلسل سے روزے رکھنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«لاَ تُوَاصِلُوْا»(صحيح البخاري)

"وصال نہ کرو (بغیر افطار کئے لگاتار روزے نہ رکھو)۔"

نیز فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ»(صحيح البخاري وصحيح مسلم)

"اپنے آپ کو وصال (یعنی بلا افطار روزے رکھنے) سے بچاؤ۔"

(۲) شعبان کی تیس تاریخ کو شک کا روزہ رکھنا بھی ناجائز ہے'

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ»(صحيح البخاري وصحيح مسلم)

"جو شک کے دن کا روزہ رکھے' اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔"

(۳) "سارے سال کے روزے"۔ یعنی کسی بھی دن چھوڑے بغیر پورا سال روزے رکھنا بھی اسی قبیل سے ہے' رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ صَامَ مَنْ صَامَ الأَبَدَ»(صحيح مسلم)

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا' اس نے کوئی روزہ نہ رکھا۔"

نیز فرمایا: «مَنْ صَامَ الأَبَدَ فَلاَ صَامَ وَلاَ أَفْطَرَ»(مسند أحمد وسنن النسائي وصححه)

"جس نے ہمیشہ روزہ رکھا' اس نے نہ تو روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔"

(۴) خاوند کی موجودگی میں بیوی کا خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھنا بھی حرام ہے۔

فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«لاَ تَصُمِ الْمَرْأَةُ يَوْمًا وَاحِدًا وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ إِلاَّ رَمَضَانَ»(صحيح البخاري وصحيح مسلم)

"رمضان کے علاوہ عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر ایک دن بھی روزہ نہ رکھے۔"

ج ۔ حرام روزے:

(ا) عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا' عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو دنوں میں روزہ رکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہے' ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا قربانی کا دن۔" (صحیح مسلم)

(۲) ایام تشریق یعنی ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا جو اونچی آواز سے اعلان کر رہا تھا کہ ان ایام میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے' پینے اور مجامعت کے ایام ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔

(۳) ماہواری اور نفاس کے دنوں میں روزے رکھنا۔ اس لئے کہ امت کا اجماع ہے کہ حیض ونفاس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«أَلَيْسَتْ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا»(صحيح البخاري)

"کیا ایسے نہیں کہ جب عورت کو حیض آتا ہے' نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔"

(۴) بیمار آدمی' جسے روزہ رکھنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو' کا روزہ رکھنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اپنے آپ کو قتل نہ کرو' بے شک اللہ تمہارے ساتھ مہربان ہے۔"

چوتھا مادہ: روزے کی فرضیت وفضیلت

الف ۔ رمضان کے روزے واجب ہیں:

کتاب وسنت اور اجماع امت سے رمضان کے مہینہ کے روزوں کا فرض ہونا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

"ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے' جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق وباطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے' پس جو تم میں سے رمضان کو پالے وہ اس کے روزے رکھے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

اور فرمایا: «عُرَى الإِسْلاَمِ وَقَوَاعِدُ الدِّيْنِ ثَلاَثَةٌ، عَلَيْهِنَّ أُسِّسَ الإِسْلاَمُ مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلاَلُ الدَّمِ: شَهَادَةُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَالصَّلاَةُ الْمَكْتُوْبَةُ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ»(رواه أبويعلى في مسنده بسند حسن)

"اسلام کے قواعد وبنیادیں تین ہیں جن پر اسلام کی عمارت تعمیر کی گئی ہے' جو کسی ایک کو چھوڑ دیتا ہے وہ کافر ہے اور اس کا خون حلال ہے۔ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں' فرض نماز اور رمضان کے روزے۔"

ب ۔ رمضان المبارک کی فضیلت:

رمضان المبارک کی بڑی فضیلت ہے اور اسے دوسرے مہینوں پر بہت ساری باتوں میں برتری حاصل ہے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ»(صحيح مسلم)

"پانچ نمازیں' ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک' اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو (یہ تینوں) درمیانی عرصہ کے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔"

اور فرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کیلئے رمضان کے روزے رکھتا ہے' اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

اور فرمایا: «وَرَأَيْتُ رَجُلاً مِّنْ أُمَّتِي يَلْهَثُ عَطَشًا، كُلَّمَا وَرَدَ حَوْضًا مُنِعَ مِنْهُ، فَجَاءَهُ صِيَامُ رَمَضَانَ فَسَقَاهُ وَرَوَّاهُ»(معجم الطبراني في حديث طويل)

"میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو (خواب میں دیکھا) کہ وہ پیاس سے ہانپ رہا تھا' جب بھی وہ

حوض پر وارد ہوتا' اسے روک دیا جاتا (یہ وہ شخص ہے کہ) جب اس کے پاس رمضان کا روزہ آیا تو اس نے اس کو پانی دیا اور سیر کر دیا۔ (یعنی روزہ نہ رکھا)"

اور فرمایا: «إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَنَادٰى مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ»(سنن الترمذي وقال غريب، وصححه الحاكم على شرط الشيخين)

"رمضان کی پہلی رات شیاطین اور سرکش جنات باندھ دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں' ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھلتا اور بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا اور اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے "اے اچھائی کے متلاشی! آگے بڑھ اور اے شر کے متلاشی! رک جا اور (بہت سے لوگوں کو) اللہ جہنم سے آزاد کرتا ہے اور یہ ہر رات ہوتا ہے۔"

پانچواں مادہ: رمضان میں نیکی اور احسان کرنے کی فضیلت

رمضان المبارک کی فضیلت کی وجہ سے اس میں نیکی' خیرات اور احسان کے کاموں کی بہت فضیلت ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(ا) صدقہ وخیرات:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ صَدَقَةُ رَمَضَانَ»(سنن الترمذي وهو ضعيف)

"رمضان کی خیرات افضل خیرات ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا فَلَهُ أَجْرُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئٌ»(مسند أحمد وسنن الترمذي وهو صحيح)

"جو شخص کسی روزے دار کو افطار کراتا ہے تو وہ روزے دار کا ثواب کم کئے بغیر اس کے برابر ثواب کا مستحق ہو گا۔"

اور فرمایا: «مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى طَعَامٍ أَوْ شَرَابٍ مِنْ حَلَالٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ فِيْ سَاعَاتِ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَصَلّٰى عَلَيْهِ جِبْرِيْلُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ»(رواه الطبراني وأبوالشيخ)

”جو شخص کھانے پینے کی کسی حلال چیز کے ساتھ کسی روزے دار کا روزہ افطار کراتا ہے تو سارا رمضان فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام لیلۃ القدر میں اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔“

اور رسول اللہ ﷺ خیرات کرنے میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب جبرائیل علیہ السلام آپ کو ملتے تو آپ بہت ہی سخاوت کرتے۔ (صحیح بخاری)

(۲) رات کا قیام:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح البخاري وصحيح مسلم)

”جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کیلئے رمضان کا قیام کرتا ہے‘ اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اور رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں جاگتے تھے اور آخری دس راتوں میں اپنے اہل اور ہر چھوٹے بڑے کو جو نماز پڑھ سکتا تھا‘ بیدار کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۳) تلاوت قرآن کریم:

رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام بھی رمضان المبارک میں آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ قیام رمضان میں قرامت دوسرے ایام کے مقابلہ میں لمبی کرتے تھے۔ ایک رات حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ قیام کیا تو آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی‘ پھر آل عمران اور پھر سورۂ نساء۔ جب آپ آیت تخویف پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور سوال (یعنی دعا) کرتے۔ ابھی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں کہ بلال رضی اللہ عنہ آگئے اور صبح کی نماز کی اطلاع دی‘ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے:

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلصِّيَامُ وَالْقِيَامُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ الصَّوْمُ: رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ بِالنَّهَارِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنَا فِيْهِ»(مسند أحمد وسنن النسائی)

”روزہ اور قرآن بندے کیلئے قیامت کے دن سفارش کریں گے‘ روزہ کہے گا ”اے رب! میں نے اسے دن میں کھانے اور پینے سے روکا تھا“ اور قرآن کہے گا ”میں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکا تھا تو اس کے حق میں ہماری سفارش قبول فرما۔“

(۴) اعتکاف:

اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کیلئے برائے عبادت مسجد میں رہنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اعتکاف بیٹھتے تھے اور وفات تک رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں مسجد میں اعتکاف آپ کا معمول رہا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ' آپ نے فرمایا:

«اَلْمَسْجِدُ بَيْتُ كُلِّ تَقِيٍّ، وَتَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ كَانَ الْمَسْجِدُ بَيْتَهُ بِالرَّوْحِ وَالرَّحْمَةِ وَالْجَوَازِ عَلَى الصِّرَاطِ إِلَى رِضْوَانِ اللهِ إِلَى الْجَنَّةِ»(معجم الطبراني ومسند بزار)

''مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کیلئے جس کا گھر مسجد ہے خوشی' رحمت اور پل صراط سے گزر کر اپنی رضا یعنی بہشت کی ضمانت دی ہے۔''

(۵) عمرہ کرنا:

رمضان المبارک میں اللہ کے گھر کی زیارت' طواف اور سعی صفا و مروہ کرنا عمرہ کہلاتا ہے' رمضان کے عمرہ کے بارے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً مَعِيْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے (ثواب کے) برابر ہے۔''

اور فرمایا: «اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''ایک کے بعد دوسرا عمرہ درمیانے گناہوں کیلئے کفارہ ہے۔''

چھٹا مادہ: کس چیز سے رمضان المبارک کی آمد کا پتہ چلتا ہے؟

رمضان المبارک کی آمد کا ثبوت (صحیح علم) یا تو اس طرح ہو گا کہ اس سے پہلے مہینے شعبان کے تیس دن مکمل ہو چکے ہوں' اکتیسواں دن رمضان کی پہلی تاریخ ہو گی' یا پھر چاند دیکھنے سے اس کی آمد کا فیصلہ ہو گا' یعنی شعبان کی تیسویں رات کو اگر چاند نظر آجائے تو رمضان المبارک شروع ہو جائے گا اور اس صورت میں اگلے دن کا روزہ رکھنا فرض ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٥)

''تم میں سے جو رمضان کا مہینہ پالے' وہ اس کے روزے رکھے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ»(صحيح مسلم)

''جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب (شوال کا) چاند دیکھ لو تو افطار کرو' اگر بادل (وغیرہ) ہوں

تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔"

رمضان المبارک کے چاند کیلئے ایک یا دو عادل گواہوں کی گواہی کافی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے چاند کی رؤیت کیلئے ایک گواہ کی گواہی کو کافی قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد وغیرہ' یہ حدیث صحیح ہے)

البتہ افطار کیلئے شوال کے چاند کا اثبات (کم از کم) دو عادل گواہوں سے ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے افطار کیلئے ایک گواہ کی گواہی کو نافذ نہیں کیا ہے۔ (معجم طبرانی وسنن دار قطنی)

تنبیہ:

جو شخص رمضان کا چاند دیکھ لیتا ہے اور (کسی وجہ سے) اس کی گواہی مسترد ہو جاتی ہے تو وہ خود[1] روزہ رکھے گا لیکن اگر افطار کا چاند دیکھ لیتا ہے اور اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی تو وہ افطار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ، وَالأَضْحىٰ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ» (سنن ترمذي)

"روزہ اس دن ہے جب تم روزہ رکھو اور افطار اس دن ہے جب تم افطار کرو اور قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو۔"

ساتواں مادہ: روزہ کی شرائط اور مسافر' مریض' بوڑھے' حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے روزے کا حکم

(ا) روزے کی شرائط:

مسلمان پر روزہ تب فرض ہوتا ہے جب وہ عاقل اور بالغ ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاَثَةٍ: عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ، وَالنَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ»(رواه أحمد وأبوداود وهو صحيح)

"تین آدمی مرفوع القلم ہیں: مجنون افاقہ ہونے تک' سونے والا بیدار ہونے تک اور نابالغ بالغ ہونے تک۔"

اور مسلمان عورت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ

(ا) مگر محولہ حدیث مبارک کے الفاظ «الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ» کا تقاضا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ (الاثری)

نے عورت کے دینی نقصان میں فرمایا:

«أَلَيْسَتْ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟»(صحيح بخاري)

"کیا ایسے نہیں کہ جب وہ حیض سے ہوتی ہے' نہ نماز پڑھتی ہے' نہ روزہ رکھتی ہے؟۔"

ب ۔ مسافر کا روزہ:

مسلمان جب اڑتالیس میل (مسافت قصر) کے سفر کا ارادہ کرے تو شارع علیہ السلام نے اسے اجازت دی ہے کہ روزہ نہ رکھے اور جب گھر واپس آئے تو پھر قضا کرلے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرة٢/ ١٨٤)

"سو جو تم میں بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔"

ہاں اگر سفر میں روزہ رکھنے میں مسافر کو مشقت نہیں ہوتی اور وہ روزہ رکھ لے تو اچھا ہے اور اگر روزہ میں دوران سفر تکلیف ہو تو افطار بہتر ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کیلئے جاتے تھے' رمضان المبارک میں ہم میں سے بعض روزہ رکھتے اور بعض نہ رکھتے' کوئی کسی پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہتی تھی کہ جو روزہ آسانی سے رکھ سکتا ہے وہ روزہ رکھے اور جو کمزور ہے وہ افطار کرے' یہ بہتر ہے۔" (صحیح مسلم)

ج ۔ بیمار کا روزہ:

رمضان المبارک میں مسلمان بیمار ہو جائے تو وہ شدید مشقت برداشت کئے بغیر اگر روزہ رکھ سکتا ہے تو روزہ رکھے' ورنہ افطار کرے' پھر اگر اس کو بیماری سے تندرست ہونے کی توقع ہے تو ان ایام کے روزوں کی قضا کرے اور اگر تندرست ہونے کی امید نہیں ہے کہ مرض دائمی ہے تو ہر روز ایک مد طعام کسی مستحق کو کھلائے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (البقرة٢/ ١٨٤)

"اور اس کی (مشقت کے ساتھ) طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کا کھانا دیں۔"

د ۔ بوڑھے کے روزے کا حکم:

مسلمان مرد یا عورت اگر بڑھاپے کی اس حد کو پہنچ جائیں کہ روزہ نہ رکھ سکیں تو ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "بہت بوڑھے کیلئے اجازت ہے کہ وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔" (سنن دار قطنی ومستدرک حاکم اور انہوں نے اسے صحیح کہا ہے)

ھ ۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے روزے کا حکم:

مسلمان عورت اگر حاملہ ہے اور روزہ رکھنے کی صورت میں اسے یا حمل کے لئے کوئی خطرہ ہے تو افطار کرے اور عذر زائل ہونے کے بعد قضا کرے۔ اگر یہ عورت دولت مند ہے تو روزانہ ایک مد گندم بھی خیرات کرے' تا کہ اس کیلئے زیادہ ثواب کا باعث بنے اور اسے فضیلت حاصل ہو۔

یہی حکم دودھ پلانے والی عورت کا ہے کہ اگر اسے یا اس کی اولاد کو خطرہ ہے تو وہ روزہ نہ رکھے' جبکہ اسے اور کوئی عورت دودھ پلانے کیلئے نہیں ملتی۔ یہ حکم قرآن پاک کی اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے:

﴿وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (البقرة٢/ ١٨٤)

"اور اس کی (مشقت کے ساتھ) طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کا کھانا دیں۔"

﴿يُطِيقُونَهُۥ﴾ کا اصل لغت میں مفہوم یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے میں شدید مشقت پائیں۔ اگر ایسے لوگ افطار کریں تو قضا کریں گے' یا ایک مسکین کو طعام دیں گے۔

تنبیہ:

(۱) اگر کوئی شخص بلاعذر اگلے رمضان کے داخل ہونے تک فوت شدہ روزوں کی قضا نہیں دے سکا تو اس پر لازم ہے کہ وہ بطور قضا ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

(۲) اگر کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔"

آپ نے اس شخص کیلئے فرمایا' جس نے یہ کہا تھا:

«إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ، أَفَأَقْضِيْهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضٰى»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"میری ماں فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے باقی تھے' کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں؟ تو فرمایا "ہاں' اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔"

آٹھواں مادہ: روزے کے ارکان' سنن اور مکروہات

الف ۔ روزے کے ارکان:

(۱) نیت کرنا: یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے دل میں روزہ رکھنے کا پختہ عزم کرنا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح بخاري)

"عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔"

اگر روزہ فرض ہو تو صبح صادق سے پہلے رات کو ہی اس کی نیت وارادہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَلاَ صِيَامَ لَهُ»(سنن ترمذي)

"جو رات کو روزہ کی نیت نہ کرے' اس کا روزہ نہیں ہے۔"

اور اگر روزہ نفل ہو تو طلوع فجر کے بعد بھی نیت کر سکتا ہے' بلکہ اگر کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو سورج طلوع ہونے کے بعد بھی نیت ہو سکتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ قُلْنَا لاَ، قَالَ: فَإِنِّيْ صَائِمٌ»(صحيح مسلم)

"ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" ہم نے کہا "نہیں" آپ نے فرمایا "تو پھر میں روزے دار ہوں۔"

(۲) امساک: یعنی کھانے پینے اور مجامعت سے رکنا۔

(۳) وقت: اس سے مراد پورا دن ہے' یعنی صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کا وقت روزے کا وقت ہے۔ اگر کوئی شخص رات کا روزہ رکھے اور دن میں افطار کرے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۷)

"اور رات (کی ابتداء) تک روزہ پورا کرو۔"

ب ۔ روزے میں مسنون امور:

(ا) افطار جلدی کرنا مسنون ہے' بایں طور کہ سورج غروب ہونے کے فورا بعد افطار کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تک لوگ جلدی افطار کریں گے' اچھائی میں رہیں گے۔"

اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِيُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يُفْطِرَ، وَلَوْ عَلَى شَرْبَةِ مَاءٍ»(سنن ترمذي وحسنه)

"نبی ﷺ افطار کئے بغیر مغرب کی نماز نہیں پڑھتے تھے' چاہے ایک گھونٹ پانی سے افطار کرتے۔"

(۲) تازہ یا خشک کھجور یا پانی سے روزہ افطار کرنا سنت ہے۔ اور ان میں اول الذکر سے افطار افضل

ہے اور آخری یعنی پانی سے افطار ادنیٰ درجہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کھجور کے تین یا پانچ یا سات دانوں سے افطار کیا جائے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَعَلٰى تَمَرَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَاحَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ»(معجم طبراني)

''رسول اللہ ﷺ تازہ کھجوروں کے ساتھ نماز سے پہلے افطار کرتے تھے' اگر تازہ نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں کے ساتھ' اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔''

(۳) افطار کے وقت دعا پڑھنا بھی مسنون ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْنَا، وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْنَا، فَتَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ»(سنن أبي داود)

''اے اللہ! ہم نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کر رہے ہیں۔ پس ہم سے قبول فرما' بے شک تو ہی سننے (اور) جاننے والا ہے۔''

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَلِيْ ذُنُوْبِيْ»
(سنن ابن ماجة وهو صحيح)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت جو ہر چیز پر وسیع ہے' (کے وسیلے) سے سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کی مغفرت فرما۔''

(۴) سحری کھانا سنت (مؤکدہ) ہے۔ یعنی رات کے آخری حصہ میں روزہ کی نیت سے کھانا اور پینا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ فَصْلَ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أُكْلَةُ السَّحَرِ»(صحيح مسلم)

''ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں سحری کھانے کا ہی فرق ہے۔''

اور فرمایا: «تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری میں برکت ہے۔''

(۵) سحری رات کے آخری اوقات تک مؤخر کرنا بہتر ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَزَالُ أُمَّتِيْ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطْرَ وَأَخَّرُوْا السُّحُوْرَ»(مسند أحمد وهو صحيح)

''میری امت اس وقت تک بھلائی میں رہے گی جب تک وہ افطار جلدی اور سحری مؤخر کرے

گی۔"

سحری کا وقت رات کے آخری نصف سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے چند منٹ قبل تک باقی رہتا ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَقُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الأَذَانِ وَالسُّحُوْرِ؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی' پھر آپ نماز کیلئے اٹھے' میں نے دریافت کیا اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا؟ کہا "پچاس آیات کریمہ کا اندازہ۔"

تنبیہ:

(۱) صبح صادق ہونے میں شک ہو تو کھاپی[1] سکتے ہیں' لیکن جب صبح کا یقین ہو جائے تو رک جانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَكُلُواْ وَٱشْرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۷)

"اور رات کے سیاہ دھاگے سے صبح کا سفید دھاگہ واضح ہو جانے تک کھاؤ اور پیو۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا "میں سحری کھا رہا ہوں جب صبح کا شک ہو جائے تو آیا کھانا بند کر دوں؟" فرمایا "جب تک شک ہے کھاتا رہ اور جب صبح کا یقین ہو جائے تو پھر رک جا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ)

ج ۔ روزے کے مکروہات:

بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا' مگر وہ روزہ کیلئے ناپسندیدہ ہیں اور فساد روزہ کا موجب بن سکتی ہیں مثلاً:

(۱) وضو کے وقت کلی کرنے اور ناک میں پانی داخل کرنے میں مبالغہ کرنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَبَالِغْ فِي الاِسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا»(أصحاب السنن وابن خزيمة وصححه)

"ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کر الا یہ کہ تو روزے سے ہو۔"

---

(۱) جمہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ صبح صادق واضح ہونے تک کھانا پینا جائز ہے' البتہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "طلوع صبح کے شک کے وقت کھانے پر روزہ قضا کرے۔ اور یہ محض احتیاط کی بنیاد پر ہے۔" (مؤلف)

رسول اللہ ﷺ نے ناک میں مبالغہ سے پانی ڈالنا اسی خطرہ کی وجہ سے ناپسند کیا ہے کہ کہیں پانی اندر نہ چلا جائے اور روزہ خراب نہ ہو جائے۔

(۲) بوسہ دینا۔ اس لئے کہ بوسہ دینے سے شہوت برانگیختہ ہو سکتی ہے' جس سے اگر مذی کا خروج ہو یا مجامعت ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۳) بیوی کی طرف شہوت سے دیکھتے ہی رہنا۔

(۴) مجامعت کے بارے میں لگاتار سوچ بچار۔

(۵) عورت کو ہاتھ لگانا' یا اس کے جسم کو اپنے جسم سے لگانا۔

(۶) کوئی چیز منہ میں ڈال کر چبانا' اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس کے بعض اجزاء حلق سے نیچے چلے جائیں۔

(۷) ہنڈیا سے کھانے کو چکھنا۔

(۸) وضو کے علاوہ بلاضرورت کلی کرنا۔

(۹) دن کے پہلے حصہ [1] میں سرمہ لگانا' البتہ پچھلے حصہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۰) سینگی کے ذریعہ یا "فصد" کھول کر خون نکالنا' اس لئے کہ اس سے کمزوری ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ معاملہ افطار پر منتج ہو جائے۔

نواں مادہ — روزہ توڑنے والی چیزیں' جائز اور قابل معافی امور

الف۔ روزے کو باطل کرنے والی چیزیں

(۱) کوئی مائع چیز' ناک کے ذریعہ یا آنکھ اور کان میں قطرے ڈالنے سے' یا دبر و قبل کے راستہ سے معدہ میں پہنچ جائے' جیسا کہ ٹیکہ وغیرہ میں ہو سکتا ہے۔

(۲) وضو وغیرہ میں کلی یا ناک میں پانی داخل کرتے ہوئے پانی اندر چلا جائے۔

(۳) ایک چیز کو بار بار دیکھنے' یا سوچ وبچار کرنے' یا بوسہ دینے یا اکٹھے سونے کی وجہ سے منی کا خروج۔

(۴) جان بوجھ کر قے کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي)

---

(۱) آنکھ میں سرمہ لگانا کسی کے ہاں بھی ناقض روزہ نہیں ہے' مؤلف کے نزدیک دن کے اول میں ناپسند ہے' جبکہ آخری حصہ میں ناپسند نہیں ہے۔ مگر یہ تفریق بلا دلیل ہے۔ (الاثری)

"جو عمداً قے کرتا ہے وہ قضا کرے۔"

البتہ بلا اختیار قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۵) جبر کی صورت میں کھانا، پینا اور جماع کرنا۔

(۶) یہ سمجھ کر کھانا پینا کہ ابھی رات ہے، مگر صبح ہو چکی تھی۔

(۷) یہ سمجھ کر کھانا پینا کہ سورج غروب ہو گیا ہے، مگر ابھی دن کا وقت تھا۔

(۸) بھول کر کھانے، پینے کے بعد یہ سمجھ کر کھاپی لینا کہ اب روزہ ٹوٹ گیا ہے۔

(۹) کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا منہ کے ذریعہ سے پیٹ میں چلے جانا۔ جیسا کہ موتی یا دھاگہ نگل لینا، اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "روزے کا تعلق اندر جانے والی چیز کے ساتھ ہے نہ کہ باہر نکلنے والی چیز کے ساتھ۔" (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس قول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی چیز چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن کسی چیز کے (از خود) خارج ہونے سے نہیں۔ جیسا کہ خون یا قے وغیرہ۔

(۱۰) بلا تاویل روزہ کی نیت ختم کرنے سے، چاہے کوئی چیز نہ کھائے اور نہ پیے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ہاں اگر نیت توڑنا کسی تاویل کی بنیاد پر ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۱) اسلام سے ارتداد اور پھر دوبارہ اسلام میں آجانے سے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَـٰسِرِينَ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۶۵)

"اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔"

مذکورہ بالا امور[1] سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس دن کی قضا لازم ہوگی جس میں روزہ فاسد ہوا تھا، مگر ان میں کفارہ نہیں ہے۔

روزے کا کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟

(۱) جبر کے بغیر عمداً مجامعت کرنا، اس لئے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ہلاک ہو گیا!" آپ نے فرمایا "کس چیز نے تجھے ہلاک کر دیا؟" اس نے کہا "رمضان المبارک میں میں نے اپنی عورت سے جماع کر لیا ہے۔" فرمایا "کیا ایک غلام موجود ہے جسے آزاد کر سکو؟" اس شخص نے کہا "نہیں" فرمایا "دو ماہ لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟" کہا "نہیں" فرمایا "کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟" عرض کی "نہیں" اور پھر وہ بیٹھ گیا۔ رسول

---

(۱) مؤلف کے ذکر کیے گئے امور میں سے ۵، ۶، ۷، ۸ اور ۱۰ ایسے امور ہیں جو محل نظر ہیں۔ (محمود الحسن اسد)

اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں کی ایک زنبیل لائی گئی تو آپ نے فرمایا "یہ لے جاؤ اور اسے خیرات کردو" وہ شخص کہنے لگا "کس کو خیرات کردوں' اللہ کی قسم! اس علاقہ میں میرے اہل بیت سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔" رسول اللہ ﷺ ہنسے اور فرمایا:

«اِذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسے لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔"

(۲) بلاعذر کھانا یا پینا' یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارے کا موجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں افطار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کفارے کا حکم دیا۔ (مؤطا مالک)

اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں نے جان بوجھ کر روزہ افطار کیا ہے۔ آپ نے اسے غلام آزاد کرنے' یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنے' یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ب ۔ روزہ دار کے لئے مباح امور:

(۱) روزہ دار دن میں جب چاہے مسواک کر سکتا ہے۔ البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ زوال کے بعد مسواک کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔

(۲) گرمی کی شدت میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنا' چاہے جسم پر ڈالے یا اس میں غوطہ لگائے' کوئی حرج نہیں۔

(۳) رات کے وقت صبح صادق سے پہلے کھانا' پینا اور جماع کرنا۔

(۴) کسی جائز ضرورت کیلئے سفر کرنا' چاہے اس کے نتیجہ میں روزہ افطار کرنا پڑے۔

(۵) حلال ادویہ استعمال کرنا' جبکہ معدہ تک نہ پہنچیں' ٹیکہ [1] اگر غذا کے لئے نہ ہو تو وہ بھی اسی قبیل میں داخل ہے۔

(۶) چھوٹا بچہ جو کھانا نہیں چبا سکتا اور اسے اس کی ضرورت ہے' اگر کوئی روزہ دار کھانا چبا کر اس کے منہ میں ڈالے تو مباح ہے' مگر شرط یہ ہے کہ چبانے والے روزہ دار کے معدہ میں کوئی چیز نہ چلی جائے۔

(۷) خوشبو لگانا یا خوشبو دار دھواں لینا بھی مباح ہے' اس لئے کہ شارع علیہ السلام سے اس بارہ میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہے۔

---

(۱) ٹیکہ گوشت میں ہو یا رگ میں' اس کی تاثیر جلد ہو یا بدیر' جسم میں کسی انداز میں تغذیہ کا ہی کام کرتا ہے۔ اس لئے محقق بات یہی ہے کہ روزے دار ٹیکہ نہ لگوائے۔ (الاثری)

ج۔ روزہ دار کو کیا کچھ معاف ہے؟

(۱) تھوک پھینکنے کی بجائے نگل لینا' چاہے زیادہ ہو' اس سے مراد روزہ دار کا اپنا تھوک ہے کسی اور کا نہیں۔

(۲) قے یا طعام کی الٹی' بشرطیکہ زبان کی نوک تک آکر واپس معدہ میں نہ چلی جائے۔

(۳) بلا اختیار مکھی وغیرہ کا اندر چلے جانا۔

(۴) راستے اور کارخانے کا گرد و غبار' یا لکڑیوں کے دھوئیں کا اندر چلے جانا۔ ان کے علاوہ ہر طرح کے بخارات جن سے احتراز ممکن نہیں' اسی میں داخل ہیں۔

(۵) جنبی حالت میں صبح ہو جانا' چاہے سارا دن نہ نہا سکے اور جنبی رہ جائے۔

(٦) روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانا' اس لئے کہ حدیث میں ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتَّى يُفِيْقَ، وَالنَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ» (رواه أحمد وأبوداود وهو صحيح)

"تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں۔ مجنون افاقہ ہونے تک' سونے والا بیدار ہونے تک اور نابالغ بالغ ہونے تک۔"

(۷) غلطی سے یا بھول کر کھا پی لینا مگر امام مالک رحمہ اللہ فرض روزہ میں احتیاطاً قضا کرنے کے قائل ہیں اور نفل روزہ میں فرماتے ہیں "قضا نہیں ہے۔") اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»
(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو روزہ دار بھول کر کھا یا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ أَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ» (سنن دارقطني وهو صحيح)

"رمضان المبارک میں جو شخص بھول کر افطار کرلے' اس پر قضا نہیں ہے اور نہ ہی کفارہ۔"

دسواں مادہ — روزے کا کفارہ اور اس کی حکمت کا بیان

الف ۔ روزے کا کفارہ:

شریعت کی مخالفت میں کئے ہوئے کسی گناہ کی تلافی کیلئے جو کام کیا جائے وہ کفارہ کہلاتا ہے' اگر ایک شخص نے رمضان المبارک کے دن میں جماع کر لیا' یا عمداً کھانا کھایا' یا کوئی چیز پی لی تو ایک بار کے اس جرم کی پاداش میں تین کاموں میں سے ایک کا کرنا اس پر لازم ہے "مومن غلام آزاد کرے' یا دو ماہ لگاتار

روزے رکھے' یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے' گندم یا جو یا کھجور کا ایک مد ہر مسکین کو دے' یعنی جس چیز کی اسے استطاعت ہو' جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے اور اگر مخالفت بار بار ہو رہی ہے تو کفارہ بھی متعدد بار ادا کرنا پڑے گا۔ اگر ایک شخص ایک دن جماع کرتا ہے اور دوسرے دن کھاپی لیتا ہے تو اسے دو کفارے دینے پڑیں گے۔

ب ۔ کفارہ کی حکمت:

کفارہ اس لئے ہوتا ہے کہ شریعت کو بازیچۂ اطفال ہونے سے بچایا جائے اور اس کی حرمت کا تحفظ کیا جائے' جب مسلمان کا نفس گناہ و مخالفت کے نتیجہ میں آلودہ ہوجائے تو کفارہ اس کیلئے تطہیر کا باعث ہوتا ہے۔

بنا بریں کفارہ کمیت و کیفیت میں اسی انداز پر ہونا ضروری ہے' جیسا کہ مشروع ہوا' تاکہ صحیح طور پر گناہ کا ازالہ اور نفس پر اس کے اثرات کو زائل کرسکے۔ کفارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اصل ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ﴾ (هود ۱۱/ ۱۱٤)

"بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»(سنن ترمذي وحسنه)

"تو جہاں بھی ہے' اللہ سے ڈر اور برائی ہو جائے تو نیکی کر' وہ اسے ختم کردے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کر۔"

بارہویں فصل

حج اور عمرے کا بیان

[اس میں دس مادے ہیں]

پہلا مادہ

حج اور عمرے کا حکم اور ان کی حکمت

الف ۔ حج اور عمرے کا حکم:

حج ہر اس مسلمان مرد اور عورت پر اللہ کی طرف سے فرض ہے' جو اس کی طرف راستہ کی طاقت

رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ (آل عمران۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کیلئے بیت اللہ کا حج ہے جو اس کی طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' حج بیت اللہ اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

حج زندگی میں ایک بار فرض ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْحَجُّ مَرَّةً، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ»(سنن أبي داود، مسند أحمد ومستدرك حاكم وصححه)

"حج ایک بار ہے جو اس سے زائد کرے گا تو یہ نفل ہے۔"

البتہ ہر پانچ سال بعد تکرار مستحب ہے۔ اس لئے کہ آپ اللہ عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ:

«إِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهُ جِسْمَهُ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ يَمْضِيْ عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لاَ يَفِدُ إِلَيَّ لَمَحْرُوْمٌ»(صحيح ابن حبان وسنن بيهقي وفي سنده كلام)

"جس بندہ کو میں نے جسمانی صحت اور روزی میں وسعت دی ہے اور وہ پانچ سال گزرنے کے بعد بھی میرے پاس نہیں آتا تو وہ محروم ہے۔"

عمرہ سنت واجبہ ہے' اس لئے کہ فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَتِمُّوا۟ ٱلْحَجَّ وَٱلْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۶)

"اور حج اور عمرہ اللہ کیلئے مکمل کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے' جب ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا باپ بوڑھا ہے' حج و عمرہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی سفر کر سکتا ہے تو فرمایا:

«حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ»(أصحاب السنن وصححه الترمذي)

"تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر۔"

ب۔ حج اور عمرے کی حکمت:

حج وعمرہ کے نتیجہ میں انسان کا نفس گناہوں کے اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور دار آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اعزازات حاصل کرنے کا اہل اور مستحق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (صحيح مسلم)

"جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے اجتناب کیا وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو گیا' جیسا کہ وہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔"

دوسرا مادہ: حج اور عمرے کے واجب ہونے کی شرائط

مسلمان پر حج وعمرہ کے لازم ہونے کی شرطیں درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام: کیونکہ غیر مسلم سے حج اور عمرہ ودیگر عبادات کا مطالبہ نہیں کیا جاتا' اس لئے کہ اعمال کی صحت وقبولیت کیلئے ایمان شرط ہے۔

(۲) عقل: اس لئے کہ پاگل شرعاً مکلف نہیں۔

(۳) بالغ ہونا: اس لئے کہ نابالغ جب تک بالغ نہ ہو جائے' مکلف نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ، وَالنَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ» (مسند أحمد وسنن أبي داود وهو صحيح)

"تین شخص مرفوع القلم ہیں: مجنوں افاقہ ہونے تک' سویا ہوا بیدار ہونے تک اور نابالغ بالغ ہونے تک۔"

(۴) استطاعت: یعنی سفر خرچ اور سواری کا انتظام' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران ۳/ ۹۷)

"جو اس تک (پہنچنے کی) استطاعت رکھتا ہے۔"

بنابریں جس کے پاس مال نہیں' جسے سفر میں خود خرچ کر سکے اور اہل وعیال ہونے کی صورت میں ان کی کفالت بھی کر سکے تو ایسے شخص پر نہ حج فرض ہے اور نہ عمرہ۔ اسی طرح ایک شخص کے پاس اپنا اور اپنے عیال کا خرچ تو ہے' مگر سواری کا انتظام نہیں ہے اور وہ پیدل بھی نہیں چل سکتا' یا سفر کا تو انتظام ہے' مگر راستہ محفوظ نہیں ہے یعنی اس کے جان ومال کو خطرہ ہے تو اس صورت میں بھی استطاعت کے

فقدان کی وجہ سے اس پر نہ حج فرض ہے اور نہ عمرہ۔

تیسرا مادہ حج و عمرہ کرنے کی ترغیب اور انہیں چھوڑنے پر وعید

شارح علیہ السلام نے ان دونوں عبادتوں کی ترغیب دلائی ہے' ان کی ادائیگی کا شوق دلایا ہے اور اس مقصد کیلئے متنوع اسالیب اور اظہار کی مختلف صورتیں اپنائی ہیں۔

جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: «أَفْضَلُ الأَعْمَالِ إِيْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ، ثُمَّ جِهَادٌ فِي سَبِيْلِهِ، ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اعمال میں افضل عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے' پھر اس کے راستہ میں جہاد کرنا' پھر گناہوں کی آلودگی سے پاک اور اچھائیوں سے بھرپور حج کا درجہ ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»(صحيح مسلم)

"جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے اجتناب کیا' وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو گیا' جس دن اسے اس کی ماں نے جنم دیا۔"

اور ارشاد فرمایا:

«اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلاَّ الْجَنَّةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"گناہوں کی آلودگی سے پاک اور اچھائیوں سے بھرپور حج کی جزا بہشت ہی ہے۔"

نیز فرمایا: «جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ»(سنن نسائی وهو صحيح)

"بوڑھے' کمزور اور عورت کا جہاد "حج مبرور" ہے۔"

مزید فرمایا: «اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلاَّ الْجَنَّةَ»(صحيح بخاري)

"ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی کوتاہیوں کیلئے کفارہ ہے اور "حج مبرور" (مقبول حج) کی جزا صرف بہشت ہے۔"

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ نہ کرنے اور اس بارے میں سستی روا رکھنے سے ڈرایا ہے:

«مَنْ لَمْ تَحْبِسْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ، أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ، أَوْ مَنْعٌ مِنْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ، وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا»(مسند أحمد، مسند أبي يعلى وسنن بيهقي وهو ضعيف وله متابعات)

"جو شخص حج نہیں کرتا اور اسے ضروری کام' بیماری یا ظالم حکومت کی رکاوٹ بھی نہیں' وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جس شخص کے پاس بیت اللہ تک جانے کا زاد راہ اور سواری ہے اور وہ حج نہ کرے' تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی (سنن ترمذی امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور ان کے نزدیک یہ مرفوع ہے لیکن یہ موقوف ہے)

اور اس لئے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴾ (آل عمران ۳/ ۹۷)

"اور اللہ کیلئے لوگوں پر حج کرنا ہے' جو اس کیلئے راستہ کی استطاعت رکھتا ہے اور جو انکار کرے تو (جان لینا چاہئے کہ) اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے ارادہ کیا ہے کہ شہروں میں اپنے آدمی بھیجوں کہ وہ ان لوگوں کو دیکھیں جن کے پاس وسعت ہے' مگر انہوں نے حج نہیں کیا' تاکہ ان پر جزیہ لاگو کر دیں' اس لئے کہ یہ مسلمان نہیں' مسلمان نہیں۔" (سنن بیہقی و سنن سعید بن منصور)

چوتھا مادہ: حج و عمرہ کے ارکان

حج کے چار رکن ہیں۔ احرام' طواف' سعی صفا و مروہ اور وقوف عرفہ۔ ان میں سے کوئی ایک رکن بھی ساقط ہو جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔

اور اسی طرح عمرہ کے تین رکن ہیں۔ احرام' طواف اور سعی صفا و مروہ۔ ان کے بغیر عمرہ پورا نہیں ہوتا۔ ان ارکان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حج اور عمرہ کے ارکان میں پہلا رکن احرام ہے' جس کا مقصد ان دو عبادتوں میں سے کسی ایک عبادت میں داخل ہونے کی نیت کرنا ہے' جس میں عام لباس کی جگہ احرام باندھنا اور تلبیہ پکارنا ہے۔ اس میں واجبات' سنن اور ممنوعات ہیں۔

الف ۔ واجبات احرام:

ان واجبات سے وہ اعمال مراد ہیں' جن کے چھوڑنے سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے' یا پھر دس دن کے روزے ہیں' اگر دم ادا نہ کر سکے اور واجبات احرام تین ہیں:

(ا) میقات سے احرام باندھنا:

"میقات" سے مراد وہ جگہ ہے جس سے حج یا عمرہ کرنے والا احرام کے بغیر تجاوز نہیں کر سکتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«وَقَّتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الحُلَيْفَةِ، وَلأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، قَالَ: فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، وَكَذٰلِكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا»(صحيح بخاري)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے "ذوالحلیفہ" مقرر کیا ہے اور شام والوں کے لئے "جحفہ" اور اہل نجد کے لئے "قرن المنازل" اور یمن والوں کے لئے "یلملم" اور یہ ان کے اور حج اور عمرے کی غرض سے دوسرے مقامات سے آنے والوں کے مواقیت ہیں اور جو (ان کی حدود کے) اندر رہتے ہیں' وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں گے۔ حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں گے۔"

(۲) سلے ہوئے کپڑے اتارنا:

اس لئے کہ محرم قمیص' کوٹ اور اس طرح کا سلا ہوا لباس نہیں پہن سکتا ہے' نہ ہی پگڑی باندھ سکتا ہے اور نہ اپنے سر کو کسی چیز سے ڈھانپ سکتا ہے' اور نہ ہی موزے اور جرابیں پہن سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لاَ يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الثَّوْبَ وَلاَ الْعَمَائِمَ وَلاَ السَّرَاوِيْلَ وَلاَ الْبَرَانِسَ وَلاَ الْخِفَافَ إِلاَّ مَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْكَعْبَيْنِ»(صحيح بخاري)

"محرم کپڑا (یعنی قمیص)' پگڑی' شلوار' ٹوپی اور موزے نہ پہنے' الاّ یہ کہ جوتے نہ ہوں تو موزے ٹخنے کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے۔"

اسی طرح ایسے کپڑے بھی نہ پہنے' جسے زعفران یا ورس (ایک قسم کی گھاس جو رنگائی کے کام آتی ہے) لگی ہو' عورت نقاب نہ اوڑھے [1] اور دستانے استعمال نہ کرے' اس لئے کہ صحیح بخاری میں ان چیزوں کی ممانعت مروی ہے۔

(۳) تلبیہ پڑھنا:

---

(۱) عورت کا لباس ہی اس کا احرام ہوتا ہے اور اصل یہی ہے کہ وہ نقاب نہیں اوڑھے گی۔ ہاں کسی موقعہ پر اچانک ضرورت محسوس کرے تو وقتی طور پر چہرے پر نقاب ڈال سکتی ہے واللہ اعلم (ع' ر)

اس کے الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ»

"اے اللہ! حاضر ہوتا ہوں' اے اللہ! حاضر ہوتا ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں' تیرے پاس حاضر ہوں' بے شک تعریف' نعمت اور ملک تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔"

احرام شروع کرتے وقت محرم "میقات" سے ہی یہ تلبیہ کہنا شروع کر دے' بار بار اور اونچی آواز سے کہنا مستحب ہے اور سواری سے اترتے وقت اور چڑھتے وقت' نماز کی اقامت یا نماز سے فارغ ہوتے وقت اور ساتھیوں سے ملتے وقت بھی یہ تلبیہ کہنا چاہئے۔

ب ۔ احرام کی سنتیں:

سنتوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن کے ترک سے دم لازم نہیں آتا' البتہ انسان بہت بڑے اجر سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) احرام کے وقت غسل کرنا۔ نفاس اور حیض والی کیلئے بھی یہی حکم ہے' اس لئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نفاس سے تھیں' انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا حکم دیا تھا۔ (صحیح مسلم)

(۲) احرام کا صاف' پاک' سفید اور دو چادروں میں ہونا' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

(۳) احرام نفل نماز یا فرض نماز سے فارغ ہو کر باندھنا۔

(۴) ناخن کاٹنا' مونچھیں صاف کرنا' بغل کے بال اکھیڑنا اور زیر ناف بال صاف کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر عمل تھا۔

(۵) حالت بدلنے کے وقت تلبیہ کا تکرار اور تجدید' جیسا کہ محرم سوار ہوتا ہے' اترتا ہے یا نماز پڑھتا ہے وغیرہ۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَبَّى حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَمْسٰى مَغْفُوْرًا لَّهُ»(رواه ابن تيمية في منسكه ولم يخرجه)

"سورج غروب ہونے تک جو "تلبیہ" کہے' اس کے گناہ معاف ہو گئے۔"

(۶) "تلبیہ" کے بعد دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے درود پڑھنا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب "تلبیہ" سے فارغ ہوتے تو اپنے رب سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے پناہ مانگتے۔ (مسند شافعی و سنن دار قطنی)

ج ۔ ممنوعات احرام:

ان سے وہ اعمال مراد ہیں جن سے شارع نے منع کیا ہے اور ان کے کرنے پر فدیہ (دم یا روزہ یا طعام) لازم ہو جاتا ہے' وہ یہ ہیں:

(۱) سر کو کسی چیز سے ڈھانپ لینا۔

(۲) بال مونڈنا' چاہے قلیل مقدار میں ہوں' برابر ہے کہ سر کے بال ہوں یا جسم کے کسی اور حصہ کے۔

(۳) ناخن کاٹنا چاہے ہاتھوں کے ہوں یا پاؤں کے۔

(۴) خوشبو لگانا۔

(۵) سلا ہوا کپڑا پہننا۔

(۶) خشکی کا شکار کرنا' اس لئے کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقْتُلُواْ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٥)

"اے ایمان والو! احرام کی حالت میں تم شکار نہ کرو۔"

(۷) جماع تک پہنچا دینے والا بوسہ وغیرہ' اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ ﴾ (البقرۃ٢/ ١٩٧)

"حج میں شہوت کی بات' گناہ اور جھگڑا نہیں ہے۔"

"رفث" سے مراد وہ امور ہیں' جو مرد اور عورت کے جنسی ملاپ کا باعث بن جائیں اور اس میں جماع بھی شامل ہے۔

(۸) نکاح کرنا یا پیغام نکاح دینا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلاَ يُنْكِحُ وَلاَ يَخْطُبُ»(صحیح مسلم)

"محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کا نکاح کرے' اور نہ ہی وہ پیغام نکاح دے۔"

(۹) جماع کرنا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ ﴾ (البقرۃ٢/ ١٩٧)

"حج میں رفث' گناہ اور جھگڑا نہیں ہے۔"

ممنوعات احرام کا حکم:

مندرجہ بالا ممنوعات میں سے پہلے پانچ کے ارتکاب سے فدیہ لازم ہو جاتا ہے' لہٰذا وہ تین دن کے روزے رکھے' یا چھ مسکینوں کو ایک مد فی مسکین کے حساب سے کھانا دے' یا ایک بکری ذبح کرے' اس لئے کہ فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِۦٓ أَذًى مِّن رَّأْسِهِۦ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾
(البقرۃ۲/ ۱۹٦)

"جو شخص تم میں بیمار ہو' یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزے کا فدیہ یا خیرات یا قربانی دے۔"

شکار قتل کرنے کی صورت میں اس کی مثل کی جزاء ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۵)

"(محرم نے) جو شکار قتل کیا' اس کے مثل چوپایہ جانوروں میں سے اس کی جزا دینا ہے۔"

"مقدمات جماع" کے مرتکب کو دم دینا پڑتا ہے' جو کہ ایک بکری کا ذبح کرنا ہے۔ مجامعت سے حج باطل ہو جاتا ہے' مگر اس حج کی تکمیل ضروری ہے اور اس پر ایک اونٹ کا فدیہ ہے۔ اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو دس دن کے روزے رکھے گا اور اگلے سال حج کی قضا بھی ضروری ہے' اس لئے کہ مؤطا امام مالک میں ہے کہ عمر بن خطاب' علی بن ابی طالب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی حج کے احرام میں جماع کر لیتا ہے؟ تو تینوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں حج پورا کریں' پھر اگلے سال دونوں حج کریں گے اور قربانی دیں گے۔ اگر محرم نکاح کرتا ہے یا پیغام نکاح دیتا ہے یا کسی گناہ و غلطی کا مرتکب ہوتا ہے' جیسا کہ چغلی' حسد وغیرہ جو فسوق کے دائرہ میں آتے ہیں تو اس میں توبہ و استغفار ہے اس لئے کہ ایسی صورتوں میں شارع سے توبہ اور استغفار کے سوا اور کوئی متعین سزا مروی نہیں ہے۔

پانچواں مادہ — طواف کا بیان

طواف "کعبۃ اللہ" کے اردگرد سات' بار چکر لگانے کو کہتے ہیں۔ اس کی بھی شرطیں' سنن اور آداب ہیں' جن سے یہ مکمل ہوتا ہے۔

الف۔ طواف کی شرائط:

(۱) طواف شروع کرتے وقت نیت کرنا۔ اس لئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' لہٰذا طواف کرنے والے کیلئے دلی عزم اور پختہ ارادہ کہ اس طواف سے فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کی بجا آوری مطلوب ہے' ضروری ہے۔

(۲) باوضو ہو اور جسم ولباس پر پلیدی نہ ہو' اس لئے حدیث میں ہے کہ:

«اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلاَةِ»(سنن ترمذي)

"بیت اللہ کے اردگرد طواف نماز کی طرح ہے۔"

(۳) شرم گاہ مستور ہو' اس لئے کہ طواف نماز کی طرح (کا عمل) ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلاَّ أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ، فَمَنْ تَكَلَّمَ فَلاَ يَتَكَلَّمَ إِلاَّ بِخَيْرٍ» (سنن ترمذي)

"بیت اللہ کے اردگرد طواف نماز کی طرح ہے' مگر تم اس میں کلام کرتے ہو' تو جو شخص گفتگو کرنا چاہے وہ اچھی گفتگو کرے۔"

اگر نیت کے بغیر طواف کیا یا بے وضو ہو کر طواف کیا' یا جسم ولباس پلید ہے' یا شرم گاہ مستور نہیں تو ایسا طواف باطل ہے جس کا اعادہ ضروری ہے۔

(۴) طواف مسجد حرام کے اندر ہونا چاہئے' چاہے بیت اللہ سے دور ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) بیت اللہ طواف کرنے والے کے بائیں طرف رہے۔

(۶) طواف سات چکر ہونا چاہئے' جس کی ابتدا حجر اسود سے ہو اور انتہا بھی اسی پر۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی تھا' جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

(۷) لگاتار طواف کرے اور بغیر ضرورت طواف کے چکروں میں فاصلہ نہ کرے' اگر بلا ضرورت موالاۃ (یعنی تسلسل) ترک کرکے درمیان میں فاصلہ کرلیتا ہے تو اسطرح طواف باطل ہو جائے گا اور اس کا اعادہ ضروری ہو گا۔

طواف کی سنتیں:

(۱) رمل کرنا: یہ مردوں [1] کیلئے مسنون ہے' عورتوں کیلئے نہیں' جس کا مفہوم یہ ہے کہ طواف کرنے والا مرد تیز چلے اور قدم قریب قریب رکھے اور یہ طواف قدوم (یعنی پہلے طواف) میں اور صرف پہلے تین چکروں میں مسنون ہے۔

(۲) اضطباع [2]: یہ دائیں کندھے کے ننگا رکھنے کو کہتے ہیں' یہ طواف قدوم میں مسنون ہے اور وہ بھی صرف مردوں کیلئے عورتوں کیلئے نہیں' لہٰذا مرد سات چکروں میں دایاں کندھا ننگا رکھے گا۔

(۳) اگر ممکن ہو تو طواف شروع کرتے وقت حجر اسود کو بوسہ دینا' اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو ہاتھ لگا لینا یا اشارہ کرنا ہی کافی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

(۴) پہلا چکر شروع کرتے وقت یہ کہنا:

---

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تین چکروں میں حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا' اور چار میں عام انداز سے چلے (صحیح مسلم)

(۲) نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے عمرہ کیا' تو اپنی چادریں دائیں بغلوں کے نیچے سے لاکر بائیں کندھوں پر ڈالیں۔ (مسند احمد)

«بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ، وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ، وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ، وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ»

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں' وہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے ساتھ ایمان لاتا ہوں' تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور تیرے عہد کو پورا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کی پیروی کرتا ہوں۔"

(۵) دوران طواف دعا کرنا۔ مگر اس کیلئے کوئی مخصوص دعا نہیں ہے' طواف کرنے والا اللہ کی توفیق کے مطابق جو چاہے مانگے۔ البتہ چکر کا اختتام درج ذیل مسنون دعا سے ہو:

﴿ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴾
(البقرۃ۲/ ۲۰۱)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی دے اور آخرت میں بھی اچھائی دے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔"

(۶) طواف کے دوران ہر دفعہ رکن یمانی کو ہاتھ لگانا اور حجر اسود کو بوسہ دینا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اسی طرح تھا' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

(۷) طواف سے فارغ ہونے کے بعد "ملتزم" کے پاس دعا کرنا۔ "ملتزم" بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر عمل تھا۔

(۸) طواف سے فارغ ہونے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھنا' جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱتَّخِذُوا۟ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۲۵)

"اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔"

(۹) دو رکعت سے فارغ ہو کر خوب سیر ہو کر آب زمزم پینا۔

(۱۰) اور پھر مقام سعی کی طرف جانے سے پہلے ایک مرتبہ حجر اسود کا استلام کرنا۔

تنبیہ:

مذکورہ بالا سنن کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ سے ثابت ہے۔

ج۔ طواف کے آداب:

(ا) طواف کرنے والا خشوع و خضوع اور حضوری قلب کی کیفیت سے سرشار ہو' اللہ عزوجل کی عظمت اور اس سے خوف و ڈر کا شعور اپناتے ہوئے اور یہ کہ اسے اللہ کے ہاں کی عزت و تکریم حاصل

کرنے کی رغبت اور شوق دامن گیر ہو۔

(۲) طواف کرنے والا بغیر ضرورت کلام نہ کرے اور اگر بولے تو "کلمہء خیر" ہی کہے۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«فَمَنْ تَكَلَّمَ فَلَا يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِخَيْرٍ»(سنن ترمذي)

"طواف کرنے والا "کلمہء خیر" کے علاوہ کچھ نہ کہے۔"

(۳) طواف کرنے والا کسی کو اپنے قول وفعل سے ایذا نہ دے' اس لئے کہ ایذا رسانی حرام ہے' بالخصوص اللہ کے گھر میں۔

(۴) اور اسی طرح دوران طواف اللہ عزوجل کا ذکر' دعائیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود کی کثرت ہونی چاہئے۔

چھٹا مادہ

سعی کا بیان

عبادت کی نیت سے "صفا و مروہ" کے درمیان آنا اور جانا سعی کہلاتا ہے' یہ حج اور عمرہ دونوں کا رکن ہے' اس لئے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ﴾ (البقرة٢/ ١٥٨)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِسْعَوْا فَإِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ»(سنن ابن ماجة، مسند أحمد ومسند شافعي وقال الحافظ: حسن لكثرة طرقه)

"سعی" کرو' بے شک اللہ عزوجل نے تم پر سعی فرض کر دی ہے۔"

سعی کی شرطیں' سنن اور آداب درج ذیل ہیں:

الف ۔ سعی کی شرائط:

(۱) صفا و مروہ کے درمیان دوڑ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کرے کہ یہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کے تحت "سعی" ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح بخاري)

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

(۲) طواف وسعی میں ترتیب ہونی چاہئے' وہ یہ کہ طواف پہلے کرے اور پھر صفا و مروہ کی سعی۔

(۳) لگاتار سعی کرے' البتہ ضرورت کے تحت معمولی وقفہ درمیان میں کیا جاسکتا ہے۔

(۴) صفا و مروہ کے درمیان سات چکر دوڑے' اگر ایک چکر یا اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو ''سعی'' نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مکمل سات چکروں کا نام ہی سعی ہے۔

(۵) صحیح طواف کے بعد ہی سعی ہونی چاہئے' چاہے طواف قدوم کے بعد ہو جو واجب ہے (اور مکہ میں پہلی آمد کے بعد کیا جاتا ہے)' یا طواف افاضہ کے بعد جو حج کا رکن ہے (اور ۱۰ ذی الحجہ کو کیا جاتا ہے)

ب ۔ سعی کی سنتیں:

(۱) سبز نشان کے درمیان جو قدیم وادی کے دونوں اطراف پر لگائے گئے ہیں' دوڑنا' اس لئے کہ ان کے مابین اسماعیل کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں۔ البتہ یہ سنت صرف ان مردوں کیلئے ہے جو دوڑ سکتے ہیں' کمزوروں اور عورتوں کیلئے نہیں ہے[۱]

(۲) صفا اور مروہ پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔

(۳) بلکہ ہر چکر میں صفا و مروہ دونوں پر ٹھہر کر دعائیں کرنا۔

(۴) ''صفا و مروہ'' کی طرف چڑھائی کے وقت تین بار اللہ اکبر کہنا اور پھر یہ دعا پڑھنا:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْيءٍ قَدِيْرٌ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی ہے اور اسی کیلئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے سب گروہوں کو شکست دے دی۔''

(۵) طواف اور سعی میں وقفہ نہ ہو' الا یہ کہ کوئی شرعی عذر حائل ہو جائے۔

ج ۔ سعی کے آداب:

(۱) آیت مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے باب الصفا سے کوہ صفا کی طرف جانا۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴾ (البقرة۲/ ۱۵۸)

---

(۱) امام شافعیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دوڑ لگانے والی عورتوں سے کہا تم آرام سے چلو' تمہارے لئے دوڑنا نہیں ہے۔ (مؤلف)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرتا ہے' اس پر ان کا طواف (یعنی سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور جو خوشی سے نیکی کرتا ہے تو اللہ قدر دان (اور) جاننے والا ہے۔"

(۲) سعی کرنے والا باوضو ہو۔

(۳) مشقت کے بغیر اگر پیدل چل سکتا ہے تو پیدل چلے۔

(۴) دوران سعی کثرت سے ذکر و دعا[1] میں مشغول رہے اور دوسری باتوں سے احتراز کرے۔

(۵) اجنبی عورتوں پر نظر ڈالنے سے بچے اور اپنی زبان کو ناجائز باتوں سے محفوظ کرے۔

(٦) اپنے قول و فعل سے کسی سعی کرنے والے یا دوسروں کو ایذا نہ دے۔

(۷) اپنے دل کو سمجھانے' تزکیہ نفس اور اپنی اصلاح کیلئے اپنی کمزوری' فقر اور اللہ کے آگے اپنے محتاج ہونے کا اعتراف و احساس کرے۔

ساتواں مادہ

عرفہ کا قیام

حج کے ارکان میں "عرفہ" میں ٹھہرنا چوتھا رکن ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةُ»(سنن ترمذي ومسند أحمد وهو صحيح)

"حج وقوف عرفہ ہے۔"

اس کا مقصد یہ ہے کہ "عرفات" نامی جگہ میں نو ذوالحجہ کو نماز ظہر کے بعد سے دس ذوالحجہ کی صبح تک ایک لحظہ یا زیادہ کیلئے حاضر ہونا۔ وقوف عرفہ کے بھی فرائض' سنن اور آداب ہیں جن سے یہ مکمل ہوتا ہے۔

الف ۔ وقوف عرفہ کے واجبات:[2]

(۱) نو ذوالحجہ کو زوال سے سورج غروب ہونے تک میدان عرفات میں حاضر رہنا۔

(۲) نو اور دس ذوالحجہ کی درمیانی رات "عرفات" سے واپسی کے بعد مزدلفہ میں گزارنا۔

---

(۱) امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جمرات کو کنکر مارنا اور صفا و مروہ کے مابین دوڑنا' اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کیلئے ہے۔" (مؤلف)

(۲) مؤلف کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ "وقوف عرفہ" سے صرف عرفات میں ٹھہرنا' مراد نہیں لے رہے بلکہ منیٰ' عرفات اور مزدلفہ تینوں وادیوں میں قیام مراد لے رہے ہیں مناسک حج کی ترتیب کے لیے دیکھئے دسواں مادہ (ع' ر)

(۳) دس ذوالحجہ کی تاریخ کو (منیٰ پہنچ کر) "جمرۂ عقبہ" کو کنکر مارنا۔

(۴) "جمرۂ عقبہ" کو کنکر مارنے کے بعد دس تاریخ کو ہی بال مونڈنا یا کاٹنا۔

(۵) ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ کی تین راتیں منیٰ میں گزارنا، اگر کسی کو جلدی ہو تو گیارہ اور بارہ کی دو راتیں ضرور منیٰ میں رہے۔

(۶) مذکورہ ایام تشریق یا دو دنوں میں روزانہ زوال کے بعد تینوں جمرات کو کنکر مارنا۔

تنبیہ:

مذکورہ بالا واجبات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ جبکہ آپ کا یہ فرمان مقدس بھی ہے کہ:

«لِتَأْخُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ»(صحيح مسلم)

"تم مجھ سے اپنے حج کے احکام سیکھ لو۔"

اور آپ کا فرمان ہے: «حُجُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أَحُجُّ»(رواه في الصحيح)

"اس طرح حج کرو جس طرح تم نے مجھے حج کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اور فرمایا: «قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ»(سنن ترمذي وحسنه)

"تم اپنے مقامات عظمت پر ٹھہرو، اس لئے کہ تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے وارث ہو۔"

ب ۔ وقوف عرفہ کی سنتیں:

(۱) آٹھ ذوالحجہ کو (ظہر سے پہلے پہلے) منیٰ جانا اور نویں ذوالحجہ کی رات منیٰ میں رہنا اور سورج نکلنے کے بعد وہاں سے (عرفات کی طرف) روانہ ہونا اور اس طرح پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرنا۔

(۲) نو ذوالحجہ کے زوال کے بعد وادی نمرہ (جو کہ میدان عرفات میں ہے) میں موجود ہونا اور ظہر وعصر کی نمازیں امام کے ساتھ قصر پڑھنا۔

(۳) امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی ادائیگی کے بعد موقف (عرفات) میں سورج غروب ہونے تک ٹھہرنا اور سارا وقت ذکر و دعا میں گزارنا۔

(۴) نماز مغرب مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے مزدلفہ میں (قصر کر کے) پڑھنا۔

(۵) (مزدلفہ میں) مشعر حرام (جبل قزح) کے پاس قبلہ رخ ہو کر ذکر ودعا میں دن کی واضح روشنی تک مشغول رہنا۔

(۶) دس ذو الحجہ کے احکام میں بالترتیب جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنا، قربانی کرنا، بال اتروانا اور طواف زیارت (افاضہ) کرنا شامل ہے۔

(۷) دس ذو الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے طواف زیارت کرلینا۔ (پھر واپس منیٰ پہنچ کر رات گزارنا)

ج ۔ وقوف عرفہ کے آداب:

(۱) نو ذوالحجہ کو صبح کے بعد (منیٰ سے) "ضب" کے راستے سے "وادی نمرہ" کی طرف جانا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اسی راستہ سے اور اسی وقت روانہ ہوئے تھے۔

(۲) زوال کے بعد "وقوف عرفہ" کیلئے غسل کرنا' حیض اور نفاس والی کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

(۳) عرفات کے درمیان میں واقع "جبل رحمت" کے نیچے بڑی چٹان کے پاس وقوف کرنا' اس لئے کہ یہی "مقام وقوف" رسول اللہ ﷺ کا تھا۔[1]

(۴) "موقف" میں غروب آفتاب تک کثرت سے دعا وذکر میں مشغول رہنا۔

(۵) میدان عرفات سے واپسی "ما زمین" کے راستے سے ہونی چاہئے نہ کہ "ضب" کے راستہ سے کہ جس سے گیا تھا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے واپس آتے تھے۔

(۶) آرام سے چلنا اور جلدی نہ کرنا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَأَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ ، فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالإِيْضَاعِ»(صحيح بخاري)

"اے لوگو! اطمینان سے چلو' اونٹ دوڑانے میں نیکی نہیں ہے۔"

(۷) منیٰ' عرفات' مزدلفہ اور منیٰ کے ان مقامات پر آنے جانے میں "جمرۂ عقبہ" کو کنکر مارنے تک کثرت سے تلبیہ کہنا۔

(۸) "مزدلفہ" سے ہی سات کنکر چن لینا۔

(۹) "مزدلفہ" سے سورج نکلنے سے پہلے اور صبح کی واضح روشنی کے وقت روانہ ہو جانا۔

(۱۰) "بطن محسر" کی وادی میں ایک پتھر پھینکے جانے کے فاصلہ تک تیز چلنا' جانور کو متحرک کرنا اور گاڑی ہے تو اسے معمول سے قدرے زیادہ تیزی سے لے جانا' یہ اس صورت میں ہے کہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۱) سورج نکلنے سے زوال تک "جمرۂ عقبہ" کو کنکر مارنا۔

(۱۲) کنکر مارتے وقت ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر کہنا۔

(۱۳) قربانی خود ذبح کرنا' یا ذبح ہوتے وقت موجود رہنا اور بسم اللہ واللہ اکبر کے بعد یہ کہنا:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَإِلَيْكَ ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ إِبْرَاهِيْمَ

---

(۱) "وقوف عرفہ" کے لیے غسل کرنا یا بہرصورت "جبل رحمت" تک پہنچنا واجب نہیں ہے کیونکہ آپ نے سارے عرفہ کو ٹھہرنے کا مقام قرار دیا ہے واللہ اعلم (ع ' ر)

خَلِيْلِكَ»

"اے اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لئے ہے۔ اے اللہ! میری طرف سے قبول فرما' جس طرح تو نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی قبول کی تھی۔"

یاد رہے کہ یہ دونوں اذکار پڑھنا ضروری ہیں۔

(۱۴) قربانی کے گوشت میں سے کھانا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ اپنی قربانی یا ہدی کے جگر سے تناول فرماتے تھے۔

(۱۵) تشریق کے تین ایام میں "جمرات" کی طرف پیدل چل کر جانا۔

(۱۶) ہر کنکر مارتے وقت اللہ اکبر کہنا اور یہ دعا مانگنا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا»

"اے اللہ! اسے پاک (اور مقبول) حج اور قابل قدر سعی و محنت اور گناہ کو معاف کیا ہوا بنا دے۔"

(۱۷) پہلے اور دوسرے جمرہ کو کنکر مارنے کے بعد قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرنا' تیسرے کے بعد نہیں اس کے بعد دعا مستحب نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ تیسرے کو کنکر مارنے کے بعد واپس لوٹ جاتے تھے۔

(۱۸) "جمرہ عقبہ" کو وادی کے درمیان میں کھڑے ہو کر اس کی طرف منہ کر کے کنکر مارنا' اس وقت بیت اللہ اس کے بائیں طرف اور منیٰ دائیں طرف ہو۔

(۱۹) مکہ مکرمہ سے (طواف افاضہ کے بعد منیٰ کی طرف) واپسی پر یہ ذکر کرے:

«آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

"ہم واپس ہو رہے ہیں' کوتاہیوں سے رجوع کرنے والے اور اپنے رب کی عبادت اور حمد (تعریف) کرنے والے ہیں' اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دی۔"

اس لئے کہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ یہ کلمات مبارکہ فرمایا کرتے تھے۔

آٹھواں مادہ مکہ میں داخلے' یا عرفہ میں وقوف سے کوئی امر مانع ہو تو کیا کیا جائے؟

جو شخص مکہ مکرمہ میں یا "موقف عرفات" میں بوجہ دشمن یا بیماری یا کسی شدید رکاوٹ کے داخل ہونے سے قاصر ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ ایک بکری یا اونٹ' یا گائے رکاوٹ کی جگہ ذبح کرے اور اگر

ممکن ہو تو جانور کو حرم مکی کی طرف بھیجے اور احرام اتار دے۔[1]

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۹۶)

"اگر تم روک لئے گئے تو جو جانور آسانی سے میسر ہو دو۔"

نواں مادہ

طواف وداع کا بیان

یہ طواف حج کے تین طوافوں میں سے ایک ہے اور سنت واجبہ ہے' جو شخص اسے بغیر عذر ترک کردے' اس پر دم (جانور ذبح کرنا) ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے چھوڑا تو "دم" نہیں ہے' حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر واپس گھر آنے والے ہر فرد پر یہ طواف واجب ہے اور روانگی کے آخری وقت میں یہ طواف کرنا چاہئے۔ اس طرح کہ طواف کے بعد کسی اور کام میں مشغول نہ ہو' بلکہ فوراً مکہ مکرمہ سے روانگی شروع کر دے' اگر طواف کے بعد کسی غیر ضروری کام اور خرید و فروخت میں مشغول ہو جائے تو دوبارہ طواف کر کے روانہ ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ»(صحیح مسلم)

"اللہ کے گھر سے آخری ملاقات کے بغیر تم سے کوئی شخص واپسی اختیار نہ کرے۔"

دسواں مادہ

حج اور عمرے کا طریقہ

مذکورہ دو عبادتوں میں سے کسی ایک کی ادائیگی کا ارادہ کرنے والا ناخن کاٹے' مونچھیں صاف کرے' زیر ناف بال اتارے اور بغل کے بال اکھیڑے' پھر غسل کرے' صاف اور سفید تہہ بند باندھے' چادر اوڑھے اور دو جوتے پہنے' میقات پر پہنچ کر فرض یا نفل نماز ادا کرے اور یہ کہتے ہوئے عبادت حج کی نیت کرے:

«لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا»

"اے اللہ! میں حاضر ہوں' اے اللہ حج کیلئے حاضر ہوں۔"

اور اگر عمرہ کا ارادہ ہے تو «حَجًّا» کی بجائے «عُمْرَةً» کہے اور اگر دونوں کا ارادہ ہے تو «حَجًّا وعُمْرَةً» کہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرط کر لے اور یوں کہے "اے اللہ! جہاں تو مجھے روک لے گا میں احرام ختم کر دوں گا۔" چنانچہ اگر حج یا عمرہ کے دوران بیماری وغیرہ کی وجہ سے احرام ختم کرنا پڑے تو اس پر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ پھر لگاتار اونچی آواز کے ساتھ "تلبیہ" کہتا رہے' مگر اتنا بھی

---

(۱) بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر جانور ذبح کرنے سے عاجز ہے تو دس دن کے روزے رکھے۔ جیسا کہ ترک واجب پر دم کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں دس روزے رکھے جاتے ہیں۔ (مؤلف)

نہیں کہ اسے تھکا دے' البتہ عورت بہت اونچی آواز نہ کرے صرف اتنی آواز نکال سکتی ہے کہ اس کی ساتھی عورت سن لے۔

تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی سواری پر سوار ہو یا اترے یا نماز سے فارغ ہو یا ساتھیوں کو ملے تو "تلبیہ" کہے اور اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی بات زبان سے نہ نکالے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر نظر نہ ڈالے اور تمام راستہ نیکی اور اچھے کام کرتا رہے' تاکہ اس کا حج مبرور ہو جائے۔ بنا بریں محتاج لوگوں کے ساتھ احسان کرے' ساتھیوں کے ساتھ ہشاش بشاش رہے' ان کے ساتھ باتیں نرم انداز سے کرے اور سلام وطعام کی ان کیلئے فراوانی کردے۔

اور جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ جائے تو داخل ہونے کیلئے غسل کرے اور عالی (بلند) طرف سے داخل ہو۔ مسجد حرام میں باب بنی شیبہ (باب السلام) سے اندر جائے اور یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَإِلَى اللهِ، اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ»

"اللہ کے نام سے اور اس کی مدد سے اسی کی طرف (آرہا ہوں) اے اللہ! میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔"

بیت اللہ کو دیکھے تو ہاتھ اٹھا کر یہ پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ، اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّبِرًّا، وَزِدْ مَنْ شَرَّفَهُ وَكَرَّمَهُ مِمَّنْ حَجَّهُ أَوِ اعْتَمَرَهُ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّبِرًّا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ كَثِيْرًا كَمَا هُوَ أَهْلُهُ، وَكَمَا يَنْبَغِيْ لِكَرَمِ وَجْهِهِ وَعِزِّ جَلَالِهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بَلَّغَنِيْ بَيْتَهُ وَرَآنِيْ لِذٰلِكَ أَهْلاً، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ دَعَوْتَ إِلَى حَجِّ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَقَدْ جِئْتُكَ لِذٰلِكَ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ وَاعْفُ عَنِّيْ وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»

"اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کے شرف' عظمت' عزت' ہیبت اور بھلائیوں میں اضافہ فرما اور حج وعمرہ کرنے والوں میں جو اس کے شرف وعزت کو ملحوظ رکھتا ہے' اس کے شرف' عزت' کرم' ہیبت اور نیکی میں اضافہ فرما' سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں جیسا کہ وہ ان کا مستحق ہے اور جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے اپنے گھر تک پہنچایا اور مجھے اس کا اہل قرار دیا' ہر حال میں اللہ ہی کی تعریف ہے۔ اے اللہ! تونے مجھے اپنے عزت والے

گھر کی طرف آنے کا پیغام دیا' اس لئے میں تیرے پاس حاضر ہوتا ہوں' اے اللہ! مجھ سے قبول فرما اور مجھے معاف کر اور میرے تمام حالات درست کر دے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

پھر باوضو ہو کر مطاف (طواف کی جگہ) کی طرف بڑھے اور چادر اضطباع (یعنی دایاں کندھا ننگا کرنے) کے انداز میں لے کر حجر اسود کو بوسہ دے' یا استلام کرے (ہاتھ لگائے)۔ اگر بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا ممکن نہیں ہے تو اشارہ ہی کر لے' پھر حجر اسود کی طرف منہ کرے' سیدھا کھڑا ہو جائے اور طواف کا ارادہ کرے اور یہ کہے:

«بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ»

"اللہ کے نام سے' وہ سب سے بڑا ہے' اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں' تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں' تیرا عہد پورا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتا ہوں۔"

پھر بیت اللہ کو بائیں ہاتھ کی سمت کر کے رمل (چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز چلنا) کے انداز میں ذرا تیز چلے' بشرطیکہ طواف قدوم ہو اور طواف کے دوران دعا کرے' ذکر واذکار میں مشغول رہے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے' رکن یمانی کے سامنے آئے تو اس کو ہاتھ لگائے اور چکر کے خاتمہ پر یہ دعا پڑھے:

﴿ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴾
(البقرة٢/ ٢٠١)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا کی اچھائی اور آخرت کی اچھائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

پھر اس طرح دوسرا اور تیسرا چکر لگائے۔ چوتھے چکر میں رمل ترک کر دے اور (معمول کے مطابق) آہستہ آہستہ چلے اور باقی چار چکر پورے کرے' فارغ ہو کر "ملتزم" (بیت اللہ کے دروازہ) کے پاس آئے اور خشوع خضوع کے ساتھ روتے ہوئے دعا کرے' پھر "مقام ابراہیم" کے قریب آ کر اس کے پیچھے دو رکعت پڑھے' پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھے' پھر زمزم کے چشمہ پر جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے خوب سیر ہو کر پانی پیئے اور جو چاہے دعا کرے' درج ذیل دعا بھی مستحسن ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»

"اے اللہ! میں تجھ سے مفید علم' وسیع روزی اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔"

پھر "حجر اسود" کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دے' یا ہاتھ لگائے اور بعد ازاں "باب صفا" سے یہ

پڑھتے ہوئے "مقام سعی" کی طرف بڑھے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلۡمَرۡوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِۖ فَمَنۡ حَجَّ ٱلۡبَيۡتَ أَوِ ٱعۡتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَاۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيۡرٗا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴾ (البقرة۲/ ۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو کوئی حج یا عمرہ کیلئے آئے' وہ ان دونوں پہاڑیوں کے گرد بھی پھرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو اچھائی کمائے گا تو اللہ بڑا قدر دان اور جاننے والا ہے۔"

پھر "صفا" پہاڑی پر چڑھ جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کرکے تین بار اللہ اکبر کہے اور یہ ورد کرے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

"ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' ملک اسی کا ہے اور تعریف بھی اسی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے سب فوجوں کو شکست دے دی۔"

پھر دنیا و آخرت کی اچھائی کا سوال کرے اور "کوہ مروہ" کی طرف چلنے کے ارادہ سے نیچے اترے' دوران "سعی" ذکر ودعا میں مشغول رہے' وادی کے درمیان آئے جسے سبز ستون کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے تو وہاں سے دوسرے سبز ستون تک تیز تیز دوڑے۔ پھر آہستہ چلے اور ذکر ودعا اور رسول اللہ ﷺ پر درود میں منہمک رہے اور جب مروہ پر چڑھ جائے تو (ایک چکر مکمل ہو گیا) اللہ اکبر کہے' لا الہ الا اللہ کا ورد کرے اور دعا مانگے' جس طرح کہ "صفا" پر کیا تھا اور پھر نیچے اترے' آہستہ چلے درمیان میں آئے تو تیز دوڑے' پھر آہستہ چلے اور "صفا" پر چڑھ جائے' (دوسرا چکر مکمل) پھر تکبیر وتہلیل کہے اور دعا کرے۔ پھر "مروہ" کی طرف روانہ ہو جائے اور اسی طرح سات چکر پورے کرے' جس میں آٹھ وقفے ہوں گے۔ چار "صفا" اور چار "مروہ" (ابتداء صفا سے ہو گی اور انتہاء مروہ پر) پر پھر اگر عمرہ کا احرام ہے تو بال اتروائے اور احرام کھول دے' اس طرح اس کا عمرہ پورا ہو گیا۔ اور اسی طرح اگر "حج تمتع"[1] کا ارادہ

---

(۱) حج تمتع: حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرکے احرام کھول دینا اور پھر حج کے ایام میں حج کا نئے سرے سے احرام باندھنا حج تمتع کہلاتا ہے حج کے مہینوں سے مراد شوال' ذوالقعدۃ اور ذوالحجۃ ہیں جبکہ حج کے دنوں سے مراد آٹھ ذوالحجہ تک کے ایام ہیں۔ (ع' ر)

ہے تو بھی احرام کھول دے اور اگر صرف حج کا احرام ہے یا عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھے احرام ہے تو "وقوف عرفات" اور "جمرۂ عقبہ" کو کنکر مارنے کے بعد دس ذوالحجہ کو احرام کھولے گا۔ اگر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دے اور حج فسخ کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور آٹھ ذوالحجہ کو حج[1] کی نیت سے احرام باندھے' اگر عمرہ مکمل کر کے احرام کھول چکا ہے' جبکہ مفرد اور قارن[2] اپنے احرام پر قائم ہیں اور مذکورہ تاریخ (آٹھ ذوالحجہ) کی صبح کو تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔ منیٰ میں دن رات رہے اور پانچ نمازیں پڑھے' پھر نو ذوالحجہ کا سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے تلبیہ کہتا ہوا براستہ "ضب" وادیٔ نمرہ کی طرف روانہ ہو اور زوال تک وہاں رہے' پھر غسل کرے اور مسجد میں آئے اور امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھے' نماز سے فارغ ہونے کے بعد موقف کی طرف چلے اور عرفات کے میدان میں جہاں بھی چاہے ٹھہر جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَقَفْتُ هَاهُنَا، وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»(صحيح مسلم)

"میں نے یہاں وقوف کیا ہے' جبکہ پورا عرفات (کا میدان) جائے وقوف ہے۔"

اور اگر "جبل رحمت" کے دامن میں چٹانوں کے پاس وقوف کرے تو بہتر ہے' اس لئے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کے وقوف کا مقام ہے۔ اسے اختیار ہے کہ سوار ہو کر وہاں رہے یا پیدل چلتا ہوا' یا بیٹھا رہے اور اس دوران اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرے اور دعائیں مانگے۔

سورج غروب ہونے اور کچھ رات آنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو اور "مازمین" کے راستہ سے تلبیہ کہتا ہوا سکون کے ساتھ مزدلفہ کی طرف چلے اور مزدلفہ میں نزول کے بعد پہلے نماز مغرب ادا کرے اور پھر سواری پر سے سامان اتار کر عشاء کی نماز پڑھے اور رات وہیں گزارے' صبح صادق ہونے کے بعد نماز فجر ادا کرے اور مشعر کی طرف چلے اور وہاں تکبیر' تہلیل اور دعا میں مشغول ہو جائے۔ تاہم مزدلفہ میں جہاں بھی چاہے وقوف کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَقَفْتُ هَاهُنَا، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»(صحيح مسلم)

"میں نے اس جگہ وقوف کیا ہے' جبکہ پورا "مزدلفہ" جائے وقوف ہے۔"

---

(۱) رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان لوگوں کو جو ہدی (یعنی قربانی) نہیں لائے تھے' حج فسخ کرنے اور (عمرہ کر کے) احرام کھول دینے کی اجازت دی تھی۔ علماء کی ایک رائے یہ ہے کہ حج میں عمرہ کے جواز کے اظہار کیلئے آپ نے اس کی اجازت دی تھی' اور اب یہ حکم باقی نہیں ہے۔ (الاثری)

(۲) مفرد سے مراد وہ حاجی ہے جو صرف حج کا احرام باندھے اور عمرہ کئے بغیر ۸ ذوالحجہ کو سیدھا منیٰ چلا جائے اور قارن سے مراد وہ شخص ہے جو ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں ادا کرے۔ (ع' ر)

• ۱۰ویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے جب صبح اچھی طرح روشن ہو جائے تو سات کنکر "جمرہ عقبہ" کو مارنے کیلئے چن لے اور تلبیہ کہتا ہوا منیٰ کی طرف چل پڑے۔ "وادیِ محسر" میں پہنچ جائے تو اپنی سواری کو حرکت دے اور پتھر پھینکنے کے اندازے کے برابر فاصلے تک تیز چلے۔ منیٰ پہنچتے ہی جمرہ عقبہ کو سات کنکر مارے' مارتے وقت دایاں ہاتھ اٹھائے اور کہے "اللہ اکبر" اور اگر یہ دعا بھی کر لے تو بہتر ہے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا»

"اے اللہ! اسے حج مبرور اور قابل قدر سعی (کوشش) اور معاف کیا ہوا گناہ بنا۔"

اگر اس کے پاس قربانی ہے تو اسے خود ذبح کرے' اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو کسی اور کو مقرر کرے اور منیٰ میں جہاں چاہے [1] قربانی کا جانور ذبح کر سکتا ہے' اس لئے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«نَحَرْتُ هَاهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ»(صحيح مسلم)

"میں نے اس جگہ قربانی کی ہے' جبکہ سارا منیٰ قربان گاہ ہے۔"

پھر بال مونڈے یا کاٹے' البتہ مونڈنا افضل ہے۔ اس وقت عورتوں کے (ساتھ مباشرت و جماع کے) سوا سب کام اس کیلئے جائز ہو گئے ہیں' جو احرام کی وجہ سے اس پر حرام ہوئے تھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَمٰى أَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَحَلَقَ، فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ النِّسَاءَ»
(سنن أبي داود)

"جب تم میں سے کوئی جمرۂ عقبہ کو کنکر مارے اور بال اتروا لے تو اس کے لئے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو گئی ہے۔"

اب سر کو کپڑے سے ڈھانپ اور سلا ہوا لباس پہن سکتا ہے۔ اگر ممکن ہو تو "طواف افاضہ" کیلئے مکہ کی طرف چل پڑے' جو کہ حج کے چار ارکان میں سے ایک رکن ہے' باوضو ہو کر مسجد حرام میں داخل ہو اور طواف قدوم کی طرح کا طواف کرے' البتہ اس طواف میں اضطباع [2] اور رمل نہ کرے' سات چکر مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھے۔ اگر صرف حج کا احرام تھا' یا حج اور عمرہ دونوں کا اور پہلے طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کی سعی کر چکا ہے تو وہی کافی ہے اور اگر حج تمتع کیا ہے تو دو

---

(۱) اگر حکومت نے قربانی کیلئے کوئی خاص جگہ مقرر کی ہو تو اس کا احترام ضروری ہے' تاکہ صفائی کے مسائل پیدا نہ ہوں۔ (الاثری)

(۲) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ "اضطباع" دائیں کندھے کو ننگا کرنے اور "رمل" قریب قریب قدم رکھ کر تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ یاد رہے طواف قدوم میں پہلے تین چکروں میں رمل کا حکم ہے۔ (الاثری)

رکعت پڑھنے کے بعد "مقام سعی" کی طرف بڑھے اور صفا و مروہ کے مابین اسی طرح سعی کرے، جیسا کہ پہلے مفصلاً بیان ہوا ہے۔ سعی سے فارغ ہونے کے بعد اس کا احرام پورے طور پر ختم ہے اور جو کام احرام کی وجہ سے اس کیلئے ناجائز ہوئے تھے، سب جائز ہو گئے۔

پھر اسی دن منیٰ واپس آجائے اور رات وہیں گزارے (مزید برآں) ایام تشریق کے پہلے دن (۱۱ ذوالحجہ) سورج ڈھلنے کے بعد پہلے "جمرہ اولیٰ" کو سات کنکر مارے جو کہ مسجد خیف کے قریب ہے، ہر کنکر الگ الگ مارے اور ہر ایک کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ کنکر مارنے کے بعد تھوڑا سا آگے بڑھے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی توفیق کے مطابق جو چاہے دعائیں کرے اور پھر درمیانی جمرہ کی طرف چلے، اس کو بھی اسی طرح سات کنکر مارے اور تھوڑا سا ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر دعا کرے اور پھر "جمرہ عقبہ" جو کہ آخری ہے، کی طرف بڑھے اس کو بھی سات کنکر مارے، ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہے، لیکن اس کے بعد دعا کیلئے کھڑا نہ ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پاس دعا نہیں کی تھی۔ دوسرے دن بھی زوال آفتاب کے بعد آئے اور تینوں جمرات کو اسی طرح کنکر مارے۔ (سنن ابن ماجہ)

اگر اسے جلدی ہے تو غروب آفتاب سے پہلے مکہ چلا جائے اور اگر جلدی نہیں ہے تو رات منیٰ میں رہے اور تیسرے دن زوال آفتاب کے بعد تینوں جمرات کو کنکر مارے اور پھر مکہ مکرمہ آئے، اور جب گھر جانے کا ارادہ ہو تو آخری یعنی طواف وداع کرے، اس کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھے اور یہ ذکر کرتے ہوئے گھر کیلئے روانہ ہو جائے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کیلئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس ہو رہے ہیں، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی تعریف کرنے والے، ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچا کردیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے فوجوں کو شکست دے دی۔"

تیرہویں فصل

مسجد نبوی کی زیارت کا حکم

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ — مدینہ و اہل مدینہ اور مسجد نبوی کی فضیلت

الف ۔ مدینہ منورہ کی فضیلت:

مدینہ کو حرم نبوی ﷺ دار الہجرت اور مقام نزول وحی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرم قرار دیا' جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا' آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَأَنَا أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا»(صحيح مسلم)

"اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا' اور میں اس شہر کے دو پتھریلی اطراف کے مابین (علاقے) کو حرم قرار دے رہا ہوں۔"

اور فرمایا: «اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا، أَوْ آوٰى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لاَ يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلاَ عَدْلٌ، لاَ يُخْتَلٰى خَلاَهَا، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلاَ تُلْتَقَطُ لُقْطَتُهَا إِلاَّ لِمَنْ أَشَادَبِهَا، وَلاَ يَصْلُحُ لِرَجُلٍ أَنْ يَّحْمِلَ فِيْهَا السِّلاَحَ لِقِتَالٍ، وَلاَ يَصْلُحُ أَنْ يُّقْطَعَ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلاَّ أَنْ يَّعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيْرَهُ»(صحيح مسلم)

"عائر" سے "ثور" تک مدینہ حرم ہے' جو کوئی اس میں نیا کام (بدعت) نکالے' یا نئے کام نکالنے والے کو جگہ دے' اس پر اللہ' فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے' اس کی نفل اور فرض عباد ات قبول نہیں کی جائیں گی۔ نیز اس کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں' اس کا شکار نہ بھگایا جائے اور اس میں گمشدہ چیز نہ اٹھائی جائے' الاّ یہ کہ کوئی اعلان اور مشہور کرنے کا ارادہ کرے' اور کسی شخص کیلئے درست نہیں کہ اس میں لڑائی کیلئے ہتھیار اٹھائے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کے درخت کاٹے جائیں' البتہ اونٹ کو چرانے کیلئے (تھوڑا سا) درخت یا پودا کاٹ سکتا ہے۔"

عدی بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

«حَمٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلَّ نَاحِيَةٍ مِنَ الْمَدِيْنَةِ بَرِيْدًا فِيْ بَرِيْدٍ، لاَ يُخْبَطُ

شَجَرَةٌ وَلاَ يُعْضَدُ إِلاَّ مَا يُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ»(سنن أبي داود وسنده جيد)

"مدینہ منورہ کے چاروں سمت رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک برید تک کا علاقہ محفوظ قرار دیا ہے' نہ اس میں درخت کے پتے جھاڑے جائیں اور نہ ہی اسے کاٹا جائے' البتہ اونٹ کو چلانے کیلئے چھڑی کاٹی جاسکتی ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، لاَ يَصْبِرُ عَلَى لأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ إِلاَّ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایمان مدینہ میں اس طرح پناہ لے گا' جس طرح سانپ اپنے بل میں پناہ لیتا ہے' جو کوئی اس کی شدتوں اور مصائب پر صبر کرے گا' میں قیامت کے دن اس کیلئے سفارشی یا گواہ بنوں گا۔"

اور فرمایا: «مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا»(سنن ترمذي وسنن ابن ماجة وغيرهما)

"تم میں سے جو کوئی مدینہ میں موت تک رہ سکتا ہے تو رہے' اس لئے کہ میں اس شہر میں مرنے والوں کیلئے گواہی دوں گا۔"

نیز فرمایا: «إِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طَيِّبُهَا»(صحيح مسلم)

"مدینہ بھٹی کی طرح اپنے (باسیوں کی) میل کھوٹ کو دور کرتا ہے' اور اس کے اچھے (لوگ اور زیادہ) خالص ہو جاتے ہیں۔"

مزید فرمایا: «اَلْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، لاَ يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلاَّ أَبْدَلَ اللهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ، وَلاَ يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلَى لأْوَاءِهَا وَجَهْدِهَا إِلاَّ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم)

"مدینہ ان (لوگوں) کے لئے بہتر ہے' کاش کہ وہ جانتے ہوں' جو کوئی اس سے بے نیازی کرکے چلا جائے گا' اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس میں اس سے بہتر کسی اور کو آباد کرے گا اور جو کوئی اس کی شدتوں اور مصائب پر ثابت قدم رہے گا' میں اس کے لئے قیامت کے دن سفارش کرنے والا یا گواہ ہوں گا۔"

ب ۔ اہل مدینہ کی فضیلت:

مدینہ کے رہنے والے رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے' آپ کی مسجد کو آباد کرنے والے' آپ کے شہر میں رہنے والے' آپ کے حرم میں ثابت قدم اور آپ کی مقرر کردہ حمی (چراگاہ) کے محافظ ہیں۔ جب یہ

لوگ استقامت اور نیکی کے حامل ہیں تو عزت وشان میں سب سے اونچے اور مقام ومرتبہ میں سب سے فائق ہیں' ان کا احترام اور عزت وتوقیر ضروری ہے اور ان کی محبت اور دوستی لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایذا رسانی سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«لاَ يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلاَّ انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِيْ الْمَاءِ»(صحيح بخاري)

"اہل مدینہ کے ساتھ جو کوئی مکرو فریب کرے گا' وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا کہ پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔"

اور فرمایا: «لاَ يُرِيدُ أَحَدٌ أَهْلَ الْمَدِينَةِ بِسُوْءٍ إِلاَّ أَذَابَهُ اللهُ فِي النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ، أَوْ ذَوْبَ الْمِلْحِ فِي الْمَاءِ»(صحيح مسلم)

"جو کوئی مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا' اللہ اس کو جہنم میں قلعی کی طرح پگھلا دے گا یا جس طرح پانی میں نمک مل جاتا ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے محبت وتکریم کی وجہ سے ان کی روزی میں برکت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ»(صحيح مسلم)

"اے اللہ! ان کے تول کے پیمانوں میں برکت فرما اور ان کے صاع اور مد کو بابرکت بنا۔"

اور تمام امت کو ان کے بارے میں اچھائی کی وصیت کی ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

«اَلْمَدِيْنَةُ مُهَاجَرِيْ، فِيْهَا مَضْجَعِيْ وَمِنْهَا مَبْعَثِيْ، حَقِيْقٌ عَلٰى أُمَّتِيْ حِفْظُ جِيْرَانِيْ مَالَمْ يَرْتَكِبُوا الْكَبَائِرَ، وَمَنْ حَفِظَهُمْ كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا وَشَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(طبراني في الكبير وسنده ضعيف، فيه متروك)

"مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے' یہی میری آرام گاہ ہے اور اسی سے میں اٹھوں گا۔ جب تک میرے پڑوسی کبائر کا ارتکاب نہ کریں میری امت پر ان کی حفاظت ضروری ہے اور جو ان کی حفاظت کرے گا میں اس کیلئے سفارش کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔"

ج ۔ مسجد نبوی کی فضیلت:

مسجد نبوی ان تین مساجد میں سے ایک ہے' جن کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ﴾ (بنی إسرائیل ۱۷/ ۱)

"پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی' جس کے ارد گرد اللہ نے برکت دی ہے۔"

"اقصیٰ" اسم تفضیل ہے جس میں صفت کے معنی کا تفاضل دوسری چیز پر متصور ہوتا ہے' جس کا مفہوم یہ ہو گا کہ مسجد حرام سے ایک اور مسجد سے زیادہ دور واقع مسجد تک سیر کرائی۔ اس طرح دونوں مساجد کے ضمن میں مسجد نبوی ﷺ کا تذکرہ ہو گیا کہ یہ مسجد مکہ مکرمہ سے بعید ہے اور منتہائے اسراء والی مسجد اس سے اقصیٰ (زیادہ دور) ہے اور اگرچہ مسجد نبوی نزول آیت کے وقت موجود نہ تھی' تاہم بعد میں وجود میں داخل ہو گئی' اور رسول اللہ ﷺ نے صراحت سے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«صَلاَةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلاَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»(مسند أحمد وصحيح ابن حبان)

"میری اس مسجد میں ایک نماز ادا کرنا' مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں ہزار نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔"

«وَصَلاَةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيْمَا سِوَاهُ»(مسند أحمد وصحيح ابن حبان)

"اور مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنا' کسی دوسری مسجد میں ایک لاکھ نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔"

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کو ان تین مساجد میں سے دوسری گردانا ہے جن کی طرف تقرب کے ارادہ سے سفر کیا جا سکتا ہے۔

ارشاد ہے: «لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلٰى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الأَقْصٰى»

"تین مساجد کے علاوہ کسی اور کی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں (وہ یہ ہیں) مسجد حرام' میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک ایسی خصوصیت سے بھی نوازا ہے جو کسی اور مسجد کو حاصل نہیں ہے یعنی مسجد کے ایک حصہ میں ریاض الجنۃ کا موجود ہونا جس کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے:

«مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی جگہ) بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ:

«مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَرْبَعِيْنَ صَلاَةً لاَ تَفُوْتُهُ صَلاَةٌ كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ»(مسند أحمد ـ قال المنذري: رواته رواة الصحيح رواه الطبراني والترمذي بلفظ آخر)

”جو شخص میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھتا ہے' ایک نماز بھی اس سے فوت نہیں ہوتی تو اس کیلئے جہنم' عذاب اور نفاق سے برأت لکھ دی جاتی ہے۔[1]“

اسی لئے اس مسجد کی زیارت ان عبادات میں سے ایک ہے' جنہیں مسلمان اپنے رب تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضاجوئی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

دوسرا مادہ — مسجد نبوی کی زیارت' نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صاحبین پر سلام

مسجد نبوی کی زیارت چونکہ عبادت ہے' لہٰذا اس کیلئے بھی دیگر عبادات کی طرح نیت کرنا ضروری ہے' اس لئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ بنا بریں مسجد نبوی ﷺ کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے میں اللہ جل شانہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرنا مسلمان پر لازم ہے اور یہ کہ اس کا باعث اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی محبت کا جذبہ ہے۔ چنانچہ جب آدمی باوضو ہو کر مسجد پہنچ جائے تو دایاں قدم آگے بڑھائے' جیسا کہ دیگر مساجد میں داخل ہوتے وقت مسنون ہے اور یہ کہے:

«بِسْمِ اللهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي ذُنُوْبِي وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

”اللہ کے نام سے اور درود وسلام اس کے رسول ﷺ پر۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

پھر آسانی سے جگہ مل جائے تو «رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ» والے حصہ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے' یا جہاں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے پڑھ سکے' پڑھے۔

پھر حجرہ شریف کا رخ کرے اور نبی ﷺ پر سلام عرض کرے اور مواجہہ (رخ انور) کے سامنے کھڑا ہو کر کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

---

(1) یہ روایت مسند احمد (ج: ۳' ص: ۱۵۵) وطبرانی فی الاوسط (۱/۱۴۵/۲) میں ہے' اس میں نبیط راوی مجہول ہے' علامہ البانی فرماتے ہیں: منذری کا ترغیب (ج: ۲' ص: ۱۳۶) میں یہ کہنا کہ اس کے رواۃ ”الصحیح“ کے رواۃ ہیں وہم ہے' اسلئے کہ نبیط ”الصحیح“ کے رواۃ میں سے نہیں' بلکہ بقیہ ستہ کے رواۃ میں سے بھی نہیں ہے' اس کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔ (الضعیفہ ج: ۱' ص: ۳۶۶) محولہ روایت ترمذی میں یہ ہے کہ جو شخص چالیس دن باجماعت پہلی تکبیر کے ساتھ نماز پڑھتا ہے' اس کے لئے جہنم اور نفاق کی دو برأت ثابت ہیں۔ (الاثری)

خِيرَةَ خَلْقِ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ، قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وأَدَّيْتَ الأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الأُمَّةَ وَجَاهَدْتَّ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وعَلٰى آلِكَ وَأَزْوَاجِكَ وَذُرِّيَاتِكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا»

"اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام۔ اے سب مخلوق میں افضل! آپ پر سلام' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' یقیناً آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ امانت ادا کر دی ہے' امت کی خیر خواہی کر دی ہے اور اللہ کے دین کیلئے آپ نے پوری پوری کوشش کی ہے' اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی آل پر' آپ کی بیویوں اور آپ کی اولاد پر رحمت کرے اور بہت بہت سلامتی عطا کرے۔"

پھر تھوڑا سا دائیں طرف ہٹے اور یہ کہتا ہوا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ الصِّدِّيْقُ صَفِيَّ رَسُوْلِ اللهِ وَصَاحِبَهُ فِي الْغَارِ، جَزَاكَ اللهُ عَنْ أُمَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ خَيْرًا»

"اے ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ)! آپ پر سلامتی ہو' آپ رسول اللہ ﷺ کے چنے ہوئے اور غار کے ساتھی ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو امت رسول ﷺ کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔"

پھر تھوڑا سا اور دائیں طرف ہٹے اور عمر رضی اللہ عنہ کیلئے سلام بایں الفاظ عرض کرے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاعُمَرُ الْفَارُوْقُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، جَزَاكَ اللهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرًا»

"اے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ)! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکات ہوں' اللہ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے اچھی جزا عطا کرے۔"

اگر زیارت مسجد نبوی شریف کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا ارادہ ہے تو مواجہہ شریف (رخ انور) سے ہٹ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے جو چاہے دعا کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل طلب کرے۔

اس طرح زیارت مسجد نبوی کی تکمیل ہو چکی۔ اس کے بعد چاہے تو مدینہ میں رہے یا واپس چلا جائے' البتہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر نمازیں ادا کرنے کیلئے مقیم رہنا افضل ہے' جبکہ مسجد نبوی شریف میں چالیس نماز پڑھنے کی فضیلت بھی وارد ہے۔[1]

---

(1) یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل پہلے مذکور ہے۔ (الاثری)

تیسرا مادہ

مدینہ منورہ کے مقامات فضیلت کی زیارت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب ایک مسلمان کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر کھڑا رہنے کی سعادت سے مشرف کیا ہے اور اس عظیم شہر طیبہ میں داخل کر کے عزت و تکریم دی ہے تو اس کیلئے بہتر ہے کہ وہ نماز کیلئے مسجد قبا جائے' اس لئے کہ نبی ﷺ اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

اور آپ کا فرمان ہے: «مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهِ وَأَحْسَنَ الطُّهُوْرَ ثُمَّ أَتٰى مَسْجِدَ قُبَاءَ لاَ يُرِيْدُ إِلاَّ الصَّلاَةَ فِيْهِ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ»(مسند أحمد، سنن نسائي، سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم وقال: صحيح الإسناد)

"جو اپنے گھر سے اچھی طرح وضو کر کے مسجد قبا کی طرف نماز کیلئے جاتا ہے' اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل چل کر "مسجد قبا" جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح وہ شہداء احد کی قبروں کی زیارت کیلئے بھی جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ شہداء احد کی قبروں کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے اور سلام کہتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

شہداء احد کی اس زیارت کے ساتھ "جبل احد" کا مشاہدہ بھی ہو جائے گا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:[1] «أُحُدٌ جَبَلٌ مِّنْ جِبَالِ الْجَنَّةِ»

"احد پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔"

ایک بار آپ اور حضرت ابو بکر' حضرت عمر' اور حضرت عثمان' رضی اللہ عنہم احد پر کھڑے تھے کہ احد پہاڑ کانپنے لگا تو آپ نے احد پہاڑ پر پاؤں مار کر فرمایا:

«أُسْكُنْ (أُحُدْ) فَمَا عَلَيْكَ إِلاَّ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ»(صحيح بخاري)

"احد! سکون اختیار کر کہ تجھ پر (اللہ کا) نبی' ایک صدیق اور دو شہید (کھڑے) ہیں۔"

---

(۱) اسے طبرانی نے بلفظ "احد رکن من ارکان الجنۃ" روایت کیا ہے' اور یہ سخت ضعیف ہے۔ (مؤلف)

اسی طرح زائر کو بقیع کے قبرستان کی زیارت بھی کرنی چاہیے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ اس قبرستان میں جاتے اور اہل بقیع کو سلام کہتے تھے۔ (صحیح بخاری)

اور اس لئے بھی کہ اس میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین عظام اور اللہ کے نیک بندے رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ وہاں جاکر انہیں بایں الفاظ سلام کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، أَنْتُمْ سَابِقُوْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، يَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ وَارْحَمْنَا وَإِيَّاهُمْ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ»

"اے مومنین' مسلمین' اہل دیار! تم پر سلامتی ہو' تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم (بھی) ان شاء اللہ تم سے آملیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم کرے' ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے دنیا و آخرت کی عافیت کا سوال کرتے ہیں' اے اللہ! ہمیں اور انہیں بخش دے اور ہم سب پر رحم فرما۔ اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر۔"

چودھویں فصل

قربانی اور عقیقہ کے احکام و مسائل

[اس میں دو مادے ہیں]

پہلا مادہ

قربانی کے احکام و مسائل

(۱) قربانی کی تعریف:

قربانی سے مراد وہ جانور ہے جو عید کے دن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کیا جائے۔

قربانی کا حکم:

ہر مسلمان گھرانہ پر جو جانور ذبح کرنے کی قدرت رکھتا ہے' قربانی کرنا سنت واجبہ ہے' اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر ۱۰۸/ ۲)

"اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاَةِ فَلْيُعِدْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا' وہ دوبارہ قربانی کرے۔"

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک انسان اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری ذبح کرتا تھا۔"

(۳) قربانی کی فضیلت:

سنت قربانی کی فضیلت پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد شاہد ہے:

«مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ إِرَاقَةِ دَم، وَإِنَّهَا لَتَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَظْلاَفِهَا وَأَشْعَارِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ عَلَى الأَرْضِ، فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا»(سنن ابن ماجة وسنن ترمذي وقال: حسن غريب)

"دس ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا' یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ ان قربانیوں کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے۔" پھر پوچھا "اس سے ہمیں کیا ملے گا؟" فرمایا "ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔" کہنے لگے "اور اون کے بدلے بھی؟" فرمایا "بھیڑ کی اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ملے گی۔" (سنن ابن ماجہ' وسنن ترمذی اور انہوں نے اسے حسن کہا ہے)

(۴) قربانی کی حکمت:

(ا) اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے' اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴾ (الکوثر۱۰۸/ ۲)

"پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"کہہ دو کہ بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور موت اللہ کیلئے ہے۔ جو جہانوں کا

پالنے والا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔"

آیت میں "نسک" سے مراد اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے جانور ذبح کرنا ہے۔

(۲) قربانی امام الموحدین ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کا احیاء ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں وحی کی کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کریں' پھر اس کے فدیہ میں مینڈھا عطا کیا اور خلیل اللہ نے اپنے فرزند کے بدلے اس کو ذبح کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴾ (الصافات۳۷/ ۱۰۷)

"اور ہم نے ان کو فدیہ میں ذبح عظیم (بڑی بابرکت قربانی) دی۔"

(۳) عید کے دن کنبہ اور خاندان پر وسعت کی جاتی ہے اور فقراء و مساکین میں اللہ کی رحمت عام ہوتی ہے۔

(۴) چوپائے جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے' قربانی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَكُلُوا۟ مِنْهَا وَأَطْعِمُوا۟ ٱلْقَانِعَ وَٱلْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ ﴾ (الحج ۲۲/ ۳۶-۳۷)

"سو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور مانگنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ کو ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے' لیکن اسے تمہارا تقویٰ (دلی خلوص) پہنچتا ہے۔"

(۵) قربانی کے احکام:

(ا) بھیڑ کی قربانی "جذع" سے کم عمر کی نہیں ہوتی۔ "جذع" بھیڑ کا وہ بچہ جو ایک سال کا ہو' یا اس کے قریب قریب۔ بھیڑ کے علاوہ بکری' گائے اور اونٹ میں "مسنہ" یا "ثنی" (یعنی دانتا) ہونا ضروری ہے۔ بکریوں میں وہ ہے[1] جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو۔ گائے میں وہ جو دو سال کی عمر سے تجاوز کر کے تیسرے سال میں داخل ہو اور اونٹوں میں وہ جو چار سال سے تجاوز کر کے پانچویں سال میں داخل ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ»

---

(۱) فتح الباری میں ہے کہ "المسنہ" وہ "ثنی" ہے جو دانت توڑ چکا ہے۔ اور صحاح میں بھی ہے کہ ثنی وہ جو دانت توڑ چکا ہے۔" بکری دوسرے سال میں دانت توڑتی ہے' اور گائے تیسرے سال میں' اور اونٹ پانچویں سال میں۔ بنا بریں کتاب میں ثنی کی تفسیر اسی طرح کی گئی ہے۔ (الاثری)

(صحیح مسلم)

"مسنہ ہی ذبح کرو' الآ یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا "جذع" ذبح کرسکتے ہو" (جانورں میں مسنہ دانت توڑنے والے کو کہتے ہیں۔)

(۲) قربانی میں کسی بھی انداز کا عیب دار جانور ذبح نہیں کرنا چاہیئے' کانا' لنگڑا' سینگ ٹوٹا' کان کٹا' بیمار اور بہت کمزور جس میں چربی اور ہڈی کا گودا تک ختم ہوگیا ہو' قربانی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَرْبَعٌ لاَ تَجُوْزُ فِي الأَضَاحِيْ: اَلْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ضَلَعُهَا، وَالْكَسِيْرَةُ الَّتِيْ لاَ تُنْقِيْ»(صحيح مسلم)

"چار جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں۔ واضح طور پر آنکھ کا کانا۔ واضح بیمار' لنگڑا جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو اور کمزور جس میں چربی نہ ہو۔"

(۳) سینگ والا مینڈھا جس کا رنگ سفید' آنکھوں کا حلقہ سیاہ اور ٹانگیں بھی سیاہ ہوں' افضل ہے' اس لئے کہ اس صفت کا حامل مینڈھا رسول اللہ ﷺ نے قربانی میں ذبح کیا تھا۔

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَحَّى بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ»(سنن ترمذي وصححه)

"نبی ﷺ نے سینگ والا مینڈھا ذبح کیا' جس کا پیٹ سیاہ تھا۔ ٹانگوں کا نچلا حصہ سیاہ تھا اور آنکھوں کا ارد گرد سیاہ تھا۔"

(۴) قربانی نماز عید کے بعد ذبح کرنی چاہیئے' اگر نماز سے پہلے ذبح ہو جائے تو شرعاً کفایت نہیں کرتی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاَةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلاَةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ»(صحيح بخاري)

"جس نے نماز سے پہلے (قربانی) ذبح کی' اس نے اپنے لئے ذبح کی ہے اور جو نماز (عید) کے بعد ذبح کرتا ہے اس کی عبادت پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ اپنایا۔"

تیسرے دن قربانی ذبح کرنا جائز ہے۔[1]

---

(۱) امام نووی شرح مسلم (ج:۲' ص:۱۵۴) میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی دس' گیارہ' بارہ اور تیرہ ذوالحجہ تک ہو سکتی ہے۔ علی' جبیر بن مطعم' ابن عباس رضی اللہ عنہم' عطاء' حسن بصری' عمر بن عبد العزیز' سلیمان بن موسیٰ الاسدی' مکحول اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حدیث میں ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ»(مسند أحمد وفي سنده مقال)

"تمام ایام تشریق (۱۱٬ ۱۲٬ ۱۳) میں ذبح ہے۔"

(۵) ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ کرلینا اور یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

«إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ»

"میں نے (سب سے تعلق ختم کر کے) اپنا چہرہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ یقیناً میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت' اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے' مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (فرمانبردار) ہوں۔"

پھر جب ذبح کرنے لگے تو یہ پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَلَكَ»

"اللہ کے نام سے' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ! یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے لئے ہے۔"

(۶) مستحب تو یہی ہے کہ ذبح خود کرے' اگر ذبح کرنے کیلئے دوسرے کو اپنا نائب بنا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف ہے۔

(۷) قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اسے تین حصوں میں تقسیم کرلیا جائے: ایک حصہ قربانی کرنے والے خود کھائیں اور ایک حصہ خیرات کر دیں اور باقی اپنے دوست واحباب میں تحفہ کے طور پر بھیج دیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کھاؤ' ذخیرہ بناؤ اور خیرات کرو۔"

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) امام ابو حنیفہ ؒ وامام مالک ؒ کہتے ہیں کہ دس' گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تک قربانی ہے۔ عمر بن خطاب' علی' اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت کی گئی ہے ......" امام شافعی ؒ نے مذکورہ بالا حدیث: "کل ایام تشریق ذبح" سے استدلال کیا ہے۔ شوکانی نیل الاوطار (ج: ۵' ص: ۲۱۶) میں لکھتے ہیں "صاحب الھدیٰ نے کہا ہے کہ یہ حدیث دو مختلف سندوں سے مروی ہے' جو ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں اھ۔ نیز یہ حدیث جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' مگر منقطع ہے اھ۔ شوکانی ؒ نے لکھا ہے کہ ابن حبان نے حدیث جبیر کو موصول روایت کیا ہے اور اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ اھ (الاثری)

یہ بھی جائز ہے کہ سارا گوشت خیرات کر دیں اور اگر کسی کو تحفہ میں نہ بھیجیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) ذبح کرنے والے قصاب کی مزدوری قربانی کے گوشت میں سے دینی جائز نہیں ہے۔

علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: «أَمَرَنِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ أَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهِ، وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلُحُوْمِهَا وَجِلاَلِهَا وَأَنْ لاَّ أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا شَيْئًا. وَقَالَ: نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کے اونٹوں کی قربانی کی نگرانی کروں اور گوشت' چمڑے اور جھولیں خیرات کردوں اور قصاب کو ان میں سے کچھ نہ دوں اور فرمایا: ہم اسے اپنی طرف سے مزدوری دیں گے۔"

(۹) ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے' چاہے اس کنبہ میں بہت زیادہ افراد رہتے ہوں' اس لئے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ» (سنن ترمذي وصححه)

"رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے بکری قربانی کرتا تھا۔"

(۱۰) جو قربانی کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کے ذبح ہونے تک بال اور ناخن نہ کٹوائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ هِلاَلَ ذِي الْحَجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ حَتّٰى يُضَحِّيَ» (صحيح مسلم)

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور ناخن قربانی ذبح کرنے تک نہ کاٹے۔"

(۱۱) جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے اس بنیاد پر قربانی کا ثواب ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کر دی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مینڈھا ذبح کرتے وقت فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ» (مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن ترمذي)

"اے اللہ! یہ میری اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے ہے' جنہوں نے (عدم استطاعت کی بنیاد پر) قربانی نہیں کی۔"

تیسرا مادہ

عقیقہ کا بیان

(۱) عقیقہ کی تعریف:

عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔

(۲) عقیقہ کا حکم:

جسے قدرت ہو' اس پر اپنے بچے کی ولادت سے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت مؤکدہ ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُسَمَّى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»(سنن أبي داود وسنن نسائي وصححه)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے (جانور) ذبح کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال تراشے جائیں۔"

(۳) عقیقہ کی حکمت:

اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اولاد کا شکر ادا کرنا اور بچے کی حفاظت و نگہبانی کیلئے اللہ عزوجل کی جناب میں وسیلہ بنانا ہے۔

(۴) عقیقہ کے احکام:

(۱) جانور عیب سے پاک ہو اور اس عمر میں ہو جو قربانی کیلئے ضروری ہے۔ جو جانور قربانی میں کافی نہیں ہے' وہ عقیقہ میں بھی کفایت نہیں کرتا۔

(۲) اس کی تقسیم اس طریقے پر ہونی چاہئے جو قربانی میں ملحوظ ہوتا ہے کہ گھر والے بھی کھائیں گے' خیرات بھی کریں گے اور تحفے میں بھی دیں گے۔

(۳) لڑکے کی طرف سے دو جانور دینا مستحب ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کئے تھے۔ (سنن ترمذی اور اسے صحیح کہا ہے)

یہ بھی مستحب ہے کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور اچھا سا نام تجویز کیا جائے۔ اسی دن سر مونڈا جائے اور بالوں کے ہم وزن سونا یا چاندی خیرات کر دی جائے۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيْقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُسَمَّى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ» (أيضًا)

"ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ رہن (گروی) ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔"

(۴) نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنا علماء کے نزدیک مستحب ہے، اس لئے کہ مروی ہے: «مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُوْدٌ فَأَذَّنَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُمْنٰى وَأَقَامَ فِيْ أُذُنِهِ الْيُسْرٰى لَمْ تَضُرَّهُ أُمُّ الصِّبْيَانِ»(رواه ابن السني مرفوعًا)

"جس کیلئے بچہ ہو، وہ اس کے دائیں کان میں اذان کہے اور بائیں میں اقامت، تو اس بچہ کو ام الصبیان (ایک بیماری ہے جس سے غشی کے دورے پڑتے ہیں) نقصان نہیں دے گی۔"[1]

(۵) اگر ساتواں دن گزر جائے اور جانور ذبح نہ ہو سکے تو چودھویں دن یا اکیسویں دن بھی ذبح کرنا درست ہے، اگر بچہ سات دن سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے۔

(۱) صاحب التلخیص الحبیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور اس پر کلام نہیں کیا۔ (مؤلف)

معاملات

- احکام جہاد
- ذہنی وجسمانی ورزشیں
- احکام تجارت
- نقدیات
- سُود
- جملہ عقود ومعاہدات
- عائلی احکامات ومعاملات
- وراثت
- قسم ونذر کے احکام
- مشروبات وماکولات
- احکامِ جنایات وقصاص
- حدُود اللہ
- قضاء وشہادت
- غلاموں کے احکامات
- اور دیگر معاملات

فصل اول

جہاد کا بیان

[اس میں گیارہ مادے ہیں]

پہلا مادہ جہاد کا حکم' اقسام اور حکمت

* جہاد کا حکم:

مخصوص جہاد یعنی کفار اور محاربین [1] کے ساتھ جنگ فرض کفایہ ہے اگر کچھ لوگ یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہوں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا۟ كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا۟ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا۟ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ (التوبة٩/ ١٢٢)

"اور یہ مناسب نہیں کہ سارے مسلمان نکل پڑیں' پس ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر قوم میں سے چند آدمی نکلیں تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچ سکیں۔"

البتہ جن افراد کو امام متعین کر کے جہاد کا حکم دے' ان کے حق میں جہاد فرض عین ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

---

(۱) محاربین سے مراد وہ منظم و مسلح جتھہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

"اور جب تمہیں جہاد کے لئے نکلنے کا کہا جائے تو نکلو۔"

اسی طرح اگر دشمن شہر پر حملہ آور ہو جائے تو عورتوں سمیت اس شہر کے سب باشندوں پر دفاع اور لڑائی فرض ہو جاتی ہے۔

* جہاد کی اقسام:

(۱) کفار اور محاربین سے جہاد کرنا اور یہ ہاتھ' مال' زبان اور دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن نسائی وإسناده صحيح)

"مشرکین سے اپنے مالوں' جانوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔"

(۲) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمانوں سے جہاد کرنا اور یہ بھی ہاتھ' زبان اور دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ»(صحيح مسلم)

"تم میں سے جو کوئی برا کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلے' اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے بدلے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے ہی برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

(۳) شیطان سے جہاد کرنا۔ یعنی انسان اس کے ڈالے ہوئے شبہات و وسواس کو اپنے دل سے نکال دے اور اس کی مزین کردہ شہوات کو ترک کر دے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۳۳)

"اور شیطان اللہ کے بارے میں تمہیں ہرگز دھوکا نہ دے سکے۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ﴾ (فاطر ۳۵/ ٦)

"شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم اسے اپنا دشمن سمجھو۔"

(۴) نفس سے جہاد کرنا۔ یعنی انسان اپنے نفس کو دینی امور کی تعلیم کی طرف مائل کرے اور ان پر عمل کے لئے اسے آمادہ کرے' نفسانی خواہشات سے دور رہنے اور نفس کی رعونتوں سے بچنے کی سعی کرے۔

اور یہ جہاد کی انواع میں سب سے بڑا جہاد ہے یہاں تک کہ اسے جہاد اکبر کا نام بھی دیا جاتا ہے۔[1]

* جہاد کی حکمت:

جہاد کی تمام اقسام میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور ظلم و تعدی اور شر کو مٹایا جائے' جانوں اور مالوں کا تحفظ کیا جائے' حق و عدل کا بول بالا ہو اور خیرات و فضیلت کے کام عام ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ ﴾ (الأنفال ۸/ ۳۹)

"اور ان سے لڑتے رہو' یہاں تک کہ فتنہ اور فساد نہ رہے اور قانون و اطاعت اللہ کے لئے ہو جائے۔"

دوسرا مادہ

جہاد کی فضیلت

جہاد اور اللہ کی راہ میں شہادت کے فضائل میں بہت سی آیات صادقہ اور احادیث صحیحہ وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد اللہ جل جلالہ کا تقرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اور افضل عبادت ہے۔ چند ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ وَٱلْقُرْءَانِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِ فَٱسْتَبْشِرُوا۟ بِبَيْعِكُمُ ٱلَّذِى بَايَعْتُم بِهِۦ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴾ (التوبة ۹/ ۱۱۱)

"اللہ نے جنت کے بدلے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں' وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں' پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ تورات' انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ سو تم اس اپنی بیع (تجارت) پر جو تم نے کی ہے' خوش ہو جاؤ' یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِهِۦ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَٰنٌ مَّرْصُوصٌ ﴾

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) آئے تو فرمایا "تم اصغر جہاد کر کے آئے ہو' اب جہاد اکبر کرو۔ (یعنی اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو)' اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ (مؤلف)

"اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے' جو اس کی راہ میں صفیں بنا کر لڑتے ہیں' گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اور فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ هَلۡ أَدُلُّكُمۡ عَلَىٰ تِجَٰرَةٖ تُنجِيكُم مِّنۡ عَذَابٍ أَلِيمٖ ﴿١٠﴾ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمۡوَٰلِكُمۡ وَأَنفُسِكُمۡۚ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿١١﴾ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡ وَيُدۡخِلۡكُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةٗ فِي جَنَّٰتِ عَدۡنٖۚ ذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ﴾ (الصف ٦١/ ١٠-١٢)

"اے ایمان والو! کیا تمہیں ایک تجارت کی نشاندہی کروں؟ جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی (وہ یہ کہ) تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو' اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا' جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ہیشگی کے باغوں میں اچھی رہائش گاہیں دے گا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اور شہید ہونے والے مجاہدین کی فضیلت میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمۡوَٰتَۢاۚ بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦ ﴾ (آل عمران٣/ ١٦٩-١٧٠)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انہیں تم مردے نہ سمجھو' بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں۔ اللہ نے انہیں جو اپنا فضل دیا ہے' وہ اس پر خوش ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ انسانوں میں سے افضل کون ہے؟

تو فرمایا: «مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِيْ شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ اللهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"وہ مومن (افضل) ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے' پھر وہ مومن جو کسی پہاڑ کی گھاٹی میں اللہ کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔"

نیز ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ـ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِهِ ـ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ، وَتَكَفَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِهِ إِنْ تَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يُرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيْمَةٍ»(سنن ابن ماجة)

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ (دن کو) روزہ رکھنے والا اور (رات کو) قیام کرنے والا اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔ "مجاہد فی سبیل اللہ" اللہ کی کفالت (ذمہ) میں ہے کہ اگر اسے فوت (یا شہید) کرے گا تو اسے بہشت میں داخل

کرے گا' سلامتی ثواب اور غنیمت کے ساتھ (واپس گھر کی طرف) لوٹا دے گا۔"

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا "مجھے ایسا عمل بتائیں جو میرے لئے جہاد کے اجر کے برابر ہو" آپ نے فرمایا "میری دریافت میں ایسا عمل نہیں۔"

اور مزید ارشاد فرمایا: «هَلْ تَسْتَطِيْعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُوْنَ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُوْمَ وَلاَ تَفْتُرَ وَتَصُوْمَ وَلاَ تُفْطِرَ، قَالَ وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ؟»(سنن نسائی وفي الصحيحين معناه)

"کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد جہاد کے لئے جائیں' تو تو اپنی مسجد میں داخل ہو کر قیام میں لگا رہے اور سستی نہ کرے اور روزہ رکھے اور افطار نہ کرے؟ اس نے کہا "اس کی کس کو طاقت ہے؟"

نیز فرمایا: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لاَ يُكْلَمُ أَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ـ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهِ ـ إِلاَّ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ»(صحيح بخاري)

"مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جو کوئی اللہ کے راستہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس (کے خون) کا رنگ (شہادت کے) خون کی طرح ہو گا اور مہک کستوری کی سی ہو گی اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے۔"

مزید فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهٗ بِالْغَزْوِ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ»(صحيح مسلم)

"جو کوئی مرا اور لڑائی نہیں کی اور نہ اپنے دل میں لڑائی کرنے کی کبھی ٹھانی' وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔"

نیز ارشاد ہوا: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْلاَ أَنَّ رِجَالاً مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لاَ تَطِيْبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ، وَلاَ أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُّ أَنْ أُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ»(صحيح بخاري)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر ایسا نہ ہو کہ: مؤمنین مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے اور میں بھی انہیں (سفر جہاد کیلئے) سواری دینے کی طاقت نہیں پاتا (اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں) تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے کسی بھی فوجی دستہ سے پیچھے نہ رہوں۔ قسم

ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر' قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔"

نیز فرمایا: «مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَمَسَّتْهُ النَّارُ»(صحيح بخاري)

"جس بندے کے قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوں اس کو جہنم کی آگ نہیں لگے گی۔"

مزید فرمان نبوی ہے: «مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَلَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ الشَّهِيْدَ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بہشت میں داخل ہونے والے کو زمین پر جو کچھ ہے اگر دے دیا جائے تو پھر بھی وہ واپس دنیا میں آنا نہیں چاہے گا' سوائے شہید کے کہ وہ اس اعزاز کی بنا پر جو اسے ملا' تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار قتل ہو جائے۔"

تیسرا مادہ — جہاد میں رباط: تعریف' حکم اور فضیلت

* رباط کی تعریف:

اسلامی لشکر کا پوری طرح مسلح ہو کر خطرے کی جگہوں اور سرحدوں پر' جہاں امکان ہے کہ دشمن اندر آ سکتا ہے یا مسلمانوں کی آبادی پر حملہ آور ہو سکتا ہے' ٹھہرنا "رباط" کہلاتا ہے۔

* رباط کا حکم:

جہاد کی طرح یہ بھی فرض کفایہ ہے' جب بعض افراد یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہوں تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے مقابلہ میں اس کا حکم یوں دیا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران۳/ ۲۰۰)

"اے ایمان والو! صبر کرو' ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور (دشمن کے مقابلہ میں) جمے رہو اور اللہ سے ڈرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

* رباط کی فضیلت:

دشمن اسلام کے مقابلہ میں ڈٹ جانا' افضل عمل اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

«رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»(صحيح بخاري وصحيح

مسلم)

"اللہ کے راستہ میں ایک دن کی نگہبانی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

اور فرمایا: «كُلُّ الْمَيِّتِ يُخْتَمُ بِعَمَلِهِ إِلاَّ الْمُرَابِطَ، فَإِنَّهُ يَنْمُوْ لَهُ عَمَلُهُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيُؤْمَنُ مِنْ فُتَّانِ الْقَبْرِ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وصححه)

"ہر فوت شدہ کا عمل ختم ہو جاتا ہے' البتہ (جنگ میں دشمن کی) نگرانی کرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر میں منکر نکیر کی آزمائش سے محفوظ رہے گا۔"

اور فرمان نبوی ہے: «حَرْسُ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ لَيْلَةٍ يُقَامُ لَيْلُهَا وَيُصَامُ نَهَارُهَا»(معجم طبراني ومستدرك حاكم وهو حسن)

"اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک رات کا پہرہ دینا ان ہزار راتوں سے بہتر ہے' جن کی راتوں کا قیام اور دنوں کے روزے رکھے جائیں۔"

نیز فرمایا: «حُرِّمَتِ النَّارُ عَلٰى عَيْنٍ سَهِرَتْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ»(معجم طبراني ومستدرك حاكم وصححه)

"اس آنکھ پر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی ہے' جو اللہ کے راستہ میں بیدار رہی۔"

اور ارشاد ہے: «مَنْ حَرَسَ وَرَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ مُتَطَوِّعًا لَمْ يَرَ النَّارَ بِعَيْنِهِ إِلاَّ تَحِلَّةَ الْقَسَمِ»(مسند أحمد وهو صحيح الإسناد)

"جس نے خوشی سے مسلمانوں کے پیچھے پہرہ دیا' وہ اپنی آنکھ سے جہنم کی آگ نہیں دیکھے گا' مگر قسم پوری ہونے کے برابر۔"[1]

آپ ؐ نے انس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو ایک رات فوج کے پہرے کا حکم دیا' صبح ہونے پر وہ آئے تو آپ نے پوچھا "تو آج نیچے اترا ہے؟" انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "میں نماز اور قضاء حاجت کے سوا نہیں اترا۔"

تو فرمایا: «قَدْ أَوْجَبْتَ، فَلاَ عَلَيْكَ أَنْ لاَ تَعْمَلَ عَمَلاً بَعْدَهَا»(سنن نسائی وسنن أبي داود)

"تو نے جنت واجب کر لی ہے' آج کے بعد تو کوئی بھی (نفل) عمل نہ بھی کرے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں۔"

---

(1) ہر شخص جہنم کا منہ دیکھے گا تاکہ پل صراط سے گزر سکے یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ (ع' ر)

چوتھا مادہ

جہاد کے لئے تیاری کا وجوب

اسباب و آلات اور ہمہ اقسام کے جنگی ہتھیار مہیا کرنا بھی جہاد کی طرح فرض ہے' اس لئے کہ اس کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الأنفال٨/ ٦٠)

"اور جہاں تک ہو سکے ان کے (مقابلے کے) لئے طاقت تیار کرو اور گھوڑے بھی تیار رکھو اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو گے۔"

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر کہتے ہوئے سنا:

«وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ، أَلاَ إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلاَ إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ»(صحيح مسلم)

"اور ان کے لئے جو قوت مہیا کر سکتے ہو تیار رکھو' سنو! بے شک قوت تیر اندازی ہے' بے شک قوت تیر اندازی ہے' یقیناً قوت تو تیر اندازی ہے۔"[1]

اور فرمایا: «إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ: صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنَبِّلَهُ، وَارْمُوْا وَارْكَبُوْا، وَأَنْ تَرْمُوْا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوْا، لَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ إِلاَّ ثَلٰثٌ: تَأْدِيْبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ وَمُلاَعَبَتُهُ أَهْلَهُ وَرَمْيُهُ بِقَوْسِهِ أَوْ نَبْلِهِ»(كتب السنن)

"اللہ ایک تیر کی وجہ سے تین انسانوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ ثواب کے حصول کے لئے اسے بنانے والا' اسے پھینکنے والا اور پھینکنے کے لئے دینے والا۔ تیر اندازی اور سواری سیکھو اور سواری سیکھنے سے تیر اندازی مجھے زیادہ پسند ہے۔ تین کام بے فائدہ شمار نہیں ہوتے۔ اپنے گھوڑے کو جنگی چالیں سکھانا' اپنی بیوی کے ساتھ خوش گپی کرنا اور کمان یا تیر میں مہارت حاصل کرنا۔"

بنا بریں تمام مسلمانوں پر خواہ جو ایک حکومت قائم کر چکے ہیں' یا مختلف حکومتوں کی صورت میں رہ رہے ہیں' لازم ہے کہ ہتھیار تیار رکھیں اور جنگی سامان مہیا کریں اور مردوں کو حرب و قتال کی تربیت دیں' جس سے وہ نہ صرف دشمن کے حملے کو روک سکیں' بلکہ اللہ کے دین کی عظمت اور عدل و خیر اور زمین اور امن و سلامتی کے لئے انہیں اللہ کے راستہ میں آگے بڑھ کر بھی حملہ کرنا پڑے تو کر سکیں۔

مسلمانوں پر یہ بھی لازم ہے کہ فوجی ٹریننگ کا جبری انتظام کریں۔ جو نوجوان اٹھارہ سال کی عمر کا ہو

---

(۱) "رمی" کا اصل معنی پھینکنا ہے اور اس میں وہ تمام جدید اسلحہ آ جاتا ہے جسے ہدف پر پھینکا جاتا ہے۔ (ع ' ر)

جائے تو ڈیڑھ سال کے لئے لازمی عسکری خدمت کے لئے اسے طلب کر لیا جائے۔ اس مدت میں وہ جنگ و قتال کے فنون کی تربیت حاصل کرے اور پھر اس کا نام مسلمان فوج میں رجسٹر کر لیا جائے۔ اس طرح جیسے ہی اس کو طلب کیا جائے گا' وہ جہاد کے لئے تیار ہو گا۔ اگر اس کی نیت درست ہے تو اس رجسٹریشن کی وجہ سے ہی یہ "مرابط فی سبیل اللہ" کے مرتبہ میں ہے' جب تک اس دیوان میں اس کا نام رہے گا۔

یہ بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ جنگی سامان تیار کرنے والی فیکٹریاں لگائیں اور دنیا میں جس انداز کا سامان جنگ تیار ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے' خود تیار کریں۔ چاہے اس کے لئے انہیں ضروری خوردونوش' لباس اور رہائش کے خرچہ جات ترک کرنے پڑیں۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے فریضۂ جہاد مکمل اور بہترین طریقہ سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجرم ہوں گے اور دنیا و آخرت میں اللہ کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔

پانچواں مادہ — ارکان جہاد

شرعی جہاد (جو سیادت یا شہادت کے لئے متحقق ہو) کے چند ارکان ہیں:

(۱) نیت کا درست ہونا۔ اس لئے کہ عملوں کا انحصار نیتوں پر ہے۔

جہاد میں صرف اللہ کے حکم کی بلندی مقصود ہونی چاہئے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص حمیت کی بنیاد پر لڑائی کرتا ہے اور دوسرا ریا کے لئے' ان میں سے اللہ کے راستہ میں (لڑنے والا) کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو صرف اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا دین بلند ہو' وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔"

(۲) جہاد کسی مسلمان امام کی زیر قیادت' اس کی زیر کمان اور اس کی اجازت سے ہو۔ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ امام کے بغیر زندگی بسر کریں' چاہے ان کی تعداد تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وہ امام کے بغیر لڑائی کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حکومت والوں کی بھی اطاعت کرو۔"

بنا بریں مسلمانوں کے ہر اس گروہ پر لازم ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد یا کافروں کی گرفت و غلامی سے آزاد ہونے کا ارادہ رکھتا ہے کہ اپنے میں سے ایک ایسے مرد کو امام چنیں' جس میں امامت کی زیادہ

سے زیادہ شرطیں مثلاً علم' تقویٰ اور کفایت و اہلیت وغیرہ پائی جائیں پھر اپنی صفیں منظم کریں اور اپنے اندر اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کریں اور زبان' مال اور ہاتھ سے جہاد شروع کریں پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔

(۳) پوری قوت صرف کر کے ممکنہ حد تک سامان جنگ اور ہتھیاروں سے لیس ایک لشکر جرار تیار رکھنا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ﴾ (الأنفال۸/ ٦۰)

"اور جہاں تک ہو سکے ان کے لئے قوت تیار رکھو۔"

(۴) ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہے تو ان کی رضا حاصل کرنی چاہیئے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرد آیا اور جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ نے پوچھا "کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟" اس نے کہا "ہاں!" فرمایا "ان کی خدمت کا جہاد ادا کر۔" (صحیح بخاری) الا یہ کہ دشمن مسلم آبادی پر حملہ آور ہو جائے' یا امام کسی کو متعین کر کے جہاد کا حکم صادر کر دے تو ماں باپ سے اجازت لینا ساقط ہو جاتا ہے۔

(۵) امام کی فرمانبرداری اور اطاعت۔ اس لئے کہ جو امام کی نافرمانی میں مرا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا فَمَاتَ عَلَيْهِ إِلاَّ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو اپنے امیر کی کوئی چیز ناپسند کرتا ہے تو اس پر صبر کرے' اس لئے کہ جو کوئی اپنے امیر کی اطاعت سے ایک بالشت خارج ہوا اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

چھٹا مادہ — لڑائی کیلئے کن باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟

مجاہد پر لازم ہے کہ معرکہ میں داخل ہوتے وقت درج ذیل امور کو پیش نظر رکھے:

(۱) جنگ میں ثابت قدم رہنا اور اپنی جان کی بازی لگا دینا' اس لئے کہ میدان جنگ سے فرار اور شکست کو اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ ٱلْأَدْبَارَ ﴾ (الأنفال۸/ ۱۵)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں کو جنگ میں ملو تو انہیں پیٹھ دے کر نہ بھاگو۔"

تاہم یہ اس صورت میں ہے کہ جب کفار دو گنے سے زیادہ نہ ہوں' اگر زائد ہوں' مثلاً ایک مسلمان

کے مقابلہ میں تین یا زیادہ کافر ہوں تو میدان جنگ چھوڑ دینا' یا مسلم فوج سے تعاون حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا' شکست و فرار میں شمار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ ﴾ (الأنفال ٨/ ١٦)

"مگر جنگی تدبیر' یا جماعت میں ملنے کے لئے (میدان جنگ) سے ہٹنا (اس سے مستثنیٰ ہے)"

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوت حاصل کرنے کے لئے اللہ رب العزت کے وعدے' وعید اور نیک بندوں کے لئے اس کی دوستی و نصرت کو ذہن نشین کرے اور دل و زبان سے اس کا ذکر کرے۔ اس طرح اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے مزید قوت ملے گی اور دل میں اطمینان اور مضبوطی پیدا ہوگی۔

(۳) احکام میں اللہ اور اس کی رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور کسی معاملہ میں بھی ان کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ کرے اور نہ ہی منہیات (گناہوں) کا ارتکاب کرے۔

(۴) آپس کے جھگڑے اور باہمی نزاع ختم کردے' اس لئے کہ میدان جنگ میں متحد ہو کر داخل ہونا لازم ہے' مجاہدین کے دل اور جسم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مضبوط ہونے چاہئیں۔

(۵) صبر و تلقین کا مظاہرہ کریں اور دشمن کو میدان سے بھگانے تک مجاہدین جان کی بازی لگا دیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَٱصْبِرُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴾ (الأنفال ٨/ ٤٥-٤٦)

"اے ایمان والو! جب (دشمن کی کسی) جماعت سے تمہاری لڑائی ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ساتواں مادہ

جہاد کے آداب

جہاد کے چند آداب ہیں' نصرت و امداد کے عوامل ہونے کی بنا پر جنہیں ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے اور یہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فوجی راز اور جنگی چالوں کا افشا نہ کرنا' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ اگر کسی ایک طرف لڑائی کا ارادہ کرتے تو اشارہ دوسری طرف کا کرتے (جیسا کہ صحیح بخاری میں ذکر ہے)

(۲) افراد لشکر، رموز و اشارات اور خصوصی علامات استعمال کریں، تاکہ دشمن کے ساتھ اختلاط یا قرب مکانی کے وقت ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر سمجھایا کہ اگر تم پر دشمن اچانک حملہ کر دے تو تمہاری باہمی نشانی «حٰمٓ لاَیُنْصَرُوْنَ» ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ایک فوجی دستہ کی علامت و شعار «أَمِتْ أَمِتْ» (مار، مار) کا لفظ تھا۔

(سنن ترمذی وغیرہ اور یہ حدیث صحیح ہے)

(۳) جنگ شروع ہو جائے تو خاموشی اختیار کرو، اس لئے کہ شور و شغب سے قویٰ میں انتشار اور فکری پراگندگی پیدا ہو گی، جو شکست کا موجب بن جائیں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام لڑائی کے وقت چیخ و پکار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابی داوٗد)

(۴) جنگ کے لئے مناسب جگہ کی تلاش اور لڑنے والوں کی بہترین تربیت اور دشمن پر وار کرنے کے لئے مناسب وقت کا انتخاب بہت ضروری ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگی چالوں میں جگہ اور وقت کے انتخاب کو اہمیت دی جاتی تھی۔ (سنن ترمذی)

(۵) اعلان جنگ سے پہلے کافروں کو اسلام یا صلح کی دعوت دی جائے، اگر دونوں باتوں سے انکار کر دیں تو پھر لڑائی کا اعلان کر دیا جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو "امیر لشکر" مقرر کر کے روانہ کرتے تو اسے اس کی ذات اور مسلمانوں کے بارے میں اچھی وصیتیں فرماتے۔ مثلاً:

«إِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ إِلَى (إِحْدٰى) ثَلٰثِ خِصَالٍ، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ: ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلاَمِ، فَإِنْ أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ...... فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ أَبَوْا هُمْ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ»

(صحیح مسلم حدیث ۱۷۳۱)

"جب مشرک دشمنوں سے تیرا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دے، وہ ان باتوں میں سے تیری جونسی بات مان لیں وہ ان سے قبول کر اور ان سے جنگ ترک کر دے، (سب سے پہلے) ان کو اسلام کا پیغام دے، مان جائیں تو قبول کر اور جنگ موقوف کر دے..... لیکن اگر انکار کر دیں تو ان سے جزیہ مانگ، اگر مان جائیں تو قبول کر اور لڑائی بند کر دے اور اگر (جزیہ) دینے سے بھی انکار کر دیں تو پھر اللہ کی مدد طلب کر اور ان سے جنگ کر۔"

(۶) غنیمت کے مال میں سے چوری نہ کریں اور عورتوں، نابالغ بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کو قتل نہ کریں، بشرطیکہ یہ لڑائی کرنے میں شریک نہ ہوں اور اگر لڑائی میں حصہ لے رہے ہوں تو ان کا قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے امراء کو یہ حکم جاری کیا تھا:

«اِنْطَلِقُوْا بِاسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ، وَلاَ تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلاَ طِفْلاً وَلاَ صَغِيْرًا وَلاَ امْرَأَةً، وَلاَ تَغُلُّوْا، وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوْا وَأَحْسِنُوْا، إِنَّ اللهَ مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ»(سنن أبي داود ومعناه في الصحيح)

"اللہ کے نام اور اس کی مدد سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر قائم رہتے ہوئے چلو اور ضعیف بوڑھے' چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔ نیز غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور اموال غنیمت اکٹھا کر لینا۔ اصلاح کی کوشش کرنا اور احسان کرنا۔ بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(۷) اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کو اس کی جان کی امان دے دی ہے تو اس کا احترام کیا جائے اور دھوکا نہ کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَغْدِرُوْا»(صحيح مسلم)

"دھوکا نہ کرو۔"

نیز فرمایا: «إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"دھوکا باز کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کا دھوکا ہے۔"

(۸) دشمن کو آگ کے ساتھ نہ جلائیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنْ وَجَدْتُمْ فُلاَنًا فَاقْتُلُوْهُ وَلاَ تُحَرِّقُوْهُ بِالنَّارِ، فَإِنَّهُ لاَ يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ»

"اگر تم فلاں کو پکڑ لو تو اسے قتل کر دینا' آگ سے نہ جلانا' اس لئے کہ آگ کا عذاب آگ کا مالک (اللہ تعالیٰ) ہی دیتا ہے۔"

(۹) دشمن مقتولوں کا مثلہ (یعنی اعضاء وغیرہ کاٹنا) نہیں کرنا چاہیئے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ہمیں خیرات کرنے کی ترغیب دلاتے اور مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔"

نیز فرمایا: «أَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الإِيْمَانِ»(رواه أبو داود بسند جيد)

"ایمان والے قتل کرنے میں سب سے بہتر طریقہ اپناتے ہیں۔"

(۱۰) دشمنان اسلام کے خلاف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مدد کی دعا کی جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ میدان معرکہ میں یہ دعا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”اے اللہ! کتاب اتارنے والے، بادل جاری کرنے والے اور (دشمن) جماعتوں کو شکست دینے والے! ان کو شکست دے اور ہماری ان کے خلاف مدد کر۔“

نیز فرمایا: «ثِنْتَانِ لاَ تُرَدَّانِ أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ: الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَ الْبَأْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا»(رواه أبوداود بسند صحيح)

”دو وقت کی دعا رد نہیں ہوتی، یا بہت کم رد ہوتی ہے۔ نماز کی اذان کے وقت اور لڑائی کے وقت جب (مسلمان و کفار) ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہوتے ہیں۔“

آٹھواں مادہ

ذمیوں کے احکام

الف - عقد ذمہ:

کفار میں سے جو کوئی جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائے اور حدود مثلاً قتل، چوری اور پامالی عزت میں اسلامی احکام کی پابندی قبول کر لے، اسے امان و تحفظ مہیا کرنا ”عقد ذمہ“ ہے۔

ب- ذمیوں سے معاہدہ کرنے کا کون مجاز ہے؟

امام یا اس کا نائب یعنی امیر لشکر ہی ”عقد ذمہ“ کی منظوری دے سکتا ہے اور یہ معاملہ طے کر سکتا ہے، کوئی اور اس معاملہ میں کوئی استحقاق نہیں رکھتا۔ البتہ عام مسلمان مرد اور عورت کسی بھی کافر کو پناہ یا امان دے سکتے ہیں، جیسا کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے دن ایک مشرک کو پناہ دی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

«قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ، وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ يَاأُمَّ هَانِيءٍ»(صحيح بخاري)

”ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی ہے، ہم اسے تحفظ دیتے ہیں اور جسے تو نے امان دی ہے، ہم اسے امان دیتے ہیں۔“

ج- ذمیوں اور مسلمانوں میں تمیز:

لباس وغیرہ میں مسلمان اور ”ذمی“ کے مابین امتیاز ضروری ہے، تاکہ ان کی پہچان رہے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اور ان کو جگہ دینے کے لئے اٹھنا بھی نہیں چاہئے اور نہ ہی ان کے لئے سلام میں پہل کی جائے اور نہ ہی کسی مجلس میں صدر کے مقام پر ان کو بٹھایا جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَبْدَؤُوا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ، فَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ»(صحيح مسلم)

"یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کہو' جب تم ان میں سے کسی ایک کو راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔"

د- ذمیوں کو کن چیزوں سے روکا جائے گا؟

(ا) گرجوں اور مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیر اور منہدم شدہ عبادت گاہوں کی جدید تعمیر سے ان کو منع کر دیا جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لاَ تُبْنَى الْكَنِيْسَةُ فِي الإِسْلاَمِ، وَلاَ يُجَدَّدُ مَا خَرِبَ مِنْهَا»(المغني ونيل الأوطار)

"اسلام میں نہ (کسی نئے) کلیسے کی تعمیر کی جائے اور نہ ہی کسی بوسیدہ اور خراب کی تجدید کی جائے۔"[1]

(۲) "ذمی" کافر کا گھر کسی مسلمان کے گھر کے اوپر نہ بنایا جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلإِسْلاَمُ يَعْلُوْ وَلاَ يُعْلٰى عَلَيْهِ»(رواه البيهقي وهو حسن)

"اسلام بلند ہوتا ہے اور اس پر اور کوئی اونچا نہیں ہوتا۔"

(۳) مسلمانوں کے سامنے علانیہ شراب نوشی اور خنزیر کا گوشت نہیں کھا سکتے اور سرعام رمضان میں خورد و نوش بھی نہیں کر سکتے' بلکہ یہ لوگ ایسی چیزیں جو مسلمانوں کے لئے حرام ہیں' چھپ کر استعمال کر سکتے ہیں' تاکہ مسلمانوں کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائیں۔

ھ- کن چیزوں سے عقد ذمہ ٹوٹ سکتا ہے؟

درج ذیل امور سے عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا:

(ا) جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیں۔

(۲) معاہدہ میں جن اسلامی احکام کی پابندی قبول کی تھی' ان کے عدم التزام سے۔

(۳) قتل' ڈاکہ' جاسوسی' دشمن جاسوس کو تحفظ مہیا کرنے اور مسلمان عورت سے زنا' ایسے گھناؤنے جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے۔

(۴) اللہ تعالیٰ' اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کی گستاخی کرنے سے۔

و- ذمیوں کے حقوق:

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ذمیوں کی جان' مال اور عزت کا تحفظ کریں اور ان کو کسی بھی انداز میں ایذا

(ا) یہ روایت کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ (الاثری)

نہ دیں، جب تک وہ اپنے عہد پر قائم ہیں اور اسے نہ توڑیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ آذَى ذِمِّيًّا فَأَنَا خَصْمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(التاريخ للخطيب عن ابن مسعود وإسناده حسن)

"جو کوئی ذمی کو ایذا دے گا، قیامت کے دن میں اس کا دشمن ہوں گا۔"

اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور ایسے کام کریں جن سے عہد ٹوٹ جاتا ہے تو ان کے خون اور مال حلال ہیں، مگر عورتیں اور ان کی اولادیں اس صورت میں بھی حلال نہیں ہیں، اس لئے کہ مجرم کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جاتی۔

نواں مادہ — سمجھوتہ، معاہدہ اور صلح کا بیان

الف۔ سمجھوتہ

اگر یقینی طور پر مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو حربیوں کے ساتھ کسی بات پر صلح کرنا جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار لڑائیوں میں حربیوں کے ساتھ صلح کی ہے، جیسا کہ یہود مدینہ کے ساتھ آپ کا ایک معاہدہ ہوا تھا، جسے انہوں نے توڑ دیا تھا اور آپ کے ساتھ دھوکا کیا تھا، جس کے نتیجہ میں آپؐ نے ان کے ساتھ لڑائی کی اور انہیں جلاوطن کر دیا۔

ب۔ معاہدہ:

مسلمانوں اور ان کے مخالفوں کے درمیان ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنے اور اچھے ہمسائیوں کی طرح رہنے کا معاہدہ کرنا جائز ہے، اگر اس میں یقیناً مسلمانوں کے لئے مصلحت ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی معاہدے کئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

«نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللهَ عَلَيْهِمْ»(صحيح مسلم)

"ہم ان کا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد کے خواستگار رہیں گے۔"

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا ٱلَّذِينَ عَـٰهَدتُّم مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَلَمْ يُظَـٰهِرُوا۟ عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴾ (التوبة٩/ ٤)

"مگر جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے، تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے ہیں، تم ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے "معاھد"[1] کے قتل کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ»(صحيح بخاری)

"جو کوئی "معاہد" کو قتل کر دیتا ہے' وہ بہشت کی ہوا نہیں پائے گا۔"

اور فرمایا: «إِنِّيْ لاَ أَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَلاَ أَحْبِسُ الْبُرُدَ»(سنن أبي داود وسنن نسائی وصححه ابن حبان)

"میں معاہدہ نہیں توڑوں گا اور قاصدوں کو قید نہیں کروں گا۔"

ج۔ صلح:

مسلمان مجبور ہو جائیں تو اپنے دشمنوں کے ساتھ صلح کر سکتے ہیں' جبکہ صلح کے ساتھ ان کے ایسے مفاد وابستہ ہوں جو صلح کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے "حدیبیہ" میں اہل مکہ کے ساتھ صلح کی تھی اور اہل نجران کے ساتھ اموال کے ادائیگی پر صلح ہوئی اسی طرح اہل بحرین نے متعین جزیہ دے کر صلح کی تھی اور اسی طرح اکیدر دومہ نے بھی صلح کی تھی اور آپ نے اس کا خون معاف کر دیا تھا۔

دسواں مادہ — غنائم' فے' خراج' جزیہ اور نفل کی تقسیم

الف۔ غنائم کی تقسیم:

"غنیمت" اس مال کو کہتے ہیں جس پر مسلمانوں نے "دار الحرب" (دشمن کے علاقے) میں قبضہ کیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں سے پانچواں حصہ امام کو دیا جائے' وہ مسلمانوں کی اصلاح کے کاموں پر اسے خرچ کرے گا اور باقی چار حصے ان فوجیوں پر تقسیم کر دیئے جائیں' جو جنگ میں شریک ہوئے تھے' چاہے لڑائی کی ہو یا نہیں۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلْغَنِيْمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ»(صحيح بخاري)

"غنیمت اس شخص کے لئے ہے جو جنگ میں حاضر ہوا۔"

نیز ان میں سے گھوڑ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

(ا) ذمی اور معاہد دونوں کافر ہوتے ہیں' دونوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ ذمی' جزیہ دیتا اور جرم کی صورت میں اپنے اوپر اسلامی سزاؤں کے نفاذ کو قبول کرتا ہے جبکہ معاہد ایسے نہیں ہوتا اور حربی سے مراد وہ کافر ہے جس سے جنگ کرنا واجب ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حربی وہ کافر ہے جو "دارالحرب" کا رہائشی ہو۔ "دار الحرب" اسلام دشمن ملک کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم (ع' ر)

﴿وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ (الأنفال۸/ ٤١)

"اور جان لو کہ جو چیز تم نے غنیمت میں حاصل کی ہے' اس میں سے پانچواں حصہ اللہ' (اس کے) رسول' (آپ کے) رشتہ داروں' (عام) یتیموں' مساکین اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن اتارا تھا۔"

تنبیہ:

بڑی فوج سے ہٹ کر اگر کسی دستے نے کوئی مہم سر کی ہے اور کوئی غنیمت حاصل کی ہے تو پوری فوج اس میں حصہ دار ہو گی۔ وہ مال غنیمت صرف اسی فوجی دستہ میں تقسیم نہ ہو گا' جو اسے لائے تھے۔

ب- مال فئی:

"فئی" سے وہ اموال مراد ہیں' جو لڑائی سے پہلے ہی کفار اور حربی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ خمس (پانچواں حصہ) غنیمت کی طرح عام مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے اور خصوصی وجوہات کی بنا پر امام اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ (الحشر۵۹/ ۷)

"بستیوں والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ بغیر لڑے بھڑے اپنے رسول کو عطا کر دے' وہ اللہ' رسول ﷺ (آپ ک) قرابت داروں' (دیگر) یتیموں' مساکین اور مسافروں کے لئے ہے' تاکہ یہ محض تمہارے اغنیاء میں دولت بن کر نہ رہ جائے۔"

ج- خراج:

جن اراضی پر مسلمانوں نے جنگ کر کے زبردستی قبضہ کیا ہے اور ان پر سالانہ ٹیکس لاگو کر دیا ہے' اسے "خراج" کہتے ہیں' ایسی زمینوں کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ لڑائی کرنے والوں میں تقسیم کر دے' یا مسلمانوں کے لئے وقف قرار دے دے یا جس مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں یہ زمین ہو' اس پر ہمیشہ کے لئے سالانہ ٹیکس لاگو کر دے اور اسے مسلمانوں کے مصالح عامہ میں خرچ کرے' جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شام' عراق اور مصر کی مفتوحہ اراضی میں کیا تھا۔

تنبیہ:

اگر امام نے دشمن کے ساتھ ایک معین محصول پر صلح کی ہے اور پھر اس علاقہ کے سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو اسلام کی وجہ سے "خراج" ان سے ساقط ہو جائے گا' البتہ جنگ میں زبردستی قبضہ میں لی

ہوئی زمینوں کا یہ حکم نہیں ہے' ان کے باشندے بعدازاں مسلمان بھی ہو جائیں تو بھی ان سے "خراج" ساقط نہیں ہو گا۔

و- جزیہ:

یہ ایک "مالی ٹیکس" ہے' جو ان ذمیوں سے سالانہ وصول کیا جاتا ہے' جن کے شہروں پر مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ قبضہ کیا ہے۔ جزیہ چار دینار سونا یا چالیس درہم چاندی فی بالغ مرد کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ بچوں اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا اور تنگ دست فقیراور بوڑھا' یا بیمار جو کمانے سے عاجز ہیں' وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ اہل صلح سے وہی لیا جائے گا جس پر صلح ہوئی ہے اور ان کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں جزیہ سب سے ساقط ہو جائے گا۔ جزیہ بھی مصالح عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے اور ان احکام کی بنیاد یہ فرمان ربانی ہے:

﴿ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلْحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعْطُوا۟ ٱلْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَٰغِرُونَ ﴾ (التوبة۹/ ۲۹)

"اہل کتاب کے ان لوگوں سے لڑو' جو اللہ اور آخرت کے دن کو نہیں مانتے اور نہ اس چیز کو جسے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام کیا ہے' حرام جانتے ہیں اور نہ ہی وہ سچے دین کے تابع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔"

ھ- نفل:

جنگی اہمیت کا کوئی بڑا کام سرانجام دینے پر غنیمت کے حصہ سے زائد اگر امام کسی (فوجی) کو دیتا ہے تو اسے "نفل" کہا جاتا ہے۔ غنیمت میں سے خمس (پانچویں حصہ) کے اخراج کے بعد بطور خصوصی انعام یہ کسی مستحق کو دیا جاتا ہے' مگر یہ جہاد کو جاتے وقت مہم سر کرنے کی صورت میں کل آمدنی کی چوتھائی سے زائد نہیں ہونا چاہئے اور واپسی پر مہم سر کرنے کی صورت میں تہائی سے زائد نہیں ہونا چاہئے' اس لئے کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبِدَايَةِ وَالثُّلُث فِي الرَّجْعَةِ»(مسند أحمد، وسنن أبي داود وصححه الحاكم وغيره)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ابتدا میں چوتھائی اور واپسی پر تہائی بطور "نفل" دیتے تھے۔"

گیارھواں مادہ

جنگی قیدیوں کے احکام

مسلمان علماء میں اختلاف ہے کہ کافر جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جائے' یا ان سے فدیہ (معاوضہ) وصول کیا جائے' یا احسان کر کے چھوڑ دیا جائے' یا ان کو غلام بنالیا جائے۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں آیات ربانی میں اجمال ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً ﴾ (محمد۴۷/ ۴)

"ان کی گردنیں اڑاؤ' جب تم انہیں خوب قتل کر لو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے باندھ لو' پھر یا احسان کر کے چھوڑ دینا ہے یا معاوضہ لے کر۔"

اس آیت کریمہ میں امام کو اختیار دیا گیا ہے کہ قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دے' یا مال' ہتھیار اور اپنے قیدیوں کے عوض میں تبادلہ کرے۔ اسی طرح اللہ جل مجدہ کا فرمان ہے:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ۵)

"مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔"

اس آیت کریمہ میں قید کئے بغیر قتل کرنے کا حکم ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ امام کو قتل کرنے' فدیہ لینے' احسان کرنے اور غلام بنانے کا پورا اختیار ہے اور وہ مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق فیصلہ کرلے' اس لئے کہ "صحیح بخاری" میں رسول اللہ ﷺ سے بعض قیدیوں کو قتل کرنا ثابت ہے اور معاوضہ لے کر چھوڑ دینا بھی اور بغیر کسی عوض کے احسان کرنا بھی ثابت ہے۔

دوسری فصل

گھوڑ دوڑ' تیراندازی اور بدنی و عقلی ورزشیں

[اس میں پانچ مادے ہیں]

پہلا مادہ

ورزشوں کے اغراض و مقاصد

ابتداء اسلام میں جملہ ورزشیں جو "الفروسیہ" کے نام سے معروف تھیں' کا بنیادی مقصد حق ثابت

کرنا‘ حق کی مدد اور حق کا دفاع تھا۔ ان سے نہ تو غرض مال حاصل کرنا اور دولت کمانا تھا اور نہ ہی شہرت‘ یہی وجہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں ذہن میں فساد و تکبر پیدا نہیں ہوتا تھا‘ جیسا کہ آج کل اس قسم کے مقابلوں میں حصہ لینے والوں کا اصل مطمع نظر یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام مشقوں اور ورزشوں میں اصل غرض نیکی تقویٰ اور اللہ کی راہ میں جہادی قوت کی استعداد حاصل کرنا ہے۔ اسلام میں ورزشوں کے جواز کا صرف یہی مقصد ہے اور جو اسے کسی اور انداز پر سمجھ رہا ہے وہ اسے اچھے مقصد سے ہٹا کر برے مقصد مثلاً بے فائدہ کھیل اور جوئے وغیرہ میں لا رہا ہے جو کہ حرام ہے۔ اسلامی ورزشوں کی مشروعیت کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ﴾ (الأنفال ۸/ ٦٠)

”اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان (دشمنوں) کے لئے قوت تیار کرو۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»(سنن ابن ماجة ۔ المقدمة)

”طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے۔“

اسلام میں قوت سے مراد‘ شمشیرزنی‘ نیزہ بازی‘ دلیل اور برہان ہے۔

دوسرا مادہ

کن مشقوں میں انعام مقرر کیا جا سکتا ہے

گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ کے مقابلے اور تیراندازی میں انعام لگانا اور وصول کرنا‘ علمائے اسلام کے نزدیک جائز ہے۔[1] اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ سَبَقَ إِلاَّ فِي خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ»(سنن أبی داود وسنن نسائی وسنن ابن ماجة)

”انعام صرف اونٹ‘ گھوڑے اور تیراندازی میں ہے۔“

”سبق“ اس مقرر کردہ انعام کو کہتے ہیں جو مقابلہ میں حصہ لینے والوں میں سے فائز اور کامیاب کو دیا جاتا ہے۔

مذکورہ مشقوں کے علاوہ کشتی‘ تیراکی‘ دوڑنا‘ سائیکل دوڑ‘ گاڑی دوڑ اور بوجھ اٹھانے کا مقابلہ اسی طرح خچروں اور گدھوں کا دوڑانا‘ یا سمندری کشتیوں کے مقابلے اور اسی طرح علمی مسائل کے حل اور

---

(۱) بری‘ ہوائی اور بحری افواج کی ہمہ انداز کی جنگی مشقیں اس میں داخل ہیں اور ان میں خصوصی پوزیشن لینے والوں کو انعام دینا بھی بالاتفاق جائز ہے۔ (الاثری)

اظہار معلومات کے مقابلے' یہ سب اگرچہ جائز مقابلے ہیں' مگر ان میں انعام رکھنا اور وصول کرنا۔ صحیح قول کے مطابق درست [1] نہیں ہے۔

اس بات کے جواز میں رکانہ بن زید رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کو انعام دینا' جب آپ نے اس کو مقابلہ کشتی میں پچھاڑ دیا تھا' بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ انعام اسے واپس کر دیا تھا۔ اسی طرح رومیوں کے غالب آنے کی پیش گوئی کے مقابلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قریش سے انعام وصول کرنے کو بھی اس کا جواز نہیں بنایا جا سکتا' اس لئے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے' جبکہ ابھی تشریعی احکام کا نزول نہیں ہوا تھا۔ حدیث میں مذکورہ بالا تین مقابلوں میں انعام مقرر کرنے اور وصول کرنے کے جواز میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں امور کا تعلق جہاد سے ہے' لیکن ان کے علاوہ ریاضات (یعنی ورزشوں) کا تعلق جہاد سے نہیں ہے' اس لئے کہ جہاد میں گھوڑے' اونٹ اور تیر اندازی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ہاں اس دور کے ٹینک اور ہوائی جہاز کو اگر اونٹ اور گھوڑے پر قیاس کر لیا جائے تو ان کے مقابلے بھی درست ہیں اور انعام لینا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اس دور میں ان کا جہادی مہمات میں بہت بڑا کردار ہے' جو بدنی ریاضت میں اصل مقصود ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مقابلوں میں شارع اگر انعام لینے کی اجازت دے دے تو پھر بعض لوگ ان مقابلوں کو ہی ذریعہ معاش بنالیں گے اور یہ روزی کمانے کا ایک واسطہ بن کر رہ جائیں گے۔

اس طرح ایک اچھی غرض جس کے لئے یہ مقابلے مشروع تھے' یعنی جہادی قوت و استعداد حاصل کرنا ختم ہو کر رہ جائے گی' حالانکہ ان سے اصل مقصد ایک اللہ کی عبادت اور اس کی شریعت پر قائم رہنا ہے' تاکہ لوگ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکیں اور بدبختی و شقاوت سے بچیں۔

تیسرا مادہ: دوڑ اور تیز اندازی کے مقابلوں میں انعام لگانا

جہادی مقابلوں میں بہتر یہ ہے کہ خود حکومت انعام مقرر کرے' یا کوئی خیراتی ادارہ یا نیکی کا شوق رکھنے والے بعض افراد۔ اس طرح اس میں کسی انداز (مثلاً جوئے وغیرہ) کا شبہ باقی نہیں رہے گا اور اس میں مد نظر محض جرأت و بہادری کا اظہار ہو گا' جو جہادی تیاری کے لئے ہی ہو گی۔ ہاں اگر مقابلہ کرنے

---

(1) مگر مؤلف نے علی الاطلاق عدم جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کی' جب یہ مقابلے کسی غرض و مقصد کے لئے جائز ہیں تو ان میں کامیاب و فائز ہونے والوں کو انعام سے نوازنا بھی جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رکانہ رضی اللہ عنہ کو انعام واپس کرنا ثابت ہو جائے تو بھی اصل جواز مجروح نہیں ہوتا۔ اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بنیادی طور پر جواز کی دلیل بنتا ہے۔ جبکہ احکام کی مکمل تنزیل میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ (الاثری)

والوں میں کوئی ایک فرد' یا فریق انعام لگا دے گا' مثلاً ایک ساتھی کو کہتا ہے کہ اس مقابلہ میں اگر تو مجھ پر غالب آ گیا تو میں تجھے دس یا دو دینار دوں گا یہ جائز ہے' اگر دونوں فریق انعام مقرر کرتے ہیں تو[1] جمہور علماء اس کے جواز کے لئے یہ شرطیں لگاتے ہیں کہ پھر ان کے ساتھ ایک تیسرا فریق بھی مقابلہ میں آئے' جبکہ وہ انعام دینے والوں میں شامل نہ ہو' البتہ اگر غالب آ جائے تو انعام کا مستحق ہو۔ سعید بن مسیبؒ کی رائے یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے پسند نہیں کیا' جبکہ دوسرے اس کو درست قرار دیتے ہیں۔

چوتھا مادہ

دوڑ اور تیر اندازی کا طریقہ

دوڑ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے:

(۱) گھوڑا یا اونٹ یا ٹینک یا ہوائی جہاز متعین ہو۔

(۲) جن کے مابین مقابلہ ہے' وہ ایک ہی جنس کے ہوں' بنا بریں اونٹ اور گھوڑے کا مقابلہ درست نہیں ہو گا۔

(۳) مسافت' جہاں تک دوڑنا ہے' محدود ہو' نہ بہت تھوڑی ہو اور نہ بہت لمبی۔

(۴) اگر مقابلہ انعامی ہے تو انعام کا تعین ہو۔

مقابلہ میں شریک سواروں کے گھوڑے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں' اس طرح کہ ان کے پاؤں ایک دوسرے کے برابر ہوں' پہلے منصف انہیں تیار ہونے کی آواز لگائے اور پھر تین بار اللہ اکبر کہے اور تیسری تکبیر پر دوڑ پڑیں اور مسافت کے اختتام پر دو منصف موجود ہونے چاہئیں اور وہ دیکھیں کہ کس گھوڑے کا "سم" مقررہ لکیر پر پہلے ٹکا ہے تو اس کو کامیاب قرار دیں۔ اگر بڑے چھوٹے کئی انعامات مقرر کئے گئے ہیں تو پہلا انعام "مجلی" کو دیا جائے دوسرا انعام "مصلی" کو' پھر "تالی" کو پھر "بارع" کو' پھر "مرتاح" کو' پھر "خطی" کو' پھر "عاطف" کو' پھر "مؤمل" کو' پھر "لطیم" کو' پھر "سکیت" کو' پھر "غسکل" کو۔ اس کے بعد کے گھوڑے انعام کے مستحق نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ جَلَبَ وَلاَ جَنَبَ وَلاَ شِغَارَ فِيْ الإِسْلاَمِ»(سنن أبي داود وسنن نسائی)

"اسلام میں جلب' جنب اور شغار جائز نہیں ہیں۔"

جلب: مقابلہ میں شریک شخص اپنے کسی ساتھی کو کہے کہ راستہ میں میرے گھوڑے کو آواز لگا دینا' جس سے یہ اور تیز دوڑے گا۔

---

(۱) پھر ہر فریق کی کوشش ہو گی کہ وہ انعام حاصل کرے وگرنہ اسے انعام دینا پڑے گا اس صورت میں جوئے سے مشابہت پائی جاتی ہے جس سے بچنے کے لیے ----- (مؤلف)

جنب : مقابلہ میں شریک آدمی اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا رکھے' جو اسے دوڑانے پر ابھارے اور معاون بنے۔[1]

گھوڑ دوڑ سے "مناضلہ" افضل ہے' یعنی تیر اندازی یا جدید آلات سے گولی پھینکنے کے مقابلے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

«اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا ، وَأَنْ تَرْمُوْا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوْا»(أصحاب السنن)

"تیر اندازی اور سواری کرو' اور تیر پھینکنا مجھے سواری سے زیادہ پسند ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد میں تیر اندازی سواری سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

تیر اندازی میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا مناسب ہے :

* مقابلہ ان لوگوں کے درمیان ہو جو اس تیر اندازی کے فن کو خوب جانتے ہوں۔
* "ہدف" کو لگانا شمار کیا جائے گا کہ اگر اتنی بار "ہدف" کو لگا تو وہ کامیاب ہے۔
* رمایہ (تیر اندازی) میں تعین ہو جائے کہ وہ "مبادرہ" کے انداز کی ہے یا "مفاضلہ" کے انداز کی۔ "مبادرہ" یہ ہے کہ بیس دفعہ تیر چلانے میں پانچ بار کون پہلے ہدف کو صحیح نشانہ لگاتا ہے' جبکہ "مفاضلہ" یہ ہے کہ بیس میں سے پانچ صحیح نشانے کس کے زیادہ ہیں۔
* "ہدف" جس کو تیر مارنا ہے متعین ہو اور قربت یا دوری میں مناسب مسافت پر ہو۔

انداز "رمایہ" پر اتفاق کے بعد ایک فرد تیر پھینکے' اگر جھگڑا ہو جائے اور ہر فرد کہے' میں پہلے پھینکتا ہوں تو قرعہ اندازی کر لی جائے۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے' وہی پہلے تیر چلائے۔ اس مقابلہ میں آخر تک کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہونی چاہیئے اور جو جیت گیا' وہی انعام وصول کرے گا۔

تنبیہ:

گھوڑے اور اونٹ دوڑانا اور تیر اندازی کرنا' صرف جائز ہیں' فرض اور لازم نہیں ہیں۔ للذا مقابلہ میں شریک ہر فریق جب چاہے اس معاہدہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا "جو میرے سے آگے بڑھ جائے تو میں اس کو اتنا انعام دوں گا" تو یہ ایک وعدہ ہے اس کے نافذ کرنے پر اس کو مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ پرہیز گاری اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وعدہ پورا کرے' کیونکہ "عہد" کی خلاف ورزی حرام ہے اور اگر یہ کہے کہ میں جس سے آگے نکل گیا وہ مجھے اتنا انعام دے تو یہ ناجائز ہے' اس لئے کہ

---

(1) مگر النہایہ لابن الاثیر میں ہے کہ (جنب) پہلو میں دوڑنے والے اس گھوڑے کو کہتے ہیں کہ جس پر دوڑنے والا اپنے گھوڑے کے تھکنے کی صورت میں منتقل ہو جائے۔ (الاثری) مذکورہ حدیث میں "شغار" کا بھی ذکر ہے اس کی وضاحت نکاح کے ضمن میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ (ع ' ر)

یہ مقابلہ مشروع نہیں ہے' بلکہ یہ تو خلاف شرع طریقے سے مال کمانے والی بات ہے۔

پانچواں مادہ

ناجائز انعامی و غیر انعامی مقابلے

نرد و شطرنج اور ہمارے دور کے اسی انداز کے کھیل جائز نہیں ہیں' مثلاً کیرم' تاش' ڈیمنو' بلیئرڈ گیم اور ٹیبل ٹینس وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں' البتہ فٹ بال میں اس نیت سے مشارکت کی جائے کہ وہ بدنی قوت کی حفاظت میں ممدومعاون بنتی ہے' بشرطیکہ رانیں ننگی نہ ہونے پائیں اور کھیل میں مصروفیت نماز میں تاخیر کا باعث نہ بن جائے اور بے ہودہ گوئی' ایک دوسرے پر آوازیں کسنا' گالی گلوچ اور اسی طرح کی فحش باتوں سے بھی اجتناب کیا جائے۔ (1)

تنبیہ:

نیک ارادہ سے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے جو کوئی اللہ کی کتاب کے اتنے پارے' یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے اتنی احادیث حفظ کر لے' یا اتنے مسائل میراث یا حساب کے حل کر لے تو اسے اتنے روپے یا فلاں سامان انعام میں دیا جائے گا جس سے اس کا مقصد اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کے حفظ کی ترغیب اور مسائل علم سے آگہی و دریافت تھی تو شرعاً یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مقابلہ میں حصہ لینے والا جو شخص فائز و کامیاب قرار دیا گیا' اس کے لئے انعام لینا اور نہ لینا دونوں طرح جائز ہے' البتہ مقرر کرنے والا اسے (حسب وعدہ) اس کے سپرد کر دے۔

تیسری فصل

بیع و تجارت کا بیان

[اس میں نو مادے ہیں]

پہلا مادہ

بیع کا حکم' حکمت اور اجزاء

* بیع و تجارت کا حکم:

کتاب عزیز سے بیع (خرید و فروخت) کا مشروع ہونا ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) نرد اور شطرنج کی ممانعت تو احادیث سے ثابت ہے۔ تاہم دوسرے کھیل جس کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٧٥)

"اللہ نے "بیع" کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

اسی طرح سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی قولاً و عملاً "بیع" کی مشروعیت ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خرید و فروخت کی ہے۔ اور فرمایا:

«لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔"[1]

نیز فرمایا: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو جب تک جدا نہ ہوں (سودا منسوخ کرنے کا) اختیار ہے۔"

* بیع و تجارت کی حکمت:

بیع کی مشروعیت میں یہ حکمت مدنظر ہے کہ انسانوں کی ضروریات زندگی کسی کو نقصان پہنچائے بغیر پوری ہوتی رہیں۔

* بیع و تجارت کے ارکان:

(۱) **بائع:** (بیچنے والا) اس کے لئے لازم ہے کہ جو چیز بیچ رہا ہے' یہ اس کا مالک ہو' یا اس کو اس کے بیچنے کی اجازت حاصل ہو نیز معاملہ فہم ہو' کم عقل نہ ہو۔

(۲) **مشتری:** (خریدنے والا) خریدار کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ کم عقل اور نابالغ نہ ہو' بلکہ عقد و تصرف کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

(۳) **مبیع:** جو چیز بیچی جا رہی ہے اور جس کی قیمت طے ہو رہی ہے وہ مباح اور پاک ہو' "بیچنے والا" اس کی ادائیگی پر قادر ہو' وہ "خریدار" کے لئے معلوم ہو' چاہے اس کے اوصاف سے ہی واقف ہو۔

(۴) **الفاظ عقد:** "ایجاب و قبول" مثلاً ایک شخص کہے کہ مجھے فلاں چیز بیچ دے اور "بائع" کہے کہ میں نے (وہ چیز) تیرے پاس بیچ دی ہے۔ بعض اوقات بالفعل بھی عقد ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک کہتا ہے کہ مجھے یہ

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) تذکرہ فاضل مصنف نے مذکورہ سطور میں کیا ہے' ان میں اگر جوا بازی کا عنصر شامل ہو گا یا نماز یا دیگر فرائض سے ادائیگی میں مانع ہوں گے تو یقیناً یہ بھی ناجائز قرار پائیں گے' بصورت دیگر بطور لغویات کے ان سے اعراض مستحب ہو گا' لیکن بالکل حرام وناجائز کہنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت ہو گی۔ (حافظ صلاح الدین یوسف)

(۱) اس حدیث کا مفہوم چوتھے مادے کے تحت گیارہ نمبر میں آ رہا ہے۔

کپڑا بیچ دے اور دوسرا اسے وہ کپڑا دے دے۔

(۵) باہمی رضامندی: فریقین کی باہمی رضا کے بغیر کوئی بیع صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ» (سنن ابن ماجة بسند حسن)

"بیع رضامندی کی بنیاد پر ہی درست ہے۔"

دوسرا مادہ — کون سی شرائط صحیح اور کونسی غلط ہیں؟

الف - صحیح اور جائز شرطیں:

"بیع" میں کسی صفت کی شرط لگانا درست ہے' اگر وہ صفت اس چیز میں پائی گئی تو بیع صحیح ہو گی' ورنہ باطل' مثلاً ایک شخص کتاب خرید تا ہے اور کہتا ہے میں تو صرف زرد کاغذ والی کتاب لوں گا' یا مکان کی خرید میں کہتا ہے کہ اس کے دروازے لوہے کے ہوں' وغیرہ۔

اسی طرح کسی خاص منفعت کی شرط بھی جائز ہے' مثلاً جانور بیچنے والا کہتا ہے میں فلاں جگہ اس پر سواری کروں گا' پھر آپ کے حوالے کر دوں گا' یا مکان فروخت کرنے والا شرط لگاتا ہے کہ ایک ماہ میں اس میں سکونت اختیار کروں گا پھر خالی کروں گا' یا کپڑے کا "خریدار" شرط لگاتا ہے کہ اسے سلا کر دے' یا لکڑی خریدنے والا کہتا ہے اسے کاٹ کر دے وغیرہ' اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر سوار ہونے کی شرط لگائی تھی' جس کو رسول اللہ ﷺ نے ان سے خریدا تھا۔

ب - غیر صحیح اور ناجائز شرطیں:

(۱) ایک "بیع" میں دو شرطیں لگانا' مثلاً لکڑی خریدنے والا شرط لگائے کہ اسے کاٹ کر اور اٹھا کر فلاں جگہ پہنچا (تب خریدوں گا)۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ» (سنن أبي داود وسنن ترمذي وصححه غير واحد)

"قرض اور بیع (کو ایک دوسرے سے منتھی کرنا یعنی یہ کہنا: پہلے قرض دو پھر سودا کروں گا) حلال نہیں اور نہ ہی ایک بیع میں دو شرطیں (لگانا حلال ہے)۔"

(۲) ایسی شرط لگانا جس سے "بیع" کا مقصد فوت ہو جائے' مثلاً جانور بیچنے والا کہے "مشتری" اسے آگے فروخت نہیں کر سکے گا' یا (مثلاً) زید کو ہبہ نہیں کرے گا' یا عمر کو ہی ہبہ کرے گا' یا یہ شرط لگاتا ہے کہ مجھے قرض دے' یا فلاں چیز مجھے فروخت کر' تب میں یہ تجھے بیچتا ہوں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ، وَلاَ شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ، وَلاَ بَيْعُ مَالَيْسَ عِنْدَكَ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وصححه غير واحد)

"قرض اور بیع اور ایک بیع میں دو شرطیں حلال نہیں اور نہ ہی اس چیز کی بیع (حلال ہے) جو تیرے پاس نہیں ہے۔"

(۳) ایسی شرط لگانا جو باطل اور لغو ہو' پھر بھی بیع (از روئے شریعت) صحیح قرار پائے (ایسی شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا) مثلاً (بائع یہ) شرط لگاتا ہے کہ (اسے) "مشتری" کی "بیع" میں خسارہ نہیں ہو گا' یا غلام بیچنے والا کہے اس کی ولاء میرے لئے ہے[1] تو یہ دونوں شرطیں باطل ہیں' جبکہ "بیع" صحیح ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو ایسی شرط لگائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں' وہ باطل ہے' چاہے سو شرطیں ہوں۔"

تیسرا مادہ

بیع خیار کا حکم

بیع کے چند مسائل میں اختیار حاصل ہوتا ہے:

(۱) "بائع" اور "مشتری" جب تک "مجلس بیع" میں ہیں اور جدا نہیں ہوئے دونوں کو اختیار حاصل ہے کہ بیع کو پختہ کریں' یا فسخ (منسوخ) کر دیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو جدا ہونے سے پہلے تک (سودا فسخ کرنے کا) اختیار ہے' اگر وہ سچ کہیں گے اور بیان کریں گے تو ان کی "بیع" میں برکت ہو گی اور اگر چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو ان کی "بیع" میں برکت ختم ہو جائے گی۔"

(۲) "بائع" یا "مشتری" میں سے کوئی ایک' اپنے لئے ایک مدت تک اختیار کی شرط عائد کر لیتا ہے تو مدت گزرنے تک دونوں اس کے پابند ہوں گے۔ مدت گزرنے کے بعد "بیع" پختہ ہو جائے گی۔ اس لئے

---

(۱) حالانکہ غلام کی ولاء اس خریدار کو ملتی ہے جو اسے خرید کر آزاد کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ولاء سے مراد ایک ایسا تعلق ہے جس کی بنیاد پر آزاد کردہ غلام کی جائیداد' اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں کے نہ ہونے کی صورت میں اسے آزاد کرنے والے کو ملتی ہے۔ (ع ' ر)

کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وهو صحيح)

"مسلمان طے شدہ شرطوں کی پابندی کریں گے۔"

(۳) ایک شخص دوسرے کو "بیع" میں تہائی' یا زیادہ کا دھوکا دیتا ہے' مثلاً دس روپے کی چیز پندرہ' یا بیس روپے میں فروخت کر دیتا ہے تو خریدار کو اختیار ہے خواہ "بیع" فسخ کر دے' یا بازار کے مطابق قیمت ادا کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جسے خرید و فروخت میں عقل کمزور ہونے کی وجہ سے دھوکا ہو جاتا تھا' فرمایا:

«مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ لاَ خِلاَبَةَ»(صحيح بخاري)

"جس سے تو خرید و فروخت کرے تو یہ شرط لگا کہ دھوکا نہیں ہو گا۔"

اس لئے کہ اگر بعد میں کسی نقصان کا پتہ چلا تو "بیع" فسخ کر دے گا یا ادا شدہ زائد (رقم) اس کو واپس مل جائے گی۔

(۴) "بائع" اپنی "بیع" کی خوبیاں ظاہر کرے اور اس کے نقائص کو چھپائے' یا اچھی چیز دکھا دے اور جو خراب ہے اسے چھپا لے یا بکری کا دودھ روک کر بکری بیچے تو ایسی صورتوں میں "مشتری" کو سودا منسوخ یا قبول کرنے کا اختیار حاصل ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تُصِرُّوْا الإِبِلَ وَلاَ الْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظْرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اونٹ اور بکری کا دودھ نہ روکو' اگر کوئی اس (روکے ہوئے دودھ والے جانور) کو (اس کے بھرے بھرے تھن دیکھ کر) خرید لیتا ہے تو اسے دودھ دوہنے کے بعد اختیار ہے' چاہے تو اسے اپنے پاس رکھے اور چاہے تو بیچنے والے کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع (ڈھائی کلو) کھجور بھی دے۔"[1]

---

(۱) مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ اختیار تین دن تک ہے باقی ایک صاع کھجور' دو یا تین دن دودھ دوہنے کا عوضانہ نہیں ہے بلکہ دودھ کے عوض تو اس نے چارہ بھی ڈالا ہو گا یہ ایک صاع کھجور از راہ احسان یا تالیف قلب ہے اور ضروری نہیں کہ یہ ایک صاع کھجور ہی ہو بلکہ ہر دور میں اپنے اپنے ملکی دور کے مطابق خوردنی غلہ یا اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے (تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام: از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

(۵) "بیع" میں اگر عیب ہے جس سے اس کی قیمت کم بنتی ہے اور "مشتری" کو اس عیب کا علم نہیں تھا تو اسے "بیع" نافذ کرنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ»(مسند أحمد وسنن ابن ماجة وهو حسن)

"کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ عیب دار چیز اپنے بھائی کو فروخت کرے' الّا یہ کہ اسے بتا دے۔"

نیز فرمایا: «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح بخاري)

"جس نے ہمیں دھوکا دیا' وہ ہم سے نہیں ہے۔"

(۶) اگر "بائع" اور "مشتری" قیمت یا سامان کے بارے میں اختلاف کریں تو ہر ایک قسم کھائے۔ پھر دونوں کو اختیار ہے کہ "بیع" نافذ کریں' یا فسخ کریں' اس لئے کہ مروی ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ، وَلَا بَيِّنَةَ لِأَحَدِهِمَا تَحَالَفَا»(أصحاب السنن والحاكم وصححه)

"بائع اور مشتری جب اختلاف کریں اور سامان موجود ہے اور گواہ کسی کے پاس نہیں تو دونوں قسم کھائیں۔"

چوتھا مادہ: ممنوع تجارتوں کی اقسام

رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی بیوع (یعنی سودوں) سے منع فرمایا ہے' کیونکہ ان میں یا تو فریب اور دھوکا ہوتا ہے جس سے لوگوں کے مال باطل ذریعہ سے کھانا لازم آتا ہے' یا خیانت ہوتی ہے جو مسلمانوں میں دشمنی' کینہ اور جھگڑے پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چند ایک کی تفصیل یہ ہے:

(۱) قبضے میں لانے سے پہلے ہی فروخت کر دینا:

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ سامان خرید کر اسے اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کر دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا اشْتَرَيْتَ شَيْئًا فَلَا تَبِعْهُ حَتَّى تَقْبِضَهُ»(مسند أحمد ومعجم طبراني وفي إسناده مقال وهو صالح)

"جب تو کسی چیز کو خریدے تو اسے قبضے میں لینے سے پہلے نہ بیچ۔"

اور فرمایا «مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو طعام خریدتا ہے' اسے مکمل وصولی سے پہلے فروخت نہ کرے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "طعام کے علاوہ بھی ہر چیز کا یہی حکم ہے۔" (صحیح بخاری)

(۲) ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی بیع:

ایک مسلمان نے ایک چیز پانچ روپے میں خریدی ہے' دوسرا اسے کہے تو یہ چیز واپس کر دے' میں تجھے یہ چیز چار روپے میں دیتا ہوں' یا "بائع" کو کہے کہ یہ بیع (یعنی سودا) فسخ کر دے' میں یہ چیز تجھ سے چھ روپے میں خریدتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے۔"

(۳) بیع نجش:

جس میں ایک شخص خود سامان خریدنا نہیں چاہتا ہے' لیکن (اپنے آپ کو خریدار ظاہر کرتے ہوئے بائع کا طرف دار بن کر بولی کے دوران) قیمت بڑھاتا ہے تا کہ دوسرے لوگ (اصل قیمت سے) زیادہ قیمت دیں' یا "بائع" "مشتری" کو یوں کہے "یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی ہے" جبکہ اس نے جھوٹ بولا' ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم وسنن نسائي)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع نجش سے منع کیا ہے۔"

اسی طرح آپ نے فرمایا: «لَا تَنَاجَشُوْا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بیع میں تناجش نہ کرو (بلا ارادۂ خرید ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو)۔"

(۴) حرام اور ناپاک چیزوں کی تجارت:

مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ حرام اور پلید چیز فروخت کرے اور اسی طرح وہ چیز جو حرام تک پہنچا دے' بیچنی بھی ناجائز ہے۔ بنا بریں شراب' خنزیر' تصویر' مردار' بت اور انگور جو شراب کے لئے لیا جا رہا ہے' فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بے شک اللہ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی "بیع" حرام قرار دی ہے۔"

اور فرمایا: «لَعَنَ اللهُ الْمُصَوِّرِيْنَ»(رواه الطبراني في الأوسط وحسنه الحافظ في بلوغ المرام)

"اللہ تعالیٰ نے تصویر بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔"

اور فرمایا: «مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ حَتَّي يَبِيْعَهَا مِنْ يَهُوْدِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ، أَوْ مِمَّنْ يَتَّخِذُهَا خَمْرًا، فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"انگوروں کی کٹائی کے دنوں میں جو انہیں روک لیتا ہے' تاکہ کسی یہودی' نصرانی' یا ایسے شخص کو فروخت کرے جو ان کی شراب بنانا چاہتا ہے' وہ جان بوجھ کر جہنم میں داخل ہوا۔"

(۵) دھوکے کی تجارت:

جس میں دھوکا ہے' اس کی "بیع" ناجائز ہے۔ بنا بریں پانی میں موجود مچھلی' بھیڑ کی پیٹھ پر اون' جانور کے پیٹ میں بچہ' تھن میں موجود دودھ' پکنے سے پہلے پھل' سخت ہونے سے پہلے دانہ اور حاضر سامان دیکھے اور الٹے پلٹے بغیر' نہیں بیچنا چاہیئے اور اسی طرح غائب سامان کی صفت' نوعیت اور مقدار معین کا معلوم ہونا جواز بیع کے لئے ضروری ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ، فَإِنَّهُ غَرَرٌ»(مسند أحمد وفي سنده مقال، وله شاهد يصلح به)

"پانی میں موجود مچھلی نہ خریدو یہ دھوکا ہے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُبَاعَ تَمْرٌ حَتَّي يُطْعَمَ، أَوْ صُوْفٌ عَلٰى ظَهْرٍ، أَوْ لَبَنٌ فِيْ ضَرْعٍ أَوْ سَمَنٌ فِيْ لَبَنٍ»(سنن بيهقي وسنن دارقطني وهو صالح)

"کھانے کے قابل ہونے سے پہلے کھجور بیچنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے' اسی طرح پیٹھ پر اون' تھن میں دودھ' یا دودھ میں گھی کی بیع (بھی ممنوع ہے)"

نیز انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّي تُزْهِي، قَالَ: تَحْمَرَّ، وَقَالَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ فَبِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيْكَ؟»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے سرخ ہونے سے پہلے پھلوں کی "بیع" منع کی ہے اور فرمایا کہ "جب اللہ نے پھل کو روکا ہے (سرخ نہیں کیا) تو اپنے بھائی کا مال کیوں حلال سمجھتا ہے۔"

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُلاَمَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے بیع "ملامسہ" اور "منابذہ" سے منع کیا ہے۔"

"ملامسہ" یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگا دے' اسے الٹ پلٹ کر نہ دیکھے (اور

سودا پکا ہو جائے) اور "منابذہ" یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینکتا ہے اور دوسرا اس کی طرف' اور یہی ان کے مابین بیع قرار پائے' جبکہ دونوں صورتوں میں چیز کو غور سے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی پوری جانچ پڑتال کی گئی ہے۔ (مؤطا مالک)

(۶) ایک تجارت میں دو تجارتیں:

مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ ایک "بیع" میں دو بیع (یعنی دوہرا سودا) کرے' بلکہ ہر سودا الگ الگ ہونا چاہئے' اس لئے کہ اس میں ابہام ہوتا ہے' جو ایذا کا سبب بنتا ہے اور پھر اس میں دوسرے کا ناحق مال کھایا جاتا ہے۔ ایک سودے میں دو سودوں کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں مثلاً:

* ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ یہ چیز نقد میں لے تو دس روپے میں اور اگر ادھار لے تو پندرہ روپے میں اور پھر اسی پر "بیع" ہو جائے اور یہ تعین نہ کیا جائے کہ کونسی "بیع" پختہ ہوئی ہے' نقد یا ادھار پر۔
* ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ میں تجھے یہ مکان فروخت کرتا ہوں' لیکن اس شرط پر کہ تو مجھے فلاں فلاں چیز فروخت کرے۔
* ایک دینار کے عوض دو مختلف چیزوں میں سے ایک فروخت کرتا ہے' جبکہ اس کا تعین نہ کیا جائے کہ "مشتری" نے ان میں سے کونسی چیز خریدی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«إِنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ»(مسند أحمد وسنن ترمذي وصححه)

"آپ نے ایک "بیع" میں دو بیوع (یعنی ڈبل سودے) سے منع کیا ہے۔"

(۷) بیع العربون:

کسی بھی حال میں مسلمان کے لئے "بیعانہ" وصول کرنا جائز نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعانہ لینے سے منع کیا ہے۔ (مؤطا امام مالک)

امام مالک رحمہ اللہ نے "بیعانہ" کی توضیح میں لکھا ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدتا ہے' یا جانور کرایہ پر لیتا ہے اور ایک دینار پیشگی دے کر کہتا ہے کہ اگر میں نے بقیہ رقم ادا کر کے سامان نہ لیا یا جانور کرایہ پر حاصل نہ کیا تو یہ دینار تیرا ہو جائے گا۔[1]

---

(۱) یا بیچنے والا شرط لگائے کہ میں کچھ رقم پیشگی لوں گا اگر تم باقی رقم ادا نہیں کرو گے تو تمہاری یہ رقم ضبط ہو جائے گی۔ ہاں اگر فریقین اس رقم کی واپسی پر متفق ہو جائیں تو پھر اس کی وصولی جائز ہو گی۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

(۸) غیر موجود چیزوں کی تجارت:

مسلمان کے لئے وہی چیز بیچنا جائز ہے' جو اس کے پاس ہے' یا اس کی ملکیت میں ہے' کسی چیز کی عدم موجودگی' یا ملکیت سے پہلے فروخت کرنے میں دونوں کو تکلیف دہ صورت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے' خصوصاً جب وہ چیز دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»(أصحاب السنن)

''وہ چیز نہ بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے۔''

اور فرمایا: «وَنَهٰى عَنْ بَيْعِ الشَّيْئِ قَبْلَ قَبْضِهِ»(صحيح بخاري)

''اور آپ نے قبضہ سے پہلے کسی چیز کی ''بیع'' سے منع کیا ہے۔''

(۹) قرض کے ساتھ قرض کی تجارت:

مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ ایسی ''بیع'' کرے جس میں ''سامان'' اور اس کی قیمت دونوں ادھار ہوں' کیونکہ یہ معدوم چیز کی ''بیع'' معدوم کے ساتھ ہے اور اسلام اسے جائز نہیں قرار دیتا' اس کی ایک مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے ایک کلو ''گندم'' ادھار لینی ہے' اور لینے سے پہلے ہی اس ''گندم'' کو کسی دوسرے آدمی کے پاس ایک سو روپے میں ادھار پر فروخت کر دے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ نے ایک آدمی سے بکری لینی ہے اور ادائیگی کا وقت آنے پر وہ بکری نہیں دے سکا تو کہتا ہے یہ بکری ادھار پر مجھے فروخت کر دے۔ یہ ادھار چیز کو ادھار پر بیچنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْكَالِيءِ بِالْكَالِيءِ»(سنن بيهقى ومستدرك حاكم وهو صحيح)

''اور رسول اللہ ﷺ نے قرض کے ساتھ قرض کی بیع کو ممنوع قرار دیا ہے۔''

(۱۰) بیع العینہ:

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک چیز ادھار پر بیچ کر پھر ''مشتری'' سے نقدی میں کم قیمت پر خرید کر لے' مثلاً دس روپے میں ادھار بیچ کر اس سے پانچ روپے نقد میں خرید لے' یہ ادھار والا سود ہے' جو اللہ کی کتاب' سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت کی رو سے حرام ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَتَبَايَعُوْا بِالْعِيْنَةِ وَاتَّبَعُوْا أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَكُوا الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. أَنْزَلَ اللهُ بِهِمْ بَلاَءً فَلاَ يَرْفَعُهُ حَتّٰى يُرَاجِعُوْا

دِيْنَهُمْ»(رواه أحمد وأبوداود وصححه ابن القطان)

"جب لوگ دینار و درہم کے معاملہ میں کنجوس ہو جائیں اور "بیع عینہ" کرنے لگ جائیں اور بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جائیں اور جہاد چھوڑ دیں تو اللہ ان پر مصیبتیں ڈال دے گا اور اس وقت تک انہیں نہیں دور کرے گا' جب تک کہ وہ اپنے دین میں واپس نہ آ جائیں۔"

ایک عورت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا "میں نے ایک غلام' زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس آٹھ سو درہم میں ادھار پر فروخت کر دیا اور چھ سو درہم نقد میں خرید لیا ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "تیری یہ خرید و فروخت بہت بری ہے' جبکہ زید رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا ہوا جہاد باطل ہے' الا یہ کہ وہ توبہ کرے۔" (سنن دار قطني وفي سنده ضعف)

(۱۱) شہری کا دیہاتی کے سامان کو فروخت کرنا:

دیہاتی یا شہر سے دور رہنے والا بازار میں آج کے بھاؤ میں بیچنے کے لئے کوئی سامان لائے تو شہری کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے کہے کہ یہ سامان میرے پاس رکھ دے' میں اسے آج کے بعد روک کر زیادہ قیمت پر فروخت کر دوں گا جبکہ لوگوں کو اس سامان کی آج ہی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لاَ يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ»(صحيح مسلم)

"شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے' لوگوں کو چھوڑ دو' اللہ ان کو ایک دوسرے سے روزی دیتا ہے۔"

(۱۲) تجارتی قافلوں کے منڈی پہنچنے سے پہلے ہی ان سے مال خرید لینا:

جب ایک مسلمان سنتا ہے کہ ایک قافلہ سامان لے کر شہر آ رہا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قافلہ والوں سے راستہ میں مل کر شہر سے باہر ہی وہ سامان ان سے خرید لے' پھر شہر میں لا کر اپنی مرضی کے مطابق بیچے۔ اس لئے کہ اس میں قافلے کے تاجروں کے ساتھ دھوکا ہے اور ساتھ ہی شہر کے تاجروں اور صارفین کا بھی نقصان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلاَ يبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تجارتی قافلے کو (مارکیٹ سے باہر) نہ ملو اور کوئی شہری دیہاتی کے لئے (کوئی مال) فروخت نہ کرے۔"

(۱۳) دودھ روکے ہوئے جانوروں کی تجارت:

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ بکری' گائے یا اونٹنی کا دودھ چند دن تک ان کے تھنوں میں

روکے رکھے تا کہ وہ دودھ سے بھرے ہوئے معلوم ہوں اور خریدار ان کی زیادہ قیمت دے' اس لئے کہ یہ دھوکا دہی کا ایک انداز ہے (کیونکہ وہ چندبار زیادہ دودھ دے گی اس کے بعد اپنے معمول کے مطابق کم دودھ دے گی)' اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تُصَرُّوْا الإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اونٹنی اور بکری کا دودھ نہ روکو' اگر کوئی ایسا جانور خرید لیتا ہے تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھے اور اگر چاہے تو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور (یا غلہ) بھی اس کے ساتھ دے۔"

(۱۴) جمعہ کی دوسری اذان کے بعد تجارت کرنا:

مسلمان جمعہ کی دوسری اذان (جس کے بعد امام منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دیتا ہے) کے بعد خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ٩)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔"

(۱۵) درختوں پر پھلوں یا کھڑی فصل کی تجارت:

مسلمان بیل پر لگے انگوروں (کے وزن) کا اندازہ کر کے انہیں کشمش (کی معین مقدار) کے عوض فروخت نہیں کرتا اور نہ ہی کھڑے کھیت کی متوقع آمدن کا اندازہ لگا کر اسے متعین کردہ غلہ کے عوض فروخت کرتا ہے اور نہ ہی درخت پر لگی کھجور کو اتری ہوئی خشک کھجور کے عوض اندازے سے فروخت کرتا ہے۔[1] ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

---

(۱) اس بیع میں بیچنے والا' اتری ہوئی خشک کھجور کی ایک معلوم مقدار بطور قیمت نقد وصول کرتا ہے اس کے عوض اندازہ لگایا جاتا ہے کہ باغ کے اتنے درختوں کی کھجور جب وہ پک کر تیار ہو' اگر خریدار کے حوالے کر دی جائے تو اس کی قیمت پوری ہو جائے گی لیکن یہ ضمانت کسی کے پاس نہیں ہوتی کہ ان درختوں کی کھجور جب پک کر تیار ہو گی تو ان کی پیداوار' اندازہ لگائے ہوئے وزن کے مطابق حاصل ہو گی یا نہیں؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ، إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَّبِيْعَهُ بِزَبِيْبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَّبِيْعَهُ بِطَعَامٍ كَيْلاً، نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ»(صحيح بخاري)

"رسول اللہ ﷺ نے "مزابنہ" یعنی باغ کا پھل فروخت کرنا' اگر کھجور ہے تو (اتری ہوئی) خشک کھجور کے ماپ کے حساب سے' اگر انگور ہے تو کشمش کے ماپ کے حساب سے اور اگر کھیت ہے تو غلے کے وزن کے حساب سے' آپ نے ان تمام صورتوں سے منع کیا ہے۔"

البتہ اس میں سے ایک صورت مستثنیٰ ہے' جس کی رسول اللہ ﷺ نے رخصت دی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو اپنے باغ میں سے کھجور کا ایک یا زیادہ درخت' ہبہ کر دیئے ان کی متوقع آمدنی پانچ وسق (ساڑھے سات سو کلو) خشک کھجور سے زائد نہیں ہے اب جسے درخت ہبہ کئے گئے ہیں وہ ان سے تازہ کھجور حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً آتا ہے' اس کے بار بار آنے سے ہبہ کرنے والے کے لئے کسی قسم کی تنگی پیدا ہوتی ہے چنانچہ وہ اس تنگی سے بچنے کے لیے اس آدمی کو اس بات پر آمادہ کر لیتا ہے کہ وہ ہبہ شدہ درختوں کی متوقع آمدن کا اندازہ لگا کر اس کے برابر اتری ہوئی خشک کھجور لے لے تو یہ "بیع عریہ" ہے اور جائز ہے۔[1]

(۱۶) بیع استثناء:

مسلمان اس انداز کی "بیع" بھی نہیں کرتے کہ ایک چیز بیچ دیں اور اس میں سے کچھ مجہول چیز مستثنیٰ کر لیں۔ ہاں اگر مستثنیٰ کی ہوئی چیز معلوم و متعین ہو تو استثناء جائز ہے' مثلاً ایک شخص باغ فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس باغ میں سے ایک یا دو درخت مستثنیٰ کرتا ہوں یعنی انہیں چھوڑ کر باقی درخت فروخت کرتا ہوں' اب اگر مستثنیٰ کئے ہوئے درخت متعین ہوں تو بیع صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ اس میں واضح دھوکا ہے (کیونکہ ممکن ہے باغ کا مالک پھل پکنے پر دو بہترین درختوں پر دعویٰ کر دے اس لئے سودے کے وقت ہی صراحت ہو جائے تو بہتر ہے) اور جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالثُّنْيَا إِلاَّ أَنْ تُعْلَمَ»(سنن ترمذي وصححه)

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) چونکہ اس سودے میں بیچنے والا معین مقدار والی کھجور لیتا ہے اور جو کھجور فروخت کرتا ہے اس کی مقدار غیر یقینی ہے لہٰذا یہ بیع حرام ہے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

(۱) یا جسے درخت ہبہ کئے گئے ہوں اسے باغ میں پہنچنے میں تنگی ہو تو وہ بھی ہبہ کرنے والے کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے کیونکہ اس استثنائی صورت کا مقصد تنگی کو دور کرنا ہے واللہ اعلم (ع' ر)

"رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ' مزابنہ اور استثنا سے منع کیا ہے' الا یہ کہ معلوم ہو۔"[1]

پانچواں مادہ
پھل دار درختوں کی بیع

مسلمان کھجور یا کوئی اور درخت فروخت کرے اور کھجور کی تابیر[2] ہو چکی ہے اور درخت کا پھل ظاہر بھی ہو گیا ہے تو اس سال کا پھل "بائع" کے لئے ہے' الا یہ کہ "مشتری" بیع میں شرط لگا لے کہ پھل وہی لے گا اور اگر "تابیر" نہیں ہوئی اور پھل بھی ظاہر نہیں ہوا تو پھل "مشتری" کا ہے۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ بَاعَ نَخْلاً قَدْ أُبِرَّتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ»(صحيح بخاري)

"جو شخص کھجور کا درخت فروخت کرتا ہے اور اس کی تابیر ہو چکی ہے تو پھل "بائع" کا ہے' الا یہ کہ "مشتری" شرط کرے۔"

چھٹا مادہ
سودی کاروبار اور تبادلہ نقدیات کا بیان

الف۔ سود

* تعریف سود:

چند مخصوص اموال میں زیادتی کا نام سود ہے' اس کی دو انواع ہیں۔ ایک "سود زیادہ" دوسرا "سود ادھار"

سود زیادہ:

اصول ربویات[3] میں سے ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کے ساتھ کمی بیشی میں کرنا۔ مثلاً ایک من گندم کی بیع سوا من گندم کے ساتھ' یا ایک صاع کھجور کی بیع ڈیڑھ صاع کھجور کے ساتھ یا ایک اوقیہ چاندی کی بیع ایک اوقیہ اور ایک درہم چاندی کے ساتھ وغیرہ (اس سود کو ربا الفضل کہا جاتا ہے)۔

---

(۱) محاقلہ اور مزابنہ کی توضیح پہلے گزر چکی ہے۔ (الاثری)

(۲) نر کھجور کا بور مادہ کے سیپ میں ڈالنا تابیر کہلاتا ہے۔ (الاثری)

(۳) اصول ربویات چھ ہیں: سونا' چاندی' گندم' جو' کھجور اور نمک۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (الاثری) یعنی یہ چھ سودی اجناس ہیں ان کے علاوہ ہر اس جنس پر بھی سود کے احکام نافذ ہوں گے جو (۱) خوراک کا کام دیتی ہو۔ (۲) ماپی یا وزن کی جا سکتی ہو۔ (۳) اور ذخیرہ کی جا سکتی ہو۔ واللہ اعلم (ع' ر)

سود ادھار:

اس کی دو قسمیں ہیں۔ جاہلی دور کا سود جس کی تحریم درج ذیل آیت مبارکہ میں نازل ہوئی ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٠)

"اے ایمان والو! کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ۔"

جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص میعادی ادھار لے لیتا تھا' جب ادائیگی کی میعاد ختم ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے کہتا کہ رقم ادا کرو ورنہ مزید میعاد کے عوض رقم میں اضافہ کرتا ہوں۔ اگر مقروض اس وقت بھی ادا نہ کرتا تو ایک مدت کے لئے مزید مال اس پر بڑھا دیتا اور اسی طرح کرتا رہتا' یہاں تک کہ کچھ مدت بعد وہ رقم کئی گنا اس پر قرض قرار پاتی۔

جاہلی دور کے سود میں ایک صورت یہ بھی تھی کہ کوئی شخص ایک مدت کے لئے دس دینار دیتا اور کہتا میں پندرہ دینار وصول کروں گا۔

«ربا النسيئة» (یعنی سود ادھار) کی دوسری صورت یہ ہے کہ "اصول ربویات" میں سے کوئی چیز اپنی جنس کے ساتھ ادھار پر فروخت کرے۔ مثلاً سونا' سونے کے ساتھ ادھار پر یا چاندی چاندی کے ساتھ' کھجور' کھجور کے ساتھ اور گندم گندم کے ساتھ' چاہے دونوں برابر ہوں' مگر ایک طرف سے ادھار ہو تو یہ "سود ادھار" ہے۔[1]

*** سود کا حکم:**

سود کی ہمہ اقسام حرام ہیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٥)

"اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٠)

---

(۱) ایک ہی جنس (مثلاً آٹے کے بدلے آٹے) کا تبادلہ جبکہ ایک طرف ادھار ہو' اگر بیع کے طور پر ہے تو یہ ممنوع ہے اور اگر قرض حسنہ کے طور پر ہے تو پھر مستحب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع میں دوسرے پر احسان کرنے کی بجائے اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے جبکہ قرض حسنہ میں قرض لینے والا محض ضرورت کی بنا پر قرض لیتا ہے اور دینے والا از راہ ہمدردی (سود کے بغیر) قرض دیتا ہے۔ واللہ اعلم (محمد عبدالجبار)

"اے ایمان والو! کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَعَنَ اللهُ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ»(رواه أصحاب السنن وصححه الترمذي)

"اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔"

اور فرمایا: «دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً» (مسند أحمد بسند صحيح)

"سود کا ایک درہم جو مرد جان بوجھ کر کھالے، وہ چھتیس بار زنا سے زیادہ (بھاری) ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا: «اَلرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا، أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ»(رواه الحاكم وصححه)

"سود کے تہتر درجے ہیں، ان کا معمولی یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے نکاح کرے اور سب سے بڑا سود مسلمان کی عزت تباہ کرنا ہے۔"

مزید فرمایا: «اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ»

"سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

«اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ کے ساتھ شرک، جادو، ایسی جان قتل کرنا جسے (بے عزت کرنا، لوٹنا یا قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن بھاگ جانا اور پاک دامن، مومن، غافل عورتوں پر زنا کا الزام لگانا۔"

* سود کی حرمت کی حکمت:

شرعی احکام میں بندے کا امتحان مقصود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق کسی کام کے کرنے، یا نہ کرنے کی پابندی قبول کرتا ہے، یا نہیں، اس کے ساتھ ساتھ سود کی حرمت میں مزید حکمتیں بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) مسلمان کے مال کی حفاظت مقصود ہے کہ کوئی اسے باطل طریقہ سے نہ کھا سکے۔

(۲) مال کمانے میں مسلمان کو اچھی کمائی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جس میں حیلہ اور دھوکا نہ ہو اور

مسلمانوں میں باہمی مخالفت و بغض نہ بڑھنے پائے۔ مثلاً زراعت' صنعت اور صاف ستھری تجارت۔

(۳) ان تمام راستوں کو بند کیا گیا ہے' جن کے ذریعے مسلمان بھائیوں میں مخالفت و عناد اور بغض و کراہت پیدا ہو۔

(۴) مسلمان کو ان تمام کاموں سے بچانا مقصود ہے' جو اس کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں' اس لئے کہ سود کھانے والا باغی اور ظالم ہے اور بغاوت و ظلم کا نتیجہ تباہی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ﴾ (یونس ۱۰/ ۲۳)

"اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری جانوں پر ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّهَ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ»
(صحيح مسلم)

"ظلم سے بچو' ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہو گا اور کنجوسی سے بچو' اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے (یعنی) ان کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے خون بہائیں اور محرمات کو حلال جانیں۔"

(۵) مسلمان کے سامنے نیکی کے راستے کھولنا' تاکہ اسے آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے اور اپنے بھائی کو بے غرض ہو کر قرض دے' اور اگر تنگ دست ہے تو مہلت دے' آسانی مہیا کرے اور اللہ کی رضا کے لئے اس پر رحم کرے۔ اس طرح مسلمانوں میں باہمی محبت و مودت عام ہو گی اور اخوت و خلوص کا پرچار ہو گا۔

* سود کے احکام:

(ا) اصول ربویات:

جن چیزوں میں سود وقوع پذیر ہوتا ہے وہ بنیادی طور پر چھ ہیں۔ سونا' چاندی' گندم' جو' کھجور اور نمک۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم)

"سونا سونے کے ساتھ' چاندی چاندی کے ساتھ' گندم گندم کے ساتھ' جو جو کے ساتھ' کھجور کھجور کے ساتھ اور نمک نمک کے ساتھ تبادلہ میں نقد و نقد اور برابر ہونے چاہئیں۔ [1] اگر یہ اجناس

مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو، بیع کرو، بشرطیکہ اس ہاتھ دو اور اس ہاتھ لو والا معاملہ ہو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ اور ائمہؒ نے ان چھ چیزوں پر ان اشیاء کو بھی قیاس کیا ہے جو ان کے ساتھ معنی اور علت میں یکساں ہیں، یعنی ماپی جانے والی اور وزن کی جانے والی، کھائی جانے والی اور ذخیرہ رکھی جانے والی چیزیں مثلاً غلہ کی ہمہ اقسام، تیل کی ہمہ اقسام، شہد اور گوشت وغیرہ۔

سعیدؒ بن المسیب فرماتے ہیں جو اشیاء پیمانے سے ماپی جاتی ہیں، یا انہیں تولا جاتا ہے، جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے ان میں سود ہوتا ہے۔

(۲) تمام ربویات میں تین وجوہات کی بنا پر سود ہوتا ہے:

(ا) جنس کو جنس کے ساتھ کم و بیش کر کے فروخت کیا جائے۔ جیسا کہ سونا سونا کے ساتھ تبادلہ میں اور گندم گندم کے ساتھ اور کھجور کھجور کے ساتھ کم و بیش کی صورت میں۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برنی کھجور لائے تو آپ نے فرمایا "بلال! یہ کھجور کہاں سے لائے ہو؟" بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "ہمارے پاس ردی کھجور تھی، اس کے دو صاع دے کر ایک صاع لایا ہوں، تاکہ آپ اسے کھائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّهْ! عَيْنُ الرِّبَا، عَيْنُ الرِّبَا، لاَ تَفْعَلْ، وَلَكِنْ إِنْ أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ

(ا) یہاں چند امور قابل غور ہیں:

(الف) اگر ایک ہی جنس کے لین دین میں ادھار اور کمی بیشی دونوں باتوں کو جائز قرار دیا جائے تو لین دین کی بیسیوں شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور ان سب میں کسی نہ کسی طرح سود کا عنصر شامل ہو گا لہٰذا آپ نے ایک نہایت جامع قسم کا ارشاد فرمایا اس میں سواء بسواء کے الفاظ ربا الفضل کی نہی کے لیے ہیں اور یدا بید کے الفاظ ربا النسیئہ کی نہی کے لیے آئے ہیں ("تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام" از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ)

(ب) اگر ایک ہی جنس (مثلاً کھجور) کے تبادلہ میں کمتر کھجور کے عوض اعلیٰ کھجور حاصل کرنا مقصود ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ردی کھجور بیچی جائے اور اس کی قیمت سے اعلیٰ کھجور خریدی جائے۔ یہی اصول دیگر سودی اجناس میں بھی چلے گا۔ واللہ اعلم (ع، ر)

(ج) اور اگر دونوں طرف کی کھجور ہر لحاظ سے ایک ہی نوعیت اور معیار کی ہے تو پھر ان کے تبادلے کے لیے دو شرطیں ہیں (۱) مقدار میں دونوں برابر ہوں (۲) دونوں فریق موقعہ پر ہی ایک دوسرے سے کھجور وصول کریں۔ ان شرطوں سے شریعت کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا تبادلہ کیا ہی نہ جائے کیونکہ بظاہر اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ضرور ہی یہ تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ ان دو شرطوں کے ساتھ کرے تا کہ وہ شریعت کی مخالفت اور سود کے شائبوں سے بچ جائے واللہ اعلم۔ (عبدالسلام کیلانی)

التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ»

''اوہو! یہ تو عین سود ہے' یہ تو عین سود ہے' ایسے نہ کر' اگر تیرا ارادہ اچھی کھجور خریدنے کا ہو تو گھٹیا بیچ دے اور پھر (اس قیمت سے) اچھی کھجور الگ خرید لے۔''

(۲) دو مختلف چیزوں کی ''بیع'' مثلاً سونا چاندی کے ساتھ اور گندم کھجور کے ساتھ' جبکہ ایک حاضر اور دوسری ادھار ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''ان میں سے غائب کو حاضر کے ساتھ نہ بیچو۔''

اور فرمایا: «بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ يَدًا بِيَدٍ»(أيضًا)

''سونا چاندی کے ساتھ بیچو اور لین دین اسی وقت ہو جائے۔''

اور فرمایا: «اَلذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ»(أيضًا)

''سونا چاندی کے عوض فروخت کرنا سود ہے' مگر یہ کہ لین دین اسی وقت ہو۔''

(۳) ایک چیز کا تبادلہ اپنی جنس کے ساتھ ہے اور مقدار میں دونوں برابر ہیں' مگر ان میں سے ایک حاضر اور دوسری ادھار ہے مثلاً سونا کی بیع سونا کے ساتھ برابر ہے' یا کھجور کی بیع کھجور کے ساتھ برابر برابر ہے۔ مگر ایک کا سونا یا کھجور ادھار ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''گندم گندم کے ساتھ سود ہے' مگر یہ کہ لین دین اسی وقت ہو جائے۔''

(۳) نقد ادائیگی اور اجناس کے مختلف ہونے کی صورت میں سود نہیں ہوتا:

یعنی ایک ایسی بیع جس میں قیمت اور جس کی قیمت لگائی گئی ہے دونوں مختلف اجناس ہیں تو اس میں سود نہیں ہے' الاّ یہ کہ اس میں ادھار ہو۔ بنا بریں سونا کی بیع چاندی کے ساتھ کم و بیش جائز ہے' اسی طرح گندم کی بیع کھجور کے ساتھ اور نمک کی بیع جو کے ساتھ کم و بیش جائز ہے' جبکہ ان میں کوئی ایک ادھار نہ ہو۔[1] اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَشْيَاءُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم)

''جب یہ اشیاء مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیچو' جبکہ لین دین دست بدست ہو جائے۔''

---

(۱) کہا جاتا ہے کہ اگر ادھار ہو بھی جائے تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ سب سے بڑا حرج یہی ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ (ع' ر)

اسی طرح "مبیع" (یعنی بیچی جانے والی چیز) موجود ہے اور قیمت ادھار جائز ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا تھا اور قیمت ادھار تھی' اسی طرح قیمت حاضر ہے اور "مبیع" یعنی جو چیز خریدنی ہے وہ ادھار ہے تو یہ بھی جائز ہے[1] جیسا کہ "بیع سلم" کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو کسی چیز کی پیشگی خریداری کرتا ہے تو وہ معین ناپ اور مقررہ وزن میں ایک معین مدت تک کے لئے کرے۔"

اس "بیع سلم" میں پوری رقم پیشگی ادا کر دی جاتی ہے اور جنس کی ادائیگی فصل پکنے پر ہوتی ہے۔ لیکن مذکورہ شروط کے ساتھ۔[2]

(۴) سودی چیزوں کی اجناس کا بیان:

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ "سونا ایک جنس ہے اور چاندی الگ جنس۔ گندم الگ جنس ہے' جو الگ جنس اور کھجور کی تمام انواع ایک جنس ہیں' دالیں مختلف اجناس ہیں' مثلاً لوبیا ایک جنس ہے' چنا اس سے الگ جنس اور چاول ایک اور جنس۔ اسی طرح مکئی جنس ہے اور تیل کی تمام اقسام ایک ہی جنس شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہد الگ جنس ہے اور گوشت کی کئی اجناس ہیں۔ اونٹ کا گوشت ایک جنس ہے تو گائے کا گوشت الگ جنس اور اسی طرح بھیڑ کا گوشت ایک جنس اور پرندوں کا گوشت ایک جنس اور مختلف (اسی طرح) مچھلیوں کا گوشت بھی ایک جنس کہلاتا ہے۔

(۵) کھانے کی جن چیزوں میں سود نہیں ہوتا:

پھلوں اور سبزیوں میں سود نہیں ہے' اس لئے کہ ان کا ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا اور پہلے زمانہ میں ان کی مقدار کی دریافت کیل اور وزن کے ذریعہ نہیں تھی۔ نیز یہ بنیادی طور پر غذا میں داخل نہیں ہیں' جس انداز میں دانے اور گوشت ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے صریح نصوص وارد ہیں۔

---

(۱) یہ صورت ان سودوں میں جائز ہے جن میں کسی سودی جنس یا اجناس کا تبادلہ نہیں کیا جاتا ظاہر ہے کہ زندہ اونٹ کا شمار سودی اجناس میں نہیں ہوتا۔ (ع' ر)

(۲) اس بیع کا مفصل بیان "ساتواں مادہ" میں آ رہا ہے۔ (ع' ر)

تنبیہات:

* سودی بینک: اس دور میں اسلامی ممالک میں بھی بالعموم بنکوں میں سودی کاروبار کیا جاتا ہے' ان کے ساتھ لین دین شدید ضرورت کے وقت تو جائز ہے' جبکہ عام حالات میں نہیں' جیسے کسی کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں تحویل رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بنا پر مخلص مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ جدید اسلامی بنکوں کا اجرا کریں جو سودی معاملات سے پاک ہوں۔

* متوقع اسلامی بینکوں کی صورت:

ہم اس اسلامی بینک کی ایک مختصر تصویر پیش کرتے ہیں' وہ یہ کہ کسی شہر میں مسلمان بھائی باہم مل بیٹھیں اور ایک ادارہ قائم کریں جس کا نام "خزانۃ الجماعۃ" ہو سکتا ہے' ایک شخص کو محافظ مقرر کریں' جو اس کے چلانے کی ذمہ داری قبول کر لے اور اس خزانہ کے مقاصد درج ذیل ہوں:

(۱) امانتیں وصول کرنا' یعنی احباب کی رقموں کی مفت حفاظت۔

(۲) مسلمان بھائیوں کے لئے قرضہ جات کا اجرا۔

(۳) ذرائع آمدنی میں مشارکت' یعنی کاشتکاری' تجارت' تعمیر اور صنعت کے ان میدانوں میں سرمایہ لگانا جہاں ادارہ کو منافع حاصل ہونے کی توقع ہو۔

(۴) ایک شہر سے دوسرے شہر میں رقم منتقل کرنے کے مفت انتظامات' بشرطیکہ اس شہر میں اس بینک کی شاخ موجود ہو۔

(۵) سال گزرنے پر خزانہ کے حسابات صاف کر لئے جائیں اور منافع حصہ داروں میں حصہ رسد کے مطابق بانٹ دیا جائے۔

* بیمہ پالیسی: اگر کچھ لوگ ایک مشترکہ سرمایہ (فنڈ) قائم کریں' جس میں ماہانہ یا جس مدت پر اتفاق ہو جائے ایک مخصوص شرح سے رقم جمع کریں اور جس میں بنیادی غرض یہ ہو کہ اگر مشارکت کے کاروبار میں اتفاقیہ کوئی حادثہ ہو جائے' مثلاً آگ لگنا' جہاز کا ڈوبنا' گاڑیوں کا ٹکرانا وغیرہ تو پالیسی میں شریک شخص اتنی رقم لے سکے جس سے وہ اپنا نقصان پورا کر لے (اگر اپنی جمع کردہ دولت سے زیادہ لے رہا ہے تو زائد حصہ قرض ہو گا جس کی ادائیگی اس کے ذمہ ہو گی) البتہ اس میں درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) حصہ داری میں اصل غرض اللہ کی رضا ہونی چاہیئے تاکہ اس پر اسے اجروثواب ملے۔

(۲) مصیبت زدہ حصہ داروں کو مساویانہ انداز پر رقوم دی جائیں گی' جس کا تعین اس پالیسی میں کر دیا

جائے جس پر یہ متفق ہوئے تھے۔

(۳) حصہ داروں کی جمع شدہ دولت کو تجارت میں مضاربت [1] کی شکل میں تعمیرات اور صنعت کے اداروں میں منافع حاصل کرنے کے لئے لگانا جائز ہے اور اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

ب۔ صرف یعنی کرنسی کا باہمی تبادلہ

* صرف کی تعریف:

سونا کے دینار کی "بیع" چاندی کے درہم کے ساتھ کرنا "صرف" کہلاتی ہے۔ جسے تبادلہ نقدیات کہہ سکتے ہیں۔

* نقدی کے باہمی تبادلے کا حکم:

یہ تبادلہ جائز ہے' اس لئے کہ یہ بھی ایک بیع ہی ہے جو کتاب و سنت کی رو سے جائز اور مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵)

"اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سونا کو چاندی کے ساتھ جس طرح چاہو فروخت کرو' اگر لین دین دست بدست ہو۔"

* نقدی کے باہمی تبادلے کی حکمت:

ضرورت کے وقت مسلمان اپنی رقم سے فائدہ اٹھا سکے (اگر ایک سکہ کا تبادلہ دوسرے سکہ میں نہ ہو سکتا ہوتا تو اسے بہت تنگی پیش آتی)

* نقدی کے باہمی تبادلہ کی شرطیں:

تبادلہ اس صورت میں جائز ہو گا جب اسی مجلس میں فریقین دست بدست اپنی اپنی رقم کو لے لیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سونا چاندی کے ساتھ جس طرح چاہو بیچو' جب معاملہ "اس ہاتھ دو اور اس ہاتھ لو" والا ہو۔"

---

(۱) مضاربت کا بیان چوتھی فصل (دوسرا مادہ) میں آ رہا ہے۔ (ع' ر)

طلحہ بن عبیداللہ ؓ نے مالک بن اوس کو دینار دیئے تا کہ وہ ان کے عوض میں انہیں درہم دے۔ مالک ؒ بن اوس نے کہا میرا خازن جنگل سے آ جائے تو پھر دراہم کی ادائیگی کروں گا' اس پر عمر بن خطاب ؓ نے فرمایا "طلحہ! دراہم لئے بغیر اس سے جدا نہ ہونا" اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالْوَرِقِ رِبًا إِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ»(أيضًا)

"سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ سود ہے' الا یہ کہ لین دین اسی وقت ہو جائے۔"

* نقدی کے باہمی تبادلے کے احکام:

(ا) سونے کا سونے کے ساتھ اور چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں کا وزن ایک ہو' اس لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلاَ تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلاَ تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلاَّ مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلاَ تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلاَ تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سونے کے عوض سونا نہ بیچو' مگر یہ کہ برابر برابر ہوں' اور ایک کو دوسرے سے کم یا زیادہ کر کے نہ بیچو اور چاندی کے عوض چاندی نہ بیچو مگر یہ کہ برابر ہو اور ایک کو دوسرے سے کم یا زیادہ کر کے نہ بیچو اور غائب کو حاضر (یعنی ادھار کو نقد) کے بدلے نہ بیچو (یعنی دونوں طرف نقد ادائیگی ہونی چاہیے)۔"

(۲) اگر جنس مختلف ہو تو کمی و بیشی جائز ہے' مگر شرط یہ ہے کہ تبادلہ اس مجلس میں ہو جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ رِبًا إِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"سونے کے بدلے سونا سود ہے' مگر یہ کہ دست بدست ہو' اور چاندی کے بدلے چاندی سود مگر یہ کہ دست بدست ہو۔"

اس "بیع" میں دوسری شرط یہ ہے کہ اسی "مجلس بیع" میں تبادلہ ہو جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الأَشْيَاءُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»(صحيح مسلم)

"جب یہ چیزیں مختلف ہوں تو جس طرح مرضی آئے فروخت کرو' جبکہ تبادلہ اسی وقت ہو جائے۔"

(۳) نقدی کا تبادلہ کرنے والے تقابض (ایک دوسرے سے نقدی وصول کرنے) سے پہلے جدا ہو

جائیں تو تبادلہ کالعدم ہو جائے گا'[1] اس لئے کہ آپ کے فرمان «يَدًا بِيَدٍ» اور «إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ» کا تقاضا یہی ہے۔

ساتواں مادّہ

بیع سلم (سلف)

* **بیع سلم کی تعریف:** اسے "بیع سلف" بھی کہا جاتا ہے' جس میں ایک مسلمان سامان خریدتا ہے' جس کی صفت معلوم ہے' بائع سے سامان وصول کرنے کا وقت بھی معلوم ہے اور وہ سودا طے ہوتے ہی "بائع" کو پوری رقم پیشگی دے دیتا ہے اور معین میعاد آنے پر اس سے سامان وصول کر لیتا ہے۔

* **بیع سلم کا حکم:**

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے' اس لئے کہ یہ بھی بیع (خرید و فروخت) ہے اور یہاں عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص کسی چیز کی پیشگی رقم دیتا ہے تو وہ معین ناپ (یا) مقررہ وزن میں ایک معین مدت تک کے لئے سودا کرے۔"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سال دو سال اور تین سال کی میعاد پر "بیع سلم" کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

* **بیع سلم کی شرائط:**

(۱) قیمت نقد' ہو' مثلاً سونا یا چاندی یا نوٹ۔ اس طرح سودی چیز اپنی مثل کے ساتھ ادھار پر فروخت نہ ہو سکے گی۔

(۲) "مبیع" کا تعین صفت کے ساتھ اس طرح ہو کہ اس کی جنس' نوع اور مقدار معلوم ہو جائے' تاکہ بعد میں فریقین کے مابین کسی قسم کا جھگڑا اور نزاع وقوع پذیر نہ ہو کہ جس سے ان کے مابین عداوت و دشمنی واقع ہو جائے۔

(۳) وقت ادائیگی معلوم ہو اور واضح طور پر اس کا تعین کر دیا جائے۔ مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ۔

---

(۱) لہٰذا جس فریق نے ادائیگی کر دی تھی وہ دوسرے فریق سے اپنے کرنسی واپس لے لے گا اور جب دونوں کے پاس کرنسی موجود ہو گی تو اس وقت وہ نئے سرے سے دست بہ دست تبادلہ کریں گے۔ (ع' ر)

(۴) قیمت اسی مجلس میں "بائع" وصول کر لے' تاکہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ نہ ہو جائے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

ان شرطوں کی دلیل یہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَّوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو کسی چیز کی پیشگی رقم دیتا ہے تو وہ معین ناپ اور مقررہ وزن میں ایک معین وقت تک کے لئے ایسا کرے۔"(۱)

* بیع سلم کے احکام:

(۱) میعاد ادائیگی اتنی ہو کہ اس مدت میں قیمت کا اتار چڑھاؤ ہو سکتا ہو' مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ' اس لئے کہ دو چار دن کی مدت کا حکم عام "بیع" والا ہے اور "بیع" میں یہ شرط ہے کہ مبیع کو اچھی طرح دیکھ لے' یا اس کی معرفت حاصل کر لے۔

(۲) وقت ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت مطلوبہ جنس کا پایا جانا ممکن ہو' لہٰذا بہار کے موسم کو تازہ کھجور کی ادائیگی کا وقت یا سردیوں میں انگور کی ادائیگی کا وقت مقرر نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مسلمانوں میں اختلاف واقع ہو گا۔

(۳) اگر "معاہدۂ بیع" میں ادائیگی کی جگہ کا تعین نہیں کیا گیا تو "مقام معاہدہ" ہی ادائیگی کی جگہ طے پائے گا' اگر جگہ کا تعین کیا گیا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اس بارے میں جس جگہ ادائیگی پر دونوں متفق ہوں' اس کے مطابق عمل کیا جائے' اس لئے کہ مسلمان معاملات میں جو شرطیں طے کر لیں ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

* بیع سلم کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھے "فلاں نے اپنے لئے فلاں سے بقائمی صحت اور ہوش و حواس اپنے اختیار سے ایک مکان جو فلاں شہر یا فلاں بستی میں واقع ہے اس کا رقبہ' عمارت اوپر نیچے سمیت خریدا ہے' مکان اس پوزیشن میں ہے جو مشاہدہ کے مطابق ہے اور مکان کے بارے میں صفات کاملہ مذکورہ پر

---

(۱) بیع سلم کے سودے میں چار چیزوں کا تعین ضروری ہے جنس' قیمت' مقدار اور مدت اور اس کی یہ بھی شرط ہے کہ مشتری جب تک بائع سے مطلوبہ جنس خود وصول نہ کر لے یہ سودا کسی دوسرے خریدار کی طرف منتقل نہیں کر سکتا (عبدالرحمٰن کیلانی)

دونوں کا اتفاق ہے۔ جس کے مشرق میں مکان مملوکہ فلاں ہے اور مغرب و شمال اور جنوب میں فلاں فلاں چیزیں ہیں۔

مکان کے اندر جو چیزیں ہیں وہ دروازے، چوکھٹیں، لکڑیاں، اینٹیں، وغیرہ وغیرہ ہیں، سب اس "بیع" میں داخل ہیں۔ مکان کی جملہ منفعتیں، راستے، اوپر نیچے کے حصے اور اندرون و بیرون منافع شرعی طریقہ سے فروخت ہو رہے ہیں، جن میں سے کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اور شرط ہے جس سے بیع فاسد اور باطل ہو جائے۔ مکان کی قیمت اتنی طے ہوئی ہے کہ جو "مشتری" نے "بائع" کے سپرد کر دی ہے اور اس پر قبضہ کر لیا ہے، مزید یہ کہ "بائع" نے مکان مذکورہ مکمل طور پر مع مشمولات جن کا تذکرہ اوپر تحریر ہے اور جس کا حدود اربعہ اوپر بیان ہوا ہے "مشتری" کے سپرد کر دیا ہے اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا ہے۔ خرید و فروخت کرنے والے دونوں افراد نے ایک دوسرے کو اس بیع میں اختیار دیا تھا جسے دونوں نے اپنا اپنا اختیار و مرضی استعمال کرتے ہوئے رد کر کے "عقد" کو پختہ کر لیا ہے اور دونوں کے جاننے والے گواہوں کے دستخط اور تصدیق کے بعد "بائع" و "مشتری" ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں۔

"مشتری" فلاں "بائع" فلاں اور تحریر مؤرخہ فلاں۔

* بیع سلم کی تحریر کا ایک اور نمونہ:

اللہ کی تعریف و حمد کے بعد لکھے "میں فلاں اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ اس نے فلاں شخص سے اتنی رقم وصول کر لی ہے اور اس کے عوض میں فلاں شہر کے ماپ سے فلاں قسم کی گندم کی اتنی مقدار پورے دو ماہ بعد بمقام فلاں ادا کر دوں گا۔ میں اس ادائیگی کی قدرت کا اعتراف کرتا ہوں اور "مجلس عقد" میں شرعی طریقے کے مطابق میں نے رقم وصول کر لی ہے جو کہ اتنی ہے۔ یہ معاہدہ مورخہ ــــــــــــــ کو طے پایا۔ نام، دستخط اور تاریخ

آٹھواں مادہ

شفعہ کا بیان

* **شفعہ کی تعریف:** ایک شخص نے مشترکہ جائیداد میں سے اپنا حصہ اپنے شریک کی بجائے کسی اور کو فروخت کر دیا تو دوسرے شریک کا اس حصہ کو خریدنے کا استحقاق "حق شفعہ" کہلاتا ہے۔

شفعہ کے احکام:

(ا) اس کا شرعی ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے غیر منقسم چیز میں "شفعہ" کا فیصلہ دیا ہے، (اور) جب تقسیم ہو کر الگ الگ حد بندی ہو جائے اور راستے مختلف ہو جائیں تو اس وقت "شفعہ" نہیں ہے۔" (صحیح بخاری و

صحیح مسلم)

(۲) شفعہ ان چیزوں میں ثابت ہے جو تقسیم ہو سکیں' اگر چیز تقسیم کے قابل نہیں' جیسا کہ غسل خانے' چکیاں اور تنگ مکانات تو ان میں شفعہ نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلشُّفْعَةُ فِيْمَا يَنْقَسِمُ»

"شفعہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو تقسیم ہو سکتی ہوں۔"

(۳) اور ان چیزوں میں "شفعہ" نہیں ہے جو تقسیم ہو چکی ہیں اور ان کی حد بندی کر دی گئی ہے اور آنے جانے کے راستے الگ الگ ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلاَ شُفْعَةَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"پس جب حد بندی ہو جائے اور راستے مختلف ہو جائیں تو "شفعہ" نہیں ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ تقسیم کے بعد وہ ایک دوسرے کے صرف ہمسائے ہیں' شریک نہیں اور صحیح مذہب یہی ہے کہ محض ہمسایہ کے لئے "شفعہ" نہیں ہوتا۔[1]

(۴) منقول چیزوں' مثلاً کپڑے اور جانوروں میں بھی "شفعہ" نہیں ہے۔ شفعہ زمین' عمارت اور باغ وغیرہ میں ہو سکتا ہے' اس لئے کہ ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں شفعہ کا حق رکھنے والے حصہ دار کو کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے کہ وہ اسے "شفعہ" کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کرے۔[2]

(۵) اگر ایک شریک اپنا حصہ کسی تیسرے آدمی کو فروخت کرتا ہے اور اس کا دوسرا شریک اس معاہدہ بیع میں حاضر ہے' یا اسے بیع کا علم ہے اور وہ شفعہ کا مطالبہ نہیں کرتا تو اس کا "حق شفعہ" ساقط ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے:

---

(۱) جب تک کہ اس کا حصہ نہ ہو البتہ اگر بیچنے والا اخلاقی طور پر اپنے ہمسائے سے پوچھ لے تو یہ الگ بات ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

(۲) اگر مشترکہ جائیداد غیر منقول ہو اور ایک حصہ دار اپنا حصہ اپنے شریک کی بجائے کسی تیسرے آدمی کو فروخت کر دے تو اس میں اس کے شریک کو دو نقصان ہوتے ہیں:

(الف) اسے اپنے پڑوس میں مزید جائیداد کی ضرورت تھی اور وہ قوت خرید بھی رکھتا تھا مگر وہ جائیداد کسی اور کو فروخت کر دی گئی اب یہ بے چارہ کہیں دور سے ضرورت کی باقی جائیداد خریدے گا۔

(ب) نیا خریدار اگر پسندیدہ آدمی نہ ہوا تو اسے برا ساتھی بھی برداشت کرنا پڑے گا اس کے برعکس منقولہ جائیداد میں یہ نقصان نہیں ہوتا لہٰذا اس میں شفعہ بھی نہیں ہوتا واللہ اعلم (محمد سلیم کیلانی)

«اَلشُّفْعَةُ لِمَنْ وَاثَبَهَا»(مصنف عبدالرزاق من قول ابن شريح)

''شفعہ اس کے لئے ہے جو فوراً دعویٰ کرے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

«اَلشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ»(سنن ابن ماجة وفيه ضعف)

''شفعہ اونٹ کا بندھن کھولنے کی طرح ہے۔''

ہاں صاحب حق اگر غائب ہے تو وہ کئی سال بعد بھی شفعہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

(۶) اگر ''مشتری'' نے ایک حصہ دار سے اس کا حصہ خرید کر اسے وقف یا ہبہ یا خیرات کر دیا ہے تو ''شفعہ'' ساقط ہو جائے گا' اس لئے کہ ''شفعہ'' بحال رہنے سے نیکی کے یہ کام باطل ہو جائیں گے اور نیکی کے کام کو بحال رکھنا ''شفعہ'' کو بحال کرنے سے بہتر ہے' کہ جس میں محض ایک موہوم نقصان کا ازالہ مطلوب ہوتا ہے۔

(۷) خرید کردہ چیز کی بڑھوتری اگر اس سے علیحدہ ہے تو بڑھوتری ''مشتری'' لے گا۔ اگر سفید رقبہ پر عمارت بنا لی یا باغ لگا لیا تو قیمت ادا کر کے اسے ''شفیع'' لے سکتا ہے' لیکن اگر رقبہ سے اسے صاف کرنا چاہتا ہے تو نقصان کی ذمہ داری اسی پر ہے اس لئے کہ نہ اس کا نقصان ہو اور نہ یہ نقصان دے۔[۱]

(۸) ''شفیع'' کے لئے ذمہ داری ''مشتری'' پر ہے' اور مشتری کے لئے ضامن ''بائع'' ہے'[۲] اگر اس چیز میں کسی طرح کا کوئی معاملہ ہے تو مذکورہ طریق سے اس کا حل ہو گا۔

(۹) ''حق شفعہ'' نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔[۳] لہٰذا جس کے لئے ''حق شفعہ''

---

(۱) یعنی اگر کسی شخص نے ایک حصہ دار سے اس کے حصے کی زمین خرید لی اور اس میں کوئی چیز کاشت کر لی' باغ لگا لیا یا کوئی عمارت بنا لی بعد میں ایک شخص آ کر شفعہ کا دعویٰ کر دیتا ہے تو اس کا دعویٰ صرف زمین کے متعلق ہو گا اس کی پیداوار یا عمارت کے متعلق نہیں کیونکہ یہ مشتری کی محنت ہے اور اس پر اسی کا حق ہے اگر شفعہ کا دعویدار اس کی قیمت مشتری کو دے دے تو وہ یہ بڑھوتری لے سکتا ہے اور اگر بنی بنائی عمارت کو گرانا چاہتا ہے تو بھی نقصان حق شفعہ والا برداشت کرے گا۔ واللہ اعلم (محمد سلیم کیلانی)

(۲) یعنی اگر شفعہ کرنے والے حصہ دار کو کوئی اعتراض ہے تو وہ مشتری کے پاس جائے گا اور مشتری بائع (پہلے حصہ دار) کی طرف' واللہ اعلم۔ (ع' ر)

(۳) مثلاً جائیداد میں امجد اور اکرم دونوں شریک ہیں امجد' اکرم کو بتائے بغیر اپنا حصہ فروخت کر دیتا ہے اور اکرم خود شفعہ کا دعویٰ کرنے کی بجائے اپنا حصہ جاوید کو بیچتا یا ھبہ کر دیتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تم شفعہ کا دعویٰ کر دو واللہ اعلم۔ (ع' ر)

ثابت ہے' وہ اسے بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے' اس لئے کہ اس کی "بیع" یا "ہبہ" اس غرض کے منافی ہے جس کی وجہ سے یہ مشروع ہے' یعنی شریک سے نقصان کا ازالہ۔

نواں مادہ

اقالہ کا بیان

* اقالہ کی تعریف:

اگر "مشتری" یا "بائع" یا دونوں بیع پر نادم ہوں تو قیمت اور خریدی ہوئی چیز ایک دوسرے کو واپس کر کے سودا منسوخ کرنا "اقالہ" کہلاتا ہے۔

* اقالہ کا حکم:

اگر ایک فریق "اقالہ" کا مطالبہ کرے تو "بیع" واپس کرنا مستحب اور قابل اجر ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بَيْعَتَهُ، أَقَالَ اللهُ عَثْرَتَهُ»(سنن أبي داود، سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم وصححه)

"جو مسلمان کی "بیع" واپس کر دے' اللہ اس کی لغزشیں معاف کر دے گا۔"

اور فرمایا: «مَنْ أَقَالَ نَادِمًا أَقَالَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن بيهقي بسند صحيح)

"جو نادم کو بیع واپس کر دے' اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف کر دے۔"

* اقالہ کے احکام:

(۱) کیا "اقالہ" پہلی بیع کو فسخ کرنا ہے' یا یہ جدید بیع شمار ہوتی ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک "اقالہ" ست پہلی بیع منسوخ ہوتی ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ اسے ایک نیا سودا قرار دیتے ہیں۔

(۲) اگر فروخت شدہ چیز کا کچھ حصہ تلف ہو جائے تو باقی چیز میں "اقالہ" جائز ہے۔

(۳) "اقالہ" کے وقت قیمت میں کمی بیشی نہیں ہو گی' ورنہ "اقالہ" نہیں رہے گا' بلکہ یہ نئی "بیع" ہو جائے گی اور اس پر "بیع" کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی بیع اگر مشترکہ جائیداد تھی تو دوسرے شریک کے لیے "شفعہ" ثابت ہو جائے گا' اور اگر بیع طعام تھا تو دونوں طرف سے قبضہ ضروری ہو گا اور "بیع" کے الفاظ وغیرہ کی پابندی کی جائے گی۔

چوتھی فصل

جملہ عقود و معاہدات

[اس میں آٹھ مادے ہیں]

پہلا مادہ

شراکت کے احکام

الف۔ شراکت کی دلیل:

اللہ کے اس فرمان کی رو سے کسی چیز میں اشتراک کرنا ثابت ہے۔

﴿فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي ٱلثُّلُثِ﴾ (النساء٤/ ١٢)

"تو وہ تہائی میں شریک ہیں"

اور فرمایا:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْخُلَطَآءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (صٓ٣٨/ ٢٤)

"بہت سے حصہ دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَقُوْلُ اللهُ: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ»(رواه أبوداود وسكت عنه وأعله ابن القطان وصححه الحاكم)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میں دو حصہ داروں میں تیسرا ہوں (میری مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے)' جب تک ان میں سے ایک' دوسرے کی خیانت نہ کرے۔"

ب۔ شراکت کی تعریف:

دو یا زیادہ اشخاص کسی مال میں حصہ دار بن جائیں جو وراثت یا کسی اور (جائز) طریقے سے انہیں حاصل ہوا یا اقساط میں انہوں نے اسے اکٹھا کیا اور پھر مشترکہ طور پر اس میا یا یا اسے صنعت اور زراعت میں لگائیں۔ اس کو عرف میں شراکت کا نام دیا جاتا ہے اور اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

* شرکۃ العنان:

دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ مال میں منافع حاصل کرنے کے لئے کاروبار کرتے ہیں' بایں طور کہ ہر ایک کو اس کے اصل حصہ کی نسبت سے منافع ملے گا اور اگر خسارہ ہوا تو وہ بھی اسی نسبت سے حصہ

داروں پر تقسیم ہو گا اور ہر ایک کو اس مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے' اپنی طرف سے بذات خود بھی اور اپنے شرکاء کی طرف سے نمائندہ ہونے کی صورت میں بھی۔ اسی طرح خرید و فروخت' اور لین دین میں بھی سب مجاز ہوں گے اور ہر ایک اسی مشترکہ مال کے قرضہ جات کا مطالبہ کر سکے گا۔ مال میں اگر کوئی عیب پایا گیا تو ہر ایک اسے رد کرنے کا مجاز ہو گا۔ مختصر یہ کہ کمپنی کے فائدہ میں جو بھی معاملہ ہو گا' ہر شریک اسے سرانجام دے سکے گا۔

* شرکۃ العنان کی شرائط صحت:

(۱) مذکورہ اشتراک صرف مسلمانوں کے درمیان ہو' اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کافر سودی کاروبار کرے' یا اس میں حرام مال شامل کر دے' ہاں اگر کمپنی کے اموال میں خرید و فروخت کی ذمہ داری مسلمان کے ہاتھ میں ہے تو غیر مسلم کے حصہ دار ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں حرام مال کے شامل ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

(۲) اصل مال معلوم ہو اور اسی طرح حصہ داروں کے اموال کے حصے بھی معلوم ہوں' اس لئے کہ منافع اور خسارہ کی تقسیم اسی بنیاد پر ہو گی۔ اگر اصل مال یا حصہ داروں کے حصص کا تعین نہ ہو تو اس طرح ایک دوسرے کے اموال حرام ذرائع سے کھانے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے' جبکہ یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۸)

"اپنے مال آپس میں باطل ذریعہ سے نہ کھاؤ۔"

(۳) منافع کی تقسیم معروف (اور حصص کے) انداز پر ہو' اس طرح نہ ہو کہ بھیڑ کے کاروبار کا منافع فلاں کا اور اون کا منافع دوسرے کا' اس لئے کہ اس میں دھوکا دہی ہے جو کہ حرام ہے۔

(۴) اصل مال نقدی کی صورت جمع ہو گا' اگر کسی کے پاس سامان ہے اور وہ اشتراک کرنا چاہتا ہے تو سامان بیچ کر نقدی کی صورت میں مال جمع کرا کر کمپنی میں حصہ دار بنے۔ اس لئے کہ سامان کی قیمت مجہول ہے (معلوم نہیں ہے) اور معاملات میں جہل شرعاً ممنوع ہے' اس لئے کہ اس میں حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور باطل ذریعہ سے مال کھانے کا امکان بھی۔

(۵) ہر حصہ دار اپنے حصص کے تناسب سے کام کرے' جس کا ۱/۴ (چوتھائی) حصہ ہو' وہ چار دنوں میں ایک دن کام کرے اور اگر کام کرنے کے لئے مزدور رکھنے ہوں تو اس کی مزدوری حصہ داروں کے حصص کی نسبت سے دی جائے گی۔

(۶) اگر کوئی حصہ دار فوت ہو جائے یا پاگل ہو جائے تو شرکت ختم ہو جاتی ہے' اس کے بعد "اولیاء میت" اور "اولیاء مجنون" کو اختیار ہے' چاہیں تو سابق شرطوں پر اشتراک بحال رکھیں' یا ختم کر دیں۔

* شرکۃ الابدان:

اس میں دو یا زیادہ اشخاص باہمی سمجھوتہ کرتے ہیں کہ کسی کام کرنے میں مثلاً سلائی کرنے یا کپڑے وغیرہ دھونے میں ہر ایک جو بھی مزدوری کرے گا' سب اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے' یا جس نسبت سے طے کریں۔ اس کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ' سعد رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن سمجھوتہ کیا کہ آج جو ہمیں مال غنیمت حاصل ہو گا' اس میں سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کوئی چیز نہ لائے اور سعد رضی اللہ عنہ دو قیدی لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشارکت کو بحال رکھا۔ (سنن ابی داؤد۔ حدیث صحیح)

یاد رہے کہ جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت مال غنیمت کی تقسیم مشروع نہیں ہوئی تھی۔

* شرکۃ الابدان کے احکام:

(۱) کسی ٹھیکیدار یا صاحب اجرت سے اجرت طلب کرنے اور لینے کا دونوں حصہ داروں کو اختیار ہے۔

(۲) اگر ایک بیمار ہو جائے یا کسی عذر کی بنا پر کام پر نہ آ سکے تو جو ایک کمائے گا اس میں دونوں حصہ دار ہوں گے۔

(۳) اگر غیر حاضری کی مدت یا بیماری طویل ہو جائے تو تندرست حصہ دار اس کی بجائے ایک مزدور رکھ لے جس کی مزدوری وہ بیمار یا غائب کے حصہ میں سے دے گا۔

(۴) اگر ان میں سے ایک حصہ دار کام کے لئے آنے سے معذرت کر لے تو دوسرے کو اس کی شرکت فسخ کر دینے کا اختیار ہو گا۔

* شرکۃ الوجوہ:

دو یا زیادہ اشخاص ایک چیز اکٹھے خریدتے ہیں اور پھر اسے فروخت کر دیتے ہیں' اس میں جو منافع ہو گا' وہ دونوں برابر برابر لیں گے' اگر نقصان ہوا تو وہ بھی اسی طرح۔

* شرکۃ المفاوضہ:

یہ "شرکت عنان" "وجوہ" اور "ابدان" کے علاوہ "مضاربت" کو بھی شامل ہے۔ اس میں ہر حصہ دار اپنے ساتھی کو مالی اور بدنی اشتراک کے جملہ اختیارات تفویض کر دیتا ہے بلکہ ہر شریک خرید و فروخت اور مضاربت کے اختیارات کا حامل ہوتا ہے اسی طرح "وکالت" "خصومت" اور "رہن" میں بھی دونوں حصہ دار کلی اختیار کے مالک ہوتے ہیں۔ منافع اور خسارہ کی جو شرح وہ باہم طے کر لیں گے' اسی کے مطابق اس کا نفاذ ہو گا۔

دوسرا مادہ

مضاربت کا بیان

* مضاربت کی تعریف:

"مضاربت"[1] کو "قراض" بھی کہتے ہیں' یعنی مال ایک شخص فراہم کرے اور اس میں کاروبار دوسرا کرے اور منافع جس طرح وہ طے کرلیں' تقسیم ہو۔ خسارہ اگر اصل مال میں ہوا ہے تو وہ مال کے مالک کے ذمہ ہے' اس لئے کہ عامل (کارکن) کو اس کی محنت کا خسارہ ہی کافی ہے (اس کی محنت بیکار گئی)' مزید اسے خسارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

* مضاربت کی مشروعیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام رحمہم اللہ کا "مضاربت" کے جواز پر اجماع ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس کا رواج تھا اور آپ نے اسے بحال رکھا۔

* مضاربت کے احکام:

(۱) یہ معاملہ ان مسلمانوں کے مابین ہونا چاہیئے' جنہیں تصرف کرنے کا اختیار ہو'[۲] ہاں اگر اصل مال کافر کا ہے اور کام مسلمان نے کرنا ہے تو مسلمان اور کافر کے مابین بھی "عقد مضاربت" درست ہے' اس لئے کہ مسلمان سے سود کا خطرہ نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ اس میں کوئی حرام مال شامل کردے گا۔

(۲) رأس المال (اصل سرمایہ) معلوم ہونا چاہیئے۔

(۳) منافع میں سے "عامل" کا حصہ متعین ہونا چاہیئے۔ اگر انہوں نے معاہدہ کے وقت تعین نہیں کیا ہے تو عامل کو صرف مزدوری ملے گی اور سارا منافع مال کا مالک لے جائے گا۔[۳] اگر طے یہ ہوا کہ منافع ہمارے مابین ہو گا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ منافع دونوں میں برابر برابر ہے۔

(۴) اگر منافع کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ ۱/۴ (چوتھائی) طے ہوا تھا یا ۱/۲ (نصف) حصہ تو اس صورت میں مال کے مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔

---

(۱) مضاربت: نفع میں شریک بنا کر کسی کو تجارت کے لئے مال دینا۔ (الاثری)

(۱) ایک کو مال دینے اور دوسرے کو اسے تجارت میں لگانے کا تصرف حاصل ہو اور اس سلسلہ میں ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو واللہ اعلم (ع' ر)

(۲) اگر مالک کہے کہ مجھے اتنا منافع ہر صورت چاہیے تجھے کچھ بچے یا نہ بچے تو یہ جائز نہیں ہے اس کی بجائے یہ طے ہونا چاہیے کہ حاصل شدہ منافع (کم ہو یا' زیادہ) کا اتنا حصہ عامل کا باقی مالک کا ہوگا۔ (ع' ر)

(۵) عامل "مضاربت" پر لیا ہوا مال آگے کسی اور کو "مضاربت" پر نہیں دے سکتا' اس لئے کہ اس میں پہلے کے مال میں نقصان کا خطرہ ہے اور مسلمان کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ ہاں اگر مالک نے اس کی اجازت دی ہے تو "مضاربت" پر دینا درست ہے۔

(۶) جب تک "عقد مضاربت" کی مدت ختم نہ ہو منافع تقسیم نہ کیا جائے الا یہ کہ دونوں تقسیم پر متفقہ طور پر راضی ہو جائیں۔

(۷) اگر دوران تجارت اچانک خسارے کی وجہ سے اصل سرمائے میں کمی واقع ہو جائے تو اسے منافع سے پورا کیا جائے۔ جب تک اصل مال پورا نہیں ہوتا عامل منافع کا مستحق نہیں ہے' بشرطیکہ منافع ابھی تک تقسیم نہ ہوا ہو' مثلاً اگر دونوں نے بکریوں کی تجارت کی ہے اور ہر ایک نے اپنے حصہ کا نفع وصول کر لیا اور پھر وہ دوبارہ تجارت کرتے ہیں اور نقصان ہو جاتا ہے تو اب پہلے منافع میں سے اصل مال پورا نہیں کیا جائے گا' بلکہ خسارہ اصل مال میں سے کاٹنا ہو گا۔[1]

(۸) "مضاربت" اگر فسخ ہو جائے اور سامان میں سے کچھ باقی ہے' (یعنی اصل مال اور کچھ منافع موجود ہے) یا کسی کے پاس قرض ہے جو ابھی لینا ہے اور مال کا مالک اسے بھی بانٹنا چاہتا ہے تو اس صورت میں عامل پر لازم ہے کہ وہ اسے بھی تقسیم کرے اور جتنا منافع مالک کے حصے میں آتا ہے اسے اصل سرمائے سمیت مالک کو واپس کرے۔

(۹) مال کی تباہی یا نقصان کی صورت میں عامل کی بات تسلیم کی جائے گی' بشرطیکہ اس کے جھوٹ پر کوئی واضح ثبوت نہ ہو۔ اگر عامل مال تباہ ہونے کا دعویٰ کرے اور اس پر گواہ بھی پیش کر دے تو اس کے حلفیہ دعویٰ کو تسلیم کیا جائے گا۔

مساقات اور مزارعت

الف۔ مساقات کی تعریف:

کسی کام کرنے والے کو باغ وغیرہ کا قبضہ دینا اور کہنا کہ ان کی دیکھ بھال کر اور پانی لگا' اس کی آمدنی میں سے اتنا حصہ تیرا ہو گا۔ مساقات کہلاتا ہے۔

* مساقات کا حکم:

معاہدہ مذکور شرعاً جائز ہے اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا

---

(۱) یعنی اصل سرمائے کا خسارہ مالک کو برداشت کرنا پڑے گا اور عامل کی محنت رائیگاں جائے گی۔ (ع' ر)

تعامل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ وَتَمْرٍ» (صحيح بخاري)

"نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر سے طے کیا تھا کہ جو غلہ اور کھجور ان کی زمینوں اور باغات سے حاصل ہو گا' نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔"

اور آپ کے بعد ابو بکر' عمر' عثمان' اور علی رضی اللہ عنہم ' نے اس معاہدہ کی پابندی کی۔

* مساقات کے احکام:

(۱) "عقد" پختہ کرتے وقت کھجور یا درخت معلوم ہونے چاہئیں' بنا بریں مجہول درختوں میں (جن کی نشاندہی نہ کی گئی ہو) "مساقات" نہیں ہے' اس لئے کہ اس میں دھوکا ہے جو کہ حرام ہے۔

(۲) عامل کو پیداوار کا جو حصہ دیا جائے وہ بھی متعین اور معلوم ہو بلکہ ہر درخت میں سے حصہ کا تعین کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک کھجور یا درخت کا تعین کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ اس سال وہ پھل نہ دے اور عامل سے دھوکا ہو جائے جو کہ اسلام میں حرام ہے۔

(۳) عامل کے ذمہ وہ سب کام ہیں جو عرف عام میں کھجوروں اور دیگر درختوں کی درستی و آبادی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

(۴) اگر اس رقبہ پر کوئی سرکاری خراج یا ٹیکس لاگو ہے تو اس کی ادائیگی رقبہ کا مالک کرے گا' اس لئے کہ خراج اور ٹیکس اصل رقبہ سے متعلق ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر عامل اس رقبہ کو آباد نہ کرے تو بھی اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ زکوٰۃ ہر ایک اپنے حصہ کی ادا کرے گا' اگر اس کا حصہ اسے نصاب کے برابر حاصل ہوا' اس لئے کہ زکوٰۃ کا تعلق پھل کی پیداوار کے ساتھ ہے۔

(۵) ایک شخص کسی کو زمین دیتا ہے کہ اس میں باغ اور درخت لگا' اسے پانی دے اور دیکھ بھال کر یہاں تک کہ پھل آور ہو جائے تو اس میں سے ۱/۳ یا ۱/۴ حصہ تجھے دے دوں گا۔ تو یہ "مساقات" بھی جائز ہے' بشرطیکہ معاہدہ پھل دینے کی مدت تک کا ہو (معاہدے کی مدت اس سے پہلے ختم نہ ہوتی ہو) اور عامل اپنا حصہ رقبہ [۱] اور درخت دونوں میں سے حاصل کرے گا۔ [۲]

(۶) اگر عامل کام کرنے سے عاجز ہو گیا ہو اور اپنی جگہ کسی اور کو یہ کام سپرد کر دے تو یہ جائز ہے اور "عقد" کے مطابق یہ کام کرنے والا (نیا کارکن) پھل کے حصہ کا مستحق ہے۔

---

(۱) کیونکہ مالک نے اسے باغ نہیں دیا بلکہ سفید رقبہ دیا اور عامل نے اس پر باغ لگایا واللہ اعلم (ع' ر)

(۲) یعنی اپنے حصے کے رقبے پر معاہدے کی مدت تک من پسند چیز کاشت کر سکے گا۔ واللہ اعلم (ع' ر)

(۷) اگر عامل فوت ہو جائے تو ورثاء اس کی جگہ کام کرنے کے لئے کسی کو مقرر کریں اور اگر دونوں "عقد" فسخ کرنا چاہیں تو انہیں یہ بھی اختیار ہے۔

ب۔ مزارعت کی تعریف:

ایک شخص اپنا "رقبہ زمین" دوسرے کو دیتا ہے کہ وہ اس میں کاشت کرے اور وہ آمدنی میں سے اتنے معین حصہ کا مستحق ہو گا۔

* مزارعت کا حکم:

جمہور صحابہ' تابعین اور ائمہ اسے جائز قرار دیتے ہیں' جبکہ بعض ناجائز کہتے ہیں۔ جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں سے نصف حصہ بٹائی پر[1] معاملہ طے کیا تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ وَثَمَرٍ، فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ»(صحيح بخاري)

"رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ طے کیا جو کچھ کھیتی اور پھلوں کی آمدنی میں سے حاصل ہو گا' وہ اس کا نصف (حکومت کو) ادا کریں گے اور آپ اس آمدنی سے اپنی بیویوں کو ایک سو وسق دیتے تھے۔"[2]

"مزارعت" کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں انہیں علماء اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس سے مجہول چیز پر "مزارعت" مراد ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس توجیہہ کی تائید کرتی ہے:

«كُنَّا مِنْ أَكْثَرِ الأَنْصَارِ حَقْلاً، فَكُنَّا نُكْرِي الأَرْضَ عَلَى أَنَّ لَنَا هٰذِهِ وَلَهُمْ هٰذِهِ، فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هٰذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ هٰذِهِ، فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ»(صحيح بخاري)

"انصار میں ہمارے کھیت زیادہ تھے اور ہم زمین کرایہ پر دے دیتے تھے۔ اس طرز پر کہ ہم اس قطعہ کی آمدنی لیں گے اور کاشتکار فلاں قطعہ کی۔ پھر بسا اوقات اس قطعہ میں تو آمدنی ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔"

---

(۱) خیبر کی کچھ زمین بطور فئے اسلامی حکومت کی تحویل میں آئی تھی جس کے متعلق یہ طے ہوا کہ اہل خیبر کاشتکاری کریں گے اور حاصل شدہ پیداوار کا نصف انہیں دیا جائے گا باقی نصف حکومت لے گی۔ (عبدالرحمن کیلانیؒ)

(۲) قرآن پاک نے مال فئی میں رسول اللہ ﷺ اور انکے قرابتداروں کا حصہ بھی رکھا ہے (الحشر ۵۹ / ۷) (ع' ر)

جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے آپ نے محض کراہت کے طور پر منع کیا ہو (حرمت مردانہ ہو)، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلَكِنْ قَالَ: أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرَاجًا مَعْلُوْمًا»(صحيح بخاري)

"نبی کریم ﷺ نے "عقد مزارعت" سے منع نہیں کیا، البتہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے (کاشتکار) بھائی کو (ضرورت سے زائد) رقبہ عطیہ کے طور پر دے دے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے پیداوار کا معلوم حصہ وصول کرے۔"

* مزارعت کے احکام:

(۱) مزارعت کی مدت معلوم اور متعین ہو، جیسا کہ ایک سال کے لئے۔

(۲) جس حصہ پر اتفاق ہوا ہے اس کی مقدار معلوم ہو، مثلاً آدھا یا تیسرا یا چوتھائی حصہ وغیرہ اور وہ حصہ حاصل شدہ کل آمدنی میں سے نکالا جائے گا۔ اگر یہ کہا گیا کہ صرف فلاں قطعہ کی آمدنی تیری ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

(۳) بیج زمین کا مالک دے گا۔ اگر بیج عامل مہیا کرے تو اسے مخابرۃ[1] کہتے ہیں اور اس کے جواز اور عدم جواز میں شدید اختلاف ہے اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ»(مسند أحمد بسند صحيح)

"رسول اللہ ﷺ نے مخابرۃ سے منع فرمایا ہے۔"

(۴) اگر رقبہ کے مالک نے تقسیم سے پہلے آمدنی میں سے بیج وصول کرنا شرط کیا ہے اور یہ کہ باقی ان دونوں کے مابین حصہ رسد (یعنی جو حصہ بنتا ہے وہ) تقسیم ہو گا تو اس صورت میں مزارعت فاسد ہے۔[2]

(۵) "مزارعت" (بٹائی پر رقبہ دینا) سے زمین نقد کرایہ پر دینا بہتر ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَمَّا بِالذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ فَلَمْ يَنْهَنَا»

"سونا چاندی کے ساتھ کرایہ پر دینے سے ہمیں منع نہیں کیا۔"

---

(۱) فتح الباری میں ہے کہ "مخابرہ" میں بیج عامل کے ذمہ ہوتا ہے اور "مزارعہ" میں بیج مالک زمین دیتا ہے۔ (مؤلف)

(۲) ہاں اگر تقسیم کے بعد اپنے حصے سے بیج نکال کر اگلی بوائی کے لیے کاشتکار کو دے تو پھر جائز ہے۔ واللہ اعلم (ع، ر)

(۶) اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ "رقبہ زمین" ہے تو وہ اپنے بھائی مسلمان کو عطیہ [1] کے طور پر دے دے' تا کہ وہ اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ»(صحيح بخاري)

"جس کے پاس زمین ہے وہ اسے خود کاشت کرے' یا اپنے بھائی کو (خواہ صرف فائدہ حاصل کرنے کے لئے) دے دے۔" [2]

اور فرمایا: «أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرَاجًا مَعْلُومًا»(أيضًا)

"اپنے بھائی کو (فائدہ حاصل کرنے کے لئے) دے دے' یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس پر پیداوار کا متعین حصہ وصول کرے۔"

(۷) جمہور کے نزدیک غلہ کے عوض زمین کرایہ پر دینا منع ہے (جیسا کہ تین من گندم فی بیگھہ وغیرہ) اس لئے کہ اس میں غلہ کو غلہ کے ساتھ ادھار اور کمی و بیشی میں فروخت کرنا لازم آتا ہے' جو کہ ممنوع ہے۔ [3]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواز مروی ہے' مگر اس سے مراد "مزارعت" ہے' نہ کہ کھانے کے بدلے میں زمین اجرت پر دینا۔

چوتھا مادہ

اجارہ کا بیان

* اجارہ کی تعریف:

معلوم مدت کے لئے کام کرنے اور اس کی نقد رقم کی صورت میں اجرت ادا کرنے کے معاہدے کا نام "اجارہ" ہے۔ [4]

---

(۱) زمین کے عطیہ میں ملکیت تبدیل نہیں ہوتی اور کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسے کسی ضرورت مند کو دینا عطیہ کہلاتا ہے۔(الاثری)

(۲) اور اگر زمین کی ملکیت ہی اسے ھبہ کردے تو یہ سب سے بہتر صورت ہے۔(ع' ر)

(۳) جبکہ مزارعت میں مالک زمین حاصل شدہ پیداوار کا متعین حصہ وصول کرتا ہے۔(ع' ر)

(۴) عربی زبان کا لفظ "اجارہ" بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً زمین کو ٹھیکہ پر دینا بھی اجارہ ہے' کسی چیز کو کرایہ پر لینا یا دینا بھی اجارہ ہے ریلوں' بسوں اور ٹرانسپورٹ کا کرایہ دینا بھی اجارہ ہے اور کسی کو ایک معین مدت کے لیے مزدور رکھنا بھی اجارہ ہے۔(عبدالرحمٰن کیلانی)

* اجارہ کا حکم:

یہ جائز ہے' اس لئے کہ فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴾ (الكهف١٨/ ٧٧)

"اگر تو چاہتا تو اس کام پر مزدوری لے لیتا۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴾ (القصص٢٨/ ٢٦)

"جسے تو مزدور بنائے بہتر ہے کہ وہ طاقتور اور امین ہو۔"

مزید ارشاد ربانی ہے: ﴿ عَلَىٰٓ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٍ ﴾ (القصص٢٨/ ٢٧)

"اس شرط پر کہ تو میرے پاس آٹھ سال مزدور رہے گا۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُوَفِّهِ أَجْرَهُ»(صحيح بخاري)

"اللہ عزوجل فرماتا ہے "میں قیامت کے دن تین اشخاص کا دشمن ہوں گا" ایک شخص جو میرے نام سے "عہد" کرتا ہے اور پھر دھوکا دیتا ہے' ایک وہ مرد جو آزاد کو بیچ کر اس کے پیسے کھا جاتا ہے اور ایک وہ شخص جو مزدور سے پوری مزدوری کراتا ہے' مگر اسے پوری اجرت نہیں دیتا۔"

اور رسول اللہ ﷺ و ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر بنو دیل کے ایک ماہر شخص کو مزدور بنایا تھا جو انہیں مدینہ منورہ کے راستے بتاتا تھا۔ (صحیح بخاری)

* اجارہ کی شرائط:

(۱) منافع (یعنی کرایہ دینے والا شخص جو نفع اٹھائے گا وہ) متعین ہونا چاہیئے مثلاً مکان کی رہائش ہے' یا کپڑا سینا ہے' اس لئے کہ یہ "بیع" کی طرح ہے اور بیع میں "مبیع" کی دریافت ضروری ہے۔

(۲) نفع کا جائز ہونا بھی ضروری ہے' بنا بریں لونڈی زنا کے لئے اجرت پر دینا یا عورت کو گانے یا نوحہ کے لئے اجرت پر رکھنا' اسی طرح کفار اور یہود و نصاریٰ کے "معبد" (عبادت گاہ) کی تعمیر کے لئے زمین کرایہ پر دینا' یا شراب خانہ کے لئے دکان کرایہ پر دینا سب ناجائز ہیں۔

۳۔ اجرت متعین ہو' اس لئے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ اسْتِئْجَارِ الأَجِيْرِ حَتَّى يُبَيَّنَ لَهُ أَجْرُهُ»(رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح)

"رسول اللہ ﷺ نے مزدور کی مزدوری متعین کئے بغیر مزدور رکھنے سے منع فرمایا ہے۔"

* اجارہ کے احکام:

(۱) علم یا ہنر سکھانے کے لئے استاد کو تنخواہ دینا جائز ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے بعض قیدیوں کو مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھانے کے عوض چھوڑا تھا۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ کوئی شخص کھانے اور کپڑے کے عوض کام کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مُوْسٰی آجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِيَ حِجَجٍ أَوْ عَشْرًا عَلٰی عِفَّةِ فَرْجِهِ وَطَعَامِ بَطْنِهِ»(مسند أحمد وسنن ابن ماجة وفي إسناده مقال)

"موسیٰ (علیہ السلام) نے آٹھ' یا دس سال کے لئے اپنی شرم گاہ کی عفت (یعنی نکاح کرنے) اور اپنے پیٹ کے کھانے پر مزدوری کی ہے۔"

(۳) متعین مکان کرایہ پر لینا درست ہے' جبکہ ظن غالب یہ ہو کہ مکان اسی مدت تک باقی رہے گا۔

(۴) ایک شخص نے کوئی چیز کرایہ پر دے دی' مگر لینے والے کو اس کے استفادہ سے روک دیا ہے تو جتنی مدت رکاوٹ رہے گی' اس کا کرایہ ساقط ہو جائے گا اور اگر مستاجر (کرایہ پر لینے والا) خود ہی اس سے فائدہ نہیں حاصل کر رہا تو اس کو پورا کرایہ دینا پڑے گا۔

(۵) کرایہ پر دی ہوئی چیز تلف ہو جائے تو "عقد اجارہ" فسخ ہو جائے گا' مثلاً مکان منہدم ہو جائے یا جانور مر جائے' وغیرہ۔ البتہ جتنی مدت اجرت پر لینے والے نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے' اس کا کرایہ اس کو دینا پڑے گا۔

(۶) اجرت پر دی ہوئی چیز میں اگر عیب کا پتہ لگے تو "عقد" فسخ ہو جائے گی الاّ یہ کہ وہ عیب مستاجر کو پہلے سے معلوم ہو اور اس کے باوجود اس نے اسے اجرت پر لینا قبول کیا ہو تو "عقد" درست ہے اور اگر اس نے کچھ مدت اس چیز سے فائدہ حاصل کر لیا ہے تو اتنی مدت کا کرایہ دینا ہو گا۔

(۷) "اجیر مشترک"[1] درزی' لوہار وغیرہ کے فعل سے اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہو گا (دوکان کا مالک ذمہ دار نہیں ہو گا) اور اگر اس کی دکان سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو یہ (کاریگر) ضامن نہیں ہے' اس لئے کہ (دکان کا) یہ (سامان) ودیعت کے حکم میں ہے (کاریگر کے پاس مالک کی امانت

---

(۱) وہ کاریگر جو مالک کی دکان پر بیٹھتا' اس سے تنخواہ لیتا اور یکے بعد دیگرے مختلف لوگوں کے آرڈر کی تعمیل کرتا ہے مثلاً درزی یا لوہار وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

ہے) اور "ودیعت" ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں ہے' الاّ یہ کہ "صاحب ودیعت" (کاریگر) کی کوتاہی کا اس کے ضائع ہونے میں کوئی دخل ہو اور اسی طرح "اجیر خاص" [1] سے جسے کسی نے اپنے پاس ایک کام کے لئے مزدور رکھا ہے' اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو یہ ضامن نہیں ہے' الاّ یہ کہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کوتاہی کی ہے یا اس سلسلے میں زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔

(۸) اجرت تو معاہدہ ہوتے ہی ہی لازم ہو جاتی ہے' البتہ ادائیگی اس وقت لازم ہو گی جب اجرت پر مزدور رکھنے والا نفع حاصل کرے گا یا اس کا کام مکمل ہو جائے گا الاّ یہ کہ ادائیگی عقد کے ساتھ ہی مشروط ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

«لَكِنَّ الْعَامِلُ إِنَّمَا يُوَفَّى أَجْرَهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ»

"لیکن کام کرنے والے کاریگر کو اس کی مزدوری کام پورا کرنے پر پوری دے دی جائے۔"

(۹) متاجر (کاریگر) مزدوری وصول کرنے کے لئے آجر (مالک) کی چیز روک سکتا ہے' اگر اس چیز میں اس نے کام کیا ہے' مثلاً اس نے کپڑے کی سلائی کی ہے اور اگر اس چیز میں اس کے کام اور عمل کی تاثیر نہیں ہے' مثلاً اس نے اجرت پر کسی کا سامان وغیرہ اٹھایا ہے تو وہ مالک کا سامان نہیں روک سکتا' بلکہ طے شدہ جگہ پر سامان پہنچا کر اجرت طلب کرے گا۔

(۱۰) ایک شخص جو طب کا ماہر نہیں ہے' کسی کا اجرت پر علاج کرتا ہے یا دوا دیتا ہے اور نقصان کر دیتا ہے تو وہ ضامن ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ»(سنن أبي داود، سنن نسائی وسنن ابن ماجة)

"جو علاج کرتا ہے اور طب میں وہ معروف نہیں ہے تو وہ ضامن ہے۔" [2]

امام ابو داوٗد رحمہ اللہ نے اس کی صحت میں تردد کیا ہے۔

---

(۱) وہ کاریگر یا مزدور جسے کسی شخص یا ادارے نے صرف اپنے کسی کام کے لیے اجرت پر رکھا ہو وہ دوسروں کے آرڈرز کی تعمیل نہیں کرتا۔ واللہ اعلم (ع' ر)

(۲) طبیب وہ ہے جو اسباب مرض اور ادویہ کی معرفت رکھتا ہو اور اساتذہ' فن طب میں اس کی مہارت کی شہادت دیتے ہوں اور انہوں نے اسے پیشۂ طب اختیار کرنے کی اجازت دی ہو تو اسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ طب میں معروف ہے۔ (مؤلف)

پانچواں مادہ

جعالہ کا بیان

* جعالہ کی تعریف:

لغت میں "جعالہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو کام کرنے کے عوض میں دی جائے اور شرعاً "جعالہ" اس معلوم مال کو کہتے ہیں جو ایک مخصوص اور معلوم یا مجہول کردار پر کسی کو (بطور انعام) دیا جائے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے: جو مجھے یہ دیوار بنا کر دے گا' میں اس کو اتنی رقم دوں گا۔ اب جو شخص بھی یہ دیوار تعمیر کر دے گا' اس مال کا مستحق ہو جائے گا خواہ وہ کم ہے یا زیادہ۔

* جعالہ کا حکم:

شرعاً انعام دینا جائز ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے:

﴿ وَلِمَن جَآءَ بِهِۦ حِمۡلُ بَعِيرٖ وَأَنَا۠ بِهِۦ زَعِيمٞ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۷۲)

"اور جو "پیالہ" لا دے گا' اس کو ایک اونٹ کا اٹھایا ہوا غلہ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«خُذُوْهَا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ»(صحيح بخاري في كتاب الإجارة)

"انہیں لے لو اور میرا بھی ان میں اپنے ساتھ حصہ رکھو۔"

آپ کا یہ فرمان ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے تھا' جو دوران سفر ایک سانپ کے ڈسے ہوئے سردار پر سورۂ فاتحہ کا دم پڑھ کر اس سے کچھ بکریاں لائے تھے۔

* جعالہ کے احکام:

(۱) انعام کی پیشکش ایک جائز "عقد" ہے' دونوں فریق اس کو فسخ کر سکتے ہیں۔ اگر کام سے پہلے معاہدہ فسخ ہو گیا تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر کام کے درمیان میں فسخ ہوا تو کام کی نوعیت کے مطابق اس کو اجرت ملے گی۔

(۲) اس میں کام کی مدت متعین نہیں ہوتی۔ بنا بریں اگر ایک شخص کہتا ہے جو کوئی میرا گم شدہ یا بھاگ جانے والا جانور لا کر دے گا' میں اسے ایک دینار انعام دوں گا تو وہ جانور لانے پر دینار کا مستحق ہو جائے گا' چاہے ایک ماہ بعد لائے' یا سال بعد۔

(۳) اگر ایک جماعت انعام مقرر کردہ کام کرنے لگ جائے تو انعام ان میں برابر تقسیم ہو جائے گا۔

(۴) حرام کام پر انعام مقرر کرنا جائز نہیں ہے مثلاً یہ کہنا کہ "جو گانا گائے یا ساز بجائے' یا فلاں کو مار آئے یا گالی دے اس کے لئے اتنا انعام ہو گا" ناجائز ہے۔

(۵) جو شخص کوئی گم شدہ چیز یا گم شدہ جانور واپس کرتا ہے یا کام کرنے لگ جاتا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اس پر انعام مقرر ہو چکا ہے تو یہ انعام کا مستحق نہیں ہے' اس لئے کہ اس نے کام کی ابتدا نفلی طور پر اور اپنی خوشی سے کی تھی' لہٰذا یہ مستحق انعام نہیں ہے۔[1] البتہ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے یا ڈوبتے کو بچانے پر اسے انعام سے نوازا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی جرأت و بہادری کا صلہ ہے؛

(۶) کسی حلال چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ جو اسے کھا لے یا پی لے تو اس کے لئے اتنا انعام ہے تو یہ صحیح ہے' ہاں اگر یوں کہے جو اسے کھائے اور اس میں سے کچھ چھوڑ دے تو اس پر اتنی چٹی ہو گی تو یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ شرط بن جاتی ہے۔

(۷) اگر مالک اور عامل دونوں انعام کی مقدار میں اختلاف کریں تو مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہو گی اور اگر انعام کے ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے تو بات عامل کی تسلیم ہو گی' مگر قسم کے ساتھ۔

چھٹا مادہ

حوالہ کا بیان

* حوالہ کی تعریف:

ایک شخص کے ذمہ سے قرض تبدیل کر کے دوسرے کے ذمہ کر دینا' مثلاً ایک شخص نے قرض دینا ہے اور اسی نے کسی سے قرض لینا بھی ہے تو قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو مقروض کہتا ہے میں نے فلاں سے قرض لینا ہے تو اس سے وصول کر لے' اگر قرض خواہ تسلیم کر لے تو مقروض بری الذمہ ہو جائے گا۔

* حوالہ کا حکم:

"حوالہ" جائز ہے' البتہ اگر مقروض' قرض خواہ کو کسی مالدار کے حوالے کر رہا ہے تو قرض خواہ پر یہ حوالہ قبول کرنا لازم ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيْىءٍ فَلْيَتْبَعْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"غنی کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالے کیا جائے تو وہ اسے قبول کر لے۔"

اور فرمایا: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُحِلْتَ عَلَى مَلِيْىءٍ فَاتَّبِعْهُ»(أصحاب السنن

---

(۱) الآیہ کہ مالک اپنی خوشی سے اسے انعام دے دے تاہم اسے ثواب ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ (ع' ر)

واللفظ لابن ماجة وهو صحيح)

”غنی کی قرض کی ادائیگی میں تاخیر ظلم ہے اور جب تو غنی کے حوالہ کیا جائے تو اسے قبول کر۔“

* حوالہ کی شرائط:

(۱) جس کے ذمہ قرض حوالہ کیا جا رہا ہے وہ قرض کو تسلیم کرتا ہو اور اس کے ذمہ میں قرض یقیناً ثابت شدہ ہو۔

(۲) دونوں قرضے جنس' تعداد' مقدار' صفت اور ادائیگی کی میعاد میں برابر ہوں۔

(۳) حوالہ کرنے والا اور جس کے حوالہ کیا جا رہا ہے' دونوں اس پر راضی ہوں۔ اس لئے کہ حوالہ کرنے والے نے اگرچہ قرض دینا ہے' مگر اس پر یہ لازم نہیں کہ بذریعہ حوالہ ہی ادا کرے' اسی طرح جس کے حوالہ کیا جا رہا ہے' وہ بھی پابند نہیں ہے کہ اسے ضروری قبول کرے' ”عقد حوالہ“ مسلمانوں میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

* حوالہ کے احکام:

(۱) قرض جس کے حوالہ کیا جا رہا ہے' وہ ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيْءٍ فَلْيَتْبَعْ» (أصحاب السنن)

”جب تم میں سے کسی (کے قرض) کو غنی کے حوالہ کیا جائے تو وہ اسے قبول کر لے۔“

(۲) اگر قرض ایک شخص کے حوالہ ہو گیا ہے' بعدازاں پتہ چلا کہ وہ مفلس ہے' یا مر چکا ہے' یا بہت دور چلا گیا ہے تو قرض خواہ اپنا حق حوالہ کرنے والے سے (پہلے مقروض سے) طلب کر سکتا ہے۔

(۳) اگر ایک شخص نے اپنا قرض کسی کے حوالے کر دیا اور اس نے پھر آگے کسی اور کے حوالے کر دیا تو جائز ہے' اس لئے کہ اگر شرطیں پوری کر لی گئی ہیں تو ”تکرار حوالہ“ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ساتواں مادہ — ضمانت' کفالت' رہن' وکالت اور صلح کا بیان

* ضمانت کی تعریف:

کسی دوسرے پر ثابت شدہ حق کی ذمہ داری قبول کرنا۔ مثلاً ایک شخص کا کسی پر حق ہے' اس نے مطالبہ کیا تو ایک اور شخص جو بااختیار ہے' کہتا ہے یہ میرے ذمہ ہے' میں تجھے دے دوں گا۔ اس لفظ سے وہ ”ضامن“ ہو گا۔ صاحب حق اس سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر یہ نہ دے تو پھر اصل مقروض سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔

* ضمانت کا حکم:

اس طرح کی ذمہ داری لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِمَن جَآءَ بِهِۦ حِمۡلُ بَعِيرٖ وَأَنَا۠ بِهِۦ زَعِيمٞ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۷۲)

"اور جو اس (پیالے) کو لائے گا اس کے لئے (حکومت کی طرف سے) ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلزَّعِيْمُ غَارِمٌ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وحسنه)

"ضامن ادائیگی کرے گا"

ایک مقروض شخص فوت ہو گیا اور قرض کی ادائیگی کے لئے اس کے متروکہ مال میں کچھ نہیں تھا آپ اس کا جنازہ پڑھنے سے رک گئے اور فرمایا:

«إِلاَّ إِنْ قَامَ أَحَدُكُمْ فَضَمِنَهُ»(صحيح بخاري)

"ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص ضامن بن جائے تو میں اس کا جنازہ پڑھوں گا۔"

* ضمانت کے احکام:

(۱) "ضمانت" میں ضامن کا راضی ہونا معتبر ہے' "مضمون" (جس شخص کی ضمانت دی جا رہی ہے) کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) جس کی ذمہ داری دی جاری ہے وہ اس وقت بری قرار پائے گا' جب ضامن ذمہ داری پوری کرے گا اور "جس کی ذمہ داری دی جا رہی ہے" اگر بری ہو گیا تو ضامن بھی ضمانت سے بری ہو جائے گا۔

(۳) "ضمانت" میں "مضمون" (جس کی ضمانت دی جا رہی ہے) کی معرفت ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ضامن جس کو بالکل ہی نہیں جانتا ہے اس کی ضمانت بھی دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ "ضمان" نیکی اور احسان کا کام ہے۔

(۴) "ضمانت" اسی حق میں دی جا سکتی ہے جو کسی کے ذمہ ثابت شدہ ہو' یا آئندہ ثابت ہونے والا ہو' جیسا کہ انعام وغیرہ میں ہوتا ہے۔

(۵) ایک ہی چیز میں متعدد ضامن ہو سکتے ہیں' جبکہ ضامن پر ضامن ہو (یعنی ضامن کا بھی کوئی ضامن بن جائے) تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

* ضمانت کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد' میرے پاس [1] اس "ضمان" کے گواہ فلاں تاریخ کو آئے اور

گواہی دی کہ یہ شخص فلاں کے ذمے اتنی مقدار کے واجبات کا ضامن ہے (اس موقعہ پر لکھنے یا لکھانے والا واضح کرے کہ قرض کی ادائیگی کا وقت آگیا ہے' یا قسطیں ہیں یا کہ مؤجل ہے) اور یہ "ضمان" شرعی اصولوں کے مطابق ہے' ضامن نے اقرار کیا ہے کہ وہ مذکورہ واجبات کی ادائیگی پر قادر ہے اور ضمان کے عرفی و شرعی مفہوم سے واقف ہے' جبکہ "جس کی ضمانت دی جارہی ہے اس" نے بھی اس کی "ضمان" کو تسلیم کیا ہے۔ آج مؤرخہ......کو یہ تحریر ہوئی۔

ب۔ کفالت کی تعریف:

ایک با اختیار شخص اپنے اوپر یہ لازم کرلے کہ اگر فلاں پر کسی حق کو ادا کرنا ثابت ہوگیا تو میں دوں گا' یا وہ (با اختیار شخص) کسی کو عدالت میں حاضر کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔

* کفالت کا حکم:

مذکورہ "کفالت" شرعاً جائز ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ ٱللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يُحَاطَ بِكُمْ ﴾

(یوسف ١٢/ ٦٦)

"میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا' الآ یہ کہ تم مجھ سے اللہ کی طرف سے پختہ عہد کرو کہ اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے' الآ یہ کہ تمہارا گھیراؤ کرلیا جائے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ كَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ»(رواه البيهقي وابن عدي وفي سنده ضعف ومعناه صحيح)

"حدوں میں کفالت نہیں ہے۔" (وضاحت آرہی ہے)

اور فرمایا: «اَلزَّعِيْمُ غَارِمٌ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وحسنه)

"کفیل (نے جو حق اپنے ذمے لیا ہے وہ اسے) ادا کرے گا۔"

* کفالت کے احکام:

(ا) کفالت میں "مکفول" (جس کی کفالت کی جائے) کی پہچان ضروری ہے' بالخصوص عدالت میں حاضر کرنے کی کفالت میں۔

(۲) کفالت میں "کفیل" کی رضا ضروری ہے۔

(ا) یہ مطلب نہیں کہ بعینہ یہی الفاظ لکھے جائیں بلکہ بطور نمونہ یہ اظہار مقصود ہے کہ ضمانت نامہ میں کسی طرح فریقین' عقد اور گواہوں کا تذکرہ ہو جائے اور یہ تحریر قاضی محکمہ کی طرف سے ہوگی۔ (مؤلف)

(۳) مالی کفالت میں اگر "مکفول" فوت ہو جائے تو کفیل مال کا ضامن ہے اور اگر کسی کو حاضر کرنے کی کفالت میں "مکفول" مرجائے تو کفیل پر کچھ نہیں ہے۔

(۴) کفیل، مکفول کو عدالت میں قاضی کے پاس پیش کر دے تو کفیل کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

(۵) کفالت ان حقوق میں ہی ہوتی ہے جو کسی کے ذمہ ہوں اور ان میں شرعاً نیابت جائز ہو، مثلاً مالی امور وغیرہ اور جن امور میں ایک انسان دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا، جیسا کہ حدود و قصاص تو ان میں "کفالت" بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ كَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ»(رواه البيهقي)

"حدود میں کفالت نہیں ہے۔"

ج۔ رہن کی تعریف:

مقروض قرض کے تحفظ کے لئے کوئی چیز قرض خواہ (قرض دینے والے) کے پاس رکھتا ہے، تا کہ وہ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ چیز یا اس کی قیمت سے قرض منہا کر لے (کاٹ کر وصول کر لے)۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے قرض طلب کیا، قرض دینے والا مطالبہ کرتا ہے کہ قرض کے تحفظ (دوسرے لفظوں میں میری تسلی) کے لئے تو میرے پاس (اپنی کوئی چیز) جانور یا زمین وغیرہ گروی رکھ، جب "ادائیگیٔ قرض" کا وقت آئے گا اور مقروض قرض ادا کر سکے گا تو قرض خواہ (یا تو قرض وصول کر کے گروی چیز مقروض کو واپس کر دے گا یا اسی) گروی چیز میں سے اپنا قرض وصول کر لے گا۔ قرض خواہ کو "مرتہن" کہتے ہیں اور مقروض کو "راہن" اور گروی رکھی ہوئی چیز کو "رہن" یا "مرهون" کہا جاتا ہے۔

* رہن کا حکم:

قرض میں کوئی چیز گروی رکھنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٣)

"اگر تم سفر میں ہو اور (قرضے کی دستاویز) لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی چیز قبضہ میں کر لی جائے۔[1]"

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«لاَ يُغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»(مسند

---

(۱) اس آیت میں دلیل ہے کہ گروی رکھنا جائز ہے سفر ہو یا حضر۔ یعنی اگر سفر میں جائز ہے تو پھر حضر میں تو بالاولیٰ جائز ہو گی۔ (مؤلف)

شافعي، سنن دارقطني وسنن ابن ماجة وهو حسن لكثرة طرقه)

"رہن اس کے مالک "راہن" سے نہ روکی جائے۔ اس کی بڑھوتری اس کی ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔" (وضاحت آ رہی ہے)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَهَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دِرْعًا عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فِي الْمَدِيْنَةِ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لأَهْلِهِ» (صحيح بخاري)

"رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ "رہن" رکھی اور اس سے اپنے گھر کے لئے جو (بطور قرض) حاصل کئے۔"

(۳) رہن کے احکام:

(۱) "مرتہن" کا "گروی رکھی گئی چیز" پر قبضہ کرتے ہی گروی رکھی گئی چیز "راہن" کو لازم ہو جاتی ہے۔ (یعنی راھن پر لازم ہے کہ اسے مرتہن کے پاس رہنے دے) بنا بریں "راہن" اگر واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا، مگر "مرتہن" اسے واپس کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اس لئے کہ رھن سے اس کا حق وابستہ ہے۔

(۲) جو چیزیں فروخت کرنا درست نہیں ان کا "رہن" رکھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ البتہ کھیتی اور پھل جو ابھی پکے نہیں ہیں، کی "بیع" درست نہیں، مگر گروی رکھے جا سکتے ہیں، اس لئے کہ اس میں "مرتہن" کو دھوکا نہیں لگے گا۔ جبکہ کھیتی یا پھل تباہ بھی ہو جائے تو قرض "راھن" کے ذمہ ثابت ہے۔

(۳) "رہن" کی میعاد ختم ہونے پر "مرتہن" قرض کا مطالبہ کرے۔ اگر "راہن" ادائیگی کر دے تو "رہن" واپس کر دے، ورنہ اس میں سے اپنا حق وصول کر لے۔ اگر کاروبار کی وجہ سے "گروی" میں آمدنی اور اضافہ حاصل ہوا ہے، تو اسے فروخت کر کے اپنا حق رکھ لے اور زائد واپس کر دے۔ لیکن اگر "رہن" کی فروخت سے پورے حق کی ادائیگی نہیں ہوتی تو بقیہ "راہن" کے ذمہ قرض ہے۔

(۴) "رہن" "مرتہن" کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر اس کی کوتاہی یا زیادتی سے تلف ہو جائے تو وہ "ضامن" ہو گا، ورنہ "ضامن" نہیں ہے اور قرض "راہن" کے ذمہ باقی رہے گا۔

(۵) "رہن" کو "مرتہن" کے علاوہ کسی امین شخص کے پاس بھی رکھا جا سکتا ہے، اس لئے کہ "رہن" کا اصل مقصد قرض کا تحفظ ہے اور امین شخص کے پاس اس کو رکھنے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

(۶) اگر "راہن" یہ شرط لگائے کہ قرض کی ادائیگی کی میعاد آنے پر رھن کو فروخت نہیں کیا جا سکے گا تو "رہن" باطل ہے۔ اسی طرح اگر "مرتہن" یہ شرط لگائے کہ میعاد آنے پر قرض کی عدم ادائیگی

کی صورت میں "رہن" کا مالک "مرتہن" ہو گا تو اس سے بھی "رہن" باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يُغْلَقُ الرَّهْنُ لِمَنْ رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»(رواه ابن ماجة بسند حسن والدارقطني وغيرهما)

گروی رکھی گئی چیز کو روکا نہ جائے' یہ "رہن" رکھنے والے کی ملکیت ہے اور اسی کے لئے اس کا نفع ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔"

(۷) قرض کی مقدار میں اگر "راہن" اور "مرتہن" کے مابین اختلاف ہو جائے تو حلف کے ساتھ "راہن" کی بات معتبر ہو گی' الاّ یہ کہ "مرتہن" اس کے خلاف ثبوت پیش کر دے اور اگر "رہن" میں اختلاف ہو جائے' مثلاً "راہن" کہتا ہے کہ میں نے تیرے پاس جانور اور اس کا بچہ گروی رکھا تھا اور "مرتہن" کہتا ہے صرف جانور تھا تو حلف کے ساتھ "مرتہن" کی بات معتبر ہو گی۔ الاّ یہ کہ "راہن" اس کے خلاف ثبوت پیش کر دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ»(رواه البيهقي بسند صحيح وأصله في الصحيحين)

"ثبوت مدعی پیش کرے اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے۔"

(۸) اگر "مرتہن" دعویٰ کرے کہ میں نے "مرہون" چیز واپس کر دی ہے اور "راہن" انکار کرے تو راہن کی حلفیہ بات تسلیم کی جائے گی' الاّ یہ کہ "مرتہن" اپنے دعویٰ میں ثبوت پیش کر دے۔

(۹) "مرتہن" گروی رکھی ہوئی سواری پر سوار ہو سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے۔ مگر خرچ کے حساب سے (جو وہ جانور کی ضروریات پر کرتا ہے)' اس بارے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے اور خرچ سے زائد فائدہ حاصل نہ کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا، وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ»(صحيح بخاري)

"مرہون جانور پر خرچ کے عوض سواری کی جا سکتی ہے اور اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے اور جو سوار ہو گا اور دودھ پئے گا' وہ (اسی حساب سے جانور کی ضروریات کے لیے) خرچ ادا کرے گا۔"

(۱۰) گروی چیز کی آمدنی' اجرت' محصول' نسل وغیرہ سب "راہن" کی ملکیت ہے اور وہی ان تمام چیزوں کا انتظام کرے گا' جن سے گروی چیز کی بقاء ہے' مثلاً پانی پلانا وغیرہ۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلرَّهْنُ لِمَنْ رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ»(سنن ابن ماجة بسند حسن)

"مرہون چیز "راہن" کی ملکیت ہے' وہی اس کے نفع کا مالک ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔"

(۱۱) اگر "مرتہن" نے "راہن" کی اجازت کے بغیر حیوان وغیرہ پر خرچ کر دیا ہے تو وہ "راہن" سے مطالبہ نہیں کر سکتا' ہاں اگر اس کے لیے دور کی مسافت کی وجہ سے فوری طور پر اجازت لینا ممکن نہیں ہے تو پھر وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے' بشرطیکہ اس نے "راہن" سے وصول کرنے کی نیت سے خرچ کیا ہو' ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ جس نے نیکی سمجھ کر خرچ کیا ہے وہ وصول نہیں کر سکتا۔

(۱۲) شکستہ اور ویران مکان کو اگر "مرتہن" نے راھن کی اجازت کے بغیر مرمت اور آباد کر دیا ہے تو وہ "راہن" سے کچھ نہیں لے سکتا۔ ہاں لکڑی' پتھر وغیرہ جن کا اتارنا انتہائی مشکل ہوتا ہے' کا حساب "راہن" سے لے سکتا ہے۔

۱۳۔ "راہن" کے فوت یا مفلس ہونے کی صورت میں "مرتہن" کا استحقاق دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ ہے۔ چنانچہ "میعاد ادائیگی" آنے پر وہی رھن فروخت کر کے اپنا قرض وصول کرے گا اور جو زائد ہے اسے واپس کرے گا اور اگر اس کی فروخت سے قرض پورا نہیں ہوا تو وہ باقی قرض میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

* تحریری نمونہ:

اللہ کی حمد وثناء کے بعد:

(روبرو مسمی بہ ---------------- قاضی عدالت/اوتھ کمشنر------) فلاں ------- نے اقرار کیا کہ اس کے ذمے فلاں -------- کا -------- قرض ہے۔ اور اس قرض کی مدت ---------- ہے۔ تو بطور توثیق مذکور بالا اقرار نے قرض خواہ مذکور بالا کے ہاتھ میں اپنا گھر واقع ------------------- (کہ جس کا رقبہ ------------ اور محل وقوع ------------------- اور مالیت ---------------- ہے) جو کہ میری ذاتی ملکیت ہے' مذکور بالا قرض کے عوض رھن رکھا ہے۔ یا فلاں چیز ساری کی ساری --------------- اس حالت میں کہ یہ رہن مرتہن (قرض خواہ) کے اختیار میں شرعاً تسلیم شدہ بالکل صحیح حالت میں ہو گا۔ لہٰذا مرتہن مذکور بالا (قرض خواہ) نے مذکور رہن کو شرعاً قبول کر لیا ہے۔

تاریخ تحریر -------------------- المقر ---------------------------

المرتہن ---------------------- القاضی ---------------------------

د۔ وکالت کی تعریف:

کسی ایسے معاملہ میں جس میں شرعاً نیابت ہو سکتی ہے' کسی شخص کا دوسرے کی جگہ مقرر ہونا' جیسا کہ خریداری' بیع اور مخاصمت وغیرہ میں۔

* وکالت کی شرائط:

"وکیل" اور "موکل" (کسی کو اپنا وکیل بنانے والا) دونوں میں شرط یہ ہے کہ ان میں "مکلف" ہونے کی صفات پائی جائیں۔ یعنی عاقل بالغ اور صاحب اختیار ہوں۔

* وکالت کا حکم:

کتاب و سنت سے وکالت کا جواز ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱلْعَـٰمِلِينَ عَلَيْهَا ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"صدقات وصول کرنے والوں کے لئے۔"

جو کہ زکوٰۃ جمع کرنے میں امام وقت کے وکیل ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ فَٱبْعَثُوٓا۟ أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَـٰذِهِۦٓ إِلَى ٱلْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَآ أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾ (الكهف١٨/ ١٩)

"تم اپنے میں سے ایک کو یہ چاندی دے کر شہر بھیجو' وہ اچھا طعام دیکھے اور اس میں سے تمہارے پاس کھانا لائے۔"

یعنی اصحاب کہف نے اپنے میں سے ایک کو طعام خریدنے لئے وکیل بنایا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے انیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«أُغْدُ يَاأُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»(صحيح بخاري)

"انیس! اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ' اگر اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو۔"

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی انیس رضی اللہ عنہ کو دعویٰ کی تحقیق اور حد قائم کرنے میں اپنا وکیل مقرر کیا۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

«وَكَّلَنِيَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ حِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ»(صحيح بخاري)

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان المبارک کی زکوٰۃ کی حفاظت کے لئے وکیل بنایا۔"

اور آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کو کہا:

«إِذَا أَتَيْتَ وَكِيْلِيْ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا، وَإِنِ ابْتَغٰى مِنْكَ آيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى تُرْقُوَتِكَ»(سنن أبي داود وسنن دارقطني وإسناده حسن وبعضه في البخاري)

"جب تو میرے وکیل کے پاس جائے تو اس سے پندرہ وسق لے لینا' اگر وہ تجھ سے کوئی نشانی طلب

کرے تو اپنا ہاتھ اپنی ہنسلی پر رکھ دینا۔"

اور آپ نے اپنے غلام رافع رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے آپ کا نکاح میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا' جبکہ آپ مدینہ میں تھے۔ تو اس طرح ان دونوں کو عقد نکاح کے لئے وکیل بنایا۔ (مؤطا امام مالک)

* وکالت کے احکام:

(۱) جس لفظ سے کسی کام کے کرنے کی اجازت معلوم ہو' اس سے "وکالت" کا اثبات ہو جاتا ہے' بنا بریں اس کے لئے کسی مخصوص لفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) شخصی حقوق میں کسی بھی "عقد" کے لئے وکالت صحیح ہے' مثلاً خرید و فروخت نکاح' طلاق' رجوع (یعنی بیوی کو رجوع کی اطلاع بھیجنا) اور خلع وغیرہ' اسی طرح حقوق اللہ میں بھی جن میں نیابت ہو سکتی ہے' وکالت درست ہے' جیسا کہ زکوٰۃ تقسیم کرنا' میت یا عاجز کی طرف سے حج اور عمرے کی ادائیگی کرنا۔

(۳) حدود ثابت کرنے (جرم کی تحقیق کرنے) اور حدود کے نفاذ میں بھی وکالت صحیح ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«أُغْدُ يَاأُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»(صحيح بخاري)

"انیس! اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔"

(۴) جن عبادتوں میں ایک آدمی دوسرے کا نائب نہیں بن سکتا' جیسا کہ نماز اور روزہ' ان میں کوئی شخص اپنا وکیل مقرر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح لعان' ظہار' امان' نذور اور شہادات (ان امور کی وضاحت آگے آئے گی ان شاء اللہ) میں بھی وکالت نہیں ہے اور اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں میں بھی کوئی دوسرے کا وکیل نہیں بن سکتا۔

(۵) وکیل اور مؤکل میں سے جو بھی "وکالت" فسخ کرنا چاہے' کر سکتا ہے اور دونوں میں سے ایک کی موت اور جنون سے بھی وکالت ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح "مؤکل" کے (وکیل کو) معزول کرنے سے بھی۔

۶۔ خرید و فروخت کا وکیل درج ذیل افراد سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا:

اپنے آپ سے' اپنی اولاد سے' اپنی بیوی سے اور ان قرابتداروں سے جن کی شہادت اس کے حق میں معتبر نہیں ہے' اس لئے کہ ایسا کرنے میں اس پر قرابت داروں کو نوازنے کا الزام ہو سکتا ہے اور وقتی حصہ دار' صاحب وصیت (جسے قریب المرگ نے وصیت کی)' مستقل شریک' قاضی اور ناظم اوقاف اس بات میں وکیل ہی کی طرح ہیں۔

(۷) وکیل سے اگر کوئی نقصان ہو جائے اور اس نے کوتاہی نہیں کی تھی تو وہ "ضامن" نہیں ہے' لیکن اگر نقصان میں اس کی کوتاہی یا زیادتی کو داخل ہو تو وہ ضامن ہو گا۔

(۸) علی الاطلاق وکیل مقرر کرنا بھی ممکن ہے جس میں موکل اپنے تمام حقوق میں کسی کو وکیل بناتا ہے' اور طلاق جیسے امور' جن میں ارادہ اور عزم کو دخل ہوتا ہے' کے علاوہ دیگر شخصی حقوق میں یہ وکیل موکل کے لئے تصرف کر سکتا ہے۔

(۹) اگر موکل نے وکیل کو ایک متعین چیز خریدنے کا کہا ہے تو وہ اس کی بجائے کوئی دوسری چیز نہیں خرید سکتا' اگر وہ ایسا کرتا ہے تو موکل کو اختیار ہے کہ اسے قبول کرے' یا رد کر دے۔

(۱۰) وکیل اجرت بھی لے سکتا ہے' البتہ کام اور اجرت کا تعین ضروری ہے۔

* وکالت کا تحریری نمونہ:

نمونہ شرعی وکالت نامہ

اللہ کی حمد وثنا کے بعد:

(رو برو مسمی بہ ---------- قاضی عدالت ---------) فلاں --------- بن فلاں ------------- نے فلاں ------------ بن فلاں ------------ کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ اس حالت میں کہ دونوں بقائمی ہوش وحواس اور اپنے معاملہ کو سمجھنے والے ہیں۔ یہ کہ وکیل مذکور مؤکل مذکور کے فلاں کام ------------- کو سرانجام دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ چنانچہ وکیل مذکور نے روبرو گواہان درج ذیل اس وکالت نامہ کو قبول کیا ہے اور اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ تاریخ تحریر ------ / ---------- / ---------

المؤکل ----------- الوکیل -------------- القاضی --------------

ھ- صلح کا بیان:

* صلح کیا ہے؟

دو جھگڑنے والے افراد کے مابین اختلافات ختم کرنے کی تجویز عقد صلح ہے' مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر اپنے ایک حق کا دعویٰ کیا' "مدعی علیہ" جھگڑا ختم کرنے کے لیے یا اسے دعویٰ کی صحت سے انکار ہے تو حلف سے بچنے کے لئے دعویٰ کے کچھ حصہ پر مصالحت کر لیتا ہے۔

* صلح کا حکم:

صلح جائز ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ ﴾ (النساء٤/ ١٢٨)

"ان پر باہمی صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صلح بہتر ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصُّلْحُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ جَائِزٌ إِلاَّ صُلْحًا حَرَّمَ حَلاَلاً، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وصححه)

"مسلمانوں میں صلح جائز ہے' سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے' یا حرام کو حلال بنا دے۔"

* صلح کی اقسام:

الف۔ اقرار پر مبنی صلح:

ایک شخص نے دوسرے پر اپنے حق کا دعویٰ کیا' دوسرا شخص (مدعی علیہ) اقرار کر لے تو "مدعی" اس کے عدم انکار (یعنی اقرار) کے صلہ میں اپنے دعویٰ میں سے اگر قرض کا تھا تو کچھ وضع (کمی) کر دے' سامان کا تھا تو کچھ ہبہ کر دے' یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز دے کر اس سے صلح کر لے' مثلاً دعویٰ مکان کا تھا اور "مدعی" اسے کچھ نقد رقم دے دے' یا جانور کا دعویٰ تھا تو اسے کپڑا دے دے وغیرہ۔

ب۔ انکار پر مبنی صلح:

ایک شخص نے اپنے حق کا دعویٰ کیا اور "مدعی علیہ" اس کے تسلیم کرنے سے انکاری ہے' مگر بعدازاں کچھ دے دیتا ہے تاکہ "مدعی" دعویٰ ترک کر دے اور "مدعی علیہ" خصومت اور حلف سے بچ جائے' جو انکار کی وجہ سے اس پر لازم آتی تھی۔

ج۔ سکوت پر مبنی صلح:

اس طرح ایک شخص دوسرے پر ایک حق کا دعویٰ کرتا ہے اور "مدعی علیہ" خاموش رہتا ہے' اقرار کرتا ہے نہ انکار۔ مگر "مدعی" کو کچھ دے کر دعویٰ ساقط کراتا ہے اور خصومت ختم کرتا ہے۔

* صلح کے احکام:

(ا) صلح میں جو چیز دی جاتی ہے' اس کے احکام جواز اور عدم جواز میں "بیع" کی طرح ہیں' اس میں اگر عیب ہے تو رد ہو سکتی ہے' بڑے غبن کی صورت میں (مدعی کو) اختیار حاصل ہے (کہ اسے قبول یا رد کرے) اور اگر غیر منقسم حصہ ہے تو مدعی علیہ کے دوسرے "شرکاء" شفعہ کر سکیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے پر مکان کا دعویٰ کیا' وہ اسے کپڑا دے کر صلح کر لیتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ وہ کپڑا فلاں شخص کو نہ دینا تو یہ صلح صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ "بیع" میں اگر ایسی شرط ہو جائے تو بیع درست نہیں

رہتی۔ اسی طرح ایک شخص نقد دیناروں کا دعویٰ کرتا ہے' لیکن دوسرا اسے ادھار دراہم پر صلح کے لئے کہتا ہے تو "صلح" صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ کرنسی کی "بیع" میں مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح ایک شخص دوسرے پر باغ کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ اس سے نصف مکان پر صلح کرتا ہے تو مکان کے شریک کے لئے حق شفعہ ہو گا اور اگر جانور دے کر صلح کرتا ہے اور وہ جانور عیب دار ثابت ہوا تو رد و قبول کا اختیار دوسرے فریق کو حاصل ہے اور اسی طرح دعویٰ کے برعکس کسی جنس پر' صلح کی جملہ صورتوں' میں "بیع" کے احکام نافذ ہوں گے۔

(۲) اگر ایک فریق (یعنی مدعی) جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کے حق میں "صلح" باطل ہے اور جو کچھ "صلح" کے طور پر لے رہا ہے' اس کے لئے حرام ہے۔

(۳) ایک شخص دوسرے کے لئے حق کا اعتراف کرتا ہے' مگر کہتا ہے کہ میں کچھ لے کر ہی اس کی ادائیگی کروں گا تو یہ اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ مثلاً اقرار کرتا ہے کہ میں نے فلاں کے ایک ہزار دینار دینے ہیں' مگر اس کی ادائیگی تب ہو گی جب اس میں سے نصف یا کم و بیش چھوڑ دے۔ ہاں اگر وہ چھوڑنے کی شرط نہیں لگاتا اور مدعی اپنے طور پر نیکی کرتے ہوئے یا کسی کی سفارش کی وجہ سے کچھ وضع کر دیتا ہے تو اقرار کرنے والا اسے لے سکتا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے قرض خواہوں سے بات کی تھی کہ وہ قرض میں سے نصف حصہ وضع کر دیں۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور اس نزاع میں ان کی آوازیں اونچی ہو گئیں' رسول اللہ ﷺ نے سنا تو باہر تشریف لائے اور کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اشارہ فرمایا کہ آدھا قرض معاف کر دے' انہوں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی تو نبی اکرم ﷺ نے کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اٹھو بقیہ کی ادائیگی کر دو۔" (صحیح بخاری)

(۴) اگر ایک شخص شریک دیوار کو کچھ دے کر روشن دان یا دروازہ لگانے کے لئے صلح کرتا ہے تو صلح درست ہے' اس لئے کہ یہ "بیع" کے حکم میں ہے۔

صلح نامہ کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ' اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود لکھنے کے بعد تحریر کریں:

"فلاں اور فلاں نے اپنے متنازعہ مکان کے بارے میں صلح کر لی ہے' جس کا حدود اربعہ یہ ہے جو "مدعی علیہ" کے زیر قبضہ تھا' اس کا مالک فلاں ہے۔ اس دعویٰ میں دونوں متنازع تھے' مصالحت کنندہ اعتراف کرتا ہے کہ مصالحت شرعیہ کے عوض اتنی رقم (روپیہ)' یا فلاں چیز دوسرے فریق کو ادا کرے گا اور دونوں اس پر متفق ہیں اور مصالحت کنندہ نے دوسرے کو مکمل طور پر اس کی ادائیگی کر دی ہے اور دوسرے نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور دوسرا فریق بھی اقرار کرتا ہے کہ اس مکان میں صلح کا عوضانہ لینے

کے بعد اس کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور نہ کوئی دعویٰ اور مطالبہ باقی ہے اور اس میں اس کی ملک' نفع اور کسی بھی انداز میں استحقاق نفع کم و بیش نہیں ہے۔ پھر دونوں اس پر شرعی طریق پر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

آٹھواں مادہ ویران اراضی کی آبادی' فاضل پانی' الاٹ منٹ اور چراگاہ کا بیان

الف۔ غیر آباد زمین کو آباد کرنا:

ویران زمین آباد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایسی زمینوں کو جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں' درخت لگا کر یا مکان تعمیر کر کے' یا کنواں کھود کر آباد کرے اور اس طرح وہ اس کا مستحق اور مالک بن جائے۔

* غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا حکم:

اس کا حکم جواز اور اباحت کا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ»(مسند أحمد، وسنن ترمذي وصححه)

"جو ویران زمین کو آباد کرتا ہے' وہ اسی کی ہے۔"

* غیر آباد زمین آباد کرنے کے احکام:

(۱) ویران زمین کی آبادی سے آباد کار کی ملکیت کا اثبات دو شرطوں پر مبنی ہے' اولاً یہ کہ اس نے واقعتاً اس کو آباد کیا ہے' درخت لگائے ہیں' مکانات تعمیر کئے ہیں اور پانی کے لئے کنوئیں کھودے ہیں' اس کی آبادی صرف کھیت کاشت کرنے' ظاہری علامات لگانے اور خاردار باڑھ لگانے سے ثابت نہیں ہو گی۔ البتہ اس سے اس کا حق دوسروں سے فائق ضرور ہو گا۔ ثانیاً وہ زمین کسی اور کی ملکیت میں نہ ہو' اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا»(صحيح بخاري)

"جو شخص ایسی زمین آباد کرتا ہے' جو کسی کی نہیں ہے' وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔"

(۲) اگر زمین آبادی کے قریب' یا اندر ہے تو حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو آباد نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی منفعت عامہ کے لئے مختص ہو سکتی ہے' جبکہ شخصی ملکیت کی وجہ سے عام لوگوں کا نقصان ہو سکتا ہے۔

(۳) آباد کرنے سے کان کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی' چاہے نمک کی کان ہے یا تیل وغیرہ کی' اس لئے کہ ان سے عام مسلمانوں کا مفاد وابستہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے نمک کی کان ایک شخص کو دے دی تھی' مگر اسے واپس کر لیا گیا تھا۔

(سنن ابی داؤد و سنن ترمذی اور انہوں نے اسے حسن کہا ہے)

(۴) اگر کسی کی آباد کردہ زمین میں پانی کا جاری چشمہ نکل آیا تو وہی اس کا مستحق ہے' پہلے اپنی زمین سیراب کرے گا اور پھر فاضل پانی دوسرے مسلمانوں کے لئے ہو گا۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«اَلنَّاسُ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثَةٍ: فِي الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ»(مسند أحمد وسنن أبي داود وصحح الحافظ إسناده)

"سب لوگ تین چیزوں میں حصہ دار ہیں۔ پانی' گھاس اور آگ میں۔"

چند ضروری باتیں:

اگر قدیم کنویں کی نئی کھدائی کی جا رہی ہے تو اس کے اردگرد ضروریات عامہ کے لئے پچاس ہاتھ جگہ مختص کریں اور اگر کنواں نیا کھودا جا رہا ہے تو اس کے اردگرد پچیس ہاتھ جگہ مختص کر دیں۔ اس پیائش کا مالک کنویں والا ہو گا بعض سلفؒ سے یہ معمول ثابت ہے اور ایک روایت میں ہے:

«حَرِيْمُ الْبِئْرِ مَدُّ رِشَائِهَا»(رواه ابن ماجة وسنده ضعيف)

"کنویں کا محفوظ حصہ اس کے رسے کی لمبائی کے برابر ہے۔"

درخت یا کھجور کا "حریم" (محفوظ حصہ) اس کی شاخوں' یا ٹہنیوں کی لمبائی کے مطابق ہو گا۔ بنا بریں ویران زمین میں اگر کوئی شخص درخت کا مالک بن گیا تو اس کی ٹہنیوں کے بقدر زمین کا وہ مالک قرار پائے گا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حَرِيْمُ النَّخْلَةِ مَدُّ جَرِيْدِهَا»(رواه ابن ماجة وسنده ضعيف)

"کھجور کا محفوظ حصہ' اس کی چھڑیوں کی لمبائی کے برابر ہے۔"

مکان کا حریم (محفوظ حصہ) اتنی جگہ ہونی چاہیۓ جس میں کوڑا ڈالا جا سکے' یا اونٹ بیٹھ سکیں' یا گاڑی پارک کی جا سکے۔ بنا بریں جو شخص ویران علاقہ میں مکان بناتا ہے' اس کے ارگرد عرف کے مطابق مذکورہ ضروریات کے لئے جگہ مختص کی جائے گی۔

ب۔ ضرورت سے زائد پانی:

* زائد پانی کی تعریف

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان کے پاس کنواں ہے' یا نہر ہے اور اس کا پانی اس کی اپنی ضروریات'

کھیت اور درختوں کو سیراب کرنے سے زائد ہے۔

* زائد پانی کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ ضرورت مند مسلمانوں کو معاوضہ وصول کئے بغیر وہ پانی مہیا کیا جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ»(صحيح مسلم)

"زائد پانی کو فروخت نہ کیا جائے تاکہ اس کے ذریعے (آس پاس کی) گھاس فروخت کی جائے۔[1]

اور فرمایا: «لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ»(صحيح بخاري)

"ضرورت سے زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ اس کے ذریعے (جانوروں کا) چارہ روکا جائے۔

* ضرورت سے زائد پانی کے احکام:

(۱) ضرورت سے زائد پانی کسی دوسرے کو دینا اسی وقت متعین ہو گا' جب پانی کا مالک اس سے مستغنی ہو۔

(۲) اور جسے دیا جا رہا ہے وہ ضرورت مند ہے۔

(۳) اور اس کے مالک کو کسی بھی انداز میں نقصان نہیں ہو رہا۔

ج۔ زمین کی الاٹمنٹ

* زمین کی الاٹمنٹ کا مطلب:

غیر مملوکہ زمین میں سے حاکم وقت کسی کو کھیت کاشت کرنے' یا باغ لگانے یا عمارت بنانے یا آمدنی حاصل کرنے' یا اسے اس کا مالک بنا کر قطعہ زمین دے۔

* زمین کی الاٹمنٹ کا حکم:

کسی کو رقبہ الاٹ کرنا صرف بادشاہ وقت کا کام ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اور اسی طرح

---

(۱) مثلاً ایک آدمی کا کسی جنگل وغیرہ میں کنواں ہو جس کا پانی اس کی ضرورت سے زائد ہے اور اس کے اردگرد کافی گھاس اگی ہوئی ہے جہاں لوگوں کے مویشی چرتے اور اس کے کنویں سے سیراب ہوتے ہیں مگر وہ گھاس اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے جس کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ چرواہوں سے پانی کی قیمت وصول کرنا شروع کر دی تا کہ چرواہے خود ہی اپنے مویشی کہیں اور لے جا کر چرائیں' ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بالواسطہ طور پر گھاس فروخت کرنے کا ایک حیلہ ہے حالانکہ گھاس کنویں کے مالک کی نہیں ہے (محمد عبدالجبار)

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے بعد جاگیر کے طور پر رقبے دیئے تھے۔

* زمین کی الاٹمنٹ کے احکام:

(۱) امام کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں دے سکتا' اس لئے کہ یہ املاک عامہ ہیں' لہٰذا اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی تصرف نہیں کر سکتا

(۲) اور اتنا رقبہ دینا چاہیئے جتنا وہ آباد کر سکے اور تعمیر کر سکے۔

(۳) امام نے کسی کو آباد کاری کے لئے رقبہ دیا' مگر وہ اسے آباد نہیں کر سکا تو مصلحت عامہ کے مفاد میں امام اسے واپس لے لے۔

(۴) امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ بازار' کھلے میدان اور وسیع راستوں میں کسی کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی جگہ مختص کر دے اگر عام لوگوں کا اس سے نقصان نہ ہوتا ہو' اس طرح وہ شخص فائدہ حاصل کرنے میں دوسروں سے فائق ہو گا' مگر مالک نہیں قرار پائے گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ سَبَقَ إِلٰى مَالَمْ يَسْبِقْ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»(رواه أبوداود وصححه الضياء في المختارة)

"جو شخص کسی ایسی جگہ پہلے پہنچے' جہاں کوئی دوسرا مسلمان نہیں پہنچا تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔"

(۵) امام نے جس کو کوئی جگہ دی ہے' یا امام کے دیئے بغیر وہ اس پر قابض ہو گیا ہے تو وہ کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ یعنی روشنی کے مابین حائل نہ ہو' خریداروں اور "سامان بیع" میں رکاوٹ نہ پیدا کرے' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ فِيْ الإِسْلاَمِ»(سنن ابن ماجة مؤطا مالك ومسند أحمد)

"(اسلام میں) نقصان کرنا' یا کرانا درست نہیں ہے۔"

تنبیہ: وادی کا پانی بہہ کر آ جائے تو پہلے اوپر والا فائدہ حاصل کرے' پھر اس کے بعد والا۔ کھیتوں کے اختتام تک اسی پر عمل کیا جائے' الا یہ کہ پانی پہلے ختم ہو جائے۔

اگر سیلاب کے پہلے ریلے کے قریب قریب کھیت ہیں تو کھیتوں کے بڑے چھوٹے کے حساب سے پانی تقسیم کر لیا جائے۔ اگر اس طرح سمجھوتہ نہ ہو سکے تو قرعہ اندازی کر لی جائے۔ اس لئے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى فِيْ شِرْبِ النَّخْلِ مِنَ السَّيْلِ أَنَّ الأَعْلٰى قَبْلَ الأَسْفَلِ، وَيُتْرَكُ الْمَاءُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ يُرْسَلُ الْمَاءُ إِلَى الأَسْفَلِ الَّذِيْ يَلِيْهِ، وَهٰكَذَا

حَتّٰی تَنْقَضِیَ الْحَوَائِطُ أَوْ یَفْنَی الْمَاءُ»(سنن ابن ماجة)
"نبی کریم ﷺ نے سیلاب کے پانی سے کھجوروں کی سیرابی کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اوپر والا نیچے والے سے پہلے پانی پلائے اور ٹخنوں تک پانی بھرے پھر نیچے کی طرف پانی چھوڑ دے یہاں تک کہ باغ مکمل (سیراب) ہو جائیں' یا پانی ختم ہو جائے۔"
اور فرمایا: «اِسْقِ یَا زُبَیْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰی جَارِكَ»(صحیح بخاري)
"زبیر پانی پلاؤ' پھر اپنے ہمسایہ کی طرف چھوڑ دینا۔"

و۔ چراہ گاہ کا بیان:

* چراگاہ کی تعریف:

اس ویران "قطعہ اراضی" کو کہتے ہیں جس کو مخصوص جانوروں کے چرنے کے لئے مخصوص کیا جائے اور عام لوگوں کو اس میں چرانے سے روکا جائے۔

* چراگاہ کا حکم:

مسلمانوں کی عام زمینوں میں سے ایک ہاتھ بھی کوئی شخص اپنے لئے چراگاہ کے طور پر محفوظ نہیں کر سکتا۔ البتہ مسلمانوں کی مصلحت کے لئے صرف امام ایسا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:
«لَا حِمَی إِلاَّ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ»(صحیح بخاري)
"حمی (چراگاہ) صرف اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہو سکتا ہے۔"
اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ اور ان کا خلیفہ ہی کسی جگہ کو حمی (چراگاہ) کے طور پر مقرر کر سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام بھی مصلحت عامہ کے خلاف نہیں کر سکتا' اس لئے کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے قرار دیا گیا ہو' وہ ہمیشہ مصالح عامہ میں صرف ہوتی ہے' جیسا کہ غنیمتوں کا پانچواں حصہ' فئی (کا سارا مال) اور رکاز (مدفون خزانہ) کا پانچواں حصہ وغیرہ وغیرہ۔
رسول اللہ ﷺ نے "نقیع" کا علاقہ اونٹوں اور جہاد کے گھوڑوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قطعہ زمین کو اس مقصد کے لئے متعین کیا تھا اور اس بارے میں جب ان سے کہا گیا تو فرمایا:
«اَلْمَالُ مَالُ اللّٰهِ، وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْلاَ مَا أَحْمِلُ عَلَیْهِ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا حَمَیْتُ مِنَ الأَرْضِ شِبْرًا فِيْ شِبْرٍ»(صحیح بخاري)

"مال اللہ کا مال ہے اور بندے بھی اللہ کے بندے ہیں' اللہ کی قسم! اگر میرے پاس ایسے جانور نہ ہوں جن پر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو سوار کرتا ہوں تو میں زمین کا ایک بالشت حصہ بھی چراگاہ نہ بناتا۔"

* چراگاہ کے احکام:

(۱) "چراگاہ" کا تعین اہل اسلام کا خلیفہ وقت یا امام ہی کر سکتا ہے' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ حِمٰی إِلاَّ للهِ وَلِرَسُوْلِهِ»(صحيح بخاري)

"چراگاہ (بنانے کا حق) صرف اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہے۔"

(۲) صرف ویران اراضی کو جس کا کوئی مالک نہ ہو' چراگاہ بنایا جائے گا۔

(۳) "خلیفہ اہل اسلام" اپنے ذاتی مقاصد کے لئے چراگاہ نہ بنائے بلکہ عام مسلمانوں کی مصلحتوں کے لئے ایسا کرے۔

(۴) مذکورہ بالا پر قیاس کر کے ان پہاڑوں کو بھی اس میں داخل کیا جا سکتا ہے' جنہیں حکومت درختوں کی افزائش کے لئے مختص کر لیتی ہے۔

اگر یہ مسلمانوں کی عمومی مصلحت کے تحت ہے تو اس کو بحال رکھا جائے اور اگر اس سے عام لوگوں کا نقصان ہو رہا ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تو اس فیصلہ کو تبدیل کر دیا جائے' اس لئے کہ چراگاہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہی ہوتی ہے۔

پانچویں فصل

چند ضروری احکام

[اس میں نو مادے ہیں]

قرض کا بیان

* قرض کی تعریف:

"قرض" کا لغوی معنی کاٹنا ہے اور شرعاً کسی کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے مال دینا' مثلاً ایک ضرورت مند کہتا ہے مجھے اتنا مال' یا سامان' یا جانور اتنی مدت کے لئے بطور "قرض" دے' پھر میں اسے واپس کر دوں گا اور وہ اسے دے دے۔

* قرض کا حکم:

قرض دینے والے پر قرض دینا مستحب ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مَّن ذَا ٱلَّذِى يُقْرِضُ ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَٰعِفَهُۥ لَهُۥ وَلَهُۥٓ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴾ (الحدید ۵۷/ ۱۱)

"کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے اور اللہ اس کے لئے اسے (ثواب میں) بڑھائے اور اس کے لئے اچھا اجر ہو۔"

اور آپ کا فرمان ہے: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ أَخِيهِ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (صحيح مسلم)

"جو شخص اپنے بھائی سے دنیا کا غم و تکلیف دور کرتا ہے' اللہ قیامت کے روز اس کے غم اور تکلیف کو دور کرے گا۔"

اور "قرض" لینے والے کے لئے "قرض" لینا جائز اور مباح ہے' اس میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ "قرض" کے طور پر لیا تھا اور اس سے بہتر کی ادائیگی کی تھی۔

اور فرمایا: «إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً» (صحيح بخاري)

"اچھا انسان وہ ہے جو اچھے طریقے پر ادائیگی کرے۔"

* قرض کی شرائط:

(۱) ماپ یا وزن یا تعداد میں "قرض" کی مقدار' معلوم و معروف ہو۔

(۲) اس کی صفت اور اگر جانور ہو تو اس کی عمر معلوم ہو۔

(۳) "قرض" وہ شخص دے' جو دینے کا مجاز ہو' بنا بریں جو مالک نہیں ہے وہ قرض نہ دے اور اسی طرح وہ شخص جو عقلمند نہیں' وہ بھی قرض نہ دے۔

* قرض کے احکام:

(۱) جب "مقروض" قرض وصول کر لے گا تو وہ اس کا مالک متصور ہو گا اور اس کا ذمہ دار ہو گا۔

(۲) قرض کی ادائیگی کی میعاد مقرر ہو تو بھی صحیح ہے' اگر میعاد متعین نہ ہو تو بہتر ہے' اس لئے کہ اس میں مقروض کے لئے آسانی ہے۔

(۳) اگر "ادائیگی قرض" کے وقت وہ چیز اصل صورت میں موجود ہو تو وہی واپس کی جائے اور اگر اس میں کمی' بیشی ہو چکی ہو اور اس کی مثل موجود ہو تو مثل ادا کی جائے اور اگر مثل نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔

(۴) اگر "قرض" کے اٹھانے میں کوئی خرچ نہ آتا ہو تو "قرض خواہ" جہاں چاہے گا مقروض اسے

قرض ادا کرے گا' ورنہ "مقروض" پر کسی دوسری جگہ "قرض" پہچانا ضروری نہیں ہے۔

(۵) قرض خواہ کا "مقروض" سے اس "قرض" میں کسی بھی انداز کا نفع لینا حرام ہے' وہ قرض کی بڑھوتری کی صورت میں ہو' یا "قرض" سے بہتر چیز کی ادائیگی کی شرط لگا کر یا قرض دے کر کوئی خارجی فائدہ اٹھایا جائے جو شرط و اتفاق کے طور پر دونوں کے مابین طے پا گیا ہو۔

اگر "مقروض" (کسی طے شدہ شرط کے بغیر) محض جذبۂ احسان و تشکر کے طور پر زیادہ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کی ادائیگی اچھے اور عمر میں اس سے بڑے اونٹ کی شکل میں کی تھی۔

اور فرمایا: «إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاس أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً»(صحيح بخاري)

"اچھا وہ انسان ہے' جو ادائیگی اچھی کرے۔"

دوسرا مادہ

ودیعت و امانت کا بیان

* ودیعت (امانت) کی تعریف:

اس مال کو "ودیعت" کہتے ہیں' جو کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھا جائے تاکہ امانت رکھنے والا جب چاہے اسے لے سکے۔

* ودیعت و امانت کا حکم:

"امانت" کے طور پر مال رکھنا شریعت سے ثابت ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلْيُؤَدِّ ٱلَّذِى ٱؤْتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٣)

"جسے امانت دی گئی ہے' اسے چاہیئے کہ امانت ادا کرے۔"

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾ (النساء٤/ ٥٨)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کر دو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدِّ الأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلاَ تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»(سنن أبي داود وسنن ترمذي وحسنه)

"جس نے تجھے امین جانا اس کو امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔"

"ودیعت" امانت کے قبیل سے ہے اور ودیعت کا حکم مختلف حالتوں میں مختلف ہوتا ہے۔ کبھی اسے

قبول کرنا واجب اور لازم ہوتا ہے' جب ایک مسلمان کے مال کا تحفظ' کسی اور ذریعہ سے ممکن نہ ہو اور کبھی مستحب' جب مالک خود بھی مال کی حفاظت کر سکتا ہو' اس لئے کہ یہ نیکی کے کام میں تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"

اور کبھی امانت کا قبول کرنا ناجائز ہے' جب وہ مال کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو۔

* ودیعت کے احکام:

(ا) امانت رکھنے والا مالک اور اسے قبول کرنے والا امین دونوں عقل و خرد اور سوجھ بوجھ کے مالک ہوں' بنا بریں نابالغ لڑکا اور مجنوں نہ امانت رکھیں اور نہ ان کے پاس امانت رکھی جائے۔

(۲) امانت کے ضائع ہونے کی صورت میں مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے) "ضامن" نہیں ہے' بشرطیکہ اس نے ظلم' یا کوتاہی نہیں کی' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ ضَمَانَ عَلٰى مُؤْتَمَنٍ»(سنن دارقطنی، وفیه ضعف، العمل علیه)

"جس کو امین جانا گیا ہے' اس پر ضمان (چٹی) نہیں ہے۔"

(۳) دونوں کو اختیار ہے' جب چاہیں ودیعت واپس کر سکتے ہیں۔

(۴) "امین" کسی بھی انداز میں "امانت" سے منفعت حاصل نہیں کر سکتا الاّ یہ کہ مالک نے اس کو اجازت دی ہو۔

(۵) "ودیعت" کی واپسی میں اختلاف ہو جائے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی' اس کی بات کا قسم کے ساتھ اعتبار ہو گا۔ الاّ یہ کہ امانت رکھنے والا ایسا ثبوت پیش کر دے جس سے ودیعت کا واپس نہ ہونا ثابت ہو جائے۔

* "ودیعت" کا تحریری نمونہ:

"فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں سے مبلغ----- امانت شرعیہ کے طور پر وصول کر لئے ہیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا التزام کرتا ہے اور اس جگہ اس کو محفوظ کرے گا' جہاں امانت دینے والا کہتا ہے' وہ اس تحریر کے وقت حاضر بھی ہے اور اس پر شرعی تصدیق ثبت ہے۔

* واپسی کا تحریری نمونہ:

"فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے مبلغ ------- شرعی طریقہ سے واپس لے لئے ہیں اور ان پر قبضہ کر لیا ہے' یہ رقم اس کے پاس امانت، کے طور پر رکھی گئی تھی۔ اب اس کے پاس اس میں کم و بیش

کچھ نہیں ہے اور رقم کی ادائیگی کرنے والا بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔

مؤرخہ فلاں --------[1]

تیسرا مادہ

عاریت (مستعار چیزوں) کا بیان

* عاریت کی تعریف:

وہ چیز جو کسی کو کچھ وقت کے لیے دی جائے تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے مثلاً ایک مسلمان دوسرے سے قلم مانگتا ہے کہ تحریر کے لئے اسے دے' یا کپڑا طلب کرتا ہے تاکہ وہ اسے استعمال کر سکے اور پھر واپس کر دے۔

* عاریت کی دلیل:

عاریتاً چیزیں دینا شرع میں ثابت ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدہ۵/ ۲)

"اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"

اور منافقوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴾ (الماعون۱۰۷/ ۷)

"وہ برتنے کی (عام) چیزوں کو روک رکھتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے جب صفوان بن امیہ سے چند زرہیں عاریتاً طلب کیں تو اس نے کہا "اے محمد (ﷺ)! کیا یہ غصب کے انداز میں ہے تو آپ نے فرمایا:

«بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ»(سنن أبي داود، سنن أحمد، وسنن نسائی وصححه)

"بلکہ عاریتاً لے رہے ہیں اور (ہم) ان کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ وَلاَ بَقَرٍ وَلاَ غَنَمٍ لاَ يُؤَدِّي حَقَّهَا إِلاَّ أُقْعِدَ لَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ تَطَؤُهُ ذَاتُ الظِّلْفِ بِظِلْفِهَا، وَتَنْطَحُهُ ذَاتُ الْقَرْنِ بِقَرْنِهَا، لَيْسَ فِيهَا يَوْمَئِذٍ جَمَّاءُ وَلاَ مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ مَا حَقُّهَا؟ قَالَ: إِطْرَاقُ فَحْلِهَا وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا وَمَنْحَتُهَا وَحَلْبُهَا عَلَى الْمَاءِ وَحَمْلٌ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللهِ»(صحيح بخاري)

"اونٹ' گائے اور بکری والا اگر ان کے حقوق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن ایک صاف میدان

---

(۱) اسکے ساتھ ساتھ مالک' امین اور گواہوں کے دستخط بھی ہو جائیں تو اقرب الی الصواب ہے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

میں اسے بٹھا دیا جائے گا' گھروالا جانور اسے اپنے کھر سے اور سینگ والا اپنے سینگ سے مارے گا۔ اس دن ان میں کوئی بے سینگ اور ٹوٹے سینگ والا نہیں ہو گا۔" ہم نے کہا "یا رسول اللہ! ان کا حق کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "ان کا نر چڑھانا' ان کا ڈول عاریتاً دینا' ان کا فائدہ عطیہ کرنا' تالاب پر دودھ دوہنا[1] اور اللہ کے راستہ میں ان پر سواری کرنا (یا کرنے دینا)۔"

عاریت کا حکم:

عام حالات میں عاریتاً دینا مستحب ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"

اور اگر ایک انسان مجبور ہے اور اسے شدید ضرورت لاحق ہے اور مالک اس چیز سے بے نیاز ہے' اسے اس کی ضرورت نہیں' ایسے میں عاریتاً دینا لازم اور واجب ہو جاتا ہے۔

* عاریت کے احکام:

(۱) مباح چیزیں عاریتاً دی جائیں۔ بنا بریں لونڈی مجامعت کے لئے عاریتاً نہیں دی جا سکتی اور نہ مسلمان کو کافر کی خدمت کے لئے دیا جا سکتا ہے اور اسی طرح خوشبو اور کپڑا کسی حرام کام کے لیے نہ دیا جائے۔ اس لئے کہ گناہ پر تعاون کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔"

(۲) اگر "عاریت" دینے والا عاریتاً دیتے وقت حفاظت سے رکھنے کی شرط لگاتا ہے اور چیز عاریتاً لینے والے نے اسے تلف کر دیا ہے تو وہ "ضامن" ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلَى شُرُوْطِهِمْ» (سنن أبي داود ومستدرك حاكم)

"مسلمانوں پر اپنی شرطوں کی پابندی لازم ہے۔"

لیکن اگر یہ شرط نہیں تھی اور عاریتاً چیز لینے والے کی کوتاہی اور ظلم وزیادتی کے بغیر چیز تلف ہو گئی ہے تو لوٹانا واجب نہیں ہے۔ البتہ بہتر ہے کہ "عاریتاً لینے والا" ادائیگی کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے جب اس نے کسی کا کھانے کا برتن توڑ دیا تھا' فرمایا تھا:

---

(۱) تاکہ حسب گنجائش کچھ دودھ' پانی پر موجود مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (ع ' ر)

«طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَآنِيَةٌ بِآنِيَةٍ»(صحیح بخاري)

"طعام کے بدلے طعام اور برتن کے بدلے برتن ہے۔"

اگر عاریتاً لینے والے کی کوتاہی یا تعدی سے چیز ضائع ہوئی ہے تو اسے اس کی مثل یا قیمت دینی لازم ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ»(سنن أبي داود، سنن ترمذي ومستدرك حاكم وصححه)

"انسان جو چیز لیتا ہے' اس کی ادائیگی اسی پر ہے۔"

(۳) "عاریت" واپس کرتے وقت بار برداری وغیرہ کا جو خرچ ہے وہ "عاریتاً لینے والے" پر ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ»(أيضًا)

"انسان جو چیز لیتا ہے' اس کی ادائیگی اسی پر ہے۔"

(۴) "عاریت" کے طور پر لی ہوئی چیز آگے کرایہ پر نہیں دی جا سکتی' ہاں اگر "عاریت" دینے والے کی طرف سے اجازت ہو تو اسے آگے عاریتاً دے سکتا ہے' ورنہ نہیں۔

(۵) اگر ایک انسان نے شہتیر رکھنے کے لئے عاریتاً دیوار دے دی ہے تو جب تک دیوار گر نہیں جاتی' اس رعایت کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے زمین کاشت کے لئے عاریتاً دی ہے تو کھیت کی کٹائی تک اسے واپس نہ لے' اس لئے کہ اس میں ایک مسلمان کا نقصان ہے جو کہ حرام ہے۔

(۶) جو شخص ایک متعین مدت کے لئے کوئی چیز عاریتاً دیتا ہے تو مدت گزرنے کے بعد اس کا مطالبہ کرنا بہتر ہے' پہلے نہیں۔

* عاریت کا تحریری نمونہ:

"فلاں نے فلاں کو اپنی مقبوضہ اور مملوکہ چیز عاریتاً دی ہے۔ یہ فلاں مکان' یا باغ یا کپڑا وغیرہ ہے' فلاں مدت تک وہ اس میں رہائش رکھے گا' یا اسے استعمال کرے گا۔ یہ صحیح' جائز اور قابل واپسی "عاریت" ہے اور مندرجہ بالا طریق کے مطابق عاریتاً لینے والے نے اسے اپنے قبضہ میں لیا ہے اور دونوں نے اس کو شرعی طور پر تسلیم اور قبول کر لیا ہے۔

آج مؤرخہ فلاں........

چوتھا مادہ

غصب کا بیان

* غصب کی تعریف:

دوسرے کے مال پر زبردستی اور ناحق قبضہ کر لینا' مثلاً ایک شخص کا ایک مکان ہے' اس سے چھین کر اس میں رہائش اختیار کرنا یا کسی کا جانور ہے تو اس پر سواری کرنا۔

* غصب کا حکم:

غصب حرام ہے' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ ﴾ (البقرة۲/ ۱۸۸)

"ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَلَاَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"خبردار! تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں۔"

اور فرمایا: «مَنِ اقْتَطَعَ مِنَ الأَرْضِ شِبْرًا ظُلْمًا طُوِّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص کسی زمین میں سے ایک بالشت کے برابر ناجائز قبضہ کرتا ہے' قیامت کے دن اسے زمین کی سات تہوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

نیز ارشاد گرامی ہے: «لاَ يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ عَنْ طِيْبِ نَفْسِهِ»(سنن دارقطني)

"کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔"

* غصب کے احکام:

(۱) یہ اللہ کا حق ہے کہ غاصب کو قید یا مار پیٹ کی سزا دی جائے تاکہ وہ آئندہ یہ کام نہ کرے اور دوسروں کے لئے عبرت بنے۔

(۲) غاصب پر لازم ہے کہ غصب کردہ چیز واپس کرے اور اگر وہ چیز ضائع ہو گئی ہے تو اس کی مثل دے۔ اگر اس کی مثل نہیں ہے تو قیمت ادا کرے۔

(۳) اگر غاصب نے غصب شدہ چیز کو عیب دار کر دیا ہے جس سے اس کی افادیت ختم ہو گئی ہے تو وہ اس کی مثل واپس کرے اور غصب شدہ چیز اپنے پاس رکھے۔ اگر مثل دینا اس کے لئے ناممکن ہو تو وہ معیوب چیز واپس کرے اور نقصان کی قیمت ادا کرے۔

(۴) اگر غصب شدہ چیز سے کوئی آمدنی ہوئی ہے تو وہ بھی واپس کرے۔ مثلاً جانور کا بچہ' یا درختوں کی پیداوار یا جانور کا کرایہ وغیرہ۔

(۵) اگر غصب شدہ زمین ہے اور غاصب نے اس پر کوئی عمارت تعمیر کر لی ہے' یا باغ لگا دیا ہے تو عمارت منہدم کرے اور درخت کاٹ لے اور زمین کو اسی حال پر درست کر کے واپس کرے' جیسا کہ پہلے تھی۔

اور اگر وہ عمارت' یا باغ کو بحال رکھنا چاہتا ہے تو صاحب زمین کی مرضی کے مطابق اس سے ملبہ کی قیمت لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ»(سنن أبي داود وسنن دارقطني)

"ظالم کی رگ (محنت اور پسینے) کا کوئی حق نہیں ہے۔"

(۶) اگر غاصب نے غصب شدہ چیز میں تجارت کی ہے اور نفع بھی کمایا ہے تو نفع سمیت واپس کرے۔

(۷) اگر "غاصب" اور (غصب شدہ چیز کے) مالک کے مابین غصب شدہ چیز کی قیمت' یا صفت میں اختلاف ہو جائے اور مالک کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے تو "غاصب" کی بات کا اعتبار ہو گا' مگر حلف کے ساتھ۔

(۸) جس نے بلااجازت دوسرے کا مال تلف اور ضائع کر دیا' وہ اس کا ضامن ہے' مثلاً یہ کہ کوئی دوسرے کا مال جلا دے' یا پھاڑ دے' یا بند دروازہ کھول دے' یا پنجرہ کھول دے اور جانور نکل جائے یا پرندے اڑ جائیں۔

(۹) اگر حملہ آور ہونے والے کتے کو باندھنے میں مالک نے سستی کی اور اس نے کسی کو کاٹ کھایا تو مالک ضامن ہے۔

(۱۰) اگر جانور رات کے وقت کھول دیا گیا اور اس نے کسی کے کھیت کا نقصان کر دیا تو جانور کے مالک پر "ضمان" ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ عَلَى أَهْلِ الأَمْوَالِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ، وَمَا أَفْسَدَتْ بِاللَّيْلِ فَهُوَ مَضْمُوْنٌ عَلَيْهِمْ»(سنن أبي داود، مسند أحمد وسنن ابن ماجة)

"دن کو مال والے (اپنے کھیت وغیرہ کی) حفاظت کریں اور اگر رات کو جانور نقصان کریں تو ان کے مالک ذمہ دار ہیں۔"

(۱۱) جس جانور کے ساتھ سوار' یا ہانکنے والا نہیں ہے اور اس نے کسی کا نقصان کر دیا تو اس میں ضمان نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ»

"بے زبان جانور نقصان کرے تو وہ "ضائع" ہے۔"

اسی طرح اگر مالک جانور پر سوار ہے' مگر اپنے (پچھلے) پاؤں سے اس نے کسی کا نقصان کر دیا تو وہ بھی "ضائع" ہے۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«رِجْلُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ، أَمَّا مَا تُتْلِفُهُ بِفَمِهَا أَوْ بِيَدَيْهَا فَمَضْمُوْنٌ، إِذَا كَانَتْ مَرْكُوْبَةً»(رواه أبوداود وهو معلول)

"بے زبان جانور کے (پچھلے) پاؤں کا نقصان "ضائع" ہے' البتہ اپنے منہ یا اگلے پاؤں سے اگر ایسا جانور جس پر مالک سوار ہے' نقصان کر دے تو اس کی "ضمان" ہو گی۔"

پانچواں مادہ — لقطہ اور لقیط کا بیان

* لقطہ کی تعریف:

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں' جو ایسی جگہ سے ملے جو کسی شخصی ملکیت میں نہ ہو' مثلاً راستہ میں پیسے' یا کپڑے مل جائیں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو اسے اٹھالینا۔

* لقطہ کا حکم:

لقطہ کا اٹھالینا جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلاَّ فَشَأْنُكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اس (ملنے والی) چیز کی تھیلی اور باندھنے والی رسی کی پہچان رکھ' پھر ایک سال تک اعلان کرتا رہ' اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دے' ورنہ اسے اپنے کام میں لگا لے۔"

اور گم شدہ بھیڑ بکری کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:

«خُذْهَا فَهِيَ لَكَ أَوْ لأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اسے پکڑ لے' وہ تو پکڑے گا یا تیرا کوئی اور بھائی یا پھر اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔"

مگر وہی شخص گم شدہ چیز اٹھائے' جسے اپنی امانت پر اعتماد ہے اور جو اپنی دیانت و امانت پر یقین نہیں رکھتا' وہ اسے نہ اٹھائے۔ اس لئے کہ مسلمان کے مالوں کی تباہی کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔

* لقطہ کے احکام:

(ا) اگر گری پڑی چیز معمولی ہے اور متوسط لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے' مثلاً کھجور کا دانہ' انگور کا دانہ' بوسیدہ کپڑے کا ٹکڑا لاٹھی اور چابک وغیرہ تو اسے اٹھا کر فوری طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج

نہیں ہے اور اس کی تشہیر اور اس کی حفاظت ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهِ، يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ فَيَنْتَفِعُ بِهِ»(رواه أحمد وسنن أبوداود وفي إسناده مقال)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لاٹھی' چابک اور رسی وغیرہ میں اجازت دی ہے کہ (گم شدہ ملے) تو آدمی اٹھا کر اس سے فائدہ حاصل کر لے۔[1]"

(۲) اگر وہ چیز ایسی ہے کہ متوسط طبقہ کے لوگ اس کا اہتمام کریں گے تو ایک سال تک اس کی تشہیر ضروری ہے' اٹھانے والا مساجد کے دروازوں اور لوگوں کے اکٹھے ہونے کے مقامات پر اعلان کرے' یا پھر یومیہ اخبارات اور نشریاتی اداروں کے ذریعہ اس کی تشہیر کرے' اگر مالک آ جائے اور اس کے ظرف (شاپر' بیگ' بٹوہ یا پوٹلی وغیرہ)' عدد اور صفت کی پہچان کر لے تو اس کو دے دے اور اگر پورا سال گزرنے پر بھی کوئی نہ آئے تو اسے اپنے کام میں لگائے یا خیرات کر دے' مگر اس ارادہ سے کہ اگر مالک کسی وقت آ گیا تو ادائیگی کر دے گا۔

(۳) حرم (مکہ) میں گری ہوئی چیز اٹھانا جائز نہیں ہے' الا یہ کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اگر کوئی اٹھاتا ہے تو جب تک وہ حرم میں ہے' اس کی تشہیر ضروری ہے اور جب باہر جائے تو حاکم کے سپرد کر دے' وہ اسے اپنی ملکیت میں نہیں لے سکتا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَامٌ لاَ يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلاَ يُخْتَلٰى خَلاَهُ، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلاَ تُلْتَقَطُ لُقْطَتُهُ إِلاَّ لِمُعَرِّفٍ»

"یہ حرمت والا شہر ہے' اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں' اس کے پتے نہ جھاڑے جائیں' اس کا شکار نہ بھگایا جائے اور اس کی گم شدہ چیز نہ اٹھائی جائے' مگر اس کے لئے (اجازت ہے) جو اعلان کرے۔"

(۴) گم شدہ جانور اگر بکری یا بھیڑ ہے اور ویران جگہ میں ملی ہے تو اسے پکڑ لینا چاہیئے اور وہ اسی وقت اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«هِيَ لَكَ أَوْ لأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ تو پکڑے گا' یا تیرا کوئی اور بھائی' یا اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔"

---

(۱) جمہور علماء کا اس پر عمل ہے' مگر یہ حدیث ذیل کے معارض ہے۔

"جو شخص گم شدہ معمولی چیز' مثلاً رسی' یا درہم' یا اس کے مشابہ کوئی دوسری چیز اٹھا لے تو اس کا تین دن اعلان کرے' اگر ان سے زیادہ مالیت کی ہو تو ایک سال تک اعلان کرے۔ (مؤلف)

اور اگر گم شدہ اونٹ ہے تو اسے کسی صورت بھی نہ پکڑے' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«مَالَكَ وَلَهَا، مَعَهَا حِذَاءُهَا وَسِقَاءُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّي يَجِيْءَ صَاحِبُهَا فَيَأْخُذَهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تجھے اس سے کیا سروکار' اس کے پاؤں مضبوط ہیں اور پانی کے لئے اس کے پاس مشکیزہ ہے۔ تالاب سے پانی حاصل کرے گا' درخت کے پتے کھائے گا' یہاں تک کہ اس کا مالک آ کر اسے پکڑ لے گا۔"

اور گم شدہ اونٹ کے حکم میں گدھے' خچر اور گھوڑے ہیں' ان کو بھی نہیں پکڑنا چاہیئے۔

* لقطہ کا تحریری نمونہ:

"فلاں اقرار کرتا ہے کہ مؤرخہ فلاں' سال و ماہ فلاں کو فلاں جگہ سے ایک گم شدہ تھیلی ملی ہے۔ جس میں اتنی چیز ہے' اس نے اسی وقت اس کا اعلان کیا اور اسی جگہ' بازاروں' سڑکوں اور مساجد میں متواتر کئی دن اور پھر کئی ماہ جو پورے سال سے زائد بنتے ہیں' اس کی تشہیر کرتا رہا ہے' مگر کسی نے بھی اس کا مطالبہ نہیں کیا' مجھے اپنی موت کا ڈر ہے۔ میں اس تحریر پر گواہ بنا رہا ہوں کہ میں نے یہ گم شدہ چیز پائی ہے' جو میرے قبضہ اور کنٹرول میں ہے' اگر کوئی بعد میں اس کا مالک آ جائے اور اپنی ملکیت کا ثبوت مہیا کر دے تو یہ اس کے حوالہ کر دی جائے اور اس طرح شرعی طریقہ سے اس کے قبضہ میں دے کر راقم تحریر اس کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔"

مورخہ --

* لقیط کا بیان:

وہ بچہ جو کسی جگہ پھینکا ہوا پایا گیا' اس کا نسب غیر معروف ہو اور کوئی اس کا مدعی نہ بنتا ہو کہ یہ میرا ہے' لقیط کہلاتا ہے۔

* لقیط کا حکم:

مسلمانوں میں سے کوئی ایک صاحب حیثیت شخص اسے حاصل کر کے اس کی تربیت و کفالت اپنے ذمے لے لے' سب کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔"

اور اس لئے بھی کہ یہ قابل احترام بے قصور جان ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے۔

* لقیط کے احکام:

(۱) اسے حاصل کرنے والا اس کے ملنے پر گواہ بنا لے اور اگر مال و متاع اس کے ساتھ ہے تو اس پر بھی کوئی شاہد مقرر کرے۔

(۲) اگر یہ بچہ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر سے ملا ہے تو وہ مسلمان متصور ہو گا' چاہے ان میں غیر مسلم بھی رہتے ہوں۔

(۳) اگر اس بچہ کے ساتھ مال بھی ملا ہے تو اسے اس پر خرچ کیا جائے' مال نہیں ہے تو مسلمانوں کے بیت المال سے اخراجات پورے کئے جائیں۔ اگر بیت المال کا انتظام نہیں ہے تو مسلمانوں کی جماعت پر اس کا خرچ واجب ہے۔

(۴) "لقیط" اگر مر جائے تو بیت المال اس کا وارث ہے' قتل ہو جائے تو اس کی دیت بیت المال میں جمع ہو گی اور قصاص و دیت میں امام المسلمین اس کا متولی ہے' چاہے قصاص لے اور چاہے دیت وصول کرے اور بیت المال میں جمع کرا دے۔

(۵) لقیط کے بارے میں اگر کوئی مرد دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو' اگر امکان ہو کہ وہ اس کا بیٹا ہو سکتا ہے تو اسے دے دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت اقرار کرے تو وہ اسے دے دیا جائے۔

* پھینکے ہوئے بچے کی تحریری شہادت

(روبرو من مسمی بہ ------ بن ------ قاضی عدالت ------ فلاں شخص ------ حاضر ہوا۔ اور) اس بات کی گواہی دی (اقرار کیا) کہ وہ فلاں وقت فلاں جگہ ------ سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بچہ زمین پر پڑا ہوا پایا کہ جس کی شکل وشباہت یوں ہے ------ (ہاتھ' پاؤں' رنگ' آنکھیں' کان' بال اور جنس ذکر کریں) اور یہ کہ وہ ایک ایسا پھینکا ہوا بچہ ہے کہ جس میں اس کی ملکیت' یا شبہ ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے اس کی ملکیت تک پہنچانے والے حقوق میں سے کوئی حق ثابت ہوا ہے۔ اور یہ کہ تاحال (یہ بچہ) مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق بطور لقیط اس کے قبضہ میں رہے گا اور یہ کہ اقرار کنندہ اس بارے میں صحیح حقوق کو سمجھتا ہے اور شرعاً جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کی پیروی کرتا ہے۔
مؤرخہ ------------ اقرار کنندہ -------- قاضی ----------

حجر (تصرفات مالی سے روکنا) کا بیان

الف ۔ حجر:

* حجر کی تعریف:

کسی انسان کو کمسنی جنون' کم عقلی' (قرض کے غلبے) یا افلاس کی وجہ سے تصرفات مالی سے روک دینا

حجر (حاء کی زیر کے ساتھ) کہلاتا ہے۔

* حجر کا حکم:

مذکورہ حالات میں کسی پر پابندی لگانا شریعت مطہرہ سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٥)

"کم عقلوں کو اپنے اموال نہ دو کہ جن میں اللہ نے تمہارے لئے گزارا بنایا ہے اور انہیں ان میں سے خوراک اور لباس دو۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ پر جب وہ مقروض ہو گئے تھے' مالی تصرف کی پابندی لگا دی تھی اور پھر آپ نے ان کے مال میں سے پورا قرض ادا کر دیا' یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ (سنن دار قطنی و مستدرک حاکم اور انہوں نے اسے صحیح کہا ہے)

* حجر کے احکام

(ا) **نابالغ بچہ:** وہ نابالغ بچہ جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا' اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں والدین کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا اور والدین کی وفات کی صورت میں "وصی" کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور بالغ ہونے تک یہ پابندی برقرار رہے گی' اور اگر بلوغت کے باوجود کم عقل ہو' تو جب تک عقل کی استعداد درست نہیں ہو گی' پابندی برقرار رہے گی اور اگر بچہ یتیم ہے اور باپ اس پر "وصی" (صاحب وصیت) مقرر کر گیا ہے تو بعد از بلوغت سمجھدار ہونے تک پابند رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٦)

"اور بالغ ہونے تک یتیموں کا امتحان لو' پھر (بالغ ہونے پر) اگر تم ان میں سوجھ بوجھ محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔"

(۲) **بے وقوف:** جو شخص مال کی افادی حیثیت کی عدم معرفت کی وجہ سے اپنی خواہشات نفس میں مال کو ضائع کر دے تو ورثاء کے مطالبہ پر اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے تب اسے ہبہ' بیع اور خریداری سے روک دیا جائے' جب تک پختگی عقل و رشد اس میں نہ آئے۔ اگر پابندی کے دوران کوئی مالی تصرف کرے گا تو باطل ہو گا اور نافذ نہیں ہو گا۔ ہاں پابندی سے پہلے کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

(۳) **دیوانہ:** جس کی عقل میں خلل اور فتور واقع ہو جائے اس پر پابندی ہو گی اور اس کے مالی

تصرفات نافذ نہیں ہوں گے' جب تک اس کی عقلی صلاحیت بحال نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهِ حَتَّى يَبْرَأَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ»(رواه أحمد وأبوداود وهو صحيح)

"تین آدمی مرفوع القلم ہیں' مجنون جس کی عقل کام نہیں کرتی' درست ہونے تک۔ سویا ہوا جاگنے تک اور بچہ بالغ ہونے تک۔"

(۴) **بیمار:** ایسا مریض جس کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہے' ورثاء اس پر' موت یا تندرستی تک کے لئے پابندی کا مطالبہ کر سکتے ہیں تاکہ وہ بنیادی ضروریات سے زیادہ خرچ نہ کر سکے۔ یعنی خوراک' لباس' رہائش اور علاج کے علاوہ۔

ب۔ مفلس کا بیان:

* مفلس کی تعریف:

کسی شخص پر اتنا قرض ہو جائے کہ اس کی ملکیت کی تمام اشیاء بھی دے دی جائیں تو پھر بھی پورے قرض ادا نہ ہو سکیں' تو وہ "مفلس" کہلاتا ہے۔

* مفلس کے احکام:

(۱) قرض خواہوں کا مطالبہ ہو تو اس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی لگا دی جائے۔

(۲) لباس اور ضروریات زندگی کے علاوہ' اس کا تمام مملوکہ مال فروخت کر دیا جائے اور قرض خواہوں کے حصص کے مطابق قرضے ادا کر دیئے جائیں۔

(۳) اگر مقروض کے پاس کسی قرض خواہ کا اپنا سامان موجود ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو وہ اپنا سامان لے سکتا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو کوئی کسی "مفلس" کے پاس اپنا سامان بعینہٖ پالیتا ہے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ صاحب سامان اس کی قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہ کر چکا ہو' ورنہ وہ سب قرض خواہوں کے برابر حصہ دار ہے۔

(۴) جس شخص کے بارے میں حاکم وقت کے ہاں ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے' جسے فروخت کر کے قرض ادا کیا جائے تو اس سے قرض کا مطالبہ اور اس کا پیچھا کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٠)

"مقروض اگر تنگ دست ہے تو آسانی تک مہلت دینی چاہیئے۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مقروض صحابیؓ کے قرض خواہوں کو فرمایا تھا:

«خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحيح مسلم)

"تم جو پاؤ لے لو اور اس کے علاوہ تمہارے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔"

(۵) مال تقسیم ہو جانے کے بعد ایک اور قرض خواہ ظاہر ہو گیا جس کو مقروض پر پابندی اور اس کے مال کے فروخت ہونے کا علم نہیں تھا تو وہ دوسرے قرض خواہوں سے حصہ رسد (اپنا حصہ) وصول کرے گا۔

(۶) ہاں جسے پابندی کا علم ہے اور اس کے بعد اس نے مقروض سے کچھ لین دین کیا' تو وہ ان قرض خواہوں کے حصہ میں شریک نہیں ہو گا' جن کی وجہ سے اس پر پابندی لگائی گئی تھی۔ بلکہ مذکورہ شخص کا قرض بدستور "مفلس" کے ذمہ رہے گا جسے وہ آسانی میسر آنے پر ادا کرے گا۔

* مفلس پر پابندی کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد:

"فلاں عدالت کا قاضی اقرار کرتا ہے کہ اس نے فلاں شخص پر شرعی انداز سے درست پابندی لگائی ہے اور شرعی قرضہ جات اور دیگر واجبات کی وجہ سے اس کو منع کر دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں کسی طرح کا تصرف کرے۔ اس نے اتنا قرض دینا ہے' جس کی تفصیل یہ ہے کہ فلاں کا قرض مبلغ اتنا ہے' جس کا اثبات فلاں دستاویز سے ہوا ہے۔ اور اس پر فلاں تاریخ ثبت ہے اور فلاں کا قرض اتنا ہے اور ان قرض خواہوں نے اپنے اپنے قرض عدالت میں معتبر دستاویزات کے ذریعہ ثابت کر دیئے ہیں اور ہر ایک نے اس پر حلفیہ بیان دیا ہے اور دلائل سے عدالت کے روبرو واضح ہو گیا ہے کہ مذکورہ مقروض تنگ دست ہے اور اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے' جس سے یہ قرض ادا کر سکے' لہٰذا اس کا موجودہ مال بقدر حصص ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر عدالت اس کے مالی تصرف پر شرعی پابندی عائد کرتی ہے' البتہ یہ اپنے مال میں سے اپنا خرچ اور جن کا خرچ اس پر لازم ہے' نکال سکتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے بیوی اور اولاد وغیرہ اور یہ پابندی اس کی املاک (جائیداد) فروخت ہونے تک برقرار رہے گی' تاکہ شرعی طریقہ سے قرض خواہوں کے قرضے ادا کر دیئے جائیں۔ مورخہ فلاں کو یہ فیصلہ تحریر ہوا۔

* بے وقوف فضول خرچ پر پابندی کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد!

"قاضی عدالت" فلاں شخص پر صحیح شرعی پابندی عائد کر رہا ہے اور اس وقت موجود مال' یا اس کے بعد جو سرمایہ اسے حاصل ہو گا' میں تصرف کرنے سے اس کو روک رہا ہے' جبکہ شرعی طور پر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شخص کم عقل ہے اور اپنا سرمایہ ضائع کر رہا ہے' خرید و فروخت اور خرچ کے معاملات میں اسراف کا مرتکب ہو رہا ہے' لہٰذا یہ اس لائق ہے کہ اس پر پابندی عائد کر دی جائے اور درستی حال تک اس کو مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس پر یہ پابندی عائد ہو اور اس کے ہر طرح کے تصرف کو باطل قرار دیا جائے۔ بنا بریں عدالت کا فیصلہ ہے کہ یہ پابند ہے اور مال میں تصرف نہیں کر سکتا اور یہ کہ یہ کم عقل ہے' شرعی پابندی اس پر لاگو ہے اور معاملات سے اس کو منع کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی مالی تصرف کرے گا تو شرعی اصولوں کی رو سے وہ باطل ہو گا' البتہ اس کے مال میں سے اس کا اور اس کی بیوی اور اولاد کا یومیہ خرچ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مذکورین اس کے مال میں سے روزانہ بقدر کفایت فلاں تاریخ سے خرچ حاصل کرتے رہیں گے۔ فلاں تاریخ کو یہ تحریر ہوئی۔"

سانواں مادہ

وصیت کا بیان

* وصیت کی تعریف:

قریب المرگ اپنی موت کے بعد کسی چیز کی دیکھ بھال' یا مال میں "تبرع" (نیک کام میں خرچ کرنا) کا فیصلہ کرے تو یہ وصیت ہے۔ اس تعریف کی رو سے اس کی دو اقسام ہیں' ایک یہ کہ وہ کسی کو وصیت کرے کہ وہ اس کا قرض ادا کرے' یا کسی کا حق ادا کرے' یا بالغ ہونے تک اولاد کا خیال رکھے اور دوسرا یہ کہ اس کا اتنا مال موت کے بعد فلاں شخص کو دیا جائے' یا فلاں کام میں خرچ کیا جائے۔

* وصیت کا حکم:

شرعاً وصیت کرنا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ شَهَٰدَةُ بَيۡنِكُمۡ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلۡمَوۡتُ حِينَ ٱلۡوَصِيَّةِ ٱثۡنَانِ ذَوَا عَدۡلٖ مِّنكُمۡ ﴾ (المائدة٥/ ١٠٦)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آئے تو گواہی (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں) میں سے دو مرد عادل گواہ ہوں۔"

اور فرمایا: ﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ﴾ (النساء٤/ ١١)
"وراثت کی تقسیم "وصیت" کے نفاذ اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ لَهُ مَا يُوْصِىْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو مسلمان "وصیت" کرنا چاہتا ہے' وہ دو راتیں بھی نہ گزارے' الاّ یہ کہ اس کے پاس "وصیت" لکھی ہوئی ہو۔"

جس نے قرض دینا ہے' یا اس کے پاس کسی کی امانت ہے' یا اس نے کسی کا حق دینا ہے تو اس پر "وصیت" کرنا لازم ہے' اس لئے کہ خطرہ ہے کہ وہ فوت ہو جائے اور لوگوں کے اموال ضائع ہو جائیں اور قیامت کے دن اس سے باز پرس ہو اور اسی طرح جس کے پاس دولت کی بہتات ہے اور اس کے وارث غنی ہیں' اسے بھی چاہیئے کہ غیر وارث قرابت داروں کے لئے تہائی یا اس سے کم کی وصیت کرے' یا کسی نیکی کے کام میں وصیت کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

«يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: يَا ابْنَ آدَمَ ثِنْتَانِ لَمْ يَكُنْ لَكَ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا، جَعَلْتُ لَكَ نَصِيْبًا فِيْ مَالِكَ حِيْنَ أَخَذْتُ بِكَظَمِكَ لِأُطَهِّرَكَ بِهِ وَأُزَكِّيَكَ، وَصَلَاةُ عِبَادِيْ عَلَيْكَ بَعْدَ انْقِضَاءِ أَجَلِكَ»(رواه عبد بن حميد في المسند بسند صحيح)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ابن آدم! دو چیزیں تیرے پاس نہیں تھیں' میں نے تیری موت کے وقت تجھے تیرے مال میں سے ایک حصہ دیا' تاکہ تجھے پاک اور صاف کروں [1] اور موت کے بعد اپنے بندوں کی تیرے حق میں دعائیں تجھے دی ہیں۔"

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے وصیت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

«اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تہائی مال تک وصیت کرو اور یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑو یہ بہتر ہے' اس سے کہ وہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

---

(۱) یعنی میں نے وصیت کو مشروع کیا تاکہ تو درست وصیت کر کے ثواب کمائے جو مغفرت اور بلندی درجات کا سبب ہے۔ (ع' ر)

* وصیت کی شرطیں:

(۱) کسی کام کے لئے جس کو وصیت کی جا رہی ہے' وہ مسلمان' عاقل اور سمجھدار ہونا چاہیئے' اگر جسے وصیت کی گئی ہے۔ ان صفات کا حامل نہیں ہے تو حقوق کے ضائع ہونے' یا نابالغ بچوں کی مراعات کے فقدان کا اندیشہ رہے گا۔

(۲) بیمار کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ وصیت کے وقت عقل اور ہوش و حواس کا حامل ہونا چاہیئے اور جس چیز میں وصیت کر رہا ہے وہ اس کا مالک بھی ہو۔

(۳) جو "وصیت" کر رہا ہے' وہ مباح و حلال ہو' اگر حرام کی وصیت کی ہے تو نافذ نہیں ہو گی۔ مثلاً ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میری موت کے بعد نوحہ (بین) کیا جائے' یا نصاریٰ کے معبد کے لئے اتنا مال دیا جائے یا فلاں بدعت کا کام کیا جائے یا لہو و معصیت الٰہی کے کاموں کی محفل منعقد کی جائے وغیرہ۔

(۴) جس کے لئے "وصیت" کی ہے' وہ وصیت قبول کر لے اگر وہ انکار کر دیتا ہے تو وصیت باطل ہو جائے گی اور بعدازاں اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہو گا۔

* وصیت کے احکام:

(۱) وصیت کرنے والا رجوع اور اس میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: «يُغَيِّرُ الرَّجُلُ مِنْ وَصِيَّتِهِ مَا يَشَاءُ»(سنن دارمی)

"انسان اپنی وصیت میں سے جو چاہے تبدیل کر دے۔"

(۲) جس کے وارث ہوں' وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "کیا میں اپنے مال میں سے دو تہائی خیرات کر سکتا ہوں؟" تو آپ نے فرمایا "نہیں" عرض کی "کل مال کا نصف خیرات کر سکتا ہوں؟" فرمایا "نہیں۔" عرض کی کہ "کل مال میں سے تہائی خیرات کروں؟" فرمایا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلاَّ أَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ»(سنن ترمذي وصححه)

"اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (خود ہی ترکہ کی تقسیم بتا دی ہے)' لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں' الاّ یہ کہ ورثاء چاہیں۔"

(۴) جن "مدات" میں وصیت کی ہے' اگر تہائی ۱/۳ سب کو پورا نہیں کرتی تو حصہ رسد برابر برابر سب "مدات" میں خرچ کیا جائے' جیسا کہ قرض خواہوں کے لئے کیا جاتا ہے۔

(۵) قرض کی ادائیگی کے بعد وصیت لاگو کی جائے' اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«قَضٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ»(سنن ترمذي وسنده ضعيف)

''رسول اللہ ﷺ نے (نفاذ) وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ دیا ہے۔''

اور اس لئے کہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت نفل اور مستحب ہے اور واجب نفل پر مقدم ہوتا ہے۔

(۶) مجہول یا معدوم کی وصیت بھی ہو سکتی ہے' اس لئے کہ یہ تبرع اور احسان ہے' مگر وہ مجہول' یا معدوم حاصل ہو جائے' تو وصیت کا نفاذ ہو گا' ورنہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص وصیت کرتا ہے کہ میری بکری کا بچہ جو پیدا ہو گا' فلاں کو دیا جائے' یا درختوں کی آمدنی میں سے اتنا دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۷) وصیت کرنے والے کی زندگی اور موت کے بعد وصیت قبول ہو سکتی ہے اور وصیت کرنے والے کو یہ بھی اختیار ہے کہ اگر مال یا' حقوق یا یتیموں کے حصے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو ''وصیت'' ختم کر دے۔

(۸) کسی شخص کو اگر کسی معین چیز میں وصیت کی گئی ہو تو وہ اس کو تبدیل نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ بلا اجازت ہے اور لوگوں کے حقوق میں بلا اجازت تصرف کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

(۹) وصیت کے نفاذ کے بعد اگر میت پر قرض کا انکشاف ہو تو جسے وصیت کی گئی ہے وہ اس قرض کا ''ضامن'' نہیں ہے' اس لئے کہ وہ اس کے علم میں نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس بارے میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے۔

(۱۰) ایک معین چیز میں وصیت ہوئی ہے تو اس چیز کے تلف ہو جانے پر وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کے دوسرے مال میں اس کا نفاذ نہیں ہو گا۔

(۱۱) ایک شخص نے وارث کے لئے وصیت کر دی' بعض ورثاء اس کی اجازت دیتے ہیں اور بعض ورثاء اجازت نہیں دیتے تو جو اجازت دیتے ہیں ان کے حصہ میں وصیت نافذ ہو گی اور جو اجازت نہیں دیتے ان کے حصہ میں وصیت کا نفاذ نہیں ہو گا۔[۱]

(۱۲) جو شخص اپنی وصیت میں کہتا ہے کہ میں فلاں کی اولاد کے لئے اتنی وصیت کر رہا ہوں تو اس فلاں کی اولاد میں لڑکے' لڑکیاں برابر برابر اس وصیت میں حصہ دار ہوں گے۔ اس لئے کہ لفظ ولد لڑکا اور لڑکی دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ﴾ (النساء٤/ ١١)

---

(۱) یعنی اجازت دینے والوں کے اصل حصوں کا حجم بوجہ نفاذ وصیت کم ہو جائے گا جبکہ اجازت نہ دینے والوں کو مکمل شرعی حصے ملیں گے۔ (ع' ر)

"اللہ تمہاری اولاد کے لئے تمہیں وصیت کرتا ہے' لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔"

ہاں اگر وہ یوں کہتا ہے کہ فلاں کے بیٹوں کو اتنا حصہ دیا جائے تو یہ وصیت صرف بیٹوں کے لئے ہوگی' بیٹیوں کے لئے نہیں۔ اسی طرح اگر وصیت میں بیٹیوں کی صراحت کرے تو وصیت فقط بیٹیوں کے لئے ہوگی۔

(۱۴۳) جو شخص وصیت لکھ دیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا تو پھر بھی وہ نافذ ہوگی' الاّ یہ کہ اس سے رجوع ثابت ہو جائے تو وصیت باطل قرار پائے گی اور نافذ نہیں ہوگی۔

* وصیت کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد:

"یہ فلاں بن فلاں وصیت کر رہا ہے' اسکے گواہوں کو علم ہے کہ صحت' عقل اور ثبوت فہم کی حالت میں یہ وصیت ہوئی ہے۔ "صاحب وصیت" گواہی دیتا ہے کہ ایک اللہ ہی معبود برحق ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں اور جنت حق ہے' دوزخ حق ہے اور قیامت قریب آنے والی ہے اور اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا۔ (وصیت کرنے والا) اپنی اولاد' اہل و عیال اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہے اور یہ کہ شریعت اسلامیہ کا التزام کیا جائے اور اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جائے اور یہ کہ انہیں موت اسلام پر آئے اور یہ بندہ (اللہ اس کو معاف کرے اور اس کے ساتھ نرمی فرمائے) وصیت کرتا ہے کہ لازماً آنے والی موت جو اللہ نے مخلوق پر لکھ دی ہے' کے بعد اس کے ترکہ میں سے پہلے تجہیز و تکفین اور دفن کا انتظام کیا جائے۔ پھر اس کے ذمہ جو قرضہ جات ہوں' ان کی ادائیگی کی جائے۔ جن کا اقرار ان گواہوں کے سامنے کر رہا ہوں جس کی تفصیل یہ ہے-------- اور پھر کل مال کی تہائی میں سے فلاں کو اتنا دیا جائے اور جو باقی بچے وہ ورثاء میں حصہ رسد اللہ تعالیٰ کے "قانون وراثت" کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

اور یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اس کے چھوٹے بچوں' جو کہ فلاں فلاں ہیں کی ضروری نگہداشت کی جائے اور ان کے "حصص وراثت" کا ان کے بالغ اور صاحب رشد ہونے تک تحفظ کیا جائے۔ یہ تمام "وصیت" فلاں کو کی جا رہی ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے بعد اس پر اعتماد اس لئے کر رہا ہے کہ اس کی دیانت' عدالت اور کفایت کا یہ وصیت کرنے والا اقرار و اعتراف کرتا ہے اور اس کو یہ بھی اختیار دیتا ہے کہ انہیں اپنی پسند کے مطابق کسی اور کے سپرد کر دے' یا وصیت کرے۔ مجلس وصیت میں وہ شرعی طریقے پر اس کو قبول کر رہا ہے اور گواہ بنا رہا ہے' جبکہ مذکورہ عبارت پر تحریر و نظرثانی کے بعد دستخط بھی ثبت کر دیئے ہیں۔"

مؤرخہ ------------------------

آٹھواں مادہ

وقف کا بیان

* وقف کی تعریف:

اصل چیز کو بیع' وراثت اور ہبہ سے محفوظ کر لینا[1] اور اس کی آمدنی کسی خاص مد کے لئے فی سبیل اللہ متعین کرنا' وقف کہلاتا ہے۔

* وقف کا حکم:

وقف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ کام مندوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِلَّآ أَن تَفْعَلُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"الاّ یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ احسان کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةِ أَشْيَاءَ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ»(صحیح مسلم)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں' مگر تین چیزیں جاری رہتی ہیں۔ خیرات یا علم جس سے فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے' یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔"

* صحت وقف کی شرائط:

(۱) وقف کرنے والا اس کا اہل ہو' یعنی اس چیز کا مالک ہو اور سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔

(۲) اگر "موقوف علیہ" (جس کے لئے وقف کیا جا رہا ہے) معین شخص ہے تو ضروری ہے کہ وہ مالک بننے کی اہلیت رکھتا ہو' لہٰذا عورت کے پیٹ میں بچہ اور غلام (مملوک) کے لئے وقف درست نہیں ہے اور اگر "وقف" غیر متعین کے لئے ہے تو اس سے صرف اللہ کا تقرب حاصل کرنا مطلوب ہو' لہٰذا لہو ولعب' گرجا گھروں اور حرام کاموں کے لئے وقف درست نہیں ہے۔

(۳) صریح الفاظ کے ساتھ "وقف" ہو سکے گا' مثلاً "وقف" یا "حبس" یا "تصدق" کا لفظ استعمال کیا جائے۔[2]

---

(۱) یعنی اسے فروخت یا ھبہ کرنا یا بطور ترکہ ورثاء میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وقف کے ذریعے وہ ان تصرفات سے محفوظ کر لی گئی ہے۔ (ع' ر)

(۲) عربی میں یہ تینوں الفاظ "وقف" کا واضح مفہوم رکھتے ہیں مقصد یہ ہے کہ مبہم الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جن کی "وقف" کے علاوہ کوئی اور توجیہہ بھی کی جا سکتی ہو۔ (ع' ر)

(۴) جس چیز کو وقف کیا جا رہا ہے' وہ ایسی ہو کہ آمدنی حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہے' مثلاً مکان یا اراضی وغیرہ اور جو چیز استعمال کرنے سے ختم ہو جائے' مثلاً طعام اور خوشبو وغیرہ تو ایسی چیزوں میں "وقف" نہیں ہے اور نہ ہی اسے "وقف" کہا جاتا ہے' بلکہ ایسی چیزوں کے خیرات کرنے کو صدقہ کہتے ہیں۔

* وقف کے احکام:

(۱) اولاد کیلئے "وقف" صحیح ہے۔ مثلاً اگر یوں کہے کہ میں اپنی اولاد کیلئے وقف کرتا ہوں تو اس میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں داخل ہیں۔ البتہ اس لفظ میں بیٹوں کی اولاد بھی داخل ہو گی' جبکہ بیٹیوں کی اولاد نہیں اور اگر یوں کہے کہ میں اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کیلئے وقف کرتا ہوں تو یہ بیٹوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد سب کو شامل ہے اور اگر یوں کہے کہ میں اپنے بیٹوں کیلئے وقف کرتا ہوں تو اس کے صرف لڑکے مراد ہوں گے' لڑکیاں نہیں۔ ہاں اگر "بیٹیوں" کا لفظ بولتا ہے تو صرف بیٹیوں کیلئے وقف ہو گا اور یہ اس صورت میں ہے جب الفاظ کے معانی میں فرق سمجھتا ہو ورنہ الفاظ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۲) وقف کرنے والے نے اگر کوئی شرط عائد کی ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا' مثلاً کہتا ہے کہ میں عالم' محدث یا فقیہ کیلئے وقف کرتا ہوں تو یہ کسی اور ماہر علم مثلاً نحوی یا عروضی وغیرہ کیلئے وقف نہیں ہو گا۔ اگر یہ کہتا ہے کہ میں یہ چیز اپنی اولاد کیلئے پھر ان کی اولاد کیلئے اور پھر ان کی اولاد کیلئے وقف کرتا ہوں۔ یا کہتا ہے کہ پہلے طبقہ والے (یعنی اولاد) دوسرے طبقہ (اولاد کی اولاد) کیلئے رکاوٹ بن جائیں گے تو اس کے مطابق ہی عمل ہو گا۔ اس صورت میں دوسرے طبقہ کو اس وقت تک حق نہیں ملے گا' جب تک پہلے طبقہ کے افراد موجود ہیں۔ لہٰذا اگر وقف تین بھائیوں کیلئے ہے اور ان میں سے ایک بھائی فوت ہو جائے اور وہ اولاد چھوڑ جائے تو وقف اس کی اولاد کو منتقل نہیں ہو گا' بلکہ اس کے دونوں بھائی اسے حاصل کریں گے' جب اس نے' اوپر والے طبقہ کیلئے حاجب (یعنی رکاوٹ) قرار دیا ہو۔

(۳) محض وقف کا اعلان کرنے سے یا جائیداد "موقوف علیہ" کے سپرد کرنے سے وقف لازم ہو جاتا ہے' اس کے بعد وقف کرنے والا اسے فسخ نہیں کر سکتا اور نہ ہی فروخت یا ہبہ کر سکتا ہے۔

(۴) اگر ویران ہونے کی وجہ سے "وقف" (کردہ زمین) سے فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں رہا تو بعض علماء اس کے فروخت کرنے اور قیمت اسی طرح کے کام میں لگانے کا فتویٰ دیتے ہیں' اگر کچھ بچ رہے تو مسجد کے لئے صرف کیا جائے یا فقراء و مساکین پر خیرات کر دی جائے۔

* وقف کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد:

"فلاں اقرار کرتا ہے کہ اس نے درج ذیل چیز کو وقف اور حبس کر دیا ہے جو اب تک اس کے قبضہ' ملکیت اور تصرف میں تھی اور فلاں دستاویز کی رو سے اس کے لئے اس کا ملکیت ہونا ثابت تھا یا جو اسے اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملی تھی اور جس کا حدود اربعہ یہ ہے........."

"یہ وقف شرعی اصولوں کے مطابق ہے اور صراحتاً اسے "وقف" کر رہا ہے' اسے کبھی فروخت' رہن اور ہبہ نہیں کیا جا سکے گا اور نہ ہی وراثت میں تقسیم ہو گا۔ اگر اس سے فائدہ حاصل کرنا معدوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے جذبہ سے اس کی مثل کے ساتھ ہی اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے' نیز زمانہ کی طوالت بھی اس وقف کو ختم نہیں کر سکے گی' بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید پختگی آئے گی اور مذکورہ مقصدیت میں یہ اور نمایاں ہو جائے گا۔"

"فلاں وقف کرنے والے (اللہ اسے نیکی کی توفیق عطا کرے) نے اسے مذکورہ مقاصد کے لئے وقف کیا ہے اور ساتھ یہ بات ملحوظ رہے کہ اس "وقف" کا متولی و منتظم اس کی آمدنی میں سے اس کی آبادی' درستی اور اصلاح کرے گا' تاکہ یہ دیرپا رہے اور وقف کنندہ کی غرض پوری ہوتی رہے اور جو آمدنی بچ جائے اسے مذکورہ بالا مصارف پر جن کی تفصیل یہ ہے ------ خرچ کرے گا۔ ہمیشہ کے لئے اس "وقف" کو اسی طرح استعمال کیا جائے۔ نیز "متعینہ جہات" کے لیے خرچ منقطع ہونے کی صورت میں یہ "وقف" امت محمد ﷺ میں سے فقراء و مساکین کے لئے ہے۔"

"واقف مذکور" (وقف کرنے والا) نے تاحیات اس کی تولیت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری قبول کر لی ہے' وہ اکیلا اس کام کو سرانجام دے گا اور کوئی اس میں مشارکت اور منازعت کا حق نہیں رکھتا۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس بارے میں وہ کسی کو وصیت کرے اور اور اختیار اس کے سپرد کر دے۔"

"واقف مذکور" کی وفات کے بعد اس کا فلاں بیٹا متولی ہو گا' یا اس کیاولاد میں جو معاملہ فہم' سوجھ بوجھ کا مالک ہو' متولی قرار پائے گا۔ "واقف مذکور" نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ اس جائیداد کو سال سے زیادہ کرائے پر نہ دیا جائے اور کرائے پر دینے والا اس وقت تک کسی سے نیا معاہدہ نہ کرے جب تک پہلے معاہدے کی مدت ختم نہ ہو اور یہ کہ کرایہ متولی و منتظم وصول کرے گا۔"

"اب یہ "وقف" "واقف" کی ملکیت سے خارج ہو گیا ہے اور ہمیشہ کیلئے "صدقہ جاریہ" شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق قرار پایا ہے اور اس نے اپنا قبضہ ختم کر دیا ہے۔"

"یہ پوری طرح "وقف" ہے اور اس پر "احکام وقف" لاگو ہیں۔ کسی کے لئے جائز اور حلال نہیں کہ اپنے فتویٰ' یا فیصلہ کے ذریعہ اس "وقف" کو توڑ' یا تبدیل کر سکے۔ اگر کسی نے اس کو تباہ و برباد کرنا چاہا تو اللہ عزوجل کی عدالت عالیہ میں اس کے خلاف استغاثہ دائر ہو گا اور اس وقت ظالموں کو معذرت فائدہ نہیں دے گی۔ ان کیلئے لعنت ہو گی اور برا ٹھکانہ ان کا مقدر ہو گا۔"

"اور "واقف" اس بنیاد پر کہ وہ شرعاً وقف کرنے کا مجاز ہے مذکورہ بالا جملہ امور کو بقائمی ہوش و حواس اور کمال عقل و صحت و سلامتی شرعی طور پر قبول کر کے اس وقف نامے کو اپنے اوپر گواہ بناتا ہے۔
تاریخ تحریر-----------------------"

نواں مادہ

ہبہ ' عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان

الف ہبہ کا بیان:

* ہبہ کی تعریف:

کسی سمجھدار شخص کا اپنا مال و متاع کسی کو تبرعاً (نیکی کرتے ہوئے) دے دینا' جیسا کہ ایک مسلمان کسی کو مکان' یا کپڑے' یا طعام' یا درہم و دینار ہبہ کر دے۔

* ہبہ کا حکم:

"ہبہ" اور "ہدیہ" شرعاً مستحب ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی نیکی ہے' جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ترغیب دلائی ہے:

﴿ لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ (آل عمران۳/ ۹۲)

"تم ہرگز اچھائی نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو۔"

اور فرمایا: ﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة۵/ ۲)

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔"

مزید ارشاد عالی ہے: ﴿ وَءَاتَى ٱلْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِى ٱلْقُرْبَىٰ ﴾ (البقرة۲/ ۱۷۷)

"اور محبت کے باوجود مال رشتہ داروں کو دے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«تَهَادُوْا تَحَابُّوْا، وَتَصَافَحُوْا يَذْهَبِ الْغِلُّ عَنْكُمْ»(رواه ابن عساكر بسند حسن)

"ایک دوسرے کو تحفے دو' اس سے باہم محبت بڑھے گی' اور مصافحہ کرو' اس طرح تم سے دل کا بغض نکل جائے گا۔"

اور فرمایا: «اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہبہ" دے کر واپس لینے والا' اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے چاٹ لیتا ہے۔"

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا»(صحيح بخاري)

"نبی ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس پر بدلہ (بھی) دیتے تھے۔"

نیز ارشاد فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَلَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ» (صحيح بخاري)

"جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور یہ کہ دیر تک اس کا تذکرہ رہے' اسے چاہیئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔"

* ہبہ کی شرائط:

(۱) سائل کے سوال کے نتیجہ میں "ہبہ" کرنے والے کا سوال قبول کرنا اور اپنی رضامندی سے چیز دینا۔

(۲) جسے "ہبہ" دیا جا رہا ہے' اس کا اپنی زبان سے یہ کہہ کر قبول کرنا کہ "میں اس "ہبہ" کو قبول کرتا ہوں یا صرف اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لینا۔ اس لئے کہ اگر کسی نے "ہبہ" کیا ہے اور "جسے ہبہ کی گئی ہے" اس نے اسے اپنے قبضہ میں نہیں لیا' اس دوران "واہب" (ہبہ کرنے والا) فوت ہو گیا تو اس چیز میں ورثاء کا حق در آئے گا اور ہبہ کئے گئے شخص کا اب اس میں کوئی حق نہیں رہے گا' اس لئے کہ "ہبہ" کی شرط "قبول" ہے اگر ہبہ کیا گیا شخص اسے قبول کر لے تو اسے چاہیے کہ جس طرح بھی ممکن ہو فوری قبضہ کرے۔

* "ہبہ" کے احکام:

(۱) اگر اولاد میں سے کسی کو عطیہ دے دیا ہے تو باقی اولاد کو بھی اسی طرح کا عطیہ دینا مستحب[1] ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ أَوْلَادِكُمْ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں عدل و انصاف کرو۔"

(۲) "ہبہ" کر کے واپس لینا حرام ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہبہ" واپس لینے والا' اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قے کھا لیتا ہے۔"

---

(۱) بلکہ لازم ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد میں سے بعض کو عطیہ دینے اور بعض کو محروم رکھنے کے اس انداز کو ظلم اور واجب الرد قرار دیا ہے۔ بنا بریں والد یا تو وہ عطیہ واپس لے' یا باقی اولاد کو بھی اس کے برابر عطیات دے۔ (الاثری)

الا یہ کہ "ہبہ" کرنے والا والد ہو تو وہ اپنی اولاد کو "ہبہ" کر کے واپس لے سکتا ہے' اس لئے کہ اولاد اور ان کا مال "والد" کا ہی تو ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان اقدس ہے :

«لاَ يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُّعْطِيَ الْعَطِيَّةَ فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلاَّ الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِيْ لِوَلَدِهِ»
(سنن ترمذي وصححه)

"کسی مرد کے لئے حلال نہیں کہ وہ عطیہ کر کے واپس لے مگر والد جو اپنی اولاد کو دیتا ہے۔"

(۳) "عوض" لینے کے لئے "ہبہ" کرنا درست نہیں ہے' یعنی ایک مسلمان اس لئے "ہبہ" کرے تا کہ دوسرا اس سے بڑھ کر کوئی چیز بدلہ میں دے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِىٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُواْ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُضْعِفُونَ ﴾ (الروم ۳۰/ ۳۹)

"اور جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے ہاں اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور تم اس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو' تو ایسے ہی لوگ (دنیا و آخرت میں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔"

اور جس کو اس شرط پر "ہدیہ" دیا جا رہا ہو اسے اختیار ہے' چاہے قبول کرے یا رد کر دے اور اگر اس نے قبول کر لیا تو اس کے مساوی' یا اس کے "عوض" میں "ہبہ" کرنا لازم ہے' اس لئے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا»(صحيح بخاري)

"نبی کریم ﷺ "ہدیہ" قبول کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔"

اور اس لئے بھی کہ آپ کا فرمان ہے :

«مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ»(رواه الديلمي)

"جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرتا ہے' تو اس کو بدلہ دو۔"

اور فرمایا :«مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَبْلَغَ فِيْ الثَّنَاءِ»(سنن نسائی وسنن ابن حبان وسنده صحيح)

"جس کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور وہ کرنے والے کو کہے "اللہ تجھے اچھی جزا دے" تو اس نے اس کی بہت اچھی تعریف کی۔"

* ہبہ کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد:

"فلاں عاقل' بالغ نے اپنی صحت عقل و فہم اور شرعاً ایسا کر سکنے کی حالت میں اپنا فلاں مکان کہ جس

کا حدود اربعہ یہ ہے۔-------------- کسی عوض و تبادلہ کے بغیر فلاں شخص کو شرعی طور پر "ہبہ" کر دیا ہے اور "ہبہ کئے گئے شخص" کا اس پر قبضہ و تصرف کرا دیا ہے اور مذکورہ (ہبہ شدہ) مکان اس کی ملکیت ہو گیا ہے اور ہبہ کئے گئے شخص کے حقوق میں سے ایک حق بن گیا ہے۔

مورخہ--------------------

تنبیہ: اگر "ہبہ" کرنے والا اپنی (نابالغ) اولاد کو عطیہ دے رہا ہے تو یہ لفظ بھی لکھے کہ (میں) "ہبہ کرنے والے" نے اسے (ہبہ والی چیز کو) اپنے چھوٹے بیٹے کی طرف سے قبول کیا اور اسے اس کی طرف سے شرعی طور پر تسلیم کر لیا ہے اس طرح "ہبہ مذکور" اس کے چھوٹے (نابالغ) بیٹے کی ملکیت اور اس کا حق قرار پایا ہے اور جس پر اس کے مذکورہ بچے نے قبضہ کر لیا ہے۔ تاریخ--------------------

ب۔ عمریٰ کا بیان:

* عمریٰ کی تعریف:

مسلمان اپنے بھائی کو یہ کہے کہ میں تجھے جب تک تو زندہ ہے، اپنا مکان یا باغ دیتا ہوں، یا اپنے گھر کی رہائش، یا اپنے باغ کی آمدنی دیتا ہوں۔

* عمریٰ کا حکم:

مذکورہ انداز کا ہبہ "عمریٰ" کہلاتا ہے اور جائز ہے، اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِيْ أَجَازَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُوْلَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلٰى صَاحِبِهَا»(صحيح مسلم)

"عمریٰ جسے رسول اللہ ﷺ نے نافذ قرار دیا ہے، یہ ہے کہ "ہبہ" کرنے والا کہے کہ "یہ چیز میں تجھے اور تیرے وارثوں کے لئے دیتا ہوں۔ اگر یوں کہتا ہے کہ جب تک تو زندہ ہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں تو (اس کی وفات پر) یہ مالک کو واپس ہو جائے گی۔"

* عمریٰ کے احکام:

(ا) اگر علی الاطلاق بایں الفاظ "ہبہ" کرتا ہے کہ میں یہ گھر تجھے "عمریٰ" کے طور پر دیتا ہوں تو یہ گھر اس شخص کا ہو گا اور اس کے بعد وراثت میں تقسیم ہو جائے گا۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْعُمْرٰى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"عمریٰ اس کے لئے ہے، جسے "ہبہ" کیا گیا۔"

اور اگر کہتا ہے یہ تیرے لئے اور تیرے بعد تیری اولاد کے لئے ہے تو بھی اس کا مالک وہی شخص ہے اور اس کے بعد اس کے ورثا اس کے مالک ہیں "واہب" کو کسی صورت وہ واپس نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْمَرَ عُمْرىٰ لِرَجُلٍ لَهُ وَلِعَقِبِهِ، فَإِنَّهَا لِلَّذِيْ أُعْطِيَهَا لاَ تَرْجِعُ إِلَى الَّذِيْ أَعْطَاهَا، لأَنَّهُ أَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ»(سنن أبي داود، سنن ترمذي وسنن نسائي وصححه الترمذي)

"جس شخص نے کسی شخص اور اس کی اولاد کے لئے عمریٰ دیا تو وہ انہی کا ہے جو دینے والے کو واپس نہیں ہوتا' اس لئے کہ اس نے ایک ایسا عطیہ دیا ہے جس میں وراثت کا نفاذ ہو گیا ہے۔"

(۲) اگر "عمریٰ" میں کہا جائے' جب تک تو زندہ ہے' یہ تیرے لئے ہے اور جب تو مرجائے گا تو یہ مجھے یا میری اولاد کو واپس ہو جائے گا' تو "موہوب لہ" کی وفات کے بعد یہ عطیہ واپس ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِيْ أَجَازَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُوْلَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلٰى صَاحِبِهَا»(صحيح مسلم)

"عمریٰ" جسے رسول اللہ ﷺ نے نافذ قرار دیا ہے' یہ ہے کہ "ہبہ" کرنے والا کہے کہ یہ چیز میں تجھے اور تیرے وارثوں کے لئے دیتا ہوں۔ پس اگر یوں کہے جب تک تو زندہ ہے' میں یہ چیز تجھے دیتا ہوں' تو یہ مالک کو واپس ہو جائے گا۔"

ج- رقبیٰ کا بیان:

* رقبیٰ کی تعریف:

ایک مسلمان اپنے بھائی کو یہ کہے کہ "اگر میں تجھ سے پہلے فوت ہو گیا تو میرا گھر یا باغ تیرا ہو گیا اور اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوا تو تیرا گھر میرا ہو گا" یا یوں کہے کہ "میری یہ چیز تیری زندگی تک تیری ہے' اگر تو مجھ سے پہلے مر گیا تو مجھے واپس ہو جائے گی' اگر میں پہلے مر گیا تو یہ تیرے پاس ہی رہے گی۔"

* رقبیٰ کا حکم:

شرعی طور پر "رقبیٰ" درست نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تُرْقِبُوْا، مَنْ أَرْقَبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيْلُ الْمِيْرَاثِ»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن ابن ماجة وسنده صحيح)

"رقبیٰ کے طور پر کوئی چیز نہ دو' اگر کسی نے رقبیٰ کے طور پر دیا تو اس میں وراثت نافذ ہو جائے

گی۔"

اور اسلئے بھی کہ یہ دونوں پھر ایک دوسرے کی موت کے منتظر رہیں گے اور تمنا کریں گے اور ہو سکتا ہے اس بارے میں یہ کوئی عملی قدم بھی اٹھا بیٹھیں' اسی لئے جمہور علماء نے "رقبیٰ" سے منع کیا ہے۔

* رقبیٰ کے احکام:

اگر ایک مسلمان اس غیر مستحسن "ہبہ" (رقبیٰ) کا ارتکاب کر بیٹھا ہے تو اس پر عمریٰ والے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ اگر علی الاطلاق "رقبیٰ" کیا ہے تو "موہوب لہ" (ہبہ کیا گیا شخص) اور اس کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے' اگر مقید کیا ہے تو قید کے مطابق فیصلہ ہو گا' اگر "واہب" نے واپسی کی شرط عائد کی ہے تو یہ "ہبہ" واپس ہو گا' ورنہ نہیں۔

* رقبیٰ کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ' اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے بعد:

"فلاں نے اپنے پودے یا باغ کو "عمریٰ" کے طور پر یا "رقبیٰ" کے انداز میں شرعی قانون کے مطابق فلاں کو دے دیا ہے۔ یہ اس کے لئے ہے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے یا پھر تا حیات اس کے لئے ہے اور جب وہ مر جائے گا تو واپس ہو جائے گا۔ وہ اس پر قابض ہو کر اس میں رہائش رکھ سکتا ہے اور دیگر منافع بھی حاصل کر سکتا ہے اور اس پر گواہوں کے دستخط ثبت ہیں۔

مؤرخہ----------------------

چھٹی فصل

نکاح' طلاق' رجوع' خلع' لعان' ایلاء' ظہار' عدت' نفقہ اور حضانت (حق تربیت) کا بیان

[اس میں نو مادے ہیں]

نکاح کا بیان

* نکاح کی تعریف:

نکاح ایک ایسا عقد و معاہدہ ہے جس کے نتیجہ میں مرد اور عورت ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے

ہیں۔

* نکاح کا حکم:

اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رو سے نکاح ایک مشروع کام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٣)

"پس جو عورتیں تمہیں پسند آئیں' ان سے نکاح کرو' دو دو' تین تین اور چار چار اور اگر اندیشہ ہے کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یا جو تمہاری مملوکہ لونڈیاں ہیں۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴾ (النور٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں' نیک غلام اور لونڈیوں کے (باہم) نکاح کر دیا کرو۔"[1]

البتہ جو شخص گھریلو اخراجات برداشت کر سکتا ہے اور اسے حرام (زنا) میں واقع ہونے کا بھی اندیشہ ہے تو اس کے لئے نکاح کرنا فرض ہے اور اگر زنا کا خطرہ محسوس نہیں کرتا تو اس کے لئے مسنون ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے' وہ نکاح کر لے' یہ نگاہ کو بہت نیچی رکھے گا اور شرم گاہ کی نہایت حفاظت کا باعث ہو گا۔"

اور فرمایا: «تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(مسند أحمد وصحيح ابن حبان وصححه)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی کے ساتھ نکاح کرو' قیامت کے دن میں اقوام عالم کے ساتھ تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

* نکاح کی حکمت:

(۱) نکاح کے نتیجہ میں (اعضاء) تناسل کے ذریعہ نسل انسانی کی بقا۔

(۲) اپنی عزت کی حفاظت اور فطری خواہش پوری کرنے کے لئے مرد اور عورت کا رشتۂ ازدواج۔

(۳) نسل انسانی کی تربیت اور زندگی کی بقا کے لئے دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون۔

---

(۱) غلاموں اور لونڈیوں کے مسائل و احکام آئیں گے۔ (ع' ر)

(۴) مودت و محبت کے دائرہ میں مرد اور عورت کا باہم تعلق، جس سے دونوں کے حقوق کا تحفظ اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حاصل ہونا۔

* نکاح کے ارکان:

نکاح کی صحت و درستی کے لئے چار ارکان کا ہونا ضروری ہے:

الف۔ ولی:

بچی کا باپ یا وصی (جسے باپ نے ولی بننے کی وصیت کی ہو) اور پھر سب سے قریبی عزیز یا بچی کے اہل میں سے کوئی صاحب الرائے یا حاکم وقت ولی ہوتا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(رواه أصحاب السنن وصححه الحاكم وابن حبان)

”ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔“

اور عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إِلاَّ بِإِذْنِ وَلِيِّهَا، أَوْ ذِيْ الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا أَوِ السُّلْطَانِ»(رواه مالك في الموطا وسنده حسن)

”ولی یا اس کے خاندان میں سے سمجھدار، یا حاکم کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔“[1]

* ولی کے احکام:

درج احکام کو مدنظر رکھنا ولایت کے بارے میں ضروری ہے۔

(۱) ”ولی“ کا ولایت کی اہلیت کا حامل ہونا ضروری ہے، یعنی وہ مرد، بالغ، عاقل، معاملہ فہم اور آزاد ہو۔

(۲) اگر عورت کنواری اور ”ولی“ باپ ہو تو باپ اس سے اجازت حاصل کرے کہ وہ اس کا فلاں کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ عورت بیوہ ہے، یا ”ولی“ غیرباپ ہے تو صریح الفاظ میں اس کی رائے حاصل کرے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»(رواه مالك

---

(۱) اللہ نہ کرے اگر منگیتر کے انتخاب میں ولی اور بچی کے درمیان اختلاف پڑ جائے تو جس کا موقف دینی مصلحت پر مبنی ہو گا اسے ترجیح ہو گی اگر ولی اپنے غلط موقف پر بلا وجہ ڈٹا ہوا ہے تو اس کی بجائے خاندان کا بڑا یا عدالت ولی بن کر نکاح کروائے گی اور اگر بچی کا موقف دینی نقطہ نظر سے غلط ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ اللہ کی حکم عدولی کر کے مخلوق کو راضی نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کا موقف درست ہے تو اسے پورا کرنا فرض ہے۔ (محمد عبدالجبار)

في المؤطا وسنده حسن)

"بیوہ اپنے نفس کی اپنے "ولی" سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔"

(۳) اقرب (زیادہ قریبی) کے ہوتے ہوئے ابعد (دور کا رشتہ دار) "ولی" نہیں بن سکتا' لہٰذا حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی (جو صرف باپ کی طرف سے ہو) "ولی" نہیں ہو گا اور نہ بھائی کی موجودگی میں بھتیجا ولی بن سکتا ہے۔

(۴) اگر عورت نے اپنے قرابت داروں میں سے دو کو اپنا نکاح کر دینے کی اجازت دی ہے اور دونوں نے ایک ہی وقت میں اس سے نکاح کیا ہے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے۔

ب- دو گواہ:

عقد نکاح میں (کم از کم) دو عادل مسلمان' یا زیادہ کا حاضر ہونا ضروری ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢)

"اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بناؤ۔"[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ»(سنن بيهقي وسنن دارقطني وهو معلول، وعليه أكثر أهل العلم قاله الترمذي)

"ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔"

* گواہوں کے احکام:

(۱) دو یا زیادہ گواہ ہونے چاہئیں۔

(۲) اور دونوں عادل ہوں' یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہ ہوں اور اکثر چھوٹے گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں۔ زانی' شرابی اور سود کھانے والا شادی کا گواہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ قرآن پاک کی آیت بالا اور فرمان رسول اللہ ﷺ میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۳) اس دور میں عدالت و ثقاہت کی صفات کے حاملین لوگ بہت کم ہیں' لہٰذا زیادہ سے زیادہ گواہ مجلس نکاح میں موجود ہونے چاہئیں۔

---

(۱) آیت کا تعلق اگرچہ طلاق و رجوع سے ہے' مگر نکاح کو بھی اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

ج۔ عقد نکاح کے الفاظ:

ہونے والا خاوند جب یہ کہتا ہے کہ اپنی بیٹی یا جس بچی کے میرے ساتھ نکاح کی آپ کو وصیت کی گئی ہے' آپ اسے میری زوجہ بنا دیں اور ولی کہے میں نے اسے تیری زوجہ بنا دیا' یا میں نے فلاں بیٹی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا اور خاوند کہہ دے "میں نے قبول کر لیا" تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب یہی گفتگو خاوند کی طرف سے اس کا وکیل کرے (یا ولی گفتگو کی ابتداء کرے نکاح ہو جائے گا۔)۔

* نکاح کے احکام:

(ا) آزادی' اخلاق و دین اور امانت میں دونوں (منگیتروں) کو ہم مرتبہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِيْنَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلاَّ تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ»(سنن ترمذي وقال: حسن غريب)

"جب تمہارے پاس ایک ایسے شخص کا پیغام آئے' جس کی عادات اور دین کو تم پسند کرتے ہو' اسے بچی کا نکاح دے دو' اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔"

(۲) "عقد نکاح" میں مرد جسے چاہے اپنا وکیل بنائے۔ عورت کا وکیل اس کا ولی ہے' جو اس کی طرف سے عقد نکاح کرے گا۔

د۔ حق مہر:

عورت کو حلال بنانے کے لئے خاوند جو مال دیتا ہے' وہ "مہر" ہے۔ یہ دینا واجب اور فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (النساء٤/ ٤)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيْدٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مہر کے لئے کچھ تلاش کر' چاہے لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔"

* مہر کے احکام:

(ا) "مہر" میں تخفیف مستحب ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ مُؤْنَةً»(مسند أحمد"٦/ ٨٢، ١٤٥' مستدرك حاكم وسنن بيهقي بسند صحيح)

"وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے' جس کا حصول آسانی سے ہوا۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کی دختران اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر میں چار سو یا پانچ سو درہم تھے۔ (اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے)

(۲) عقد کے وقت مہر کا تذکرہ کرنا مسنون ہے۔

(۳) چوتھائی دینار[1] سے زائد مالیت کی مباح چیز مہر مقرر ہو سکتا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيْدٍ»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

"مہر کے لئے تلاش کر' چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو۔"

(۴) مہر عقد نکاح کے ساتھ ہی ادا کر دیا جائے تو بھی صحیح ہے اور اس کے کل' یا کچھ حصہ کی تاخیر بھی جائز ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (البقرة۲/ ۲۳۷)

"اور اگر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دیتے ہو اور ان کے لئے "مہر" مقرر کر چکے ہو۔ (یعنی ابھی دیا نہیں' دینا ہے)"

البتہ جماع سے پہلے تحفہ کے طور پر کوئی چیز دینا مستحب ہے۔ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يُّعْطِيَ فَاطِمَةَ شَيْئًا قَبْلَ الدُّخُوْلِ، فَقَالَ مَا عِنْدِيْ شَيْءٌ، فَقَالَ أَيْنَ دِرْعُكَ؟ فَأَعْطَاهَا دِرْعَهُ»(سنن أبي داود وسنن نسائی)

"نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "مجامعت سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ دے۔" علی رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے پاس کچھ نہیں ہے" آپ نے فرمایا "تیری زرہ کہاں ہے؟" چنانچہ اپنی زرہ ان کو دی۔"

(۵) عقد نکاح سے مہر مرد کے ذمہ متعلق ہو جاتا ہے اور دخول (جماع) کے بعد واجب الاداء ہو جاتا ہے۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دے تو نصف مہر ساقط (معاف) ہے جبکہ نصف کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۷)

---

(۱) چوتھائی دینار کی تحدید کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ مؤلف کی ذکر کردہ حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس صحابی کے پاس جس کو لوہے کی انگوٹھی لانے کا حکم دیا تھا' لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں تھی اور قرآن پاک کی چند سورتیں پڑھانے پر اس کا عقد نکاح ہوا تھا۔ (الاثری)

"اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے (جماع کرنے) سے پہلے طلاق دے دی ہے اور "مہر" مقرر کر چکے ہو تو جو مقرر کیا ہے اس کا نصف دے دو۔"

(۲) اگر خاوند "عقد" کے بعد اور دخول (مجامعت) سے پہلے فوت ہو جائے تو عورت کو خاوند کی پوری وراثت اور مہر ملے گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی فیصلہ ہے۔ (اصحاب سنن نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے) بشرطیکہ نکاح کے وقت "مہر" مقرر ہو چکا ہو اور اگر "مہر" مقرر نہیں ہوا تھا تو وہ "مہر[۱] مثل" کی مستحق ہو گی اور "عدت وفات" بھی گزارے گی۔ (یعنی چار ماہ دس دن یا وضع حمل)

* نکاح کے آداب و سنن

(۱) خطبہ نکاح:

نبی ﷺ نے فرمایا جب تم نکاح' یا دوسری غرض کے لئے خطبہ پڑھنا چاہو تو یوں کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، ثُمَّ يَقْرَءُ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۲) ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء٤/ ۱) ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الأحزاب۳۳/ ۷۰-۷۱)

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے' ہم اس سے مدد طلب کرتے ہیں' اس سے معافی مانگتے ہیں اور اپنے نفسوں کی خرابیوں اور برے اعمال سے اس کی پناہ کے طلبگار ہیں' جس کو اللہ ہدایت دے' اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ﷺ ہیں۔" پھر مذکورہ بالا آیات تلاوت کرے (ترجمہ):

---

(۱) یعنی اتنا مہر لے گی جتنا اس کی خاندان کی اسی جیسی دیگر عورتوں نے اپنے خاوندوں سے لیا مثلاً (پھوپھی' خالہ' بہن وغیرہ) (محمد عبدالجبار)

"اے ایمان والو! اللہ سے کما حقہ ڈرو اور تمہاری موت اسلام پر ہی آئے۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تم کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی (حوا علیہا السلام) بنائی اور (پھر) دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کا لحاظ کرو) بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو' وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے' اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔"

(۲) دعوت ولیمہ:

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ولیمہ" کرو' چاہے ایک بکری کے ذریعے۔"

خاوند کی طرف سے دیئے گئے شادی کے کھانے کو "ولیمہ" کہتے ہیں اور دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«مَنْ دُعِيَ إِلٰى عُرْسٍ أَوْ نَحْوِهِ فَلْيُجِبْ»(صحيح مسلم)

"جسے شادی وغیرہ کے لئے بلایا جائے' اسے چاہیئے کہ قبول کرے۔"

البتہ شادی کی تقریب میں لہو و لعب اور ناجائز کام ہو رہے ہوں تو شرکت نہ کرے تو یہ جائز ہے[1] اگر دو آدمیوں کی دعوت موصول ہو گئی ہے تو جس نے پہلے پیغام دیا ہو' اس کی دعوت قبول کر لے۔ نیز "ولیمہ" میں اغنیاء کے ساتھ ساتھ فقراء کو بھی بلانا چاہیئے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيْهَا، وَيُدْعٰى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا»(صحيح مسلم)

"بدترین کھانا' اس ولیمے کا کھانا ہے' جس کے لئے آنے والوں کو روکا جائے اور جو انکاری ہیں' ان کو بلایا جائے۔"

جو دعوت ولیمہ قبول نہیں کرتا' اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ اگر مدعو کا روزہ ہے تو بھی دعوت قبول کرے' اگر نفلی روزہ ہے تو چاہے تو افطار کر دے اور کھانا کھائے اور چاہے اہل تو

---

(۱) جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا اور آپ کو دعوت دی' آپ تشریف لائے' جب گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے۔ (مؤلف)

ضیافت کے لئے دعا کر کے واپس آجائے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»(صحيح مسلم)

"اگر تم میں سے کسی ایک کو دعوت کے لئے بلایا جائے تو وہ اسے قبول کرے' اگر روزہ دار ہے تو دعا کرے اور اگر روزہ دار نہیں ہے تو کھانا کھائے۔"

(۳) "دف" اور "غناء" کے ذریعہ نکاح کی تشہیر:

یہ شرعاً جائز ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلاَلِ وَالْحَرَامِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ»(سنن ترمذي وسنن نسائي وسنن ابن ماجة)

"حلال اور حرام (نکاحوں) کے درمیان "دف" بجانے اور شہرت دینے سے امتیاز ہوتا ہے۔"

(۴) میاں بیوی کے لئے دعا:

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ جب کسی کو مبارکباد دیتے تو فرماتے:

«بَارَكَ اللهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»(رواه الترمذي وصححه وأبوداود وابن ماجة)

"اللہ تعالیٰ تیرے لئے اور تجھ پر برکت فرمائے اور تمہیں خیر میں اکٹھا رکھے۔"

(۵) شوال میں شادی اور رخصتی مستحب ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' کہ رسول اللہ ﷺ نے شوال کے مہینہ میں میرے ساتھ نکاح کیا اور شوال میں ہی آپ مجھے اپنے گھر لائے تو رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں کون مجھ سے زیادہ نصیب والی تھی؟ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی رشتہ دار لڑکیوں کی شادی کے لئے شوال کے مہینے کو پسند فرماتی تھیں۔

(۶) پہلی بار بیوی کے پاس جانے کی دعا:

اپنی بیوی کے پاس جاتے ہی اس کی پیشانی کے بالوں پر ہاتھ رکھے اور یہ دعا پڑھے:

«اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ»(سنن ابن ماجة وسنن أبي داود بمعناه وهو صحيح)

"اے اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس چیز کی اچھائی کا سوال کرتا ہوں' جس پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے' جس پر تو نے اسے پیدا کیا ہے۔"

(۷) ارادۂ جماع کے وقت کی دعا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماع کے وقت جو شخص یہ دعا پڑھے اگر اس (کے نتیجے) میں اولاد مقدر ہو جائے تو شیطان اسے نقصان نہیں دے سکے گا:

«بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ ہم سے شیطان کو دور کر اور جو (اولاد) تو ہمیں عطا فرمائے' اس سے بھی شیطان کو دور کر۔"

(۸) مرد اور عورت ایک دوسرے کے راز افشا نہ کریں:

میاں بیوی کی باہمی جنسی گفتگو (اور دیگر رازوں) کا اظہار کرنا دونوں کے لئے ناجائز ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُر سِرَّهَا»(صحيح مسلم)

"اللہ کے نزدیک قیامت کے دن اس آدمی کا مقام بہت ہی برا ہو گا' جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس جاتی ہے اور پھر وہ اپنے راز پھیلا دیتا ہے۔"

(۹) نکاح کی شرائط:

عورت اگر عقد نکاح میں ایسی شرطیں تسلیم کراتی ہے' جو نکاح کے اصل مقاصد میں داخل ہیں اور اس کی پختگی کا باعث ہیں' مثلاً اپنے لئے نفقہ' یا جماع یا دوسری بیوی کی موجودگی میں درست تقسیم (انصاف) کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ شروط "عقد نکاح" کے ساتھ ہی نافذ ہو جائیں گی۔ اگر یہ شرطیں ایسی ہیں جو "مقاصد نکاح" کو فوت کرتی ہیں مثلاً یہ کہ مرد اس سے کام نہیں لے گا' وہ کھانے' پینے کی چیزیں تیار نہیں کرے گی' جبکہ یہ کام عام طور پر عورت کی ذمہ داری میں داخل ہیں تو ایسی شرطیں لغو ہیں' ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ "مقصد نکاح" کے منافی ہیں۔ لیکن اگر شرائط مذکورہ ازدواجی دائرہ سے خارج انداز کی ہیں' مثلاً عورت یہ شرط عائد کرتی ہے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو ملنے جایا کرے گی' یا اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو ان کا پورا کرنا ضروری ہے' اگر مرد یہ شرطیں پوری نہیں کرتا تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَحَقُّ الشُّرُوْطِ أَنْ يُوَفّٰى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جن شرطوں کے ساتھ تم نے شرم گاہوں کو حلال بنایا ہے انہیں پورا کرنا دیگر شرائط کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔"

البتہ عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے' حرام ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا یَحِلُّ أَنْ تُنْکَحَ امْرَأَۃٌ بِطَلَاقِ أُخْرٰی»(رواہ أحمد في المسند)

"دوسری (عورت) کی طلاق کی شرط پر' کسی عورت کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہے۔"

نیز فرمایا: «نَھٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَۃُ طَلَاقَ أُخْتِھَا»(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

"آپ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن (پہلی بیوی) کی طلاق کی شرط لگائے۔"

* نکاح میں اختیار اور اس کو واجب کرنے والی چیزیں:

درج ذیل اسباب کی بنیاد پر مرد اور عورت دونوں کو اختیار ہے کہ زوجیت بحال رکھیں' یا فسخ کر دیں۔

(۱) عورت کو جنون' کوڑھ' پھلبہری یا شرم گاہ کی ایسی بیماری لاحق ہو جس سے "جماع کی لذت" فوت ہو جائے۔ اسی طرح مرد کا خصی' یا مجنون' یا نامرد ہونا' جب وہ عورت کے قابل نہ رہے۔

مذکورہ اسباب کے نتیجہ میں اگر فسخ نکاح کی نوبت آ گئی ہے اور فسخ' وطی (یعنی جماع) سے پہلے ہوا ہے تو مرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ پیشگی دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے' لیکن اگر وطی کے بعد فسخ ہوا ہے تو پھر مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس نے خاوند کو دھوکا دیا ہے وہ مہر کی وصولی اس سے کرے' اگر اسے عیب کا علم تھا۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے:

«أَیُّمَا امْرَأَۃٍ غُرَّبِھَا رَجُلٌ، بِھَا جُنُوْنٌ أَوْ جُذَامٌ أَوْ بَرَصٌ فَلَھَا مَھْرُھَا بِمَا أَصَابَ مِنْھَا، وَصَدَاقُ الرَّجُلِ عَلٰی مَنْ غَرَّہٗ»(مؤطا الإمام مالك)

"مجنون یا مجذوم یا برص والی عورت کا اگر کسی نے دھوکا سے کسی کے ساتھ نکاح کرا دیا تو ملاپ کی بنا پر عورت کو "مہر" ملے گا اور آدمی (دھوکے میں آ کر نکاح کرنے والے خاوند) کا مہر دھوکا باز ادا کرے گا۔"

(۲) دھوکا کے نتیجہ میں مثلاً ایک شخص نے یہ کہہ کر نکاح کیا کہ یہ عورت مسلمان ہے' جبکہ وہ غیر مسلم (یہودن یا عیسائن) تھی' یا یہ کہا وہ آزاد ہے' جبکہ وہ لونڈی تھی' یا یہ کہا وہ تندرست ہے' جبکہ وہ بھینگی یا لنگڑی تھی۔ تو بھی خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار ہو گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا فیصلہ اس کی دلیل ہے۔

(۳) خاوند معجل (جس کی فوری ادائیگی طے پائی ہو) کی ادائیگی نہ کر سکے تو عورت کو دخول (جماع) سے پہلے فسخ کا حق حاصل ہے' لیکن دخول کے بعد فسخ کا اختیار نہیں ہے' بلکہ عقد پختہ ہو جائے گا اور "مہر معجل" مرد کے ذمہ ثابت ہو جائے گا' اب وہ اس مرد سے انکار نہیں کر سکتی۔

(۴) اگر مرد عورت کا روزمرہ کا خرچ نہیں دے سکتا تو عورت حسب طاقت انتظار کرے اور پھر شرعی قاضی کے ذریعہ "فسخ نکاح" کا اس کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔ صحابہ کرام میں ابوہریرۃ' عمر اور علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں حسن' عمر بن عبدالعزیز' ربیعہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہی ہے۔

(۵) خاوند اگر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی علم نہیں ہو رہا کہ کہاں ہے' نیز بیوی کے لئے خرچ بھی نہیں چھوڑ کر گیا اور نہ کوئی اس کے خرچ کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور اس کے پاس اتنا مال بھی نہیں کہ خرچ کر کے (بعد میں) خاوند سے وصول کر سکے' تو اسے شرعی قاضی کے ذریعہ "فسخ نکاح" کا حق حاصل ہو جاتا ہے' پہلے قاضی اسے وعظ و نصیحت کرے اور صبر کی تلقین کرے' اگر وہ پھر بھی انکار کرتی ہے تو قاضی ان گواہوں کی موجودگی میں فیصلہ لکھے جو دونوں (میاں بیوی) کو جانتے ہوں اور خاوند کے غائب ہونے کی شہادت دیتے ہوں اور پھر اس طرح نکاح فسخ کر دے اور یہ طلاق رجعی شمار ہو گی۔ عدت کے اندر اگر مرد آ گیا تو یہ عورت اس کے پاس آ جائے گی۔

* شوہر کے غائب ہو جانے کی صورت میں فسخ نکاح کا تحریری نمونہ:

بسم اللہ' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے بعد!

"ہمارے پاس دو گواہ فلاں فلاں حاضر ہوئے' دونوں سمجھدار اور عادل ہیں اور اپنی خوشی سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس شہادت ادا کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ دونوں فلاں مرد اور فلاں عورت کو پہچانتے ہیں اور دونوں خاوند بیوی ہیں' ان کا نکاح شرعی طریقہ سے ہو چکا ہے اور عورت اس کے گھر آباد رہی ہے' مرد اتنی مدت سے غائب ہے اور عورت کے پاس کوئی نفقہ و لباس نہیں چھوڑ کر گیا اور نہ ہی اس کے پاس اور اثاثہ ہے' جس سے یہ حسب ضرورت خرچ کر سکے اور نہ وہ جانے کے بعد اس کے پاس کوئی مال بھیج رہا ہے' جس سے یہ خرچ کر سکے۔ اس صورت میں بھی یہ عورت نکاح فسخ کرانے میں دکھ محسوس کرتی ہے' یہ دونوں گواہ مذکورہ امور کو جانتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے جوابدہ ہوں گے۔"

"پھر مذکورہ فلاں عورت حاضر ہوئی' اس نے اللہ عظیم کے حلف کے ساتھ بیان کیا کہ اس کا فلاں خاوند اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے پاس خرچ و لباس نہیں ہے اور نہ وہ کوئی مال چھوڑ کر گیا ہے' جس میں سے وہ خرچ کر سکے اور کوئی دیگر بھی نفلی طور پر خرچ کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس نے کوئی مال بھیجا ہے جس سے وہ خرچ کرے' نیز اس کے پاس اپنا مال بھی نہیں جس میں وہ گزارہ کر سکے اور

مذکورہ گواہوں کی گواہی اس بارے میں سچی ہے' یہ اب تک اس خاوند کی اطاعت میں ہے اور فسخ نکاح پر ضرور تکلیف محسوس کرتی ہے۔"

مذکورہ شہادت اور حلفیہ بیان کی بنیاد پر' جبکہ عورت نے صریح لفظوں میں فلاں خاوند سے "فسخ نکاح" کا کہا ہے' ہم اس کے اس سوال کو قبول کرتے ہیں اور اسے ایک رجعی طلاق گردانتے ہیں۔"

مؤرخہ----------------

(۶) عورت اگر لونڈی ہے اور کسی غلام کی بیوی ہے تو آزاد ہونے کی صورت میں اسے "خیار عتق" حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی آزاد ہونے کے بعد خاوند کے اس تک رسائی حاصل کرنے سے پہلے عورت چاہے تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ لیکن اگر اس عورت نے اپنی آزادی معلوم ہونے کے باوجود خاوند کو مجامعت کا موقع دے دیا تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئی اور اس کا خاوند (مغیث) غلام تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا تھا' اگر یہ (مغیث) آزاد ہوتا تو اس کو اختیار نہ دیتے۔" (صحیح مسلم)

* حقوق زوجیت:

الف۔ بیوی کے خاوند پر حقوق:

عورت کے لئے خاوند پر بہت حقوق ثابت ہوتے ہیں' جن کی ادائیگی خاوند پر لازم ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور دستور کے مطابق عورتوں کے لئے حقوق ہیں' جس طرح ان پر حقوق ہیں۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ لَكُمْ مِنْ نِّسَاءِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا» (سنن ترمذی وصححه)

"تمہارے لئے تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کے لئے تم پر حق ہے۔"

(ا) ان حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ خوراک' لباس اور رہائش دستور کے مطابق مرد کے ذمہ ہے۔ ایک شخص نے عورت کے مرد پر حقوق پوچھے تو آپ نے فرمایا:

«تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلاَ تُقَبِّحْ، وَلاَ تَهْجُرْ إِلاَّ فِي الْبَيْتِ»(مسند أحمد، سنن أبي داود، صحيح ابن حبان وصححه الحاكم)

"جب تو کھانا کھائے' اسے بھی کھلا' لباس پہنے تو اسے بھی پہنا' اور منہ پر نہ مار اور بددعا نہ دے اور

اسے (اپنے گھر کے علاوہ کسی اور) گھر میں نہ چھوڑ۔"[1]

(۲) اس کا جنسی حق ادا کرے اور اگر عورت کی کفائت کو پورا نہیں کر سکتا تو بھی چار ماہ میں کم از کم ایک بار ضرور مجامعت کرے' چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲٦)

"جن مردوں نے اپنی عورتوں سے "ایلاء" کیا ہے (ان سے جماع نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے) تو' وہ (عورتیں) چار ماہ انتظار کریں' اگر رجوع کرتے ہیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۳) چار راتوں میں سے ایک رات ضرور' اس کے پاس رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔

(۴) اگر خاوند کی کئی عورتیں ہیں تو ان میں عادلانہ تقسیم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيْلُ لأَحِدِهِمَا عَلَى الأُخْرٰى، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَجُرُّ أَحَدَ شِقَّيْهِ سَاقِطًا أَوْ مَائِلاً»(سنن ترمذي وصححه غيره)

"جس کی دو بیویاں ہیں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو گیا ہے' (دوسری کو اس کے حقوق نہیں دیتا) قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا' یا جھکا ہوا ہو گا۔"

(۵) نئی بیوی کے پاس اگر وہ کنواری ہے تو سات دن رہے اور اگر بیوہ ہے تو تین دن اور پھر سب میں (دنوں کی) تقسیم برابر کر دے' اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لِلْبِكْرِ سَبْعَةُ أَيَّامٍ، وَلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ، ثُمَّ يَعُوْدُ إِلَى نِسَاءِهِ»(صحيح مسلم)

"کنواری کے لئے سات دن اور بیوہ کے لئے تین دن ہیں' پھر (معمول کے مطابق) اپنی تمام عورتوں کی طرف (باری کے مطابق) لوٹ آئے گا۔"

(٦) عورت کا کوئی رشتہ دار بیمار ہے تو اس کی عیادت کے لئے اور فوت ہونے کی صورت میں جنازہ پر جانے کے لئے اس کو اجازت دینا بہتر ہے۔ اس کے علاوہ رشتہ داروں کی ملاقات کے لئے بھی عورت جا سکتی ہے' مگر اس طور پر کہ خاوند کے مصالح کو نقصان نہ پہنچے۔

ب- خاوند کے عورت پر حقوق:

عورت پر خاوند کے متعدد حقوق ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور عورتوں کے لئے (خاوندوں پر) ایسے ہی حقوق ہیں جیسے (خاوندوں کے لئے) ان پر ہیں۔"

---

(۱) یعنی ناراضگی کی صورت میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہ کہیں اور نہ جا' واللہ اعلم (ع' ر)

اور آپ کا فرمان ہے: «إِنَّ لَكُمْ مِنْ نِّسَاءِكُمْ حَقًّا»(سنن ترمذي وصححه)
"تمہارے لئے تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں۔"
اور یہ حقوق درج ذیل ہیں۔

(۱) عورتوں پر معروف طریقہ کے مطابق خاوند کی اطاعت لازم ہے۔ الّا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں' یا ایسا حکم دیں جو عورت کی طاقت سے باہر ہو' یا اس کے لئے مشقت کا باعث ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا۟ عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)
"اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرتی ہیں تو پھر ان پر (ناراضگی یا مار پیٹ کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»(رواه الترمذي وغيره)
"اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔"

(۲) مرد کے مال اور عزت کی حفاظت کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)
"عورتیں اس سبب سے کہ اللہ نے ان کے حقوق محفوظ کیے ہیں' غیب میں (خاوند کی غیر حاضری میں اس کی عزت و ناموس کی) حفاظت کرنے والی ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
«خَيْرُ النِّسَاءِ الَّتِيْ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا أَسَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِكَ»(سنن أبي داود ومعناه في مسند أحمد وسنن نسائي ومستدرك الحاكم وصححه)
"بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اس کی طرف دیکھے تو وہ تجھے خوش کرے' جب تو اسے حکم کرے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو اپنے نفس اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔"

(۳) اگر خاوند کہے تو سفر میں اس کے ساتھ چلی جائے' اس لئے کہ یہ بھی اس کی اطاعت ہے' الّا یہ کہ وہ "عقد" کے وقت شرط کر چکی ہو کہ سفر میں اس کے ساتھ نہیں جایا کرے گی۔[1]

---

(۱) یعنی اپنی ضرورت کے سفر میں تو اس کے ساتھ جائے گی مگر اس کے سفر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔ (محمد عبدالجبار)

(۴) جب بھی خاوند اسے جنسی تعلق (جماع) کے لئے بلائے تو خود کو اس کے سپرد کر دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيْءَ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا الْمَلاَئِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ»(صحيح بخاري صحيح مسلم)

"جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور مرد ناراضگی کے ساتھ رات گزارے' تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت کرتے ہیں۔"

(۵) اگر خاوند سفر میں نہیں تو عورت اس سے اجازت حاصل کر کے (نفلی) روزہ رکھے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"عورت کے لئے خاوند کی موجودگی میں روزہ رکھنا' اس کی اجازت کے بغیر حلال نہیں ہے۔"

* بیوی کی خاوند سے سرکشی اور ناچاقی:

اگر عورت خاوند کی نافرمان ہو جائے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے تو اسے زبانی سمجھائے' اگر اطاعت میں آ جائے تو بہتر' ورنہ مخصوص مدت تک خاوند الگ بستر بنا لے' تاہم ترک کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کسی مومن کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین راتوں سے زیادہ کلام کرنا ترک کرے۔"

اگر اس طرح وہ اطاعت قبول کر لے تو بہتر' ورنہ معمولی انداز سے مارے اور چہرے پر مارنے سے احتراز کرے۔ اس کے بعد اطاعت قبول کر لے تو ٹھیک' ورنہ دو فیصل (فیصلہ کرنے والے) ایک مرد کے کنبہ سے اور ایک عورت کے کنبہ سے مقرر کریں' وہ الگ الگ ان سے مل کر اصلاح حال اور ان میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں' اگر ان کی کوشش اس کے باوجود بار آور نہیں ہوتی تو ان کے مابین "طلاق بائن"[1] کے ذریعہ تفریق کرا دیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) طلاق بائن: یعنی میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرنے والی طلاق جس کے بعد رجوع ناممکن ہو۔ مذکورہ پنچائت کے کہنے پر خاوند جو طلاق دے گا وہ "بائن" متصور ہو گی۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

﴿ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴾ (النساء٤/ ٣٤_٣٥)

"اور تم جن عورتوں کی سرکشی اور نافرمانی معلوم کرو ان کو سمجھاؤ اور شب باشی میں ان کو علیحدہ کر دو اور ان کو مارو' پھر اگر تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو' یقیناً اللہ سب سے بلند اور بڑا ہے اور اگر دونوں میں (سخت) مخالفت پاؤ تو ایک منصف مرد کے کنبہ سے اور ایک عورت کے کنبہ سے مقرر کرو' اگر وہ دونوں صلح کی کوشش کریں گے تو اللہ ان کو صلح کی توفیق دے گا۔ یقیناً اللہ جاننے والا' خبر رکھنے والا ہے۔"

* جماع کے آداب:

اس بارے میں درج ذیل آداب کا لحاظ انتہائی مناسب ہے:

(۱) بیوی کے ساتھ اس انداز میں بے تکلف لعب و خوش طبعی کرے جو جماع کو انگیخت دلائے۔

(۲) عورت کی شرم گاہ پر نظر نہ ڈالے کہ اس سے ناپسندیدگی پیدا ہو سکتی ہے' احتراز مناسب ہے۔

(۳) یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور کر اور جو تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور کر۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص اپنی بیوی کے پاس جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے اور اس (کے نتیجہ) میں اللہ تعالیٰ اسے اولاد مرحمت فرمائے تو شیطان کبھی اس (اولاد) کو نقصان نہیں دے سکے گا۔"

(۴) حیض و نفاس کے ایام میں وطی (یعنی مجامعت کرنا) حرام ہے اور اسی طرح پاک ہونے کے بعد نہانے سے پہلے بھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢)

"ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ (جماع نہ کرو)۔"

(۵) جائے مخصوص (فرج) کے علاوہ (دبر میں) وطی (جماع) کرنا حرام ہے اور اس بارے میں سخت وعید مروی ہے۔

آپ نے فرمایا: «مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(ذكره ابن كثير في تفسير سورة البقرة)

"جو اپنی عورت کی پیٹھ (دبر) میں (جماع) کرتا ہے' اللہ قیامت کے دن اس پر نظر نہیں ڈالے گا۔"

(۶) عورت کی خواہش پوری ہونے سے پہلے الگ نہ ہو' اس سے اس کو ایذا ہو گی اور مسلمان کی ایذا رسانی حرام ہے۔

(۷) حمل سے بچنے کے لئے عزل نہ کرے' ہاں شدید ضرورت کی وجہ سے عورت کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مخفی زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۸) دوبارہ جماع کا ارادہ ہو تو درمیان میں وضو کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر نہانے سے پہلے سونا' یا کھانا کھانے کا ارادہ ہو تو وضو کرنا مستحب ہے۔

(۹) حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے ساتھ اکٹھے سونا جائز ہے البتہ مجامعت سے احتراز کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلاَّ النِّكَاحَ»(صحيح مسلم)

"جماع کے علاوہ سب کام کر سکتے ہو۔"

* ناجائز اور ممنوع نکاح:

درج ذیل انداز کے نکاحوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ فاسد نکاح ہیں:

(۱) نکاح متعہ:

کوئی شخص مقررہ میعاد کے لئے نکاح کرنا چاہے' خواہ میعاد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ مثلاً ایک شخص (ایک رات)' ایک ماہ' یا ایک سال کے لئے کسی عورت کے ساتھ "عقد نکاح" کرتا ہے تو یہ نکاح باطل ہے' اس کا فسخ کرنا ضروری ہے' اس لئے کہ علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے ایام خیبر میں "نکاح متعہ" اور پالتو (باربرداری والے) گدھوں کے گوشتوں سے منع کر دیا تھا۔"

(۲) نکاح شغار (وٹہ سٹہ):

ایک شخص اپنی بیٹی' یا بہن کا نکاح اس شرط پر دیتا ہے کہ دوسرا بھی اسے اپنی عزیزہ کا نکاح دے' خواہ اس میں "مہر" کا ذکر کریں یا نہ کریں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ شِغَارَ فِيْ الإِسْلاَمِ»(صحيح مسلم)

"اسلام میں شغار (یعنی تبادلہ کا نکاح) جائز نہیں ہے۔"

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يَقُوْلَ الرَّجُلُ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ وَأُزَوِّجُكَ ابْنَتِيْ، أَوْ زَوِّجْنِيْ أُخْتَكَ وَأُزَوِّجُكَ أُخْتِيْ»(صحيح مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شغار" سے منع کیا ہے اور "شغار" یہ ہے کہ ایک شخص کہتا ہے تو اپنی بیٹی' یا بہن کا مجھ سے نکاح کر دے' میں اپنی بیٹی یا بہن کا تجھ سے نکاح کر دیتا ہوں۔"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ ابْنَتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شغار" سے منع کیا ہے اور "شغار" یہ ہے کہ ایک شخص اس شرط پر اپنی بیٹی کا نکاح دے کہ وہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح اسے دے گا اور ان کے درمیان مہر نہ ہو۔"

اس نکاح کا حکم یہ ہے کہ جماع سے پہلے اس کو فسخ کرنا چاہیئے اور اگر "دخول" ہو گیا تو تب بھی اس نکاح کو فسخ کیا جائے جس میں "مہر" نہیں ہے اور جس میں دونوں کا "مہر" مقرر ہے اس کو فسخ نہ کیا جائے۔

(۳) نکاح حلالہ:

عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں تو وہ اپنے خاوند کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۰)

"(اگر تیسری بار طلاق ہو جائے تو) وہ اس مرد کے لئے حلال نہیں' جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح [1] نہ کرے۔"

اگر کسی شخص نے اس ارادہ سے نکاح کیا ہے کہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال بنائے تو یہ نکاح باطل ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»(رواه الترمذي وصححه)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حلالہ" کرنے والے اور جس کیلئے کیا جارہا ہے' دونوں پر لعنت کی ہے۔"

---

(۱) اس سے وہ نکاح مراد ہے جو شرعاً صحیح ہے' جس میں مرد ہمیشہ کے لئے بیوی کے ساتھ آباد ہونے کے لئے نکاح کرتا ہے' پھر اگر اتفاق سے ان میں بھی نباہ نہ ہو سکے اور طلاق ہو جائے تو عورت عدت گزار کر پہلے خاوند کے ساتھ نئے نکاح میں آ سکتی ہے لیکن اس ارادے میں عارضی نکاح کرنا تا کہ طلاق دلوا کر عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کیا جائے تو یہ نکاح باطل ہے اس طرح عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ (الاثری)
لہٰذا حلالہ کے بعد پہلے خاوند کے ساتھ نیا نکاح کرنیوالی عورت کے دونوں نکاح باطل ہوں گے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہونے کی بنا پر فسخ ہے' اس طرح عورت پہلے خاوند کے لئے جس نے اسے تین طلاقیں دی تھیں حلال نہیں ہوتی۔ اگر "حلالہ" کرنے والے نے مجامعت کر لی ہے تو عورت کو مہر دے کر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

(۴) احرام میں نکاح:

حج یا عمرہ کے احرام میں اگر کوئی شخص نکاح کر لے تو یہ بھی باطل ہے' تاہم اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر وہ اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو حج یا عمرہ سے فارغ ہو کر تجدید نکاح کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلاَ يُنْكِحُ»(صحیح مسلم)

"محرم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ کسی اور کا نکاح کرے۔"

لہٰذا "نہی تحریمی" ہونے کی وجہ سے یہ نکاح باطل ہے۔

(۵) ایام عدت میں نکاح:

عورت طلاق یا خاوند کی وفات کی "عدت" میں ہو تو اس سے نکاح کرنا باطل ہے' البتہ اگر کسی نے اس حالت میں نکاح کر لیا ہے تو "عقد" باطل ہونے کی بنا پر دونوں کے درمیان تفریق لازم ہے اور اگر خلوت ہو گئی ہے تو عورت کے لئے مہر ثابت ہو گیا اور سزا کے طور پر یہ بھی حکم ہے کہ یہ عورت اس مرد کے لئے عدت گزارنے کے بعد بھی حرام ہے۔[1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْكِتَٰبُ أَجَلَهُۥ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۵)

"اور جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو۔"

(۶) ولی کے بغیر نکاح:

ولی کی اجازت کے بغیر عورت اگر کسی مرد کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح باطل ہے' اس لئے کہ "ولی" کا ہونا نکاح کے ارکان میں سے ایک رکن ہے' جس کے فقدان سے نکاح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(۱) اگر اس عورت کے ساتھ مجامعت نہیں کی گئی اور پہلے جدائی کر دی گئی ہے' تو علماء کے نزدیک وہ شخص عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کا مجاز ہے اور اگر مجامعت کے بعد تفریق ہوئی ہے تو امام مالکؒ و امام احمدؒ کے بقول یہ عورت ہمیشہ کے لئے اس مرد پر حرام ہو گئی ہے۔ (مؤلف)

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(سنن ترمذي، سنن أبي داود وصححه الحاكم وابن حبان)
"ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔"

ان کے درمیان تفریق کر دینی چاہیئے' اگر ملاپ ہوا ہے تو عورت کو مہر ملے گا اور ایک حیض سے "استبراء[1] رحم" کے بعد اگر ولی کی اجازت عورت کو حاصل ہو جائے تو اس مرد سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

(۷) غیر کتابیہ کافرہ سے نکاح:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾(البقرة۲/ ۲۲۱) "مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔"

بنا بریں مسلمان کسی مجوسی' سیکولر اور بت پرست عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا' جبکہ مسلمان عورت کا علی الاطلاق کافر کے ساتھ نکاح حرام ہے' برابر ہے کہ وہ کافر اہل کتاب سے ہو' یا غیر اہل کتاب سے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة۶۰/ ۱۰)
"یہ عورتیں ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ (کافر مرد) ان کے لئے حلال ہیں۔"

(۱) کافر میاں بیوی میں سے اگر ایک اسلام قبول کر لیتا ہے تو نکاح باطل ہو جائے گا' عدت گزرنے سے پہلے اگر دوسرا بھی مسلمان ہو جائے تو دونوں پہلے نکاح پر قائم رہیں گے اور اگر عدت گزرنے کے بعد اسلام قبول کرے تو جمہور علماء کے نزدیک نیا نکاح ضروری ہے۔

(۲) اگر رخصتی سے پہلے منکوحہ (بیوی) مسلمان ہو جائے تو اس کے لئے مہر نہیں ہے' اس لئے کہ جدائی کا باعث عورت ہے[2] (اور جب بیوی جدائی کا باعث بنے تو اسے مہر نہیں ملا کرتا) اور اگر خاوند رخصتی سے پہلے اسلام قبول کر لے تو کافر عورت کے لئے نصف مہر ہے۔ ہاں رخصتی اور خلوت کے بعد عورت اگر اسلام قبول کرتی ہے تو وہ پورے مہر کی مستحق ہے اور کسی ایک فریق کے "مرتد" ہونے کی صورت میں بھی مندرجہ بالا احکام نافذ ہوں گے۔[3]

---

(۱) حیض کی آمد اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا رحم حمل سے خالی ہے اسی لیے حیض کے انتظار کو "استبرائے رحم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ع' ر)

(۲) مگر اس نے کافر خاوند اور اس سے ملنے والے مہر پر اسلام کو ترجیح دے کر ابدی دولت حاصل کر لی۔ (ع' ر)

(۳) یعنی اگر رخصتی سے پہلے عورت مرتد ہو جائے تو اسے مہر نہیں ملے گا کیونکہ وہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) ایک شخص کی چار سے زیادہ بیویاں ہیں اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور عورتیں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کر لیتی ہیں' یا مسلمان نہیں ہوتیں ویسے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہیں (جن کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے) تو ان میں چار کا انتخاب کر لے اور باقی کو جدا کر دے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جس کے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت دس بیویاں تھیں' فرمایا:

«اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا»(مسند أحمد، سنن ترمذي وصححه ابن حبان)

"ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔"

اسی طرح مسلمان ہونے والے شخص کے نکاح میں اگر دو بہنیں ہیں تو ان میں سے ایک کو جدا کر دے' اس لئے کہ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"(اور یہ بھی تم پر حرام ہے کہ) تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو"

اور رسول اللہ ﷺ نے دو بہنوں کے خاوند کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا' حکم دیا:

«طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ»(رواه أحمد وصححه ابن حبان)

"ان میں سے جسے چاہے طلاق دے دے۔"

* جن عورتوں سے نکاح حرام ہے:

الف۔ دائمی محرمات:

یعنی وہ عورتیں جن کیساتھ کبھی بھی نکاح نہیں ہو سکتا درج ذیل ہیں:

(ا) نسبی محرمات:

ماں' نانی' دادی اور ان کی مائیں مطلق طور پر' بیٹی اور اس کی بیٹیاں نیچے تک' پوتی اور اس کی بیٹیاں نیچے تک' بہن اور اس کی بیٹیاں (بھانجیاں) پھر ان کی بیٹیاں' پھوپھی اوپر تک' خالہ اور اس کی مائیں' بھتیجی اور بھتیجے کی بیٹیاں پھر ان کی بیٹیاں یہ ابدی محرمات ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تمہاری مائیں' تمہاری بیٹیاں' تمہاری بہنیں' تمہاری پھوپھیاں' تمہاری خالائیں' بھتیجیاں اور

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) جدائی کا باعث بنی ہے اور اگر خاوند رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عورت کے لیے نصف مہر ہے اور اگر عورت رخصتی اور جماع کے بعد مرتد ہوئی ہے تو پورے مہر کی مستحق ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

بھانجیاں تمہارے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔"

(۲) مصاہرت کی بنا پر محرمات:

ان سے مراد باپ اور دادا کی بیویاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النساء ٤/ ٢٢)

"جن عورتوں سے تمہارے آباؤ (اجداد) نے نکاح کیا ہے' ان سے نکاح نہ کرو۔"

اسی طرح بیوی کی ماں اور اس کی دادی' نانی اور بیوی "مدخولہ" (جس سے جماع کیا گیا ہو) کی بیٹی بھی حرام ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾

(النساء ٤/ ٢٣)

"اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اپنی جن عورتوں سے تم جماع کر چکے ہو' ان کی وہ لڑکیاں جو پہلے خاوندوں سے ہیں اور اب تم ان کی پرورش کرتے ہو' بھی تمہارے لئے حرام ہیں اور اگر تم نے ان عورتوں سے جماع نہیں کیا تو (انہیں طلاق دے کر) ان کی بیٹی سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور اسی طرح بیٹے اور پوتے کی بیوی بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی بیٹیوں کی بیویاں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں۔"

(۳) رضاعت کی بنیاد پر محرمات:

دودھ پینے کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام تھے۔[1] (یعنی بچے کے رضاعی والدین کی) مائیں' بیٹیاں' بہنیں' پھوپھیاں' خالائیں' بھتیجیاں اور بھانجیاں (اس کے نکاح میں نہیں آ سکتیں) اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

(۱) جب بچہ اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور خاتون کا کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پیتا ہے تو دودھ پلانے والی خاتون اس کی رضاعی ماں اور اس کا خاوند اس کا رضاعی باپ بن جاتا ہے جبکہ بچہ ان کا رضاعی بیٹا کہلاتا ہے۔ (ع' ر) اگر اس نے دودھ پینا شروع کیا اور کچھ دیر بعد چھاتی چھوڑ دی تو یہ ایک دفعہ ہے اگر پھر ایسے کرتا ہے تو یہ دوسری دفعہ شمار ہو گی۔ (محمد عبدالجبار)

«يَحْرُمُ بِالرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام تھے۔"

البتہ رضاعت دو سال کے اندر دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ جب حقیقتاً دودھ بچے کے پیٹ میں گیا ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلاَ الْمَصَّتَانِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ایک یا دو مرتبہ دودھ چوسنے سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔"

اس لئے کہ ایک دفعہ چوسنا تو معمولی ہے' قلت کی وجہ سے دودھ پیٹ تک نہیں جا سکتا۔

رضاعت کے ضروری مسائل:

دودھ پلانے والی کا خاوند دودھ پینے والے کا باپ قرار پائے گا اور اگر اس کی دوسری بیوی ہے اور اس سے اس کی اولاد بھی ہے تو وہ بھی اس بچہ کے بھائی بہن قرار پائیں گے۔ بنا بریں اس دودھ پینے والے بچہ پر رضاعی باپ کی مائیں' بہنیں' بیٹیاں' پھوپھیاں' خالائیں سب حرام ہو جائیں گی۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کی ساری اولاد جس خاوند سے بھی ہو' دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن بن جائیں گے۔ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا:

«اِئْذَنِي لأَفْلَحَ أَخِيْ أَبِيْ الْقُعَيْسِ فَإِنَّهُ عَمُّكِ، وَكَانَتِ امْرَأَتُهُ قَدْ أَرْضَعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"(اے عائشہ!) ابوالقعیس کے بھائی افلح کو (گھر کے اندر آنے کی) اجازت دے دے' اس لئے کہ یہ تیرا چچا ہے اور (راوی کہتا ہے کہ) ابوالقعیس کی بیوی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا۔"

اس حدیث سے "رضاعی چچا" ثابت ہوا ہے' لہٰذا مذکورہ بالا دیگر رشتے اس کے تابع ہوں گے۔

دودھ پینے والے بچے کے بھائیوں اور بہنوں کے لئے "حرمت رضاعت" ثابت نہیں ہو گی' اس لئے کہ انہوں نے دودھ نہیں پیا' چنانچہ دودھ پینے والے کا بھائی دودھ پلانے والی' یا اس کی ماں' یا اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے' اسی طرح بچے کی بہن دودھ پلانے والی کے خاوند' یا اس کے باپ اور بیٹے سے نکاح کر سکتی ہے۔

* کیا رضاعی بیٹے کی بیوی رضاعی باپ کے لیے حرام ہے؟[۲]

جمہور علماء کے نزدیک حرمت ثابت ہے' جس طرح کہ "صلبی بیٹے" کی بیوی اپنے سسر کے لیے

---

(۲) یہ سوال اس لئے پیدا ہوا کہ دودھ بیٹے نے پیا تھا نہ کہ اس کی بیوی نے۔ (ع' ر)

حرام ہے اور بعض اس کے قائل نہیں ہیں' اس لئے کہ ان کے نزدیک "رضاع" سے وہی رشتے حرام ہیں جو "نسب" کی وجہ سے حرام ہیں' جبکہ بیٹے کی بیوی اپنے سسر کے لیے نسبی تعلق کی وجہ سے نہیں بلکہ بہو ہونے کی بنا پر حرام ہے۔

(۴) لعان کی وجہ سے محرمات:

مرد کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے' جس سے وہ لعان کر چکا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمُتَلاَعِنَانِ إِذَا تَفَرَّقَا لاَ يَجْتَمِعَانِ»(رواه أبوداود)

"دو لعان کرنے والے اگر جدا ہو جائیں تو کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔" (لعان کی وضاحت آئے گی)

ب۔ عارضی محرمات:

(۱) بیوی کی بہن (سالی اپنے بہنوئی کے لیے) اس وقت تک حرام ہے' جب تک بیوی اس کے نکاح میں ہے' طلاق کے بعد عدت ختم ہو جائے' یا بیوی فوت ہو جائے تو (سالی اور بہنوئی کے لیے نکاح کی) حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) اکٹھا کرو (یہ تم پر حرام ہے)"

(۲) بیوی کی پھوپھی' یا خالہ سے اس وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا' جب تک کہ ان کی بھتیجی یا بھانجی "عقد" میں ہے' طلاق کے بعد عدت گزرنے' یا اس کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہ حلال ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے کہ پھوپھی یا خالہ پر (یعنی بیوی سے ہوئے ہوئے اس کی بھتیجی یا بھانجی کا نکاح کیا جائے۔"

(۳) نکاح والی عورت کا نکاح' دوسری جگہ نہیں ہو سکتا' جب تک کہ پہلا نکاح قائم ہو' (ہاں اگر) طلاق ہو جائے' یا بیوہ ہو جائے اور عدت گزر جائے تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ محرمات کے تذکرہ میں اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿ ۞ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور نکاح والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں)"

(۴) طلاق' یا خاوند کی وفات کے بعد عدت گزارنے والی عورت سے "عدت" کے گزرنے تک نکاح نہیں ہو سکتا' بلکہ (صراحت کے ساتھ) پیغام نکاح دینا بھی حرام ہے' البتہ اشارہ کنایہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں آپ کے بارے میں دلچسپی رکھتا ہوں وغیرہ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا۟ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا۟ عُقْدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْكِتَٰبُ أَجَلَهُۥ ۚ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۵)

"اور ان (عدت والی عورتوں) سے (نکاح کا) پوشیدہ وعدہ نہ لو' ہاں رواجی بات کہہ سکتے ہو اور کتاب کی مقرر کردہ (عدت کی) میعاد پوری ہونے سے پہلے "عقد نکاح" پختہ نہ کرو۔"

(۶) جس عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں' وہ اپنے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی' اب وہ عورت (ہمیشہ کے لیے کسی) دوسرے آدمی سے نکاح کرے' پھر اتفاقاً طلاق یا خاوند کی موت کی وجہ سے اس سے جدائی ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے تو پھر اس کا پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ۗ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۰)

"جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے' پہلے کے لئے حلال نہیں ہے۔"

(۶) زانیہ عورت سے مومن مرد نکاح نہ کرے' جب تک کہ وہ زنا سے تائب نہ ہو جائے' اگر توبہ کا یقینی علم ہو جائے اور عدت گزر جائے تو نکاح جائز ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (النور۲۴/ ۳)

"زانیہ کے ساتھ زانی' یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے اور ایمان والوں پر یہ حرام ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلزَّانِي الْمَجْلُوْدُ لاَ يَنْكِحُ إِلاَّ مِثْلَهُ»(رواه أحمد وأبوداود وقال الحافظ: رجاله ثقات)

"درے کا سزا یافتہ زانی اپنے جیسی (بدکارہ) کے ساتھ ہی نکاح کرے۔"

دوسرا مادہ — طلاق کا بیان

* طلاق کی تعریف:

صریح لفظ میں ازدواجی تعلق توڑ دینا' مثلاً یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے' یا تجھے چھوڑا' یا پھر کنائی لفظ کہے اور نیت طلاق کی ہو' مثلاً طلاق کے ارادہ سے یہ کہنا کہ اپنے میکے چلی جا۔

* طلاق کا حکم:

دونوں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو متوقع یا حقیقی نقصان سے بچانے کے لئے طلاق مباح ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍۗ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٩)

"طلاق دو بار ہے' پھر (خاوند اسے) اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھے' یا چھوڑ دے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اے نبی (ﷺ)! (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔"[1]

اگر نقصان کا ازالہ طلاق کے بغیر نہیں ہو رہا تو طلاق لازم ہے' لیکن اگر طلاق میں کسی ایک فریق کا نقصان زیادہ ہے اور فائدہ کم تو ایسی صورت میں طلاق حرام ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی عورت کی بد خلقی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا "اسے طلاق دے دے۔"

(رواہ ابوداؤد اور یہ حدیث صحیح ہے)

اور دوسرے مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ»(سنن ترمذي، سنن أبي داود وسنن ابن ماجة وهو صحيح)

"جو عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کرتی ہے' اس پر بہشت کی ہوا بھی حرام ہے۔"

* طلاق کے ارکان:

طلاق میں تین رکن ہوتے ہیں:

(ا) مکلف خاوند:

جبکہ غیر خاوند طلاق نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ»(سنن ابن ماحة وسنن دارقطني)

"طلاق وہی دے سکتا ہے' جس کے قبضہ میں پنڈلی ہے۔"

اسی طرح عاقل و بالغ خاوند طلاق دے سکتا ہے اور وہ بھی اپنے آزاد اختیار کے تحت' اگر اس پر اکراہ

(ا) یعنی اس وقت میں طلاق دو جب ان کی عدت کا درست آغاز ہو سکے اور اسے شمار کرنا بھی ممکن ہو' ایسا تب ہو گا جب کسی حیض کے بعد جماع کئے بغیر طلاق دی جائے' (محمد عبدالجبار)

وجبر کیا گیا ہے' یا خاوند عاقل اور بالغ نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاَثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتَّى يَعْقِلَ»(روى معناه البخاري وأصحاب السنن وغيرهم)

"تین شخص مرفوع القلم ہیں' سویا ہوا جاگنے تک' نابالغ لڑکا بالغ ہونے تک اور مجنون ذی شعور ہونے تک۔"

اور اس لئے بھی کہ آپ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ عَنْ أُمَّتِيْ الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ»(معجم طبراني وهو صحيح)

"میری امت سے خطا' نسیان اور جس پر اکراہ [1] (جبر) کیا جائے' مرفوع ہیں (یعنی ایسی صورت میں بازپرس نہیں ہو گی)"

(۲) طلاق اس بیوی پر واقع ہوتی ہے' جو حقیقتاً رشتہ ازدواج سے منسلک ہو مثلاً اس سے پہلے فسخ یا طلاق کے ذریعہ وہ خاوند سے کبھی جدا نہیں ہوئی یا حکمی طور پر اس کی بیوی شمار ہو' مثلاً وہ بیوی جسے صرف طلاق رجعی ہوئی اور اب عدت گزار رہی ہے یا ایک اور دو "طلاق بائنہ" والی عورت جس نے عدت کے بعد پھر اسی خاوند سے نکاح کر لیا اور اب پھر اس سے طلاق لینے کے بعد عدت میں ہے۔ لیکن جو عورت سرے سے اس کی بیوی ہی نہیں ہے' یا اس پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں' اس کو طلاق دینا لغو ہے' اس لئے کہ وہ "محل طلاق" نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ نَذْرَ لاِبْنِ آدَمَ فِيْمَا لاَ يَمْلِكُ، وَلاَ عِتْقَ لَهُ فِيْمَا لاَ يَمْلِكُ، وَلاَ طَلاَقَ لَهُ فِيْمَا لاَ يَمْلِكُ»(سنن ترمذي وحسنه)

"جس چیز کا انسان مالک نہیں' اس میں سے نذر دینا' اسکو آزاد کرنا اور طلاق دینا (معتبر) نہیں ہے۔"

---

(۱) سنن ابی داود (ج:۲' ص:۲۲۵) میں «لاَ طَلاَقَ وَلاَ عِتَاقَ فِيْ إِغْلاَقٍ» یعنی اکراہ (زبردستی) کی صورت میں طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا معتبر نہیں ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مار کٹائی کا ڈر دے کر ایک شخص سے اس کی منکوحہ کی طلاق حاصل کر لی گئی۔ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے فیصلہ دیا کہ طلاق نہیں ہے اور عورت کو اس شخص کے قبضہ میں دے دیا گیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے ولیمہ میں شریک ہوئے (انتھی ملخصاً) (الاثری)

(۳) تیسرا رکن طلاق کے صریح الفاظ ہیں' یا کنائی الفاظ جب ان سے طلاق کا ارادہ ہو۔ بنا بریں محض دل کے ارادہ سے "الفاظ طلاق" زبان سے کہے بغیر طلاق واقع نہیں ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لأُمَّتِيْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا أَوْ يَعْمَلُوْا بِهِ»
(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کلام یا عمل کرنے سے دل کے ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے معاف کر دیا ہے۔"

* طلاق کی اقسام:

(۱) طلاق سنی:

اس "طہر" میں طلاق دینا جس میں جماع نہیں ہوا' طلاق سنی کہلاتا ہے' لہٰذا جب مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اسے یقین ہو کہ طلاق دیئے بغیر نقصان اور ضرر دور نہیں ہو سکتا تو وہ انتظار کرے اور حیض کے بعد "طہر" میں ایک طلاق دے' اگر اس "طہر" میں جماع نہیں کر چکا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"اے نبی (ﷺ) ! (لوگوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔"

(۲) طلاق بدعی:

"حیض" یا "نفاس" یا اس "طہر" میں طلاق دینا جس میں وہ جماع کر چکا ہے' یا ایک ہی بار یہ لفظ کہہ دینا کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" یا یوں کہے کہ "تجھے طلاق ہے' طلاق ہے' طلاق ہے۔" یہ بدعی اور ناجائز انداز طلاق کی صورتیں ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق سے رجوع کا حکم دیا تھا' جبکہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی تھی اور مزید فرمایا کہ "انتظار کر یہاں تک کہ "طہر" کے بعد حیض آئے اور پھر پاک ہو تو پھر اگر تو چاہے تو طلاق دے یا اپنے پاس رکھ۔"

اور اسی موقع پر فرمایا: «فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ أَمَرَ اللهُ سُبْحَانَهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»
(صحيح مسلم)

"یہی وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔" (یعنی سورۃ "الطلاق" میں)

نیز آپ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے ایک ہی کلمہ میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں

(یعنی کہا: "تجھے تین طلاقیں") تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»(سنن نسائي ـ وقال ابن كثير إسناده جيد)

"میں تمہارے اندر موجود ہوں اور اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے۔"

جمہور علماء کے نزدیک طلاق مسنون کی طرح طلاق بدعی بھی واقع ہو جاتی ہے اور رشتۂ ازدواج ختم ہو جاتا ہے (البتہ خاوند گنہگار ہو گا کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی)۔

(۳) طلاق بائن:

یہ وہ طلاق ہے جس میں طلاق دینے والے کو رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوتا' البتہ نئے "مہر" اور "شرائط" کے تحت عقد جدید کر سکتا ہے' عورت کی مرضی ہے چاہے تو اسے قبول کرے' یا رد کر دے۔

درج ذیل پانچ صورتوں میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے:

(۱) مرد نے "طلاق رجعی" دی ہے اور عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدت گزرنے کے بعد طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

(۲) مرد نے عورت سے مال وصول کر کے "خلع" کی صورت میں (یعنی عورت کے مطالبے پر) طلاق دی ہے۔

(۳) اگر ان کے مابین دونوں میاں بیوی کے منصفوں نے طلاق دی ہے' جبکہ وہ محسوس کرتے ہوں کہ طلاق' نکاح کے باقی رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(۴) رخصتی کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو جائے' اس لئے کہ مجامعت سے پہلے مطلقہ پر عدت نہیں ہے۔ محض "وقوع طلاق" سے وہ بائن (جدا) ہو جائے گی۔

(۵) ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے دے' یا مختلف مجالس میں تین طلاقیں[1] دے' یا پہلے سے واقع کردہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دے تو ان کے مابین بینونت کبریٰ (بڑی جدائی) واقع ہو جاتی ہے[2] اور یہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں' جب تک وہ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

---

(۱) خاوند اگر کہے "تجھے تین طلاقیں" یا کہے "تجھے طلاق' طلاق' طلاق" تو اس سے میاں بیوی کے درمیان بڑی جدائی واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ ایک ہی طلاق ہے اسلئے کہ تین طلاقوں سے مراد تین دفعہ طلاق دینا ہے اس طرح کہ ہر دفعہ کے بعد سوچ و بچار کے بعد رجوع کرنے یا نہ کرنے کا کھلا موقعہ ملے جبکہ ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے سے نہ صرف شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ میاں بیوی بھی لاعلمی کی وجہ سے پچھتاتے رہتے ہیں۔ (ع' ر) (حاشیہ نمبر(۲) اگلے صفحہ پر)

(۴) طلاق رجعی:

جس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے' چاہے عورت راضی نہ بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا إِصْلَٰحًا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۸)

"اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھیں تو وہ انہیں واپس لانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو طلاق کے بعد رجوع کا حکم دیا تھا۔ (صحیح مسلم)

رجعی طلاق "مدخولہ عورت" (جس سے خاوند جماع کر چکا ہو) کو تین سے کم طلاقوں کی صورت میں ہوتی ہے' جبکہ خاوند نے بیوی سے طلاق کا عوض نہ لیا ہو' رجعی طلاق والی عورت کے لئے عدت کے دوران نفقہ اور رہائش کا بندوبست مرد کے ذمہ ہے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ مرد سے جدا قرار دی جاتی ہے' اگر مرد رجوع کرنا چاہتا ہے تو بلا تاخیر کہہ دے "میں تجھے واپس لیتا ہوں' یا رجوع کرتا ہوں" اور رجوع پر دو عادل گواہ بنانا مسنون ہے۔

(۵) طلاق صریح:

طلاق میں ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ ان کے ساتھ "نیت طلاق" کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ "تجھے طلاق ہے' یا تو مطلقہ ہے' یا میں نے تجھے طلاق دے دی۔"

---

(۴) "رسول اللہ ﷺ' ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں ایک مجلس (موقع و محل) کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں" (صحیح مسلم ج:۱' ص: (۴۷۸) نیز مسند احمد (ج ۱/ ص ۲۶۵) میں ہے "رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں' لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک قرار دے کر رجوع کا اختیار دے دیا' چنانچہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا" فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اھ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیک وقت تین طلاقیں دینے (جو کہ بدعی طلاق کی ایک صورت ہے) سے روکنے کے لئے تعزیری انداز پر ان کے تین ہی واقع ہونے کا حکم صادر فرمایا' جیسا کہ ان کے الفاظ «أن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم في إناه فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم» (صحیح مسلم) سے واضح ہے۔ نیز آیت مبارکہ ﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَٰنٍ ﴾ (البقرۃ) سے بھی یہ واضح ہے کہ ایک مجلس کی طلاق' چونکہ ایک بار (مرۃ) میں واقع کردہ ہے' لہٰذا اس کے بعد امساک (رجوع) ہو سکے گا۔

«هَذَا مَا عِنْدَنَا وَاللهُ أَعْلَمُ» (الاثری)

(۶) طلاق بالکنایہ:

لفظ' طلاق کا مفہوم واضح نہ کرتا ہو' اگر اس سے ارادہ طلاق کا کرے تو طلاق ہو جائے گی' مثلاً مرد کہتا ہے اپنے میکے چلی جا' گھر سے نکل جا یا میرے ساتھ کلام نہ کر وغیرہ۔ ایسے الفاظ جن میں صریح "لفظ طلاق" نہ ہو اور نہ ایسا لفظ جو طلاق کا ہم معنی ہو تو ایسی صورت میں اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک منکوحہ کو بایں الفاظ طلاق دی ہے:

«اِلْحَقِيْ بِأَهْلِكِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تو اپنے اہل کے پاس چلی جا۔"

آپ نے اس جملہ میں طلاق ہی مراد لی تھی۔ لیکن اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل میں کہ "بیوی سے الگ ہو جا اور اس کے قریب نہ جا" اپنی بیوی کو کہا تھا «اِلْحَقِيْ بِأَهْلِكِ» کہ "اپنے اہل کے پاس چلی جا۔" چنانچہ وہ اپنے میکے چلی گئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی تھی۔

یہ ان الفاظ کے بارے میں ہے جو طلاق کے معنی میں پوشیدہ اور غیرواضح ہیں اور اگر ایسا لفظ کہتا ہے جو صریح طلاق پر تو دلالت نہیں کرتا' البتہ طلاق کے مفہوم میں ظاہر ہے تو اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ لفظ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے تو علیحدہ ہے' تو بائن ہے' دوسرے مردوں کے لئے زینت کر لے۔"

(۷) فوری اور معلق طلاق:

فوری نافذ شدہ طلاق کو "منجز" طلاق کہتے ہیں' مثلاً خاوند کہے تو طالق (طلاقن) ہے' تو یہ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرتا ہے' اور یہ کہے اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے یا اگر تیرے ہاں بیٹی پیدا ہو گئی تو تجھے طلاق ہے تو شرط حاصل ہونے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔ اسے "طلاق معلق" کا نام دیا جاتا ہے۔

(۸) طلاق کا اختیار اور طلاق تملیک:

خاوند اپنی بیوی کو اگر کہتا ہے "تجھے میرے ساتھ رہنے یا الگ ہونے کا اختیار ہے" اور وہ طلاق اختیار کر لیتی ہے تو مطلقہ ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا تھا تو انہوں نے آپ کو اختیار کر لیا تھا۔ بنا بریں وہ مطلقہ نہیں قرار دی گئیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۲۸)

"اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دے کر اچھے انداز میں رخصت کر دیتا ہوں۔"

اور "طلاق تملیک" کی صورت اس طرح ہے کہ مرد اپنی عورت کو کہے "میں تجھے تیرے معاملہ کا مالک بناتا ہوں" یا "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" اور عورت جواب میں طلاق لے لے تو ایک رجعی طلاق [1] واقع ہو جائے گی۔

(۹) وکیل کے ذریعے یا تحریری طلاق:

اگر طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل مقرر کرے اور وہ طلاق دے' یا طلاق نامہ تحریر کر کے عورت کو روانہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی' اس لئے کہ حقوق میں وکالت جائز ہے اور زبان سے بولنا اور تحریر کرنا دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

(۱۰) طلاق تحریم:

عورت کو حرام قرار دینے میں اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق نافذ ہو گی اور اگر "ظہار" کا ارادہ ہے تو "ظہار" ہو گا اور "کفارۂ ظہار" کی ادائیگی کرے گا' [2] لیکن اگر "طلاق" و "ظہار" کا ارادہ نہیں ہے' بلکہ قسم کا ارادہ ہے' مثلاً یوں کہے اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو حرام ہے اور اس نے وہ کام کر لیا تو اس میں قسم کا کفارہ ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "جب مرد اپنی بیوی کو حرام قرار دے تو یہ قسم ہے' وہ "کفارۂ یمین" ادا کرے' پھر رسول اللہ ﷺ اس بارے میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم) [3]

(۱۱) حرام طلاق:

مرد اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے دے' یا ایک مجلس میں تین جملے بول دے کہ تجھے طلاق ہے' تجھے طلاق ہے' تجھے طلاق ہے۔ "فقہاء امت" کا اجماع ہے کہ اس طرح طلاق دینا حرام ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھے تین طلاقیں دے

---

(۱) امام مالک اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں' پھر مرد کو رجوع کا حق ہے اور نہ ہی وہ نکاح کر سکتا ہے۔ (مؤلف)

(۲) ظہار اور اس کے کفارے کا مفصل بیان پانچویں مادہ میں آ رہا ہے۔ (ع' ر)

(۳) لفظ حرام میں۔ تین ارادے عرب محاورات کے اعتبار سے ہیں۔ ورنہ پاکستانی عوام کے عرف میں عورت کو حرام کہا جائے تو صرف طلاق مراد ہوتی ہے۔ (الاثری)

دی ہیں تو آپ نے فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»(سنن نسائی ۔ وقال ابن کثیر إسناده جید)

''کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے؟ جبکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی ''کہ میں اسے قتل نہ کر دوں؟''

ائمہ اربعہؒ اور جمہور علماء اس صورت میں تین طلاقوں کے نفاذ کے قائل ہیں اور یہ کہ مطلقہ اس مرد کے لئے حلال نہیں ہو گی' الاّ یہ کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے' جبکہ دوسرے علماء اسے ایک ''بائن'' یا رجعی طلاق گردانتے ہیں اور دلائل کے اختلاف اور نصوص سے ہر ایک کے اپنے اپنے انداز فہم کی وجہ سے یہ اختلاف وقوع پذیر ہوا ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے طلاق دینے والے کے حال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر وہ لفظ ''تجھے تین طلاق'' سے عورت کو صرف ڈرانا چاہتا ہے' یا اس سے وہ قسم کا مفہوم ذہن میں رکھتا ہے' مثلاً کہے ''اگر تو نے یہ کام کیا تو تین طلاقیں'' اور عورت نے یہ کام کر بھی لیا' یا ''شدت غضب'' میں یہ لفظ اس کے منہ سے نکل گئے' جبکہ وہ کلی طور پر اس کو الگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو اس پر ایک ''طلاق بائن'' واقع ہو گی اور اگر اس کا ارادہ اس کو واقعتاً جدا کرنے کا تھا اور یہ کہ وہ اسے کسی صورت میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا تو تین طلاقیں نافذ ہوں گی' وہ اس مرد کے لئے حلال نہیں ہو گی' الاّ یہ کہ دوسرے کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے۔ اس طرح دلائل میں جمع اور تطبیق ممکن ہو گی اور امت کے افراد میں ''جذبہ ترحم'' کا تقاضا بھی یہی ہے۔[1]

---

(1) ابن رشد بدایۃ المجتہد (ج:۲' ص:۴۶) میں لکھتے ہیں ''جمہور کے مسلک کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ طلاق کے اس ناجائز طریقے کو تین طلاقیں نافذ کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جب انہیں اس کے نقصانات کا مسلسل تجربہ ہو گا تو وہ اس طریقے سے طلاق دینا بند کر دیں گے مگر اس طرح شریعت نے سوچ و بچار اور رجوع کرنے یا نہ کرنے کی مہلت دے کر جو رخصت و نرمی دی ہے' وہ باطل ہو جاتی ہے' جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾ (الطلاق ۶۵/۱) ''شائد کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی راہ پیدا کر دے'' یعنی مرد کے دل میں عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع پر آمادہ ہو جائے اور اگر مسلک جمہور کے مطابق ایک دفعہ کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا جائے تو پھر اس کے بعد کس نئی بات کے پیدا ہونے کی توقع کی جائے؟ اس دور میں لوگوں کو بالعموم شریعت اسلامیہ کے اصل طریق طلاق کا پتہ نہیں ہے' بلکہ جاہل لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک تین کا لفظ نہیں بولیں گے طلاق واقع ہی نہیں ہو گی۔ اس انداز کی صورت حال میں تین کا نفاذ عورتوں اور معاشرہ پر زیادتی ہے' جس کے نتیجہ میں کئی ایک پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں' جس پر توجہ دینا مفکرین علماء کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ نفس مسئلہ کی شرعی پوزیشن [illegible] تحریر کر آئے ہیں۔ (الاثری)

تنبیہ:

جس عورت پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں اور پھر وہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے اور وہ عورت اس کے گھر آباد رہے (پھر خاوند کی وفات یا اتفاقیہ طلاق کے نتیجہ میں) پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر لے تو یہ پہلا خاوند پھر تین طلاقیں دینے کا مالک ہو گیا اور پہلے واقع کردہ طلاقیں ساقط ہو گئی' البتہ جس نے ایک طلاق دی تھی یا دو طلاقیں' عورت نے دوسری شادی کی اور پھر پہلے شوہر کے پاس آ گئی تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پہلے والی طلاقیں ساقط نہیں ہوں گی اور یہ اب باقی طلاق کا مالک ہے' جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مکمل تین طلاقوں کا مالک ہے' اس لئے کہ دوسرا خاوند جب پہلے خاوند کی تین طلاقوں کو ساقط کر دیتا ہے تو اس کی دی ہوئی ایک طلاق یا دو طلاق کے ختم ہونے کا سبب کیوں نہیں ہو گا؟ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ غلام اپنی عورت کو صرف دو طلاقیں دے سکتا ہے' دوسری طلاق کے بعد وہ اس سے بائن (جدا) ہو جائے گی اور جب تک دوسرے مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے' اس (غلام) کے لئے حلال نہیں ہو گی۔

تیسرا مادہ

خلع کا بیان

* خلع کی تعریف:

عورت کا کسی وجہ سے اپنے خاوند کو پسند نہ کرنا اور اس کا مال (حق مہر وغیرہ) واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کر لینا "خلع" کہلاتا ہے۔

* خلع کا حکم:

اگر (درج ذیل) شرطیں پوری کر لی جائیں تو خلع جائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جو اپنے خاوند کے بارے میں کہہ رہی تھی "مجھے اس کی عادات اور دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے' میں اسلام میں (خاوند کی) نافرمانی کو درست نہیں سمجھتی"[1] کے جواب میں فرمایا:

"تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟" اس نے کہا "ہاں!" آپ نے فرمایا "ثابت! باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔" (صحیح بخاری و سنن نسائی)

---

(۱) یعنی "وہ دیندار اور اچھے اخلاق کا مالک ہے مگر خوبصورت نہیں' بجائے اس کے کہ میں اس کی نافرمانی کروں' بہتر ہے کہ اس سے الگ ہو جاؤں" (محمد عبدالجبار)

* خلع کے جواز کی شرط:

(۱) ناپسندیدگی کا اظہار عورت کی طرف سے ہو' اگر مرد ناپسند کرتا ہے تو اس کے لئے طلاق کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے' بلکہ اسے صبر کرنا چاہیئے اور اگر برداشت سے باہر ہے تو طلاق دے دے۔

(۲) عورت اس وقت تک "خلع" کا مطالبہ نہ کرے' جب تک اس کی کراہت و ناپسندیدگی اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ حقوق زوجیت میں اللہ کی حدود کی پابندی کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے۔

(۳) مرد جان بوجھ کر اگر عورت کو تنگ کر رہا ہے کہ وہ خلع پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے لئے اس سے معاوضہ لینا حرام ہے اور وہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہے۔ نیز خلع سے ایک "طلاق بائن" نافذ ہوتی ہے اور "عقد جدید" کے بغیر وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

* خلع کے احکام:

(۱) مستحب یہی ہے کہ دیئے ہوئے مہر سے زیادہ وصول نہ کرے' جیسا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے خلع کے عوض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صرف وہ باغ لیا تھا' جو انہوں نے مہر میں دیا تھا۔

(۲) اگر خلع میں لفظ خلع مرد نے بولا ہے یا تحریر کیا ہے تو "استبراء رحم" کے طور پر عدت ایک ماہواری آنے تک ہے' جیسا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہواری تک عدت گزارنے کا حکم دیا تھا اور اگر طلاق کا لفظ استعمال ہوا ہے تو جمہور تین حیض (طلاق کی پوری) عدت گزارنے کے قائل ہیں۔

(۳) خلع کرنے والا عدت کے اندر رجوع کا مالک نہیں ہے' اس لئے کہ محض خلع سے عورت بائن (جدا) ہو گئی ہے' نئے نکاح کے بغیر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

(۴) نابالغ لڑکی کی طرف سے باپ خلع قبول کر سکتا ہے' بشرطیکہ بچی کے نقصان کا اندیشہ ہو' اس لئے کہ وہ خود اس وقت اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتی۔

چوتھا مادہ

ایلاء کا بیان

* ایلاء کی تعریف:

کسی مرد کا اللہ کی قسم اٹھا کر کہنا کہ میں اپنی عورت کے ساتھ اتنی مدت وطی (جماع) نہیں کروں گا' جبکہ وہ مدت چار ماہ سے زائد ہو۔

* ایلاء کا حکم:

چار ماہ سے کم کا ایلاء عورت کی سرزنش کے طور پر جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٦)

"اور ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں' چار ماہ کا انتظار ہے' (پھر) اگر (اس دوران) رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ مکمل ایلاء کیا تھا۔ اگر ایلاء میں تادیب (ادب سکھلانا) مطلوب نہیں' بلکہ عورت کو محض ایذا دینا مقصود ہے تو یہ حرام ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(مسند أحمد وسنن ابن ماجة بسند حسن)

"کسی کو نقصان پہنچانا اور خود نقصان اٹھانا جائز نہیں ہے۔"

* ایلاء کے احکام:

(ا) ایلاء کی مدت کو اگر چار ماہ گزر جائیں اور اس دوران مرد نے جماع نہیں کیا اور عورت حاکم کے پاس مطالبہ کرتی ہے تو پھر خاوند یا تو ایلاء سے رجوع کرے گا یا طلاق دے گا' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا۟ ٱلطَّلَـٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٦-٢٢٧)

"اگر رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا' مہربان ہے اور اگر طلاق کا عزم کرلیں تو اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔"

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ((اذا مضت اربعة اشهر يوقف حتى يطلق)) (صحيح بخاری)

«إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتَّىٰ يُطَلِّقَ»(صحيح بخاري)

"جب چار ماہ گزر جائیں تو مرد کو پابند سلاسل (قید) کیا جائے یہاں تک کہ طلاق دے۔"

(۲) چار ماہ گزرنے پر پابند کرنے کے باوجود اگر طلاق نہیں دیتا تو "حاکم وقت" عورت کے ضرر کو دور کرنے کے لئے طلاق کی ڈگری جاری کردے۔

(۳) اگر مرد اس صورت میں طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ رجعی طلاق

دے' یا بائن طلاق' البتہ طلاق بائن کی صورت میں "نئے نکاح" کے بغیر اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

(۴) "ایلاء" کے نتیجہ میں مطلقہ عورت پر طلاق کی عدت ہے (یعنی تین حیض)' "برائت رحم" کے لئے ایک ماہواری کا انتظار کرنا کافی نہیں ہے' اس لئے کہ یہ عدت صرف "برائت رحم" کے لئے نہیں ہے۔ (بلکہ اس کا حکم طلاق والا ہے)

(۵) اگر قسم کے بغیر مرد نے عورت کے ساتھ چار ماہ سے زائد عرصہ سے مجامعت ترک کر رکھی ہے تو عورت کے مطالبہ کی صورت میں اس کو عدالت میں لایا جائے' پھر یا تو وہ یہ روش ترک کرے' یا طلاق دے دے۔

(۶) قسم کی مدت ختم ہونے سے پہلے اگر مرد نے ایلاء سے رجوع کر لیا ہے تو یہ درست ہے مگر اس پر قسم کا کفارہ ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تو کسی بات پر حلف اٹھالے اور اس کے برعکس کام کو اس سے بہتر جانے تو جو اچھا کام ہے وہی کر اور قسم کا کفارہ دے۔"

پانچواں مادہ

ظہار کا بیان

* ظہار کی تعریف:

مرد اپنی بیوی کو کہے تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ (پشت) کی طرح ہے' ظہار کہلاتا ہے۔

* ظہار کا حکم:

ظہار کرنا حرام ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منکر اور جھوٹ قرار دیا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ ارشاد جل شانہ ہے:

﴿ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴾ (المجادلة ۵۸/ ۲)

"اور یہ لوگ ایک غلط بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔"

* ظہار کے احکام و مسائل:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک "ظہار" بیوی کو صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے پر ہی منحصر نہیں ہے' بلکہ کسی بھی ابدی محرمہ عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے' مثلاً بیٹی' دادی' بہن پھوپھی اور خالہ' اس لئے کہ حرمت میں یہ سب ماں کی طرح ہیں۔

(۲) ظہار کرنے والا مرد اگر رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس پر ظہار کا کفارہ دینا لازم ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ﴾

(المجادلة۵۸/ ۳)

''اور جو لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں اور پھر اپنی بات سے رجوع کرتے ہیں تو باہم ملنے (جماع وغیرہ) سے پہلے ایک گردن (غلام) آزاد کریں۔''

(۳) آیت مذکورہ کی رو سے جماع اور مقدمات جماع سے قبل کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

(۴) اگر ادائیگی ٔ کفارہ سے پہلے عورت کو ہاتھ لگایا تو گنہگار ہے۔ لہٰذا ندامت و استغفار کے ساتھ اللہ سے رجوع کرے البتہ کفارہ کے علاوہ اور کوئی چیز اس کو نہیں پڑتی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ''میں نے ظہار کیا تھا' مگر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے ہی میں جماع کر بیٹھا ہوں'' تو آپ نے فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ يَرْحَمُكَ اللهُ، فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰي تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللهُ»

(سنن ترمذي وصححه)

''اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے ایسا کام کیوں کیا؟ اللہ کے حکم کی تعمیل سے قبل اس کے قریب نہ جانا۔''

(۵) کفارہ درج ذیل تین امور میں سے بالترتیب ایک ہے:

* مومن غلام آزاد کرنا۔
* دو ماہ لگاتار روزے رکھنا۔
* ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۳۔۴)

''سو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے' تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔ جس کو غلام نہ ملے تو وہ ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو ماہ روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہیں ہے تو وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔''

(۶) روزے وقفہ کئے بغیر رکھنے ضروری ہیں۔ چاند کے حساب سے دو ماہ پورے کرے' یا ساٹھ دن شمار کر لے۔ اگر شرعی عذر (بیماری وغیرہ) کے بغیر درمیان میں روزے نہیں رکھے گا تو پہلے رکھے ہوئے

روزے باطل ہو جائیں گے اور دوبارہ دو ماہ کے روزوں کی گنتی پوری کرے گا' اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لگاتار رزوے رکھنے کی شرط لگائی ہے۔

(ے) کھانا ایک مد گندم' یا دو مد کھجور' یا جو فی مسکین کے حساب سے ادا کرے۔ اگر ساٹھ سے کم مساکین کو پوری مقدار میں کھانا دے دیا تو درست نہیں ہو گا۔

چھٹا مادہ

لعان کا بیان

* لعان کی تعریف:

مرد نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا' یا اس کے حمل کا انکاری ہے (کہتا ہے کہ اس کے پیٹ میں میرا بچہ نہیں ہے) اور معاملہ عدالت کے پیش ہوا ہو تو خاوند مذکور سے اس کے دعویٰ پر گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ ایسے چار گواہ جو زنا دیکھنے کی گواہی دیں پیش نہ کر سکا تو حاکم ان دونوں کے درمیان لعان کرائے گا' چنانچہ خاوند درج ذیل الفاظ سے چار بار حلفیہ گواہیاں ادا کرے گا:

"اللہ کی قسم ہے' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے' یا یہ حمل میرا نہیں ہے" اور پانچویں بار کہے "اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔" اس کے بعد اگر عورت جرم کا اقرار کر لیتی ہے تو اس پر (رجم کی شرعی) حد نافذ کی جائے گی اور اگر اس سے انکاری ہو تو بایں الفاظ چار بار گواہیاں پیش کرے گی:

"مجھے اللہ کی قسم ہے' میں شہادت دیتی ہوں کہ اس نے مجھے زنا کرتے نہیں دیکھا' یا یہ کہ یہ حمل اسی کا ہے" اور پانچویں بار کہے گی "اگر یہ مرد اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو" اس کے بعد حاکم ان دونوں کے مابین تفریق کرا دے گا اور یہ پھر کبھی اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔

* لعان کا حکم:

شریعت اسلامیہ میں لعان ثابت ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَٰجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنفُسُهُمْ فَشَهَٰدَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٦﴾ وَٱلْخَٰمِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا۟ عَنْهَا ٱلْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٨﴾ وَٱلْخَٰمِسَةَ أَنَّ غَضَبَ ٱللَّهِ عَلَيْهَآ إِن كَانَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴾ (النور ٢٤/ ٦-٩)

"اور جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے سوا گواہ نہیں ہیں تو ان کا ایک چار بار قسم کے ساتھ گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی

لعنت ہو اور عورت سے سزا اس طرح دور ہو گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دے کہ یہ مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہ اگر یہ سچ بولنے والوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔"

اور اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے مابین لعان کرایا تھا اور اسی طرح ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے مابین بھی لعان ہوا تھا رضی اللہ عنہم (صحیح بخاری)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْمُتَلَاعِنَانِ إِذَا تَفَرَّقَا لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا»(رواه دارقطني)

"دو "لعان" کرنے والے جب جدا ہو جائیں تو کبھی اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔"

* لعان کی حکمت:

(۱) اس میں زوجین کی عزت کا تحفظ اور مسلمان کی تکریم ہے۔ (کیونکہ شرعاً لوگ باتیں نہیں بنا سکتے)

(۲) خاوند سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت سے حد زنا۔

(۳) حمل اگر واقعتاً دوسرے (غیر خاوند) کا ہے تو اس کے انکار کی قانونی گنجائش نکل آتی ہے۔

* لعان کے احکام:

(۱) مرد اور عورت دونوں عاقل و بالغ ہوں تو لعان ہو گا' اس لئے کہ مجنون اور نابالغ غیر مکلف ہیں' جیسا کہ حدیث میں ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ ـ الحديث»(روى معناه البخاري وأصحاب السنن وغيرهم)

(۲) مرد صاف دعویٰ کرے کہ اس نے عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے اور انکار حمل میں یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس عورت سے جماع ہی نہیں کیا' یا اس مدت میں جماع نہیں کیا جس میں حمل ٹھہرا ہے۔ مثلاً یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت نے اس بچے کو چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دیا ہے' ان دعووں کے بغیر لعان نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ محض الزام اور شبہ کی بنیاد پر لعان کرنا مشروع نہیں ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اے ایمان والو! اکثر ظن سے بچو! بعض ظن گناہ ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"خود کو (برے) ظن سے بچاؤ"
محض الزام کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس عورت کو طلاق دے دے' تاکہ دل کے وساوس کی شدت اور ضمیر کی ملامت سے بچ سکے۔
(۳) حاکم ایمان والوں کی ایک جماعت کے سامنے لعان کا اجراء کرائے اور انہی الفاظ سے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔
(۴) حاکم کو چاہیئے کہ خاوند کو اس انداز پر سمجھائے' جیسا کہ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:
«أَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، احْتَجَبَ اللهُ مِنْهُ وَفَضَحَهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْأَوَّلِيْنَ وَالآخِرِيْنَ»(سنن أبوداود، سنن نسائي وسنن ابن ماجة وصححه ابن حبان)
"جو شخص اپنے (حقیقی) بچے کا انکار کرتا ہے جبکہ وہ (بچہ) اس کی طرف دیکھ رہا ہو' اللہ اس سے حجاب کر لے گا اور پہلے پچھلے لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔"
اور عورت کو آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سمجھائے:
«أَيُّمَا امْرَأَةٍ دخَلَتْ عَلٰى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللهِ فِيْ شَيْىءٍ وَلَنْ يُدْخِلَهَا الْجَنَّةَ»
"جو عورت کسی برادری میں اس (بچے) کو داخل کر دیتی ہے' جو ان میں سے نہیں ہے تو اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اسے کبھی بہشت میں داخل نہیں کرے گا۔"
(۵) دونوں کے درمیان تفریق کرا دے اور اس کے بعد وہ کبھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔
فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: «اَلْمُتَلاَعِنَانِ إِذَا تفَرَّقَا لاَ يَجْتَمِعَانِ اَبَدًا»(رواه دارقطني)
"لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں تو کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔"
(۶) لعان کرنے والے خاوند سے بچے کی نسبت کٹ جائے گی' یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ وہ اس بچہ پر خرچ کرے گا۔ البتہ (کچھ احکامات میں وہ بچہ اور خاوند) احتیاطاً (باپ بیٹے کی مانند ہیں مثلاً) خاوند اس بچے کو زکوۃ نہیں دے گا نیز وہ بچہ اس کی بیٹیوں کے لئے محرم قرار پائے گا اور ان کے مابین قصاص بھی نہیں ہو گا اور نہ ہی ایک دوسرے کے حق میں ان کی شہادت معتبر ہو گی۔
اور اس کا الحاق ماں کے ساتھ ہو گا اور اسی کا وارث ہو گا' جیسا کہ دو لعان کرنے والوں کی اولاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے:
«إِنَّهُ يَرِثُ أُمَّهُ وَتَرِثُهُ»(مسند أحمد وفي سنده مقال، وعليه العمل عند الجمهور)
"یہ اپنی ماں کا وارث ہے اور اس کی ماں اس کی وارث ہے۔"

(۷) اگر کبھی لعان کرنے والا مرد خود کو جھوٹا کہے تو اولاد کا الحاق اس کے ساتھ ہو جائے گا۔

ساتواں مادہ

عدت کا بیان

* عدت کی تعریف:

خاوند سے مفارقت کے بعد عورت ایک مخصوص مدت تک انتظار کرتی ہے اس دوران وہ کسی سے (منگنی یا) شادی نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی اس (مقصد) کے لئے خود کو بنا سنوار سکتی ہے' اس مدت کو عدت کہتے ہیں۔

* عدت کا حکم:

خاوند سے ہر طرح کی جدائی کے بعد' خواہ اس کی زندگی میں ہوئی' یا اس کی موت کی وجہ سے' عورت پر عدت گزارنا فرض ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلۡمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٖۚ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں۔"

نیز فرمایا: ﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنكُمۡ وَيَذَرُونَ أَزۡوَٰجٗا يَتَرَبَّصۡنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٖ وَعَشۡرٗاۖ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳٤)

"اور جو (شوہر) تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن انتظار کریں۔"

ہاں وہ مطلقہ جسے (رخصتی کے بعد اور) جماع سے پہلے طلاق ہو گئی' اس پر عدت نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مہر ہے' البتہ اس کے لئے کسی کار آمد چیز کا تحفہ ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحۡتُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٖ تَعۡتَدُّونَهَاۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا﴾ (الأحزاب۳۳/ ٤۹)

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت نہیں ہے' جو تم شمار کرو' پس تم انہیں کچھ فائدہ (خرچہ) دے دو اور اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔"

* عدت کی حکمت:

(۱) طلاق رجعی کی صورت میں خاوند کو اپنی مطلقہ کو واپس لانے کا موقع مل سکے گا۔

(۲) نسب کو اختلاط سے محفوظ کرنے کے لئے' یعنی دوران عدت' رحم کے حمل سے صاف اور خالی

ہونے کا علم ہو جائے گا۔[1]

(۳) وفات کی عدت کی صورت میں عورت اپنے خاوند کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرے گی اور اس کے خاندان کے ساتھ مواسات و غمخواری میں شریک سمجھی جائے گی۔

* عدت کی قسمیں:

(ا) وہ مطلقہ جسے حیض آتا ہے اس کی عدت تین حیض ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور مطلقہ عورتیں تین ماہواری تک انتظار کریں۔"

آزاد عورت (جو لونڈی نہیں) کو "طہر" میں طلاق ہو گی تو اس کے بعد "حیض" پھر "طہر" پھر "حیض" پھر "طہر" ہونے کے بعد وہ آزاد ہے اور اس کی عدت پوری ہو گئی۔ اگر ہم مذکورہ آیت میں قروء کے لفظ سے "طہر" (پاکیزگی کا وقت) مراد لیں' جیسا کہ جمہور کی رائے ہے تو اس تفسیر کے مطابق تیسرے "حیض" کے آنے پر عدت ختم ہو جائے گی (کیونکہ تین طہر پورے ہو چکے ہوں گے) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر "حیض" کے دوران طلاق ہوئی ہے تو عدت میں طلاق والے حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر لونڈی کو طہر میں طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«طَلَاقُ الأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ»(سنن دارقطني وإسناده ضعيف)

"لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو ماہواری ہے۔"

(۲) جس عورت کو ماہواری ہی نہیں آتی' بڑھاپے کی وجہ سے' یا کمسنی کی بنا پر اور اسے طلاق ہو گئی تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿ وَٱلَّٰٓـِٔي يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّٰٓـِٔي لَمْ يَحِضْنَ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۴)

"تمہاری وہ عورتیں جو (عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر) حیض سے مایوس ہو گئی ہیں' اگر تمہیں (ان کی عدت کی بابت) شک ہے تو (سنو) ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی (یہی عدت ہے) جنہیں (کمسنی کی وجہ سے) ماہواری ابھی تک نہیں آئی۔"

---

(۱) اور اگر حمل ظاہر ہو گیا تو بچہ طلاق دینے والے کا شمار ہو گا۔ اگر عدت گزارے بغیر یہ خاتون نئی شادی کر لیتی اور نئے خاوند سے مجامعت حاصل ہو جاتی تو پھر بچے کی بابت یہ اشتباہ رہتا تھا کہ معلوم نہیں یہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا۔ لیکن عدت کی وجہ نسب سے خلط ملط ہونے سے بچ گیا۔ (ع' ر)

یہ آزاد عورت کی عدت ہے اور لونڈی کی عدت فقط دو ماہ ہے۔

(۳) مطلقہ حاملہ کی عدت "وضع حمل" ہے' خواہ آزاد ہو' یا لونڈی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"حمل والی عورتوں کی میعاد "وضع حمل" ہے۔"

(۴) وہ مطلقہ جو ماہواری والی ہو' مگر کسی معروف سبب (رضاعت یا بیماری) کی بنا پر اسے حیض نہیں آ رہا تو وہ حیض آنے کا انتظار کرے گی' چاہے مدت طویل ہو جائے اور اگر حیض نہ آنے کا سبب معلوم نہیں تو اس کے لئے عدت ایک سال ہے۔ نو ماہ "مدت حمل" اور تین ماہ عدت کے اور لونڈی ہو تو اس کے لئے گیارہ ماہ عدت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار میں یہی فیصلہ فرمایا تھا اور کسی نے انکار نہیں کیا تھا۔ ("صاحب مغنی" نے اس روایت کو ابن منذر کی طرف منسوب کیا ہے۔)

(۵) جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے' اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور لونڈی کے لئے دو ماہ پانچ دن اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٣٤)

"اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (بیویاں) چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔"

(۶) استحاضہ والی عورت جس کا (مدت حیض گزر جانے کے باوجود) خون نہیں تھم رہا' اگر حیض اور استحاضہ کا امتیاز کر سکتی ہے' یا اس کے لئے (استحاضہ کی) بیماری سے پہلے ماہواری کے ایام کی عادت معروف ہے تو "ایام حیض" سے ہی عدت شمار کرے گی۔ لیکن اگر وہ حیض و استحاضہ کے مابین امتیاز نہیں کر سکتی اور اس کے ہاں ایام حیض کی کوئی عادت بھی معروف نہیں ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور یہ حکم مستحاضہ کی نماز کے حکم سے اخذ کیا گیا ہے۔

(۷) جس عورت کا خاوند غائب ہو جائے اور اس کی زندگی اور موت کا کوئی علم نہ ہو رہا ہو تو وہ خبر ملنے کی امید ختم ہونے سے لے کر چار سال تک خاوند کا انتظار کرے' پھر چار ماہ دس دن مزید عدت شمار کرے (اس کے بعد چاہے تو نئی شادی کر سکتی ہے)۔

* ایک عدت میں دوسری عدت کی مداخلت:

کبھی ایک عدت میں دوسری عدت کی مداخلت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی صورتوں میں ہے:

(ا) "طلاق رجعی" کی صورت میں ایک ماہواری یا دو ماہواری کے بعد خاوند فوت ہو جائے تو عدت طلاق' عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی' چنانچہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اس کا آغاز

طلاق دینے والے خاوند کی وفات کے دن سے ہو گا' یہ اس لئے کہ رجعی طلاق والی عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے (لہٰذا وفات کے بعد وہ بحیثیت بیوہ وفات کی عدت گزارے گی)' جبکہ طلاق بائن والی عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے' چنانچہ اس کی عدت' عدت وفات کی طرف منتقل نہیں ہو گی' اس لئے کہ رجعی طلاق والی (اپنے خاوند کی) وارث ہوتی ہے' جبکہ طلاق بائن والی وارث نہیں ہوتی۔

(۲) مطلقہ کو حیض یا دو حیض کے بعد اگر حیض آنا بند ہو جائے تو تین ماہ عدت شمار کرے گی۔

(۳) چھوٹی نابالغہ مطلقہ' یا بڑی عمر کی عورت جسے ماہواری نہیں آتی' اس کو ایک ماہ یا دو ماہ کے بعد ماہواری آ جائے تو اب وہ عدت تین (ماہ نہیں بلکہ تین) حیض شمار کرے گی' لیکن اگر تین ماہ گزرنے کے بعد ماہواری آئے تو پھر اس کی عدت ختم ہو چکی ہے۔

(۴) مطلقہ عورت جو مہینوں یا "ایام ماہواری" سے عدت شمار کر رہی ہے' اگر اس اثنا میں اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت "وضع حمل" ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والیوں کی عدت "وضع حمل" ہے۔"

تنبیہ:

* استبراء رحم:

جو شخص کسی وجہ سے لونڈی کا مالک بن گیا تو وہ "استبراء رحم" (رحم کے خالی ہونے) سے پہلے وطی (جماع) نہیں کر سکتا "استبراء رحم" کی مدت ایک حیض' یا "وضع حمل" ہے' یا پھر اتنی مدت کا گزر جانا ہے جس سے واضح ہو جائے کہ یہ حاملہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ، وَلاَ غَيْرُ حَامِلٍ حَتَّى تَحِيْضَ حَيْضَةً»(رواه أبوداود بإسناد حسن وصححه الحاكم)

"وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے وطی (مجامعت) نہ کی جائے اور "غیر حاملہ" کے لئے ایک حیض کا انتظار کیا جائے۔"

اگر آزاد خاندانی عورت کے ساتھ کسی شبہ کی وجہ سے وطی ہو گئی' یا غصب (اور اغوا) کی گئی عورت سے زنا ہوا تو "استبراء رحم" کے لئے تین ماہواریاں ضروری ہیں۔ لیکن اگر ماہواری نہیں آتی تو تین ماہ عدت ہے اور اگر حاملہ ہو گئی ہے تو "وضع حمل" تک عدت ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ»(رواه الترمذي وصححه ابن حبان)

”جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکا ہے‘ وہ دوسرے کے بچے کو اپنا پانی نہ دے۔ (استبراء رحم سے قبل جماع نہ کرے“

نیز فرمایا: «لاَ تَسْقِ مَاءَكَ زَرْعَ غَيْرِكَ»(مستدرك حاكم، وأصله في سنن النسائی وإسناده لا بأس به)

”اپنا پانی غیر کی کھیتی کو نہ دے (زنا نہ کر)۔“

* سوگ اور اس کی مدت:

سوگ یہ ہے کہ عدت گزارنے والی عورت زیب و زینت اور بناؤ سنگھار نہیں کرے گی‘ چنانچہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے‘ وہ دوران عدت سوگ کرے گی۔ نیز وہ خوبصورت لباس نہ پہنے‘ مہندی اور سرمہ نہ لگائے‘ خوشبو استعمال نہ کرے اور زیورات نہ پہنے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَحِلُّ لامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

”جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکی ہے‘ اس کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے‘ البتہ اپنے خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔“

نیز ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كُنَّا نُنْهٰى أَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثِ لَيَالٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، وَلاَ نَكْتَحِلَ وَلاَ نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا إِلاَّ ثَوْبَ عَصْبٍ»(صحيح بخاري)

”ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ ہم کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں۔ البتہ خاوند پر چار ماہ دس دن کا سوگ ہے اور یہ (حکم دیا گیا) کہ دوران عدت ہم سرمہ نہ ڈالیں‘ اور یمنی لکیردار چادروں کے سوا رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنیں۔“

عدت والی عورت (دوران عدت) اپنے گھر سے باہر نہ جائے‘ اگر کسی ضروری کام کے لئے جانا پڑ جائے تو رات اپنے گھر ہی آ کر رہے‘ جہاں خاوند کے فوت ہوتے وقت یہ تھی۔ اس لئے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے خاوند کی وفات کے بعد وہاں سے اپنے میکے جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا:

«اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ الَّذِيْ أَتَاكِ فِيْهِ نَعْيُ زَوْجِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ»(سنن ترمذي وصححه)

”جس گھر میں تجھے اپنے خاوند کی موت کی خبر آئی‘ اسی میں رہ‘ یہاں تک کہ عدت پوری ہو

جائے۔"

چنانچہ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن کی عدت پوری کی۔

آٹھواں مادہ

نفقات کا بیان

* نفقہ کی تعریف:

اس طعام و لباس اور رہائش کو نفقہ کہتے ہیں جو کسی مستحق کے لئے دینا ضروری ہو۔

* کن لوگوں پر اور کن کے لئے واجب ہے؟

چھ قسم کے لوگ نفقہ کے مستحق ہوتے ہیں:

(۱) بیوی کا نفقہ خاوند پر ہوتا ہے جبکہ اس کے نکاح میں ہو یا "طلاق رجعی" کی عدت میں ہو۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلاَ حَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ»(سنن ترمذي وصححه)

"عورتوں کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ لباس اور طعام میں ان کے ساتھ اچھا رویہ اپناؤ"

(۲) مطلقہ بائنہ اگر حاملہ ہے تو ایام عدت کا نفقہ خاوند پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن كُنَّ أُوْلَٰتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُواْ عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۶)

"اور اگر حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان پر خرچ کرو۔"

(۳) ماں باپ کا نفقہ اولاد پر ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (البقرة۲/ ۸۳)

"اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک اختیار کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اچھے رویہ کے لئے سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے تین بار فرمایا "تیری ماں" اور چوتھی بار فرمایا "تیرا باپ۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) چھوٹی اولاد کا خرچ والد کے ذمہ ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱرْزُقُوهُمْ فِيهَا وَٱكْسُوهُمْ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ (النساء٤/ ٥)

"اور اس میں سے ان (اولاد) کو روزی دو اور لباس مہیا کرو اور ان کے لئے اچھی بات کہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَيَقُوْلُ الْوَلَدُ أَطْعِمْنِيْ إِلٰى مَنْ تَدَعُنِيْ؟»(مسند أحمد وسنن دارقطني بسند صحيح)

"اور بچہ (والد سے) کہے مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ مجھے طعام دے۔"[1]

(۵) خادم کا خرچ اس کے سردار پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلاَ يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَالاَ يُطِيْقُ» (صحيح مسلم)

"غلام کے لئے کھانا اور لباس رواج کے مطابق ہے اور اس سے اتنا کام بھی نہ لیا جائے جو وہ برداشت نہ کر سکے۔"

(۶) جانوروں کی ذمہ داری ان کے مالکوں پر ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَخَلَتِ النَّارَ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوْعًا، فَلاَ هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلاَ أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ» (صحيح بخاري)

"ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ اس نے اسے باندھ رکھا تھا اور وہ مرگئی' نہ کھانا دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے جانور کھا کر گزارہ کرتی۔"

* نفقہ کی واجب مقدار:

نفقہ میں کھانے اور پینے کی مقدار میں کوئی اختلاف نہیں' جس سے زندگی قائم رہ سکے اور لباس جو گرمی' سردی سے بچائے اور رہائش جو آرام اور رہنے کے لئے کافی ہو۔ جبکہ اختلاف کثرت و قلت میں ہے' یا عمدہ اور گھٹیا ہونے میں ہے اور یہ دینے والے اور لینے والے کے اپنے اپنے احوال پر مبنی ہوتا ہے' اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ معاملہ مسلمان قاضیوں کے سپرد کیا جائے۔ وہی مختلف احوال و ظروف اور عادات کا جائزہ لے کر (نفقہ کی مقدار اور معیار کا) تعین کریں گے۔

* نفقہ کب ساقط ہوتا ہے؟:

(۱) عورت نافرمان ہو جائے' یا مرد کو جماع کا موقع ہی نہ دے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا' اس لئے کہ بیوی کا خرچ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کے گھر میں ٹھیک طرح سے آباد ہو۔ جب یہ چیز نہیں تو نفقہ بھی ساقط ہو گیا۔

---

(۱) یعنی نابالغ یا محتاج بچے کا خرچہ والد پر ہے لہٰذا والد کو چاہیے کہ صدقہ و خیرات کرنے کی بجائے اپنے بچے کو خرچہ دے ایسا نہ ہو کہ بچہ اپنی کمسنی' معذوری یا محتاجی کی وجہ سے سراپا سوال بن کر والد کی طرف دیکھتا رہے گویا کہہ رہا ہے: "ابا جان! مجھے آپ کس کے حوالے کر رہے ہیں؟ مجھے کھانا دیں"۔ اسی طرح اگر والدین ضرورت مند ہوں اور اولاد کھاتی پیتی ہو تو وہ والدین کی ذمہ دار ہے۔ (ع' ر۔ ماخوذ از تیسیر الباری)

(۲) رجعی طلاق والی عورت کی عدت ختم ہو جائے تو خاوند پر اس کا نان و نفقہ نہیں ہے' اس لئے کہ عدت پوری ہونے سے وہ اس مرد سے جدا ہو گئی ہے۔

(۳) مطلقہ حاملہ کو "وضع حمل" ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جاتا ہے' الا یہ کہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے تو رضاعت کی اجرت دینا طلاق دینے والے پر لازم ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا۟ بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ﴾ (الطلاق٦٥/ ٦)

"اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) آپس میں اچھا مشورہ کرو۔"

(۴) ماں باپ غنی ہو جائیں یا ان کی اولاد اس قدر محتاج ہو جائے کہ اپنی یومیہ روزی کے قابل بھی نہ رہے تو اس سے ماں باپ کا خرچ ساقط ہو جائے گا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتا ہے۔

(۵) لڑکا بالغ ہو جائے یا لڑکی کی شادی ہو جائے تو باپ پر خرچ نہیں ہے' الا یہ کہ لڑکا لنگڑا یا مجنون ہو تو باپ کو خرچ دینا پڑے گا۔

تنبیہ:

مسلمان پر اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی ضروری ہے' چاہے باپ کی طرف سے قرابت ہو' یا ماں کی طرف سے۔ اگر ان میں سے کوئی کھانے' یا لباس' یا رہائش کا ضرورت مند ہے تو وسعت کے مطابق تعاون کرے اور اس بارے میں پہلے قریبی کو دیکھے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ: أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ»(سنن نسائی وسنن دارقطني)

"دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور جو تمہارے عیال (ذمہ داری) میں ہے' اس پر پہلے خرچ کرو۔ نیز ماں' باپ' بہن' بھائی اور پھر سب سے قریبی قرابت دار۔"

* جانوروں کی دیکھ بھال ضروری ہے:

اگر جانور کا مالک اپنے جانوروں کو خوراک مہیا نہیں کر پا رہا تو انہیں بیچ دیا جائے' یا ذبح کر دیئے جائیں تاکہ وہ بھوک کے عذاب میں مبتلا نہ رہیں' اس لئے کہ جانوروں کو عذاب دینا حرام ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:

«دَخَلَتِ النَّارَ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوْعًا، فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»(صحيح بخاري)

"ایک عورت بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔ اس نے اسے بند کر دیا حتیٰ کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ نہ اسے کھانا کھلایا اور نہ اسے چھوڑا تا کہ وہ زمینی جانور کھا کر زندہ رہتی۔"

نواں مادہ حضانت (نابالغ کی تربیت) کا بیان

* حضانت کی تعریف:

بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک چھوٹے بچے کو اپنے پاس رکھنا اور اس کی تربیت کرنا "حضانت" کہلاتا ہے۔

* حضانت کا حکم:

چھوٹے بچے کے جسم' عقل اور دین کی حفاظت کے لئے حضانت لازم ہے۔

* حضانت کس پر واجب ہے؟

اس کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے اگر وہ موجود نہیں ہیں تو رشتہ داروں میں جو زیادہ قریب ہے' اس کی ذمہ داری ہے' اگر کوئی قرابت دار بھی نہیں ہے تو یہ حکومت یا عام مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

* حضانت میں کس کا حق زیادہ ہے؟

بچے کے ماں باپ کے مابین طلاق' یا وفات کی وجہ سے جدائی ہو گئی ہو تو ماں کا حق تربیت سب سے مقدم ہے' جب تک وہ نکاح نہیں کرتی۔ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی کہ میرا بچہ اس کے باپ نے چھین لیا ہے تو آپ نے فرمایا:

«أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِيْ»(مسند أحمد وسنن أبي داود وصححه الحاكم)

"جب تک تو نکاح نہ کرے' اس کی زیادہ حق دار تو ہے۔"

اگر ماں موجود نہیں تو اس کے بعد نانی حق دار ہے۔ اگر وہ بھی نہیں تو خالہ' اس لئے کہ نانی ماں سمجھی جاتی ہے اور خالہ ماں کے مرتبے میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"خالہ ماں کی جگہ پر ہے۔"

اگر یہ بھی نہیں ہیں تو دادی تربیت کرے گی' وہ بھی نہیں تو بہن اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھوپھی اور اگر پھوپھی بھی نہیں ہے تو بچے کی بھتیجی لیکن اگر ان میں سے کوئی تربیت کے لئے موجود نہیں ہے تو بچے کی "حضانت" باپ کی طرف منتقل ہو گی' پھر دادا' پھر بھائی' پھر بھائی کا بیٹا اور پھر چچا اور اسی طرح

قریب ترین عصبہ اور حقیقی بھائی پدری بھائی (جو صرف باپ کی طرف سے ہو) پر "حق فائق" رکھتا ہے' جس طرح کہ حقیقی بہن' پدری بہن پر مقدم ہے۔[1]

* حضانت کب ساقط ہوتی ہے؟

حضانت میں چونکہ بچے کی نگہداشت اصل مقصود ہے' جس سے اس کی جسمانی' عقلی اور روحانی تربیت ہو اور جس شخص کے ذریعہ یہ اغراض حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو اس کا "حق حضانت" ختم ہو جاتا ہے' جیسا کہ ماں' اگر اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے تو اس کا حق ختم ہو جائے گا' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِيْ»(مسند أحمد وسنن أبي داود وصححه الحاكم)

"جب تک تو (نئے خاوند سے) نکاح نہ کرے' اس کی (پرورش کرنے کی تو) زیادہ حق دار ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ اجنبی کے ساتھ نکاح کی صورت میں' وہ اپنے بچے کی نگہداشت اور حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اسی طرح درج ذیل صورتوں میں "حضانت" کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے:

* عورت مجنون یا کم عقل ہے۔
* متعدی امراض جذام وغیرہ میں مبتلا ہے۔
* بچے کی حفاظت اور اس کے جسم و عقل کی تربیت کرنے سے عاجز ہے۔
* وہ کافرہ ہے جس سے بچے کے دین و عقائد خراب ہونے کا خطرہ ہے۔

* حضانت کی مدت:

بچے کے بالغ ہونے تک حق حضانت باقی رہتا ہے اور اسی طرح لڑکی کی شادی' رخصتی اور خاوند کے اس سے جماع کرنے تک اس کی حضانت کا حق باقی رہتا ہے۔ ہاں بیوی اگر اپنے خاوند سے الگ ہو گئی ہے اور اکیلی اپنی اولاد کی تربیت کر رہی ہے تو اگر لڑکی زیر تربیت ہے تو اسے سات سال تک اپنے پاس رکھ سکے گی' اس کے بعد وہ والد کی طرف منتقل ہو گی۔ کیونکہ سات سال کے بعد والد تمام پرورش کرنے والیوں سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ اپنی بچی کی پرورش کرے۔ البتہ لڑکا سات کا ہو جائے تو اسے ماں اور باپ کے مابین اختیار دیا جائے گا' چنانچہ وہ جس کے ساتھ جانا چاہے جا سکتا ہے اور اگر وہ کسی ایک کو اختیار نہ کرے اور دونوں اسے لینے کا مطالبہ کرتے ہوں تو ان کے مابین قرعہ اندازی کی جائے گی۔

---

(۱) یعنی حقیقی بہن کا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے نابالغ بھائی کی تربیت کرے واللہ اعلم (ع' ر)

* اولاد کا نفقہ اور حضانت کی اجرت:

بچے اور تربیت کرنے والی کا "نفقہ" بچے کے باپ پر' اس کے مالی حالات کے مطابق ہے۔ اس لئے کہ تربیت کرنے والی دودھ پلانے والی کی طرح ہے جو کہ دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ فَإِنۡ أَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٦)

"اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلاتی ہیں تو ان کی مزدوری دو۔"

الاّ یہ کہ تربیت کرنے والی خود ہی "حق حضانت" نہ لینا چاہے۔ یاد رہے کہ بچے کا نفقہ اور تربیت کرنے والی کی اجرت کا معیار بچے کے والد کے مالی حالات اور استعداد کے مطابق ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِيُنفِقۡ ذُو سَعَةٖ مِّن سَعَتِهِۦۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهُۥ فَلۡيُنفِقۡ مِمَّآ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُۚ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا مَآ ءَاتَىٰهَاۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٧)

"وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جسے روزی کی تنگی ہے تو جو اللہ نے اس کو دیا ہے' اس کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ ہر نفس کو اسی کا پابند کرتا ہے' جو اس نے اس کو دیا۔"

* زیر پرورش بچے کا ماں کے پاس آنا جانا:

سات سال کی عمر میں بچے کو اگر اختیار دیا گیا اور اس نے ماں کا انتخاب کر لیا تو رات کے وقت اس کے پاس رہے گا اور دن کے وقت باپ کے پاس اور اگر اس نے باپ کو اختیار کیا ہے تو دن رات اس کے پاس ہی رہے گا' اس لئے کہ دن میں باپ کے پاس رہنے سے اکثر حالات میں اس کی تعلیم و تربیت بہتر طریق سے ہو گی' جبکہ ماں کے پاس رہنے میں اس کا امکان عام حالات میں کم ہے۔ مگر اس صورت میں جبکہ اس نے باپ کو اختیار کیا ہے' وہ جس وقت بھی ماں کو ملنے جانا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔ اس لئے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور نافرمانی حرام ہے۔

* بچے کے ساتھ سفر کرنا:

اگر والدین میں سے کوئی ایک سفر پر جانا چاہتا ہے جس کے بعد وہ اپنے شہر واپس آ جائے گا تو (نابالغ) بچہ ان میں سے مقیم کے پاس رہے گا اور اگر سفر پر جانے والا واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر بچے کی مصلحت کو دیکھا جائے' اگر اس کے لئے سفر پر جانا بہتر ہے تو چلا جائے ورنہ مقیم کے پاس رہے' اس لئے کہ اس بارے میں اصل ہدف زیر تربیت بچہ کی مصلحت ہے۔

* زیر پرورش بچہ پرورش کنندہ کے پاس امانت ہے:

تربیت کرنے والی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کے زیر تربیت بچہ اس کے پاس امانت ہے' جس کی نگہداشت اور حفاظت اس کی ذمہ داری قرار پائی ہے' اگر وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ اس کام سے عاجز ہے اور بھرپور انداز میں اس کی تربیت و رعایت نہیں کر سکتی تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس سے دست بردار ہو جائے اور بچہ کسی دوسرے کے حوالے کر دے جو اس کی صحیح تربیت و حفاظت کر سکے۔ باپ سے "اجرت حضانت" وصول کرنا ہی اس کا اصل مقصد نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے وہ نا اہلی کے باوجود بچے کو اپنے پاس رکھنے پر بضد رہے۔ بلکہ بچے کے متولی کی طرح اس کے پیش نظر بھی محض بچے کی مصلحت ہونی چاہیے' یعنی اس کی جسمانی' عقلی اور روحانی تربیت۔ قاضی پر بھی لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اس بارے میں بچے کی مصلحت کو ہی مد نظر رکھے' اس لئے کہ "حضانت" میں شارع علیہ السلام کا اصل مقصود بچے کی حفاظت ہے' دیگر کوئی چیز نہیں ہے۔

ساتویں فصل

وراثت کا بیان

[اس میں بارہ مادے ہیں]

پہلا مادہ

وراثت کا حکم

مسلمانوں میں ایک دوسرے کا وارث ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾ (النساء ٤/ ٧)

"جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ مریں' تھوڑا ہو یا زیادہ' اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی' یہ (اللہ کے) مقرر کئے ہوئے حصے ہیں۔"

اور فرمایا: ﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَٰدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ﴾ (النساء ٤/ ١١)

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔"[1]

(۱) یعنی والدین میں سے کوئی ایک وفات پا جائے تو اس کے ترکہ میں سے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہو گا۔ (ع' ر)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مقررہ حصے ان کے مستحقوں کو دو اور جو باقی بچے وہ (میت کے) قریب ترین مرد (رشتے دار) کا حصہ ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(رواه أبوداود وغيره من أصحاب السنن)

"اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے' بنا بریں وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔"(۱)

دوسرا مادہ — وراثت کے اسباب' موانع اور شرائط

الف۔ اسباب وراثت:

تین اسباب وراثت میں سے کسی ایک کی وجہ سے انسان کسی دوسرے کا وارث بن سکتا ہے' اور وہ یہ ہیں:

(۱) **نسبی قرابت:** یعنی وارث میت کے اصول یعنی باپ دادا میں سے ہو' یا فروع یعنی اولاد میں سے ہو' یا حواشی (یعنی اطراف' مثلاً بھائی اور ان کی اولاد' چچا اور اس کی اولاد) میں سے ہو۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾ (النساء٤/ ٣٣)

"اور ہر ایک مال میں جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں' ہم نے حقدار مقرر کیے ہیں۔"

(۲) **نکاح:** عورت کے ساتھ صحیح عقد کا نام نکاح ہے' چاہے رخصتی اور خلوت (جماع) حاصل ہو یا نہ ہو۔ (میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ۞ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٢)

"اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے نصف ہے۔"

---

(۱) یعنی قریب المرگ شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جو شخص پہلے ہی شرعاً حصہ دار ہے اسے تہائی (یا اس سے کم) مال دینے کی وصیت کرے الا یہ کہ باقی ورثاء رضا مند ہوں واللہ اعلم (ع' ر)

میاں، بیوی طلاق رجعی کی صورت میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے (جبکہ بیوی ابھی عدت میں ہو)، نیز مرض الموت میں طلاق دینے والے شخص کی مطلقہ بیوی بائنہ ہونے کے باوجود اس کی وارث ہو گی۔[1]

(۳) ولاء: یعنی ایک شخص نے کسی غلام، یا لونڈی کو آزاد کیا ہے تو اس آزادی کے سبب آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام اور لونڈی کا وارث ہو گا، چنانچہ اگر آزاد شدہ فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والا اس کا وارث ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"(آزاد کردہ کی) ولاء (حق وراثت) اس شخص کے لئے ہے، جس نے اسے آزاد کیا۔"

ب - موانع وراثت: سبب وراثت کی موجودگی کے باوجود بعض موانع (رکاوٹیں)، وارث کو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، اور وہ حسب ذیل ہیں:

(ا) کفر: رشتہ داری کے باوجود مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو گا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، وَلَا الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

(۲) قتل: قاتل نے اگر جان بوجھ کر کسی (قریبی) کو قتل کر دیا ہو تو سزا کے طور پر اسے مقتول کی جائیداد سے محروم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنْ تَرِكَةِ الْمَقْتُوْلِ شَيْءٌ»(رواه ابن عبدالبر وصححه)

"قاتل کو مقتول کی جائیداد سے کچھ نہیں ملتا۔"[2]

(۳) غلام ہونا: غلام نہ خود وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے (سوائے مالک کے)، چاہے مکمل غلام ہو یا ناقص، مثلاً مکاتب،[3] ام ولد،[4] اور وہ غلام جس کا بعض حصہ آزاد[5] ہو، اس لئے

---

(۱) کیونکہ زندگی سے مایوس ہو کر طلاق دینے کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ بیوی کو وراثت سے محروم رکھنا چاہتا ہے جو کہ باطل ہے واللہ اعلم (ع، ر)

(۲) یہ اس لئے فرمایا تا کہ جائیداد کے لالچ میں کوئی کسی کو قتل نہ کرے۔ (ع، ر)

(۳) وہ غلام جس نے اپنے مالک سے ایک مخصوص رقم کی بالاقساط ادائیگی کے عوض (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر)

کہ لفظ "رقیق" کا اطلاق مذکورہ بالا تمام غلاموں پر ہوتا ہے' البتہ بعض علماء نے موخر الذکر (ناقص غلام) کو مستثنیٰ قرار دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اس کا جتنا حصہ آزاد ہو چکا ہے' وہ اسی کے مطابق وارث بنے اور بنائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے اس غلام کے بارے میں روایت کرتے ہیں' جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو:

«فِي الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهُ: يَرِثُ وَيُوْرَثُ عَلٰى قَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ»(المغنی)

"ناقص آزاد کردہ غلام' آزادی کے مطابق ہی وارث اور موروث ہو گا۔" (یعنی اس کا وارث بنا جائے گا)

(۴) **زنا:** حرام زادہ (زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ) اپنے باپ (زانی) کا وارث نہیں ہو گا اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہو گا' البتہ وہ اپنی ماں کا وارث ہو گا اور ماں اس کی وارث ہو گی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

"اولاد صاحب بستر (بدکار عورت) کی ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں (یعنی رجم کیا جائے گا)"

(۵) **لعان:** لعان بھی مانع وراثت ہے' چنانچہ لعان کرنے والے میاں بیوی کا بیٹا' باپ کا اور باپ اس بیٹے کا وارث نہیں ہو گا' یاد رہے کہ اس کو حرام زادے پر قیاس کیا جائے گا۔

* (واضح ہو کہ لعان میں باپ' بیٹے کو قبول کرنے سے انکاری ہوتا ہے۔ مترجم)

(۶) **مردہ پیدا ہونا:** وضع حمل کے وقت جس بچے کے منہ سے آواز نہ نکلے اور وہ مردہ پیدا ہو' وہ نہ تو خود وارث ہو گا اور نہ اس کا کوئی وارث بنے گا۔ اس لئے کہ وراثت کا تعلق زندگی کے وجود سے ہوتا ہے' جس کے نتیجہ میں یہ حاصل ہوتی ہے' جبکہ یہاں زندگی مفقود ہے۔

ج۔ **وراثت کی شرائط:** صحت وراثت کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(ا) مندرجہ بالا موانع میں سے کوئی مانع نہ ہو' اس لئے کہ مانع وارثت کو باطل کر دیتا ہے۔

(پچھلے صفحہ کے حواشی) آزادی کا تحریری معاہدہ کر رکھا ہو بعد میں اگر وہ یکمشت ادائیگی کا بندوبست کر لے تو بھی درست ہے ورنہ جس قدر وہ رقم ادا کر چکا ہے اس قدر وہ آزاد ہے اور جتنی رقم اس کے ذمہ ہے اس قدر وہ غلام ہے' واللہ اعلم (ع' ر)

(۳) یعنی وہ لونڈی جس نے مالک کا بچہ جنا ہو مالک کی وفات کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے (محمد عبدالجبار ڈیروی)

(۴) مثلاً دو آدمی اس کے مالک تھے پھر ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا وغیرہ۔ (ع' ر)

(۲) موروث (جس کا ترکہ تقسیم کرنا مقصود ہے) کی وفات ہو چکی ہو' چاہے حکمی طور پر یعنی عدالت نے فیصلہ دیا ہو کہ فلاں گمشدہ انسان مردہ تصور کیا جائے اس لئے کہ زندہ کو میت نہیں کہا جا سکتا (اور جو میت نہیں اس کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جا سکتا)۔

(۳) موروث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا' چنانچہ اگر کسی عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس وقت اس عورت کی اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے تو یہ بچہ بھی اپنے بھائی کا وارث ہو گا' بشرطیکہ یہ بچہ زندہ پیدا ہو' اس لئے کہ جس دن اس کا بھائی فوت ہوا یہ (شکم مادر میں) زندہ تھا۔ تاہم اگر وفات کے بعد عورت حاملہ ہو تو وہ بچہ پہلے مرنے والے بھائی کا وارث نہیں ہو گا۔

تیسرا مادہ — مردوں اور عورتوں میں سے کون کون وارث ہیں؟

الف۔ مردوں میں تین قسم کے لوگ وارث ہوتے ہیں:

(ا) خاوند۔ عورت فوت ہو جائے تو اس کا خاوند اس کا وارث ہو گا' اگرچہ عورت طلاق کی عدت میں فوت ہوئی ہو' تاہم اگر وہ عدت گزرنے کے بعد فوت ہوئی تو وہ اس کا وارث نہیں ہو گا (کیونکہ وراثت پانے کا سبب یعنی ازدواجی رشتہ ہی ختم ہو گیا)۔

(۲) آزاد کرنے والا اور اس کی وفات کی صورت میں اس کے مذکر عصبہ[1] آزاد کردہ غلام کی وفات پر اس کے وارث ہوں گے۔

(۳) قرابت دار۔ ان کی تین قسمیں ہیں: اصول' فروع اور حواشی۔

اصول میں باپ' دادا' اوپر تک' (پڑدادا وغیرہ) اور فروع میں بیٹا' پوتا' نیچے تک (پڑپوتا وغیرہ) سب شامل ہیں' اسی طرح حواشی قریبہ میں بھائی اور ان کے بیٹے اور ان کے بیٹے نیچے تک اور مادری[2] بھائی سب داخل ہیں اور حواشی بعیدہ میں چچا اور چچا کے بیٹے اور ان کے بیٹے نیچے تک سب داخل ہیں' چاہے وہ (چچے) حقیقی ہوں' یا پدری (باپ کے حقیقی بھائی ہوں یا پدری) اور یہ تمام مرد وارث ہوتے ہیں' مگر اس کا مقصد یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک ہی ترکہ میں سب وارث ہیں' اس لئے کہ بعض ورثاء بعض وارثوں کے لئے حاجب (رکاوٹ) ہوتے ہیں' مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے دادا اور مادری بھائی وارث نہیں ہوتے اور بیٹا بھائی کے لئے حاجب ہے اور بھائی چچا کو محروم کر دیتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

---

(۱) عصبہ: میت کے وہ رشتہ دار جن کے حصے کتاب و سنت میں مقرر نہیں ہیں تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں (الف) حقیقی:۔ جن کے والدین ایک ہوں۔ (ب) پدری: جن کا والد ایک اور مائیں مختلف ہوں۔ (ج) مادری: جن کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوں۔ (ع' ر)

اگر مذکورہ بالا تمام رشتے دار ایک ہی ترکہ میں اکٹھے ہو جائیں تو ان میں سے صرف تین وارث ہوں گے: (ا) خاوند۔ (۲) بیٹا۔ (۳) باپ (باقی ان تینوں کی وجہ سے محروم ہوں گے)

ب۔ وارث خواتین:

خواتین میں تین قسم کی عورتیں وارث ہوتی ہیں:

(ا) بیوی

(۲) آزاد کرنے والی مالکہ۔

(۳) قرابت دار اور ان کی تین قسمیں ہیں:

* اصول: یعنی ماں' دادی اور نانی۔
* فروع: یعنی بیٹی' پوتی اور نیچے تک (پڑپوتی وغیرہ)۔
* حاشیہ قریبہ: بہن مطلقاً حاشیہ قریبہ ہے (خواہ حقیقی ہو' پدری ہو یا مادری)۔

تنبیہ:

پھوپھی' خالہ' نواسی اور اس کی اولاد' بھتیجی اور چچا زاد بہن مطلقاً وارث نہیں ہوتیں.

چوتھا مادہ

مقررہ حصص کا بیان

قرآن مقدس کی سورۂ نساء میں چھ مقررہ حصوں کا ذکر ہوا ہے' جو کہ یہ ہیں:

* نصف (۱/۲) (کل مال کے دو حصوں میں ایک):

پانچ افراد اس کے مستحق ہوتے ہیں:

(ا) خاوند۔ [1] اگر مرنے والی (بیوی ہو اور اس) کی اولاد' یا اولاد کی اولاد نہ ہو' برابر ہے کہ یہ (اولاد) مرد ہوں یا خواتین۔

(۲) بیٹی جب اکیلی ہو' اس کے ساتھ کوئی اور بیٹا یا بیٹی نہ ہو۔

(۳) پوتی۔ یہ صرف اسی صورت میں وارث ہو گی' جب یہ اکیلی ہو اور اس کے ساتھ (میت کی)

(ا) یعنی میت کا خاوند' یاد رہے کہ علم وراثت میں جب مطلقاً کسی رشتہ دار کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے میت کا رشتہ دار مراد ہوتا ہے اور اگر کسی وارث کے رشتہ دار کا ذکر مقصود ہو تو وہاں صراحت کرنا پڑتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

اولاد یا پوتا نہ ہو۔

(۴) حقیقی بہن۔ جبکہ اس کے ساتھ میت کا بھائی' باپ' بیٹا اور پوتا نہ ہو۔

(۵) پدری بہن۔ جبکہ وہ اکیلی ہو اور اس کے ساتھ میت (کی حقیقی بہن) بھائی' باپ' بیٹا اور پوتا نہ ہو۔

* ربع (چوتھائی) (۱/۴) (مال کے کل چار حصوں میں کوئی ایک حصہ):

دو افراد اس کے مستحق ہیں:

(۱) خاوند۔ اگر مرنے والی بیوی کی اولاد' یا اولاد کی اولاد ہو' برابر ہے کہ وہ بچے ہوں' یا بچیاں' پوتے ہوں یا پوتیاں۔

(۲) بیوی۔ اگر مرنے والے خاوند کی اولاد' یا اولاد کی اولاد نہ ہو' برابر ہے کہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔

* ثمن (آٹھواں حصہ) (۱/۸) (کل آٹھ حصوں میں سے ایک):

اس کا صرف ایک فرد وارث ہوتا ہے اور وہ بیوی ہے' تاہم یہ اس وقت ثمن لیتی ہے جب خاوند کی اولاد ہو (چاہے اس بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے)' یا اولاد کی اولاد ہو' برابر ہے کہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔ واضح ہو کہ اگر مرنے والے (خاوند) کی کئی بیویاں ہوں تو وہ سب ثمن (یعنی آٹھویں حصے) کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

* ثلثان (دو تہائی) (۲/۳) (کل تین حصوں میں دو حصے):

اس کے درج ذیل چار قسم کے وارث ہوتے ہیں:

(۱) دو یا زیادہ بیٹیاں۔ جب ان کے ساتھ میت کا بیٹا (یعنی ان کا بھائی) نہ ہو۔

(۲) دو یا زیادہ پوتیاں۔ یہ اس وقت ۲/۳ کی وارث ہوتی ہیں' جب میت کی صلبی (حقیقی) اولاد: بیٹے' بیٹیاں' یا پوتا (یعنی ان کا بھائی) نہ ہو۔

(۳) دو یا زیادہ حقیقی بہنیں۔ یہ اس وقت ۲/۳ کی مستحق ہوں گی' جب میت کا باپ' مذکر و مؤنث حقیقی اولاد اور حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔

(۴) دو یا زیادہ پدری بہنیں۔ جب ان کی ساتھ میت کا باپ' مذکر و مؤنث صلبی اولاد اور حقیقی بہن بھائی یا پدری بھائی موجود نہ ہوں۔

* ثلث (ایک تہائی) (۱/۳) (کل تین حصوں میں سے ایک):

درج ذیل تین افراد اس (حصے) کے وارث ہیں:

(۱) ماں۔ اگر مرنے والے (بیٹے) کی مذکر و مؤنث اولاد' یا اولاد کی اولاد نہ ہو اور نہ اس کے دو یا دو

سے زیادہ بھائی بہنیں ہوں۔

(۲) دو یا دو سے زیادہ مادری بھائی۔ بشرطیکہ مرنے والے کا باپ ' دادا اور اولاد ' یا اولاد کی اولاد نہ ہو ' برابر ہے کہ وہ مرد ہوں ' یا خواتین (یعنی میت کلالہ ہو) [1] ۔

(۳) دادا۔ اگر میت کے بہن بھائی موجود ہوں اور ایک تہائی (۱/۳) اس کے لئے بڑا (کافی اور) وافر حصہ ہو ' تاہم یہ اس صورت میں ہو گا جب دو سے زیادہ بھائی یا چار سے زیادہ بہنیں ہوں۔

تنبیہ:

باقی مال کا ثلث: یہ دو صورتیں ہیں جن میں ماں کو کل ترکہ کا ثلث (۱/۳) کی بجائے (دوسروں کو دے کر) باقی مال کا ثلث ملتا ہے:

(۱) ایک عورت فوت ہو گئی اور اپنے پیچھے صرف خاوند ' باپ اور ماں کو چھوڑ گئی ' اس صورت کا مخرج (اصل مسئلہ) چھ سے بنے گا: [2]

نصف (یعنی چھ کا نصف تین) خاوند کے لئے اور باقی نصف (تین) میں سے ماں کے لئے تہائی (یعنی ایک) ہو گا ' جبکہ باقی دو حصے عصبہ ہونے کی وجہ سے باپ کو مل جائیں گے۔

(۲) ایک شخص فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے صرف بیوی ' ماں اور باپ کو چھوڑ گیا ' تو اس کا مسئلہ چار سے بنے گا ' جس میں سے چوتھائی ۱/۴ (یعنی ایک) بیوی کا اور باقی (تین حصوں) میں سے ایک تہائی ۱/۳ (یعنی ایک حصہ) ماں کے لئے اور باقی دو عصبہ ہونے کی بنا پر باپ کے لئے ہوں گے۔

ان دونوں صورتوں میں ماں کو کل ترکہ کا ثلث نہیں ' بلکہ باقی کا ثلث ملتا ہے ' یہی فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا ' اسی لئے یہ دونوں مسئلے "عمریتین" کے نام سے معروف ہیں۔

* سدس (چھٹا) (۱/۶) (ترکہ کے کل چھ حصوں میں ایک):

درج ذیل سات افراد اس کے مستحق ہیں:

(۱) ماں: اگر میت کی اولاد ' یا اولاد کی اولاد ہو یا دو یا دو سے زیادہ حقیقی ' یا پدری یا ' مادری بھائی بہنیں

---

(۱) بہن بھائی حقیقی ہوں ' پدری ہوں یا مادری ہوں ' یہ صرف اس میت کے وارث ہوتے ہیں جو کلالہ ہو یعنی اس کی اولاد ہو نہ باپ۔ (ع ' ر)

(۲) اصل مسئلہ : ایسا چھوٹے سے چھوٹا عدد جس سے مقررہ حصے کسر کے بغیر تقسیم ہو جائیں ' یہاں "اصل مسئلہ چھ سے بنے گا" سے مراد یہ ہے کہ اگر ترکہ (میت کا مال) کے کل چھ حصے کئے جائیں تو وہ مذکورہ ورثاء میں کسر کے بغیر تقسیم ہو جائیں گے واللہ اعلم (ع ' ر)

ہوں' برابر ہے کہ وہ وارث ہوں' یا مجوب۔[1]

(۲) نانی: اگر میت کی ماں نہ ہو تو نانی اکیلی وارث ہو گی اور اگر اس کے ساتھ (میت کی) دادی بھی ہو تو وہ دونوں سدس (۱/۶) کو برابر تقسیم کریں گی۔

تنبیہ: وراثت میں اصل جدہ ام الام (نانی) ہے' جبکہ جدہ ام الاب (دادی) کو اس پر محمول کیا جاتا ہے۔

(۳) باپ علی الاطلاق چھٹے حصے کا وارث ہوتا ہے' چاہے مرنے والے (بیٹے یا بیٹی) کی اولاد ہو' یا نہ ہو۔

(۴) دادا۔ یہ باپ کی عدم موجودگی میں وارث ہوتا ہے' کیونکہ یہ اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔

(۵) مادری بھائی یا بہن۔ اگر مرنے والے کا باپ' دادا' اولاد اور اولاد کی اولاد نہ ہو (یعنی میت کلالہ ہو)' نیز یہ کہ صرف مادری بھائی یا صرف مادری بہن ہو' ان کے ساتھ (میت کا) کوئی اور بھائی یا بہن موجود نہ ہو۔

(۶) پوتی یا پوتیاں۔ اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو' نیز پوتی کا کوئی بھائی (پوتا) موجود نہ ہو اور نہ اس کے مساوی درجہ میں اس کے چچا کا کوئی بیٹا ہو (یعنی پوتی کا چچا یا تایا زاد بھائی بھی نہ ہو)' برابر ہے کہ ۱/۶ کی وارث ایک پوتی ہو' یا زیادہ۔ (زیادہ پوتیاں ہوں تو سدس سب پر برابر تقسیم ہو جائے گا)۔

(۷) پدری بہن۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ ایک حقیقی بہن (بھی) موجود ہو۔ نیز اس کے ساتھ کوئی پدری بھائی' ماں' دادا اور اولاد' یا اولاد کی اولاد نہ ہو۔[2]

عصبہ کا بیان

✱ عصبہ کی تعریف:

اکیلا وارث ہونے کی صورت میں کل مال سمیٹنے اور اصحاب الفروض کے ہوتے ہوئے بقیہ مال لینے والے شخص کو عصبہ کہتے ہیں۔ تاہم اصحاب فرائض کو ان کے حصص ادا کر دینے کے بعد اگر ترکہ سے کچھ نہ بچے تو وہ محروم ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا ، فَمَا بَقِيَ فَلأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح بخاري)

---

(۱) مجوب: وہ وارث جو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے بالکل محروم ہو جائے یا کم حصہ لے (فاروق صارم)

(۲) ان چھ حصص میں سے ہر حصہ "فرض" تمام حصے "فروض" ہر مستحق "صاحب فرض" اور تمام مستحقین "اصحاب الفروض" کہلاتے ہیں اور ان کی تعداد ۱۲ ہے: میاں' بیوی' ماں' باپ' دادا' دادی' نانی' بیٹی' پوتی' حقیقی بہن' پدری بہن اور مادری بھائی یعنی ۴ مرد اور ۸ عورتیں (ع' ر)

"مستحقوں کو ان کے مقرر شدہ حصص ادا کر دو اور جو بچ جائے وہ (میت کے) قریب ترین مرد (رشتہ دار) کا حصہ ہے۔"

* عصبہ کی اقسام:

عصبہ کی تین اقسام ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عصبہ بنفسہٖ اور وہ حسب ذیل ہیں: باپ، دادا، اور اوپر تک۔ (پڑدادا وغیرہ) بیٹا، پوتا اور نیچے تک (پڑپوتا وغیرہ)۔ حقیقی بھائی، پدری بھائی، حقیقی یا پدری بھائی کا بیٹا اور نیچے تک۔ باپ کا حقیقی یا پدری بھائی (یعنی چچا) حقیقی یا پدری چچا کا بیٹا نیچے تک۔ اسی طرح آزاد کرنے والا، چاہے مرد ہو یا عورت، آزاد کرنے والے کے عصبہ بنفسہٖ اور بیت المال۔

(۲) عصبہ بغیرہ۔ وہ عورت ہے جو کسی مرد کی معیت سے عصبہ بنے اور تقسیم میں "ایک مرد دو عورتوں کے برابر" کے قاعدے کے مطابق حصہ دار بنے۔ مثلاً حقیقی بہن، جبکہ اس کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہو، پدری بہن جب اس کے ساتھ پدری بھائی موجود ہو اور بیٹی، بیٹے (یعنی اپنے بھائی) کے ساتھ اور پوتی جبکہ اس کے ساتھ اس کا بھائی (یعنی پوتا) بھی ہو، یا پوتی کسی اور پوتے (یعنی اپنے چچا زاد یا تایا زاد بھائی) کے ساتھ، بشرطیکہ پوتی صاحبہ فرض نہ بن رہی ہو اور، اگر وہ حصہ مقرر کی مستحق بنتی ہو تو اس سے نیچے کا پوتا (یعنی پڑپوتا) اسے عصبہ نہیں بنا سکتا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص بیٹی، پوتی اور پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں بیٹی کو نصف (۱/۲) اور پوتی کو سدس (۱/۶) ملے گا، جس کا مجموعہ دو تہائی ہو گا، اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے پڑپوتے کو ملے گا (یعنی پوتی کو مقررہ حصہ (چھٹا) ہی ملا ہے پڑپوتے کے ساتھ مل کر وہ عصبہ نہیں بنی)۔ یا اگر کوئی شخص پوتی اور پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں پوتی کو نصف (۱/۲) ملے گا، اس لئے کہ یہ اصحاب فروض سے ہے اور باقی نصف عصبہ ہونے کی وجہ سے پڑپوتے کو ملے گا یا اگر کوئی شخص دو پوتیاں اور ایک پڑپوتا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں بطور فرض دو تہائی دونوں پوتیوں کو ملے گا اور باقی عصبہ ہونے کی بنا پر پڑپوتے کا حق ہے۔ تاہم پوتی صرف اسی صورت میں حصہ لے گی جب وہ درجہ میں پوتے کے برابر ہو (پوتی اور پوتے کا درجہ اسی طرح پڑپوتی اور پڑپوتے کا درجہ یکساں ہے چاہے یہ آپس میں چچا زاد ہی ہوں) یا اوپر ہو (یعنی میت سے زیادہ قریب ہو مثلاً پوتی پڑپوتے کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہے) اور درجہ میں نیچے ہونے کی صورت میں وہ محروم ہو جائے گی اور قطعاً وارث نہیں ہو گی (یعنی بیٹے کی موجودگی میں پوتی اور پوتے کی موجودگی میں پڑپوتی محروم رہے گی)۔

(۳) عصبہ مع الغیرہ۔ اس سے مراد وہ عورت ہے جو کسی دوسری عورت کی معیت میں عصبہ بنے۔ جیسا کہ ایک یا زیادہ حقیقی بہنیں، ایک یا زیادہ بیٹیوں، یا ایک یا زیادہ پوتیوں کے ساتھ مل کر عصبہ مع الغیر

بن جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ ان صورتوں میں پدری بہن بھی حقیقی بہن کی طرح ہے۔ نیز ان صورتوں میں بیٹی اور بیٹیوں' پوتی اور پوتیوں کے حصص نکالنے کے بعد جو بچے گا' وہ حقیقی' یا پدری بہن کو ملے گا' بشرطیکہ وہ اکیلی ہو۔ لیکن اگر اس کی دیگر بہنیں بھی ہوں تو وہ سب برابر حصہ دار ہوں گی۔

البتہ یہ ملحوظ رہے کہ حقیقی بہن' حقیقی بھائی کی مانند ہے' للذا اس کی موجودگی میں پدری بہن محروم ہو گی اور پدری بہن پدری بھائی کی طرح ہے' للذا وہ بھتیجے کے لئے مطلقاً حاجب ہو گی' چنانچہ وہ محروم ہو جائے گا۔

تنبیہ:

مشترکہ مسئلہ: ایک عورت خاوند' ماں (یا دادی)' مادری بھائیوں اور ایک یا زیادہ حقیقی بھائیوں کو چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس صورت میں اصل مسئلہ چھ سے ہو گا' جس میں سے نصف (یعنی تین حصے) خاوند کو' چھٹا (یعنی ایک حصہ) ماں (یا دادی) کو اور ایک تہائی (یعنی دو) مادری بھائیوں کو ملے گا اور حقیقی بھائی یا بھائیوں کے لئے کچھ نہیں بچتا کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور ترکہ کے اصحاب الفروض میں مکمل ہو جانے کی صورت میں عصبہ محروم ہوتے ہیں۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اجتہاد کر کے) حقیقی بھائی یا بھائیوں کو مادری بھائیوں کے حصہ (تہائی) میں شریک قرار دیا ہے' للذا سب یہی برابر تقسیم کریں گے' چونکہ یہ ایک مخصوص صورت ہے جس میں حقیقی بھائی مادری بھائی کی مانند ہے اور عورت کو بھی مرد کے برابر حصہ ملتا ہے' اسی لئے یہ مسئلہ "مسئلہ مشترکہ"' "مشرکہ"' "حجریہ" ("حماریۃ" اور "عمریۃ") کے مختلف ناموں سے معروف ہے۔ اس لئے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حقیقی بھائیوں کو وراثت سے محروم کیا تو انہوں نے عرض کی کہ "آپ فرض کریں کہ ہمارا باپ پتھر (یعنی کوئی نہیں) ہے' کیا ہماری ماں ایک نہیں ہے؟ پھر ہم محروم اور ہمارے (مادری) بھائی وارث کیسے ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور ایک تہائی میں حقیقی بھائیوں کو مادری بھائیوں کا شریک حصہ قرار دے دیا۔

چھٹا مادہ

حجب کا بیان

* حجب کی تعریف

کسی وارث کو کل' یا بعض حصے سے محروم کر دینا حجب کہلاتا ہے۔

* حجب کی اقسام:

الف۔ حجب نقصان:

کسی وارث کو بڑے معین حصے سے چھوٹے معین حصے کی طرف منتقل کرنا' (مثلاً) اصحاب الفروض کی

فہرست سے نکال کر عصبہ کی فہرست میں داخل کر دینا' یا عصبہ کی صف سے نکال کر اصحاب فروض کی صف میں شامل کر دینا' حجب نقصان کہلاتا ہے۔

حجب نقصان کا باعث حسب ذیل پانچ افراد ہیں:

(۱) بیٹا اور پوتا نیچے تک:

بیٹا اور پوتا نیچے تک' خاوند کو نصف ترکہ سے محروم کر کے ربع (یعنی چوتھائی) کی طرف اور بیوی کو ربع (یعنی چوتھائی) سے محروم کر کے ثمن (یعنی آٹھویں حصے) کی طرف' جبکہ باپ اور دادا کو عصبہ کی حیثیت سے محروم کر کے انہیں سدس (یعنی چھٹے حصے) کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

(۲) بیٹی:

بیٹی ایک پوتی کو نصف سے محروم کر کے سدس (یعنی چھٹے حصے) کی طرف' ایک سے زیادہ پوتیوں کو دو تہائی (۲/۳) سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف' حقیقی یا پدری بہن کو نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف' ایک سے زیادہ حقیقی یا پدری بہنوں کو دو تہائی (۲/۳) سے محروم کر کے عصبہ کی طرف' خاوند کو نصف سے چوتھائی کی طرف' بیوی کو چوتھائی سے آٹھویں حصے کی طرف اور ماں کو تہائی سے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں اصحاب الفروض پر وراثت تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ گیا تو بطور عصبہ باپ یا دادا کو دے دیا جائے گا۔

(۳) پوتی:

پوتی پڑپوتیوں کو' بشرطیکہ ان کے ساتھ مساوی درجہ میں ان کا کوئی بھائی' یا چچا زاد (یعنی میت کا پڑپوتا) نہ ہو' اگر ایک پڑپوتی ہو تو اسے نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف' اگر ایک سے زیادہ پڑپوتیاں ہوں تو انہیں دو تہائی سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف' حقیقی یا پدری بہن کو نصف سے عصبہ کی طرف' ایک سے زیادہ حقیقی اور پدری بہنوں کو دو تہائی (۲/۳) سے عصبہ کی طرف' خاوند کو نصف سے چوتھائی کی طرف' بیوی کو چوتھائی سے آٹھویں حصے کی طرف' ماں کو ایک تہائی سے چھٹے حصے کی طرف اور باپ اور دادا کو عصبہ سے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ تاہم اصحاب الفروض سے جو مال بچ جائے گا وہ بطور عصبہ باپ اور (اس کی وفات کی صورت میں) دادا کو دے دیا جائے گا۔

(۴) دو یا زیادہ بھائی' حقیقی' مادری یا پدری ہوں

ماں کو تہائی (۱/۳) حصے سے محروم کر کے چھٹے حصے (۱/۶) کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

(۵) حقیقی بہن:

حقیقی بہن، پدری بہن کو، بشرطیکہ پدری بہن کے ساتھ اس کا پدری بھائی، جو اس کے لئے باعث عصبہ ہو، موجود نہ ہو، نصف سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف اور ایک سے زیادہ پدری بہنوں کو، بشرطیکہ ان کو عصبہ بنانے والا پدری بھائی ان کے ساتھ موجود نہ ہو، دو تہائی (۲/۳) سے محروم کر کے چھٹے حصے کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔

ب۔ حجب حرمان:

کوئی وارث کسی دوسرے وارث کو اس کے تمام تر حصہ سے محروم کر دے جس کا وہ اس کی عدم موجودگی میں وارث تھا، حجب اسقاط یا حجب حرمان کہلاتا ہے۔[1] کلی طور پر محروم کر دینے والے درج ذیل انیس افراد ہیں:

(۱) بیٹا: بیٹے کی موجودگی میں پوتا، پوتی اور بھائی و چچا مطلقاً محروم ہوتے ہیں۔

(۲) پوتا: پوتے کی موجودگی میں اس سے نیچے درجے کے پوتے اور پوتیاں (یعنی پڑپوتے اور پڑپوتیاں) محروم ہوتے ہیں، اور بیٹا جن کے لئے حاجب اور مانع (باعث محرومی) ہوتا ہے، بعینہٖ پوتا بھی ان کے لئے حاجب ہوتا ہے۔

(۳) بیٹی: بیٹی کی موجودگی میں بھائی مطلقاً محروم ہوتا ہے۔

(۴) پوتی: پوتی کی موجودگی میں بھی مادری بھائی مطلقاً محروم ہوتا ہے۔

(۵) ایک سے زیادہ بیٹیاں: ایک سے زیادہ بیٹیوں کی موجودگی میں مادری بھائی مطلقاً محروم ہوتے ہیں نیز ایک سے زیادہ پوتیاں بھی محروم ہوتی ہیں، بشرطیکہ ان کے ساتھ مساوی درجہ میں ان کا کوئی بھائی یا چچا زاد موجود نہ ہو (جو نہیں عصبہ بنا دے)۔

(۶) ایک سے زیادہ پوتیاں: ایک سے زیادہ پوتیوں کی موجودگی میں مادری بھائی اور پڑپوتی یا پڑپوتیاں وارث نہیں ہوتیں، ہاں اگر مساوی درجہ میں ان کا کوئی بھائی یا چچا زاد موجود ہو تو وہ عصبہ کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے اور بچے ہوئے مال کے وارث ہوں گے۔

(۷) حقیقی بھائی: حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی اور چچا زاد مطلقاً وارث نہیں ہوتے۔

---

(۱) حجب حرمان کا پہلا اصول یہ ہے کہ جب اصل وارث موجود ہو تو اس کے واسطے سے وارث بننے والا محروم ہو گا۔ دوسرا اصول یہ ہے جب اقرب (میت سے قریب کا رشتہ رکھنے والا) وارث موجود ہو تو ابعد (دور کا رشتہ رکھنے والا) وارث محروم ہو گا (تفہیم [illegible] از مولانا فضل الرحمٰن کلیم کاشمیری)

(۸) **حقیقی بھائی کا بیٹا:** حقیقی بھائی کے بیٹے کی موجودگی میں چچا مطلقاً محروم ہوتا ہے اور اسی طرح پدری بھائی کا بیٹا اور اس سے نیچے بھتیجوں کے بیٹے بھی مطلقاً وارث نہیں ہوتے۔

(۹) **پدری بھائی:** پدری بھائی کی موجودگی میں چچا مطلقاً اور حقیقی اور پدری بھائی کے بیٹے محروم ہوتے ہیں۔

(۱۰) **پدری بھائی کا بیٹا:** پدری بھائی کے بیٹے کی موجودگی میں چچا مطلقاً اور بھتیجوں کے بیٹے وارث نہیں ہوتے۔

(۱۱) **حقیقی چچا:** حقیقی چچا کی موجودگی میں پدری چچا (یعنی باپ کا پدری بھائی) اور اس سے نیچے کے چچا زاد مطلقاً محروم ہوں گے۔

(۱۲) **حقیقی چچا کا بیٹا:** حقیقی چچا کا بیٹا پدری چچا کے بیٹے اور پوتوں کو محروم کر دیتا ہے۔

(۱۳) **پدری چچا:** پدری چچا کی موجودگی میں چچا کے بیٹے مطلقاً محروم ہوتے ہیں۔

(۱۴) **حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ:** حقیقی بہن کے ساتھ اگر بیٹی موجود ہو تو پدری بھائی محروم ہے' اس لئے کہ بیٹی کے ساتھ حقیقی بہن' حقیقی بھائی کے مرتبے میں ہوتی ہے' جبکہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی محروم ہوتا ہے۔

(۱۵) **حقیقی بھائی پوتی کے ساتھ:** حقیقی بھائی کے ساتھ اگر پوتی موجود ہو تو پدری بھائی محروم ہوتا ہے۔

(۱۶) **دو حقیقی بہنیں:** دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن وارث نہیں ہوتی' الاّ یہ کہ اس کے ساتھ اس کا بھائی موجود ہو تو وہ عصبہ شمار ہو گی۔

خیال رہے کہ مذکورہ بالا صورت میں دو حقیقی بہنوں کے ساتھ پدری بہن اسی مرتبے میں ہو گی جس مرتبے میں' دو بیٹیوں کے ساتھ پوتی ہوتی ہے' لہٰذا جس طرح دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی محروم ہوتی ہے اسی طرح دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں پدری بہن محروم ہو گی۔ ہاں اگر پدری بہن کے ساتھ اس کا ہم مرتبہ بھائی یا چچا زاد ہو تو وہ عصبہ شمار ہو گی۔ (جس طرح پوتی کے ساتھ اس کا ہم مرتبہ بھائی یا چچا زاد ہو تو وہ عصبہ شمار ہوتی ہے)

(۱۷) **باپ:** باپ زندہ ہو تو دادا' دادی' چچا اور بھائی مطلقاً محروم ہو جائیں گے۔

(۱۸) **دادا:** دادا زندہ ہو تو دادا کا باپ' میت کے مادری بھائی اور چچا مطلقاً محروم ہوتے ہیں' اور اسی

طرح بھتیجے بھی وارث نہیں ہوں گے۔

(۱۹) ماں: ماں کی موجودگی میں دادی اور نانی محروم ہیں۔

ساتواں مادہ

دادا کے احوال

دادا' بیٹے کی اولاد' چچا اور اس کے بیٹے اور بھتیجوں کی وراثت کی تصریح اگرچہ کتاب اللہ میں وارد نہیں' تاہم رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں ان کے حصص مقرر فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح بخاري)

"مقررہ حصص ان کے وارثوں کو دے دو اور جو بچ جائے وہ (بلحاظ رشتہ میت کے) قریب ترین مرد کا حصہ ہے۔"

حدیث میں "اولی رجل" (قریبی مرد) سے مراد مذکورہ بالا افراد بھی ہیں' جیسا کہ درج ذیل فرمان ربانی میں مذکور لفظ "اولاد" پوتے اور پوتیوں کو بھی شامل ہے۔

فرمایا: ﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ١١)

"اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔"

بنابریں مندرجہ بالا افراد کی وراثت پر فقہاء امت کا اجماع ہے۔

اسی طرح آیت ﴿ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ ﴾ اور فرمان الٰہی ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾ کے عموم میں دادا بھی شامل ہے' لہٰذا میت کی اولاد یا اولاد کی اولاد کی موجودگی میں دادا کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اکیلا دادا ہو تو وہ کل مال سمیٹ لے گا اور اگر اصحاب الفروض بھی موجود ہوں تو باقی کا مستحق ہو گا' البتہ بھائیوں کے مسئلہ میں وہ باپ کے حکم سے مختلف ہے' اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی ساقط ہو جاتے ہیں' جبکہ دادا ان کو محروم نہیں کرتا' بلکہ ان کے ساتھ وارث ہوتا ہے۔ کیونکہ دادا اور بھائی میت کے ساتھ درجۂ قرابتداری میں برابر ہیں' اس لئے کہ دونوں فریق باپ کے واسطہ سے میت سے تعلق رکھتے اور اس کے وارث بنتے ہیں۔

دادا کے پانچ احوال ہیں:

(۱) دادا کے ساتھ اگر کوئی اور وارث نہ ہو تو وہ بطور عصبہ کل مال سمیٹ لے گا۔

(۲) اس کے ساتھ صرف اصحاب الفروض ہوں تو اس کو بطور فرض چھٹا حصہ الگ ملے گا اور اگر کچھ باقی بچ گیا تو وہ بھی بطور عصبہ اسے دے دیا جائے گا۔

(۳) اگر اس کے ساتھ میت کا بیٹا' یا پوتا ہو تو اس کو صرف چھٹا حصہ ملے گا (بچا ہوا مال بیٹا یا پوتا

لے گا کیونکہ وہ عصبہ کی ترتیب میں دادا کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہیں)۔

(۴) اس کے ساتھ اگر صرف میت کے حقیقی یا پدری بھائی ہوں تو کل مال کی تہائی (۱/۳) یا مقاسمہ میں [1] سے جو حصہ زیادہ ہو' دادا کو دیا جائے گا۔ تاہم اگر بھائی دو سے یا بہنیں چار سے زیادہ نہ ہوں تو دادا کے لئے (تہائی کی بجائے) مقاسمہ بہتر رہے گا۔

(۵) اگر اس کے ساتھ بھائی اور اصحاب الفروض ہوں تو درج ذیل میں سے جو بھی اس کے لئے زیادہ اور بہتر ہو گا' اسے دے دیا جائے گا

* کل ترکہ کا سدس (چھٹا حصہ)
* اصحاب الفروض کو دینے کے بعد باقی مال کا ثلث (تہائی)
* بھائیوں کے ساتھ (مقاسمہ) باہمی تقسیم۔

البتہ اگر پورا ترکہ اصحاب الفروض کے حصص میں تقسیم ہو گیا تو بھائی محروم ہوں گے اور دادا کو صاحب فرض کی حیثیت سے چھٹا حصہ ملے گا' اس صورت میں اگر ورثہ میں حصہ داروں کے حصص پورے نہ ہو سکیں تو مسئلہ میں عول [2] ہو گا۔

تنبیہ:

* مسئلہ معادۃ: (یہ مسئلہ دراصل "مقاسمہ" کی ایک شکل ہے) اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور پدری بھائی ہیں تو دادا کو حقیقی بھائی فرض لیں گے [3] پدری بھائی حقیقی بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ (باہمی تقسیم)

---

(۱) "مقاسمہ": تقسیم وراثت میں حقیقی اور پدری بھائیوں کے ساتھ دادا کو حقیقی بھائی فرض کر لینے کا نام "مقاسمہ" ہے۔ (کلیم) (مزید وضاحت آ رہی ہے)

(۲) جب حصے کم اور حصہ دار زیادہ ہوں تو ہر حصہ دار کے اصلی حصہ میں کمی کر کے حصوں کی تعداد پوری کی جاتی ہے تاکہ کوئی حصہ دار محروم نہ رہے واللہ اعلم۔ (ع' ر)

(۳) اب یہ کل تین بھائی ہو گئے ۱۔ فرضی حقیقی بھائی (دادا) ۲۔ اصلی حقیقی بھائی اور ۳۔ پدری بھائی' اصول یہ ہے کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی محروم ہوتا ہے لہٰذا کل جائیداد کے دو حصے کئے جائیں نصف حقیقی بھائی لے اور نصف فرضی حقیقی بھائی (دادا)۔ لیکن دادا کا حصہ (جو کہ نصف بن رہا ہے) کم کرنے کے لئے تقسیم وراثت میں حقیقی کے ساتھ ساتھ پدری بھائی کو بھی وارث شمار کیا جائے گا اور مال کے دو کی بجائے تین حصے کئے جائیں گے لیکن جب فرضی حقیقی بھائی (دادا) اپنا حصہ (تہائی) وصول کر لے گا تو پدری بھائی کچھ لئے بغیر درمیان سے نکل جائے گا اور باقی مال (دونوں حصے) حقیقی بھائی وصول کر لے گا یعنی پدری بھائی صرف دادا کا حصہ کم کرنے کے لئے وارث شمار کیا جائے گا' اسے حصہ دینا مقصود نہیں۔ (محمد عبدالجبار)

میں شمار ہوں گے' پھر دادا کو حصہ دے کر پدری بھائی محروم ہو جائیں گے اور پدری بھائی کا حصہ حقیقی بھائی کو مل جائے گا۔

مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اور اپنے پیچھے دادا' ایک حقیقی بھائی اور ایک پدری بھائی چھوڑ گیا۔ تو افراد کے مطابق ترکہ کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ دادا لے گا' ایک حقیقی بھائی کا اور ایک پدری کا۔ دادا کا حصہ نکالنے کے بعد باقی دونوں حصے حقیقی بھائی کو ملیں گے اور پدری بھائی محروم ہو جائے گا' کیونکہ حقیقی بھائی پدری بھائی کو محروم کر دیتا ہے۔

* مسئلہ اکدریہ: ایک عورت' خاوند' ماں' حقیقی یا پدری بہن اور دادا چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ اصل مسئلہ چھ سے بنے گا' کیونکہ اس مسئلہ میں سدس (چھٹا حصہ) ہے' نصف (تین) خاوند کے لئے' تہائی (دو) ماں کا اور نصف (تین) بہن کا اور چھٹا حصہ (ایک) دادا کا ہے۔ عول کے بعد کل ترکہ کے چھ کی بجائے نو حصے ہوں گے (کیونکہ مستحقین نو ہیں)۔ پھر دادا بہن سے مقاسمہ کا تقاضا کرے گا' لہٰذا دادا کو بھائی تصور کر کے اس کا ایک حصہ اور بہن کے تین حصے ملا کر چار حصوں کو بہن اور دادا کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ﴾ (مذکر کو مؤنث سے دوگناہ) کے قاعدے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا[1]۔

اس مسئلے کو الگ طور پر اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اصولاً دادا کے ساتھ بہن صاحبۂ فرض نہیں ہوتی' بلکہ وہ اپنے بھائی کی طرح عصبہ ہوتی ہے۔ مگر اس مسئلہ میں اسے صاحبۂ فرض قرار دے کر نصف

---

(۱) صورت مسئلہ یوں ہوں گی کہ اصل مسئلہ چھ ہے جو نو کی طرف عول ہوا۔ بہن اور دادا پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق مقاسمہ کریں تو کسر واقع ہے' نسبت تخالف کی وجہ سے تین کو نو سے ضرب دی تو ستائیس حاصل ہوئے۔ ہر وارث کو جو ملا اسے عدد عول کے اوپر درج شدہ تین سے ضرب دی تو حاصل ضرب اس وارث کا حصہ نکلا' اس طرح بہن اور دادا دونوں کو چار ملے' جب تین سے ضرب دی تو بارہ ہو گئے' اب بارہ دونوں پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم کئے تو بہن کو چار اور دادا کو آٹھ سہام (حصے) مل گئے۔ (فاروق صارم)

۳

	۶	۹	۲۷
خاوند	۳	۳	۹
ماں	۲	۲	۶
بہن	۳	۳	۴
دادا	۱	۱	۸

ترکہ دیا گیا ہے' اور پھر دونوں (بہن اور دادا) کے حصے ملا کر مقاسمہ کر لی گئی ہے۔ اس صورت میں بہن (نصف کی بجائے) چھٹے حصے کی اور دادا تہائی کا وارث ہوا برعکس اس کے جو (مقاسمہ سے پہلے) فرض کیا گیا تھا۔ اس طرح بہن کا حصہ مکدر ہو کر رہ گیا ہے' یعنی زیادہ ہونے کے باوجود کم ملا[1]

آٹھواں مادہ

فرائض کی تصحیح

* اصول فرائض:

اصول فرائض سات ہیں' جو درج ذیل ہیں:

(۲' ۳' ۴' ۶' ۸' ۱۲ اور ۲۴)[2]

نصف کا اصل دو ہے' ثلث کا تین' ربع کا چار' سدس کا چھ اور ثمن کا اصل آٹھ ہے۔ اگر ربع اور سدس (لینے والے اصحاب الفروض) اکٹھے ہوں تو اصل مسئلہ بارہ ہو گا اور اگر ثمن' سدس یا ثلث کے ساتھ جمع ہو تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہو گا۔

مثالیں:

(۱) خاوند اور بھائی۔ مسئلہ دو سے بنا۔ نصف (ایک) خاوند کو اور نصف (ایک) بھائی کو بطور عصبہ ملا۔

(۲) ماں اور باپ۔ مسئلہ تین سے بنا۔ ماں کو ثلث (ایک) اور باقی (دو) عصبہ کی حیثیت سے باپ کو مل گئے۔

(۳) بیوی اور بھائی۔ مسئلہ چار سے بنا۔ چوتھائی (ایک) بیوی کو دیا' جبکہ باقی بھائی عصبہ بن کر لے گیا۔

(۴) ماں' باپ اور بیٹا۔ مسئلہ چھ سے بنا' ماں کو سدس (ایک) اور باپ کو سدس (ایک) اور باقی (چار) بحیثیت عصبہ بیٹے کو دیئے۔

(۵) بیوی اور بیٹا۔ مسئلہ آٹھ سے بنا' بیوی کو آٹھواں (ایک) اور باقی بیٹے کو عصبہ سمجھ کر دے

---

(۱) علماء میراث کے ہاں اس مسئلہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کے حل مذکور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مسلک مکدر کر دیا ہے کہ ان کا قاعدہ و ضابطہ ٹوٹ گیا ہے' یا یہ کہ صحابی مذکور سے اس مسئلہ کو دریافت کرنے والی عورت قبیلہ اکدریہ سے تعلق رکھتی تھی۔ (فاروق صارم)

(۲) یعنی تقسیم وراثت کے مسائل میں انہی سات اعداد میں سے کوئی ایک عدد اصل مسئلہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس تعداد میں ترکہ کے حصے کر لئے جائیں تو تقسیم مکمل ہو جائے گی الا یہ کہ عول' رد یا کسر کی نوبت آئے۔ اصول فرائض کی نہایت آسان اور عمدہ بحث کے لئے دیکھئے استاد محترم فاروق صارم حفظہ اللہ کی کتاب "تفہیم المواریث" ص ۷۴ (ع' ر)

دیئے۔

(٦) بیوی' ماں اور چچا۔ مسئلہ بارہ سے ہوا' کیونکہ ربع اور ثلث جمع ہوئے ہیں' لہٰذا چوتھا حصہ (تین) بیوی کو ملے اور تہائی (چار) ماں کے اور باقی عصبہ کی حیثیت سے چچا کو مل گئے۔

(٧) بیوی' ماں اور بیٹا۔ ثمن اور سدس کے اجتماع سے اصل مسئلہ چوبیس ہوا' تو آٹھواں حصہ (تین) بیوی کو اور چھٹا حصہ (چار) ماں کو' جبکہ باقی ترکہ بیٹے کو عصبہ سمجھ کر دے دیا۔

* عول کا بیان

(۱) عول کی تعریف

اصحاب الفرائض کے سہام (حصص) کا (اصل مسئلہ سے) بڑھ جانا اور ہر وارث کے مقررہ حصہ میں کمی واقع ہونا' علم میراث کی اصطلاح میں "عول" کہلاتا ہے۔

(۲) عول کا حکم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عول سے کام لیا جائے۔ بایں وجہ تمام مسلمانوں میں اس کے مطابق عمل جاری ہے۔

(۳) کن اصول میں عول واقع ہوتا ہے؟:

عول چھ' بارہ اور چوبیس میں داخل ہوتا ہے۔ چھ میں عول دس تک (طاق عدد ہو یا جفت) ہوتا ہے۔ بارہ میں سترہ تک (صرف طاق میں) اور چوبیس میں صرف ستائیس کی طرف عول ہوتا ہے۔[1] عول کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) چھ کا عول سات تک:

خاوند' حقیقی بہن اور دادی۔ اصل مسئلہ چھ سے بنا۔ خاوند کو نصف (تین) حقیقی بہن کو بھی نصف (تین) اور دادی کو چھٹا حصہ (ایک) ملا۔ پس مسئلہ کا سات (طاق) کی طرف عول ہو گیا۔

(۲) چھ کا عول آٹھ کی طرف:

خاوند' دو حقیقی بہنیں اور ماں۔ اصل مسئلہ چھ سے بنا۔ نصف (تین) خاوند کے اور دو تہائی (چار) دو حقیقی بہنوں کے اور چھٹا حصہ (ایک) ماں کا ہوا۔ تو مسئلہ آٹھ (جفت) کی طرف عول ہو گیا۔

---

(۱) یہ عندالجمہور ہے' وگرنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک چوبیس کا عول ستائیس کے علاوہ اکتیس (۳۱) کی طرف بھی ہوتا ہے' کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ممنوع حاجب نقصان ہوتا ہے۔ (فاروق صارم)

(۳) بارہ کا عول تیرہ کی طرف:

بیوی' ماں اور دو پدری بہنیں۔ اصل مسئلہ بارہ ہوا' کیونکہ مسئلہ میں سدس اور ربع جمع ہیں' بیوی کو چوتھا حصہ (تین) ملا اور ماں کو چھٹا حصہ (دو) جبکہ دو علاتی بہنوں کو دو تہائی (آٹھ) ملے۔ مسئلہ کا تیرہ کی طرف عول ہوا۔

(۴) چوبیس کا عول ستائیس کی طرف:

بیوی' دادا' ماں اور دو بیٹیاں۔ مسئلہ چوبیس سے بنا' کیونکہ یہاں ثمن اور سدس جمع ہو گئے ہیں' آٹھواں حصہ (تین) بیوی کو' چھٹا حصہ (چار) دادا کو' چھٹا حصہ (چار) ماں کو اور دو تہائی (سولہ) دو بیٹیوں کو ملے۔ مسئلہ کا عول ستائیس کی طرف ہوا۔

* اصول بنانے کا طریقہ:

وارثوں کے احوال میں:

ورثاء کی درج ذیل چار حالتیں ہیں:

(۱) ورثاء صرف عصبہ مرد ہوں۔

(۲) ورثاء عصبہ' مرد و خواتین ہوں۔

(۳) عصبہ کے ساتھ اصحاب الفروض بھی ہوں۔

(۴) صرف اصحاب الفروض ہوں۔

اگر پہلی صورت ہو تو افراد کی تعداد کے مطابق اصل مسئلے کا تعین ہو گا' مثلاً میت کے تین بیٹے ہوں تو اصل مسئلہ تین ہو گا' ہر ایک کو ایک ایک حصہ مل جائے گا اور اگر دوسری صورت (عصبہ مرد و خواتین) ہو تو بھی ان کا اصل مسئلہ افراد کے مطابق ہو گا' البتہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا' مثلاً میت کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں تو مسئلہ چار سے ہے دو حصے بیٹے کے اور ایک ایک ہر ایک بیٹی کا ہو گا۔

اگر تیسری اور چوتھی صورت ہو' یعنی عصبہ کے ساتھ اصحاب الفروض بھی ہوں' یا صرف اصحاب الفروض ہوں تو اصل مسئلہ فروض سے حاصل ہو گا' مثلاً میت کا خاوند' بیٹا اور بیٹی ہو تو خاوند کا حصہ ربع (چوتھائی) سے اصل چار ہو گا۔ جس میں چوتھائی (ایک) خاوند کو اور باقی اس کی اولاد میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق دو بیٹے کو اور ایک بیٹی کو ملے گا۔

صورت مسئلہ یوں ہو گی۔

اصل مسئلہ: ۴	
خاوند	۱
بیٹا	۲
بیٹی	۱

* چار نسبتیں

جب کسی مسئلہ میں ایک یا زیادہ صاحب فرض ہوں تو ہم درج ذیل نسب اربعہ (چار نسبتوں) کی مدد سے تصحیح مسئلہ کا عدد نکالیں گے۔ نسب اربعہ یہ ہیں: (۱) تماثل' (۲) تداخل' (۳) توافق (۴) تخالف [1]

اگر اصحاب الفروض کے حصص متماثل ہیں' جیسے دونوں نصف' یا دونوں سدس لینے والے ہوں تو ایک فرض کو بنیاد مسئلہ بنا لیا جائے گا' مثلاً خاوند اور بہن ہر ایک کے لئے نصف ہے' تو ایک کے نصف کو بنیاد بنا لیں گے' کیونکہ نسبت تماثل ہے' لہٰذا اصل مسئلہ دو سے ہو گا۔

صورت مسئلہ یوں ہو گی:

اصل مسئلہ: ۲	
خاوند	۱
حقیقی بہن	۱

اگر اصحاب الفروض کے حصص میں "تداخل" ہے (جیسے چھ اور تین) تو بڑے عدد پر اکتفا ہو گا' کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد میں داخل ہے' لہٰذا بڑے عدد کو مقام مسئلہ پر لکھا جائے گا اور اس کے مطابق تقسیم ہو گی۔ میت اپنے بعد ماں' دو مادری بھائیوں اور چچا کو چھوڑ کر فوت ہو گئی صورت مسئلہ یوں ہو گی:

چار نسبتوں کی تعریف:

(۱) دو عدد ایک دوسرے کے مساوی ہوں تو نسبت تماثل ہے' مثلاً (۲ اور ۲) اگر دو عددوں میں سے ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا' اور چھوٹا بڑے کو پورا پورا تقسیم کر دے تو نسبت تداخل ہے' مثلاً تین اور چھ۔ اگر چھوٹا بڑے کو پورا پورا تقسیم نہ کرے' بلکہ دونوں ایک تیسرے عدد پر پورے پورے تقسیم ہو جائیں تو نسبت توافق ہے' جیسا کہ چار اور چھ اور اگر دونوں کو تیسرا عدد بھی پورا پورا تقسیم نہ کرے تو نسبت تخالف (تباین) ہے' جیسے تین اور چار ہے۔ (فاروق صارم)

اصل مسئلہ: ۶	
ماں	۱
دو مادری بھائی	۲
چچا	۳

وضاحت: مسئلہ چھ سے بنا۔ ماں کو سدس (ایک) ملا اور دو مادری بھائیوں کو ثلث' یعنی دو ملے' جبکہ چچا کو بحیثیت عصبہ باقی تین مل گئے۔ اس مسئلہ میں سدس ہے' جس کا مخرج چھ ہے اور اسی کو بنیاد مسئلہ قرار دیا گیا ہے' جبکہ ثلث کا اصل (تین) سدس کے اصل (چھ) میں داخل تھا۔

اگر دونوں عددوں میں توافق ہو تو دونوں عددوں میں اقل نسبت دیکھی جائے گی' پھر ایک کے دفق کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی جائے گی' حاصل ضرب اصل مسئلہ ہو گا' مثلاً ایک عورت خاوند' ماں' تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر مر گئی تو خاوند کو ربع ملے گا' جس کا اصل چار ہے اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا' جس کا اصل چھ ہے' دونوں عدد (یعنی چار اور چھ) دو پر برابر تقسیم ہو جاتے ہیں' لہٰذا کسی ایک کے نصف کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دینے سے حاصل ضرب بارہ آئے گا اور یہی اصل مسئلہ ہے اور اسی کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہو گی۔

صورت مسئلہ یوں ہو گی: ٹیبل نمبر(۴)

اصل مسئلہ: ۱۲	
خاوند	۳
ماں	۲
بیٹا	۲
بیٹا	۲
بیٹا	۲
بیٹی	۱

اگر دونوں عددوں میں نسبت تخالف ہو تو ایک کامل عدد کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی جائے گی اور حاصل ضرب اصل مسئلہ ہو گا' مثلاً خاوند' ماں اور حقیقی بھائی ہو تو خاوند کو نصف ملے گا' جس کا اصل دو ہے اور ماں کو ثلث جس کا اصل تین ہے' پھر دونوں عددوں کے درمیان نسبت تخالف ہے' لہٰذا دو کو تین میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوئے۔ یہی اصل مسئلہ ہے اور اسی کے مطابق تقسیم ہو گی۔

حل: ٹیبل نمبر(۵)

اصل مسئلہ: ۶ (۲ x ۳ = ۶)	
خاوند	۳
ماں	۲
حقیقی بھائی	۱

کسر اور اس کے حل کا طریقہ:

اگر ورثاء کے بعض حصے ان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں' یعنی ان میں کسر واقع ہو تو درج ذیل طریقہ اپنایا جائے گا:

کسر ایک فریق پر ہے اور سہام (حصص) اور عدد رؤوس (عدد افراد) میں نسبت توافق ہے' تو وفق عدد رؤوس کو لے کر اصل مسئلہ کے اوپر درج کریں گے' اور اسے اصل مسئلہ کے عدد میں ضرب دیں گے' حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی' جسے آگے الگ خانہ میں درج کیا جائے گا' پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلہ سے ملا ہے' اس کو اصل مسئلہ کے اوپر درج شدہ وفق سے ضرب دی جائے گی' حاصل ضرب اس فریق کا حصہ ہو گا۔ مثلاً ایک عورت مر گئی اور خاوند' دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑ گئی تو

حل: ٹیبل نمبر (۶)

۲		
اصل مسئلہ: ۴ x ۲ = ۸		
خاوند	۱	۲
بیٹا	۳	۲
بیٹا		۲
بیٹی		۱
بیٹی		۱

اگر کسر ایک فریق پر واقع ہے اور اس کے رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف (تباین) ہے تو کامل عدد رؤوس کو لے کر اصل مسئلہ کے اوپر درج کریں گے' اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے۔ حاصل ضرب سے مسئلے کی تصحیح ہو گی' جسے الگ جامعہ کی حیثیت سے الگ خانے میں لکھیں گے' پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلہ سے ملا ہے' اسے اصل مسئلہ کے اوپر درج شدہ عدد سے ضرب دیں گے۔ حاصل ضرب سے حسب سابق عمل کریں گے۔ مثلاً بیوی' بیٹا اور بیٹی کا مسئلہ آٹھ سے بنا۔ بیوی کا آٹھواں یعنی ایک اور باقی

سات عصبہ (اولاد) کا حصہ ہے' جو تین رؤوس پر ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے مطابق پورے پورے تقسیم نہیں ہو رہے۔ رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف ہے' لہٰذا کل عدد رؤوس (تین) کو اصل مسئلہ (آٹھ) کے اوپر رکھا اور ضرب دی تو چوبیں ہوئے جس سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی او حسب سابق عمل ہو گا۔ (ٹیبل نمبر: ۷)

۳

	اصل مسئلہ: ۸ × ۳ = ۲۴	
کامل عدد	بیوی	۱	۳
رؤوس تین	بیٹا	۷	۱۴
بنتے ہیں	بیٹی		۷

اگر ایک سے زیادہ فریق پر کسر واقع ہو تو طریق عمل یہ ہے کہ جس فریق کے رؤوس اور سہام میں کسر واقع ہوئی ہے' اگر دونوں میں نسبت توافق ہے تو وفق رؤوس اور اگر تخالف ہو تو کل عدد رؤوس کو ساتھ ہی درج کیا جائے گا' پھر ان درج شدہ اعداد (اعداد مثبتہ) پر نسب اربعہ کی روشنی میں غور کیا جائے گا۔ اگر اعداد مثبتہ میں نسبت تماثل ہے تو ایک عدد کو متعین کیا جائے گا۔ تداخل ہو تو بڑے عدد کو لیا جائے گا۔ توافق ہو تو ایک کے وفق کو کامل عدد میں ضرب دیں گے اور تباین کی صورت میں کامل عدد کو کامل سے ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو لیا جائے گا' جو حاصل ضرب آخر میں حاصل ہو گا' اسے اصل مسئلہ کے اوپر درج کریں گے اور اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر حاصل ضرب الگ طور پر اگلے خانہ میں جامعہ کے طور پر درج کریں گے۔ اس تصحیح سے حسب مذکور تقسیم کریں گے۔

دو فریق پر کسر کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور دو بیویاں اور دو بھائی چھوڑ گیا۔ مسئلہ چار سے ہے۔ چوتھا حصہ (ایک) دو بیویوں کے لئے ہوا' دونوں پر کسر ہے اور باقی (تین) بوجہ عصبہ دونوں بھائیوں کو ملے تو پھر دونوں پر کسر ہے۔ بیویوں کے رؤوس اور سہام میں نسبت تخالف ہے' لہٰذا عدد رؤوس (دو) محفوظ ہوئے۔ اسی طرح دو بھائیوں اور ان کے سہام میں بھی تخالف ہے' کیونکہ تین اور دو میں نسبت تخالف ہے' لہٰذا دو عدد محفوظ ہوئے۔ اب چونکہ بیویوں اور بھائیوں کے عدد مثبت دو' دو ہیں اور نسبت تماثل ہے' اس لئے ایک عدد پر اکتفا کیا اور اس کو اصل مسئلہ کے اوپر درج کیا اور اصل مسئلہ کے ساتھ ضرب دی تو ایک اور جامعہ «جامعة التصحيح» حاصل ہوا' جسے اگلے خانہ میں درج کیا اور اس کے مطابق تقسیم کر دی' یہ عدد رؤوس میں تماثل کی مثال تھی۔ صورت مسئلہ درج ذیل نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں: (ٹیبل نمبر: ۸) (نسبت تماثل کی مثال)

۲

		اصل مسئلہ ۴: ۴×۲=۸	
عدد رؤس مثبتہ ۲	بیوی	۱	۱
	بیوی		1
عدد رؤس مثبتہ ۲	بھائی	۳	۳
	بھائی		۳

اعداد رؤس میں تداخل اور تخالف کی مثال کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور چار بیویاں' تین بیٹیاں اور دو بہنیں چھوڑ گیا اس صورت مسئلہ میں تینوں فریق پر کسر واقع ہے اور ہر فریق اپنے سہام سے نسبت تخالف رکھتا ہے' پس ہر فریق کا عدد رؤس محفوظ ہوا اور ساتھ ہی درج ہوا۔ پھر ان میں باہمی نسبت دیکھی گئی تو دو اور چار میں تداخل ہوئی۔ لہٰذا بڑے عدد چار پر اکتفاء کیا۔ پھر چار اور تین میں نسبت تخالف پائی تو ایک کامل عدد کو دوسرے کامل میں ضرب دی' یعنی تین کو چار سے ضرب دی تو حاصل ضرب بارہ ہوئے' جسے اصل مسئلہ کے اوپر درج کیا' پھر بارہ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی تو دو سو اٹھاسی (۲۸۸) ہوئے اسے «جامعة التصحيح» میں الگ طور پر لکھا اور پھر حسب سابق تقسیم کی گئی۔

صورت مسئلہ یہ ہے: (ٹیبل نمبر:۹)

۱۲

		اصل مسئلہ: ۲۴	
		۲۸۸=۱۲×۲۴	
	بیوی	۳	۹
۴	بیوی		۹
	بیوی		۹
	بیوی		۹
	بیٹی	۱۶	۶۴
۳	بیٹی		۶۴
	بیٹی		۶۴
۲	بہن	۵	۳۰
	بہن		۳۰

نواں مادہ

ترکہ کی تقسیم اور اس کا طریقہ کار

ترکہ کی تقسیم کا طریق کار علم فرائض میں اصل اور مطلوب و مقصود ہے' ہم اس کے متعدد طرق میں سے دو پر اکتفاء کرتے ہیں:

پہلا طریق یہ کہ ترکہ سامان کی شکل میں ہو اور دوسرا طریق یہ کہ ترکہ نقدی رقم کی صورت میں ہو۔ پہلا طریق "تقریط" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ تقریط سے مراد یہ ہے کہ ترکہ کو چوبیس اجزاء میں تقسیم کر دیا جائے اور ان میں سے ہر جز کو قیراط کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں کیفیت عمل یہ ہے کہ تم چوبیں قیراط کا عدد' تصحیح کے عدد کے بعد اگلے خانہ میں درج کرو اور اگر عدد قیراط اور عدد تصحیح کے درمیان نسبت تماثل ہو تو تقسیم آسان ہے کہ ہر وارث کو قراریط سے وہی ملے گا جس قدر عدد تصحیح سے درج کر چکے ہیں۔ مثلاً ورثاء میں بیوی' ماں اور بیٹا ہوں تو صورت مسئلہ حسب ذیل ہو گی:

	عدد تصحیح	عدد قیراط
	۲۴	۲۴
ثمن بیوی	۳	۳
سدس ماں	۴	۴
باقی بیٹا	۱۷	۱۷

اگر تصحیح اور قراریط (اجزاء) کے دونوں عددوں میں نسبت تماثل نہ ہو' بلکہ وہ کسی بھی ایک نسبت میں متفق ہوں تو تم قراریط کے وفق کو لو اور اسے تصحیح کے اوپر لکھ دو اور تصحیح کے وفق کو لو اور اسے جامعہ القراریط کے پیچھے الگ طور پر درج کر لو' پھر ہر وارث کو تصحیح سے جو سہام (حصص) ملیں' اسے قراریط کے وفق میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو تصحیح کے اس وفق پر تقسیم کرو جو آخر میں درج کیا ہے۔ حاصل قسمت اگر عدد صحیح ہو تو اسے اس کے وارث کے سامنے اور جامعہ قراریط کے نیچے درج کرو اور اگر حاصل قسمت میں صحیح عدد کے ساتھ کسر بھی آئے تو صحیح عدد کو حسب مذکور درج کرو اور کسر کو آخری جامعہ (جو تصحیح کا وفق ہے) کے نیچے لکھو۔ یہ کسر وفق تصحیح کا جز ہو گی' بوقت عمل سب سے پہلے اعداد صحیحہ کو جمع کرو' پھر کسور کو جمع کر کے صحیح عدد بناؤ اور اعداد صحیح میں ملا لو' اگر عدد قراریط کے مطابق (چوبیں) مکمل ہو جائیں تو آپ کا عمل درست' وگرنہ غلط ہو گا۔ صورت مسئلہ درج ذیل مثال نمبرا میں واضح ہے: (ٹیبل نمبر ۱):

	۱۲ (۳)	۳۶ (۲)	۲۴	۳
خاوند	۳	۹	۶	.
ماں	۲	۶	۴	.
بیٹا (۳)	۷	۱۴	۹	۱
بیٹی		۷	۴	۲

اصل مسئلہ ۱۲ سے لیکن بیٹے اور بیٹی کے حصص میں کسر کی وجہ سے تصحیح ۳۶ سے ہے اور باقی عمل سابقہ مذکورہ قاعدے کے مطابق ہوا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیوی' ماں اور حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گیا (حل مثال نمبر ۲)

	۱۲ (۲)	۲۴	۱
بیوی	۳	۶	-
ماں	۴	۸	-
حقیقی بھائی	۵	.	-

ملاحظہ: مسئلہ کے حل سے واضح ہے کہ دونوں عدد بارہ پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ قراریط کا وفق دو اصل مسئلہ کے اوپر درج کیا اور اصل مسئلہ کا وفق یعنی ایک جامعہ قراریط کے بعد خانہ میں درج کیا اور باقی عمل حسب سابق کیا گیا۔

واضح رہے کہ ایک پر تقسیم نہ کرنے میں کوئی ضرر نہیں' کیونکہ ایک پر تقسیم کرنے سے حاصل تقسیم کے عدد میں کوئی کمی بیشی نہیں آتی' بلکہ عدد وہی رہتا ہے۔ الغرض حاصل ضرب ہر وارث کے سامنے درج ہو گا جو اس کا ترکہ سے حصہ شمار ہو گا۔

اگر دونوں (تصحیح اور قراریط) کے عددوں میں نسبت تخالف ہو تو کامل قراریط' یعنی چوبیس کو تصحیح کے اوپر لکھیں اور تصحیح کے عدد کو جامعہ قراریط کے بعد والے خانے میں درج کریں' پھر ہر وارث کو تصحیح میں سے جو ملا ہے' اسے کل جامعہ قراریط سے ضرب دیں' حاصل ضرب کو تصحیح کے کل عدد پر تقسیم کریں' اگر حاصل قسمت صرف صحیح عدد ہے تو جامعہ قراریط کے نیچے درج کریں اور اگر ساتھ کسر بھی ہو تو صحیح عدد کو جامعہ قراریط میں اور کسر کو اس کے آگے آخری جامعہ میں لکھیں' یہ کسر آخری جامعہ کے عدد کا جزء ہو گی' پھر ان کسور کو جمع کر کے صحیح عدد بنا لیں اور اعداد صحیحہ میں جمع کر لیں' پس قراریط کا عدد چوبیس مکمل ہو

جائے گا۔

مثال: کوئی شخص بیوی' ماں اور دو علاتی (پدری) بہنیں چھوڑ کر مرگیا۔

تفصیل :

(۱) صورت مسئلہ میں تصحیح اور قراریط کے درمیان نسبت تخالف (تباین) ہے' کیونکہ تیرہ کا عدد چوبیس کے عدد کے مخالف ہے' یعنی کسی بھی نسبت پر متفق نہیں' اس لئے دونوں عدد کامل طور پر اپنے مقامات پر درج کئے گئے۔

۲۴

	۱۲	۱۳	۲۴	۱۳
بیوی	۳	۳	۵	۷
ماں	۲	۲	۳	۹
پدری بہن	۴	۴	۷	۵
پدری بہن	۴	۴	۷	۵

۲

(۲) جامعہ اخیرہ میں درج شدہ کسروں کو جمع کیا تو ان سے صحیح عدد دو ہوا' جسے ہم نے جامعہ قراریط کے نیچے درج کر دیا' جب اسے صحیح اعداد کے ساتھ جمع کیا تو چوبیس قراریط مکمل ہوئے' جس سے معلوم ہوا کہ ہمارا عمل درست ہے۔

دوسرا طریق: یہ ہے کہ جب ترکہ نقدی یعنی درہم و دینار وغیرہ ہوں تو تب بھی طریقۂ تقسیم پہلے سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا' مگر یہ کہ آپ نقدی کی کامل مقدار کو اس خانہ میں درج کریں گے جہاں قراریط کا عدد چوبیس لکھا تھا اور باقی عمل حسب سابق ہوگا۔ مثلاً ایک عورت خاوند اور بیٹا چھوڑ کر مرگئی' جبکہ اس کا ترکہ چالیس ریال ہے: (ٹیبل نمبر: ۱۴)

۱

	۴	۴	۱
خاوند	۱	۱	
بیٹا	۳	۳	

وضاحت: صورت مسئلہ میں تصحیح اور ترکہ پر غور کیا تو دیکھا کہ دونوں میں نسبت توافق بالربع ہے' تو ہم

نے تصحیح کا وفق ایک لے کر جامعہ اخیرہ میں درج کیا اور دفق ترکہ کو لے کر تصحیح (اصل مسئلہ) کے اوپر لکھا' پھر ہم نے خاوند کے حصہ (ایک) کو جو اصل مسئلہ سے ملا تھا' وفق ترکہ دس کے ساتھ ضرب دی تو حاصل دس ہوئے۔ پھر اسے جب وفق تصحیح (ایک) پر تقسیم کیا تو وہی دس کا عدد قائم رہا' جسے ہم نے وارث (خاوند) کے سامنے درج کر دیا' اس طرح بیٹے کا حصہ نکالا گیا۔ نتیجتاً خاوند کو چالیس میں سے دس ملے جو ترکہ کا چوتھائی (۱/۴) ہے۔ ایک بیٹے کو تیس مل گئے جو چالیس سے تین چوتھائی (۳/۴) ہیں۔

ایک اور مثال: خاوند' ماں اور سگا بھائی جب کہ ترکہ ساٹھ درہم ہیں۔ اس مثال میں توافق بالسدس ہے۔ (ٹیبل : ۱۵)

۱

	٦	٦	۱
خاوند	۳	۳	-
ماں	۲	۲	-
حقیقی بھائی	۱	۲	-

ایک اور مثال : ورثاء بیوی' ماں اور باپ ہیں اور ترکہ ۲۳۵ درہم ہے' اس مثال میں اصل مسئلہ (تصحیح) ترکہ سے نسبت تخالف رکھتا ہے۔ مثال کا حل پیش خدمت ہے : (ٹیبل : ۱٦)

۲۳۵

۱۲	۲۳۵	۱۲
۳	۵۸	۹
۴	۷۸	۴
۵	۹۷	۱۱

وضاحت: اس مثال میں تصحیح اور ترکہ کے درمیان کوئی نسبت نہیں' اس لئے اس میں کیفیت عمل طریقہ تقریط سے مختلف نہیں' ماسوا اس کے کہ قراریط کے مقام پر ترکہ کا اندراج ہوا' باقی مکمل عمل حسب سابق جاری و ساری ہو گا۔ پس بیوی کو چوتھائی یعنی تین حصے ملے' جس کو کل ترکہ دو سو پینتیس (۲۳۵) سے ضرب دی' پھر حاصل ضرب کو تصحیح بارہ پر تقسیم کیا' تو اٹھاون (۵۸) حاصل ہوئے جسے جامعہ ترکہ کے تحت بیوی کے خانہ میں درج کیا' باقی نو کی کسر بعد والے خانہ جامعۂ اصل مسئلہ میں درج کیا۔ اس کسر کو ۹/۱۲ کی شکل میں لکھنا بھی درست ہے اور یہ ایک صحیح عدد کے تین ربع کے مساوی ہے۔ اس

طرح ماں کے چار سہام کو کل ترکہ (جو اصل مسئلہ کے اوپر درج ہے) سے ضرب دی، پھر حاصل ضرب کو بارہ پر تقسیم کیا، تو اٹھتر (۷۸) حاصل ہوئے جبکہ کسر کا عدد چار نکلا، جسے ماں کے خانہ میں درج کر دیا۔ باپ کے پانچ سہام کو جب اسی عمل سے گزارا تو ستانوے (۹۷) حاصل ہوئے، جبکہ کسر گیارہ ہے، اسے بھی باپ کے خانہ میں درج کر دیا۔ تمام کسور کا مجموعہ چوبیس (۲۴) ہوا، جن سے صحیح عدد دو بنا، اور اسے جدول کے نیچے لکھ دیا گیا۔ مجموع ترکہ پورا ہو گیا، لہٰذا عمل درست ہوا اور یہی مطلوب تھا۔[1]

دسواں مادہ — مناسخہ اور اس کا طریقۂ کار

کسی میت کے ترکہ کی تقسیم سے قبل اس کا کوئی وارث فوت ہو جائے تو میت ثانی کے ورثاء کے حصص کی معرفت جس عمل سے ہوتی ہے، اسے مناسخہ کہتے ہیں۔

طریق کار: اس میں طریق کار یہ ہے کہ پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرو۔ پھر میت ثانی کے آگے علامت (میت) "ت" درج کرو۔ پھر میت اول کے ورثاء میں سے جو میت ثانی کا بھی وارث ہو، اس کی میت ثانی سے جدید قرابت لکھ دو، مثلاً ایک عورت جو میت اول کی بیوی تھی اور دوسری میت کی ماں ہے، تو (ماں) لکھ دو، اس کا اندراج ترکہ اولیٰ سے ملنے والے سہام کے سامنے کرو۔ اور اگر (میت ثانی کے) نئے وارث ایک یا زیادہ ہوں تو ان کو جدول اول کے نیچے الگ جدول میں درج کرو۔

پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کرو۔ پھر میت ثانی کی تصحیح اور اس کے ہاتھ میں موجود سہام کے درمیان غور کرو، اگر تصحیح ثانی کے مطابق سہام تقسیم ہو جائیں تو پہلی تصحیح کافی ہے۔ مثلاً ایک عورت خاوند ماں، بیٹا اور بیٹی چھوڑ گئی، متوفیہ کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے ہی اس کا خاوند بھی مذکور بیٹا اور بیٹی چھوڑ کر مر گیا۔ مسئلہ اولیٰ بارہ سے بنا، پھر بیٹا اور بیٹی کے سہام میں کسر واقع ہونے سے چھتیس (۳۶) سے تصحیح ہوئی۔ میت ثانی کا مسئلہ تین سے بنا، جبکہ اس کے سہام نو تھے جو میت اول سے ملے یہ سہام اس کے مسئلہ تین کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہو سکتے ہیں:

---

(۱) صورت مسئلہ کے حل میں مولف (حفظہ اللہ) کو سہو ہو گیا ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں ماں کو باقی کا ثلث ملے گا، اور اصل مسئلہ چار سے ہے۔ (فاروق صارم)

۲			۳			
۳۶	۳		۳۶	۱۲		
		ت	۹	۳	خاوند	
۶			۶	۲	ماں	
۲۰	۲	بیٹا	۱۴	۷	بیٹا	۳
۱۰	۱	بیٹی	۷		بیٹی	

لہٰذا دونوں مسئلوں کی تصحیح چھتیس سے ہی قائم رہی۔ اسے آخر میں "جامعہ مناسخہ" میں درج کیا۔ اب تمام سہام اسی جامعہ کے تحت درج کرو۔ مسئلہ ثانیہ سے جس کا کوئی حصہ نہیں اس کے سہام جامعہ مناسخہ میں وہی لکھو جو اسے مسئلہ اولیٰ سے ملے ہیں اور جس کو مسئلہ ثانیہ سے بھی کچھ ملا ہے اسے جامعۃ الفریضہ کے اوپر درج شدہ وفق سے ضرب دو۔ پھر حاصل ضرب میں وہ سہام بھی جمع کر لو جو مسئلہ اولیٰ سے اسے ملے ہیں۔ پھر اسے (مجموعہ کو) جامعہ مناسخہ میں درج کر لو۔

اگر میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ کے مطابق ورثاء پر پورے پورے تقسیم نہ ہوں اور نسبت توافق ہو تو سہام کا وفق لے کر جامعہ فریضہ کے اوپر درج کرو اور مسئلہ ثانیہ کا وفق لے کر مسئلہ اولیٰ کے اوپر لکھو اور اس میں ضرب دو۔ حاصل ضرب جامعۂ اخیرہ میں رکھو' جو جامعۂ مناسخہ ہے پھر ہر وارث کے ہاتھ میں جو ہے اس کو مسئلہ اولیٰ کے اوپر درج شدہ وفق میں ضرب دو۔ حاصل ضرب کو اس کے سامنے جامعہ مناسخہ کے تحت درج کرو اور اگر اس کو مسئلہ ثانیہ میں سے کچھ ملا ہے تو اسے مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج شدہ وفق میں ضرب دو۔ حاصل ضرب میں مسئلہ اولیٰ سے ملنے والے سہام بھی جمع کر لو' اور اسے (مجموعہ کو) جامعہ مناسخہ میں درج کرو' یہ اس وارث کا حصہ ہے۔

ایک شخص بیوی' بیٹی اور سگی بہن چھوڑ گیا' پھر بیٹی فوت ہو گئی' وہ اپنی والدہ (جو میت اول کی بیوی ہے) خاوند اور بیٹا چھوڑ گئی۔ صورت مسئلہ درج ذیل ہے:

وضاحت: اس مثال میں مسئلہ اولیٰ آٹھ سے بنا' جب کہ مسئلہ ثانیہ بارہ سے بنا۔ میت ثانی کو چار سہام ملے۔ اس کے سہام (چار) اور مسئلہ (۱۲) کے درمیان توافق بالربع ہے۔ لہٰذا سہام کا وفق یعنی ایک' مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج کیا' اور مسئلہ ثانی کا وفق (تین) مسئلہ اولیٰ کے اوپر درج کیا۔ باقی عمل حسب سابق ہوا۔

(ٹیبل: ۱۹)

	۳		۱	
	۸		۱۲	۲۴
بیوی	۱	ماں	۲	۵
بیٹی	۴	ت		-
بہن	۳			۹
		خاوند	۳	۳
		بیٹا	۷	۷

اگر میت ثانی کے سہام کی اس کے مسئلہ سے نسبت تخالف ہو تو کل سہام کو مسئلہ ثانیہ کے اوپر درج کرو اور مسئلہ ثانیہ کا عدد مسئلہ اولیٰ کے اوپر رکھو اور اس میں ضرب دو۔ حاصل ضرب کو مسئلہ ثانیہ کے بعد والے جامعہ مناسخہ میں لکھ دو۔ اس طرح حسب سابق پورا پورا عمل کرو، مثلاً ایک شخص بیوی، تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرگیا، ترکہ کی تقسیم سے قبل اس کی بیوی اپنے مذکور تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ کر انتقال کرگئی۔

صورت مسئلہ درج ذیل ہے: (ٹیبل: ۲۰)

	۷		۱	
	۸		۷	۵۶
بیوی	۱	ت		
بیٹا	۲	بیٹا	۲	۱۶
بیٹا	۲	بیٹا	۲	۱۶
بیٹا	۲	بیٹا	۲	۱۶
بیٹی	۱	بیٹی	۱	۸

ملاحظہ:

(۱) میت ثانی (بیوی) کا کوئی نیا وارث نہیں جس کو جدول اول کے نیچے الگ جدول میں درج کیا جاتا۔

(۲) اس مثال کے حل میں عمل حسب سابق ہوا۔

گیارھواں مادہ

خنثیٰ مشکل

خنثیٰ مشکل سے مراد ایسا بچہ ہے جس پر حال ولادت میں مذکر' یا مؤنث ہونے کے آثار واضح نہ ہوں۔ چاہیئے کہ بلوغت تک اس کا انتظار کرلیا جائے' تا کہ اس کا حال واضح ہو جائے۔ قبل از انتظار ارادہ تقسیم ہو تو بعض اہل علم کے نزدیک طریقہ، تقسیم یہ ہے کہ اسے نصف حصہ مذکر کا اور نصف حصہ مؤنث کا دے دیا جائے۔

اس میں طریقہ عمل یہ ہے کہ اسے مذکر سمجھ کر مسئلہ کی تصحیح کی جائے' پھر دوسری بار اسے مؤنث سمجھ کر تصحیح کی جائے' یہ تب ہے جب وہ اکیلا ہو۔ اگر وہ کسی (اور بیٹے) کے ساتھ مل کر حصہ لے تو تب چار مراحل طے کرنا ہوں گے' جن کو آگے چل کر ہم تفصیل سے ذکر کریں گے۔

تصحیح کے بعد دونوں مسئلوں میں نسب اربعہ کی روشنی میں غور کریں گے' تا کہ ایک ہی عدد (جامعہ) بن جائے۔ پھر حاصل ضرب کو عدد الاحوال (اصل اول) میں ضرب دیں۔ حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح ہو گی اسے جامعۃ الفریضہ کے بعد الگ جامعہ قرار دے کر لکھ لیں پھر اسی جامعہ عدد کو اصل مسئلہ پر تقسیم کریں اور خارج قسمت کو اوپر درج کریں۔ پھر ہر وارث کو جو اصل مسئلہ سے ملا ہے اس کو اس کے اوپر والے ہر عدد میں ضرب دیں اور دونوں عددوں کو جمع کریں۔ حاصل عدد کو عدد احوال (اصل اول) پر تقسیم کریں' جو حاصل ہو اسے اس وارث کے سامنے جامعہ کبریٰ کے تحت لکھ دیں اور اسی طرح دوسرے وارث کو دیں۔ آخر میں ہر وارث کے سہام جمع کریں۔ اگر جامعہ کبریٰ کے برابر ہو جائیں تو مسئلہ درست' وگرنہ غلط ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک بیٹا اور خنثیٰ چھوڑ کر مرگیا۔ (ٹیبل: ۲۱)

	۶	۴	
	۲	۳	۱۲
بیٹا	۱	۲	۷
خنثیٰ	۱	۱	۵

مسئلہ کا حل اور وضاحت:

اس مسئلہ کے حل میں درج ذیل چار امور ملحوظ رہیں:

(۱) ہم نے مسئلہ کی تصحیح دو بار کی۔ ایک بار باعتبار مذکر کے اور دوسری بار باعتبار مؤنث کے۔

(۲) جب ہم نے دونوں تصحیحوں پر غور کیا تو نسبت تخالف پائی تو ایک کامل عدد تصحیح کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوئے۔ پھر ہم نے چھ کو عدد احوال (دو) میں ضرب دی تو بارہ حاصل ہوئے جسے ہم نے جامعہ تصحیح (جامعہ کبریٰ) قرار دیا۔

(۳) جامعہ تصحیح کے عدد بارہ کو ہر فریضہ (تصحیح) پر تقسیم کیا تو تصحیح اول سے چھ کا عدد حاصل ہوا جو اوپر درج کر دیا اور تصحیح ثانی سے چار حاصل ہوا جسے اوپر درج کر دیا۔

(۴) ہر وارث کو دونوں تصحیحوں میں سے جو سہام ملے انہیں اس کے اوپر والے عدد سے ضرب دی تو مجموعی طور پر دس ہوئے جسے عدد احوال (دو) پر تقسیم کیا تو پانچ حاصل ہوئے' جسے خنثیٰ کے بالمقابل جامعہ تصحیح کے نیچے درج کر دیا اور یہ اس کا حصہ ہے اور اسی طرح بیٹے کو چودہ حاصل ہوئے جو عدد احوال پر تقسیم کرنے سے سات ہوئے۔ یہ بیٹے کا حصہ ہے جسے اسکے بالمقابل جامعہ تصحیح میں درج کر دیا' کل بارہ ہوئے۔

ایک اور مثال: وہ دو بیٹے اور ایک خنثیٰ چھوڑ کر فوت ہوا۔ صورت مسئلہ یوں ہو گی۔ اس مثال کے حل میں بھی طریقہ عمل سابقہ طریقہ سے مختلف نہیں ہے۔

حل: (ٹیبل: ۲۲)

	۱۰	۶	
	۳	۵	۳۰
بیٹا	۱	۲	۱۱
بیٹا	۱	۲	۱۱
خنثیٰ	۱	۱	۸

اس باب میں بعض اہل علم کا طریقہ تقسیم ایک اور بھی ہے' وہ یہ کہ خنثیٰ کو مذکر سمجھ کر مسئلہ بنایا جائے' پھر مؤنث سمجھ کر مسئلہ کی تصحیح ہو۔ جس صورت میں خنثیٰ کے علاوہ ورثاء کا کم حصہ بنتا ہو' وہ دیا جائے اور باقی ترکہ صورت حال واضح ہونے تک محفوظ کر لیا جائے' یا پھر کسی بھی تقسیم پر باہم مصالحت کر لیں۔

اس میں طریقہ عمل یہ ہے کہ خنثیٰ کو مذکر سمجھ لیا جائے' کیونکہ ورثاء کا کم حصہ یقینی ہے اور باقی حصہ محفوظ کر لیا جائے۔ گزشتہ مثال میں ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ تھا' اس لئے دو تصحیحوں کی ضرورت ہوئی۔ یعنی اولاً مسئلہ دو سے بنا' اس صورت میں خنثیٰ کو مذکر (بیٹا) سمجھا گیا۔ پھر ثانیاً مسئلہ تین سے بنا جس میں خنثیٰ کو مؤنث (بیٹی) سمجھا گیا۔ دونوں تصحیحوں میں نسبت تخالف ہوئی۔ ایک کو دوسری تصحیح کامل میں ضرب دی تو چھ حاصل ہوئے۔ یہ عدد جامعہ تصحیح قرار پایا۔ بیٹے کو دو تصحیحوں سے مجموعی طور پر تین ملے' جو جامعہ تصحیح میں درج کر دیئے اور خنثیٰ کو مجموعی طور پر دو ملے جو جامعہ تصحیح میں درج ہوئے۔ باقی ایک سہم خنثیٰ کا حال واضح ہونے تک موقوف ہو گیا۔ اگر مذکر کی علامات نمایاں ہو گئیں تو یہ تین اسے

ہی مل جائیں گے اور اگر مؤنث قرار پایا تو ایک سہم (حصہ) بیٹے کو مل جائے گا۔ اگر کوئی اشکال ہوا تو باہم رضامندی سے مکمل کر کے تقسیم کریں گے۔ اس مثال کے حل میں ایک باقی بچ گیا' کیونکہ جامعہ تصحیح چھ ہے اور کل تقسیم شدہ سہام (حصے) پانچ ہیں' چنانچہ ایک حصہ کشف حال تک محفوظ رہے گا۔

	۲	۳	۶
بیٹا	۱	۲	۳
خنثیٰ	۱	۱	۲

بارھواں مادہ حمل' مفقود (گم شدہ)' غرق شدہ' اور دیگر حادثات میں ہلاک شدگان کی وراثت کا بیان

* حمل کی وراثت کا بیان:

ورثاء اگر تقسیم مؤخر کر دیں اور وضع حمل کے بعد تقسیم جائیداد کریں تو انہیں اس کا اختیار حاصل ہے اور اگر جلدی تقسیم کرنا چاہیں تو ورثاء کو (جو حمل کے لڑکا یا لڑکی ہونے کی صورت میں متاثر ہو سکتے ہیں) ان کا کم تر یقینی حصہ دیا جائے گا۔ باقی حصہ موقوف ہو گا اور اس بارے میں خنثیٰ کے مسئلہ کا طریق عمل اپنایا جائے گا اور باقی کو موقوف قرار دیا جائے گا۔ وضع حمل کے بعد حسب استحقاق ادائیگی ہو جائے گی۔ اس کی مثال حسب ذیل ہے:

ایک شخص فوت ہو گیا اور ایک حاملہ بیوی چھوڑ گیا۔ حمل کے زندہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ آٹھویں حصہ کی مالک ہے' اور مردہ پیدا ہونے کی صورت میں چوتھائی کی حق دار ہے۔ اب اسے آٹھواں حصہ جو یقینی ہے' دیا جائے گا اور صورت حال کے واضح ہونے پر باقی موقوف کا فیصلہ ہو گا۔ اگر اس عورت نے زندہ بچے کو جنم دیا تو اس صورت میں اسے مزید کچھ نہیں دیا جائے گا اور اگر مردہ بچے کو جنم دیا تو اسے کل میراث کا چوتھائی حصہ مکمل دیا جائے گا جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کا حق بنتا تھا۔

* گم شدہ وارث:

اگر کوئی وارث مر جائے اور ورثاء میں سے کوئی ایک وارث گم ہے اور ورثاء گم شدہ کی موت یا زندگی کے یقین ہونے سے پہلے جائیداد تقسیم کرنا چاہیں تو انہیں کم تر یقینی حصہ دیا جائے گا' جیسا کہ حمل میں ہوا تھا اور باقی مفقود کی موت یا زندگی کے فیصلہ کے بعد مستحقین کو حسب استحقاق دیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور دو بیٹے چھوڑ گیا' ان میں سے ایک غائب ہے۔ موجود بیٹا فی الحال

اپنا حصہ نصف ترکہ لے گا اور باقی موقوف ہو گا۔ مفقود کی موت یا زندگی کے تحقق کے بعد اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک اور مثال: ایک شخص فوت ہو گیا اور بیوی' ماں اور دو بھائی چھوڑ گیا اور بھائیوں میں سے ایک مفقود ہے۔ بیوی کو چوتھا حصہ دیا جائے گا کہ گم شدہ کے وجود و عدم سے اس کا حصہ متاثر نہیں ہوتا اور ماں کو چھٹا یقینی حصہ دیا جائے گا اور بھائی کو باقی کا نصف (سات) دیا جائے گا' اس لئے کہ یہی اس کا یقینی حصہ ہے اور باقی موقوف ہو گا اور اگر گم شدہ وارث زندہ ثابت ہوا تو موقوف حصہ لے گا اور اگر اس کی موت کا پتہ چل گیا تو باقی سے ماں کو تہائی مکمل کر کے بقیہ (تین) کا مالک بھائی ہو گا۔
مسئلہ بارہ اور تصحیح چوبیس سے ہو گی' صورت تقسیم نقشہ میں واضح ہے: ٹیبل: ۲۴)

		١	٢	
	١٢	٢٤	١٢	٢٤
بیوی	٣	٦	٣	٦
ماں	٢	٤	٤	٤
بھائی	٧	٧	٥	٧
بھائی		٧	-	-

ملاحظات:

(١) صورت مسئلہ کے حل میں دو تصحیحیں کی گئی ہیں۔ ایک میں مفقود زندہ تصور کیا گیا تو تصحیح چوبیس سے ہوئی' کیونکہ دونوں بھائیوں پر سہام میں کسر واقع ہوئی ہے اور دوسری تصحیح مفقود کو میت قرار دے کر بارہ سے کی گئی۔

(٢) جب ہم نے دونوں تصحیحوں کے مابین نسبت پر غور کیا تو توافق بنصف السدس (بارہ) ہوئی۔ تصحیح اول (٢٤) کا وفق (٢) تصحیح ثانی پر درج کیا اور تصحیح ثانی (١٢) کا وفق (١) تصحیح اول پر لکھا۔ جب مقام تصحیح کو ضرب دی تو چوبیس حاصل ہوئے جسے جامعہ اخیرہ میں درج کیا' اور یہی جامعہ تصحیح ہے۔

(٣) مفقود کی حیات جن ورثاء کے حق میں نقصان دہ تھی' ان کو کم تر دینے کی خاطر ہم نے یہ عمل اختیار کیا کہ زوجہ کو تصحیح سے جو (چھ) ملے تھے' اسے ایک سے ضرب دی تو چھ ہی رہے' جنہیں اس کے سامنے جامعہ تصحیح کے خانہ میں درج کر دیا۔ اس طرح ماں کو تصحیح سے جو (چار) ملے تھے' اسے بھی ایک سے ضرب دی تو چار اس کے خانہ میں درج کر دیئے اور بھائی کے سات کو حسب سابق ایک سے ضرب دی تو سات ہی ہوئے' جو جامعہ تصحیح کے تحت بھائی کے خانہ میں لکھ دیئے۔

(۴) چوبیس میں سے سترہ سہام مجموعی طور پر جامعۂ تصحیح میں درج ہو گئے' باقی سات سہام مفقود کی موت و حیات کے فیصلہ تک موقوف رہے۔ اگر زندہ ہوا تو اسے یہ سات سہام مل جائیں گے' وگرنہ چار ماں کو ملیں گے' جس سے اس کے آٹھ ہو جائیں گے' جو کل مال کی تہائی اور اس کا استحقاق ہے اور باقی موجود بھائی کو مل جائیں گے' جس سے اس کے کل سہام گیارہ [1] ہو جائیں گے اور یہی مقصود ہے۔

* پانی میں ڈوبنے والے:

جب ایک سے زائد افراد پانی میں غرق ہوں' یا کسی اور حادثہ کا شکار ہوں مثلاً عمارت کے نیچے آ کر ہلاک ہوں یا آگ میں جل جائیں (یا ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہوں) اور کسی کی موت کی تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو سکے تو حکم یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے' بلکہ زندہ افراد ہی اپنے مرنے والوں کے وارث ہوں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی حادثہ میں دو بھائی فوت ہو گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون فوت ہوا ہے۔ ان میں سے ایک اپنے پیچھے بیوی' بیٹی اور چچا چھوڑ گیا' جبکہ دوسرا دو بیٹیاں اور مذکور چچا چھوڑ گیا' تو دونوں کی جائیداد کے وارث مذکورین ورثاء ہیں۔ یہ بھائی ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ پہلی صورت میں بیوی آٹھواں حصہ لے گی' بیٹی نصف اور باقی چچا لے گا اور دوسری صورت میں دو تہائی اس کی دونوں بیٹیاں لیں گی اور باقی تہائی اس کا چچا لے گا۔

تیرھواں مادہ — ذوی الارحام کی وراثت کے احکام و مسائل

* ذوی الارحام کون ہیں؟

ذوی الارحام ان قرابت داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ اصحاب الفروض سے ہوں اور نہ ہی عصبہ سے' جیسا کہ ماموں' خالہ' پھوپھی' چچا کی بیٹی' بھانجا' بھانجی اور بیٹی کی اولاد اور اسی طرح کے قرابت دار جو وارث نہیں ہوتے' اس لئے کہ یہ رشتے دار نہ تو اصحاب الفروض میں سے ہیں اور نہ عصبات میں سے۔

* ذوی الارحام کی وراثت کا حکم:

ان کے وارث ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین اور آئمہ رحمہم اللہ ان کی وراثت کے قائل نہیں' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کو وارث نہیں بنایا' بلکہ وراثت اصحاب الفروض اور عصبات میں منحصر کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی ان آئمہ میں شامل ہیں جو ان کو وارث نہیں گرداتنے۔ البتہ بعض علماء ان کی وراثت ثابت کرتے ہیں جن

---

(۱) مؤلف نے ایسے ہی لکھا ہے۔ درحقیقت "دس" لکھنا چاہیئے۔ (فاروق صارم)

میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ شامل ہیں۔ ان کا استدلال ان آثار سے ہے جن سے ذوی الفروض و عصبات کی عدم موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ذوی الارحام کو وارث بنانا ثابت ہے۔
جیسا کہ آپ کا فرمان ہے: «اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لاَ وَارِثَ لَهُ»(سنن أبی داود وسنن الترمذی)
"ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔"

* راجح مذہب:

ان فقہاء کا مذہب راجح ہے جو ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے بہت سے مالکی اور شافعی فقہاء بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں' اس لئے کہ ذوی الارحام سے ہونا بھی ایک قرابت ہے اور ان سے دوسرا تعلق اسلام کا بھی ہے' جبکہ بیت المال کے ساتھ' مرنے والے کا صرف ایک تعلق "اسلامی" ہے۔ مزید برآں بیت المال کے بارے میں کچھ شرائط ہیں اولاً بیت المال کا انتظام درست ہو۔ دوم بیت المال کا محافظ عادل اور دیانت دار ہو۔ سوم ان کے اخراجات مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لئے ہوں۔ لیکن ان شرائط کے فقدان کی وجہ سے بیت المال کی بجائے ذوی الاحارم کو وارث بنایا جانا متعین ہے۔

* ذوی الارحام کی وراثت کا ضابطہ:

جس رشتہ دار (اصحاب الفروض یا عصبہ) کی وساطت سے ان کا رشتہ بنا ہے' اس کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو اسی کا حصہ دیا جاتا ہے' مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اور چھوڑ گیا بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور بہن کا بیٹا (بھانجا) تو ترکہ ان کے مابین نصف نصف تقسیم ہو گا' اس لئے کہ یہی ان کی ماؤں یعنی میت کی بیٹی اور بہن کا حصہ تھا۔ کیونکہ بیٹی کا حصہ نصف مقرر ہے اور بہن کا حصہ بھی نصف مقرر ہے جو کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیٹیاں لے لیں گی۔
اگر ہم فرض کرتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں (نواسی کے ساتھ) حقیقی بہن کی بیٹی ہے اور پدری بھائی کی بیٹی ہے تو پدری بھائی کی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا' اس لئے کہ اس کا اصل یعنی پدری بھائی حقیقی بہن کی موجودگی میں محجوب ہے اور ترکہ نواسی اور بھانجی میں برابر تقسیم ہو گا۔ صورت مسئلہ نمبر(۱) ملاحظہ ہو: (تمثیل: ۲۵)

	۲	
نواسی	۱	(۱)
بھانجی	۱	
پدری بھائی کی بیٹی	-	

ایک عورت فوت ہو گئی اور حقیقی بہن کی بیٹی' پدری بہن کی بیٹی' مادری بہن کا بیٹا اور حقیقی چچا کی بیٹی چھوڑ گئی۔ اس صورت میں سدس کی وجہ سے مسئلہ چھ سے بنے گا۔ حقیقی بہن کی بیٹی اپنی ماں کا حصہ یعنی نصف لے گی' اور پدری بہن کی بیٹی «تکملة للثلثين» کے قاعدہ کے مطابق چھٹا حصہ لے گی' جو کہ اس کی ماں کا حصہ تھا' جس کی جگہ یہ شمار ہوتی ہے اور مادری بہن کے بیٹے کو چھٹا حصہ دیا جائے گا' جو کہ اس کی ماں کا مقررہ حصہ تھا اور باقی چچا کی بیٹی کو ملے گا' جو کہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے اس کے باپ کا حصہ ہے۔[1] صورت مسئلہ نمبر(۲) ملاحظہ ہو:

(۲)

	۶
حقیقی بہن کی بیٹی	۳
پدری بہن کی بیٹی	۱
مادری بہن کی بیٹی	۱
حقیقی چچا کی بیٹی	۱

ایک اور مسئلہ: ایک شخص فوت ہو گیا اور نواسی' حقیقی بھانجا' مادری بھانجا اور پدری بھتیجی چھوڑ گیا۔

اس صورت میں نواسی اپنی ماں کی وراثت نصف ترکہ لے گی اور حقیقی بھانجا اپنی ماں کا حصہ باقی نصف لے گا اور مادری بہن کے بیٹے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس کی ماں (اخت لام) صلبی بیٹی کی موجودگی میں محروم ہوتی ہے۔ اسی طرح پدری بھائی کی بیٹی بھی محروم ہے' اس لئے کہ حقیقی بہن پدری بھائی کے لئے حاجب ہے' ان کی فروع (شاخوں) میں بھی یہی ضابطہ جاری ہو گا۔ شکل نمبر(۳) ملاحظہ ہو: (ٹیبل: ۲۷)

(۳)

	۲
نواسی	۱
حقیقی بھانجا	۱
مادری بھانجا	-
پدری بھتیجی	-

ایک اور مسئلہ: ایک شخص فوت ہو گیا اور ایک خالہ اور ایک پھوپھی چھوڑ گیا۔ اس مسئلہ میں خالہ کے

(۱) دو تہائی (۲ / ۳) مکمل کرنے کی خاطر "کیونکہ قرآن میں ہے اگر "بہنیں وارث ہوں تو ان کے لئے کل ترکہ سے دو تہائی ہے۔" (النساء: ۱۷٦)

لئے ایک تہائی ہے' اس لئے کہ میت کی ماں (جس کی وجہ سے خالہ حصہ لے رہی ہے) کے لئے بھی تہائی تھا اور باقی دو تہائی پھوپھی کا حق ہے' اس لئے کہ یہ میت کے باپ کی نسبت سے وارث ہے جو کہ عصبہ کی حیثیت سے باقی کا مستحق تھا۔ شکل نمبر(۴) ملاحظہ ہو۔ (ٹیبل: ۲۸)

	۳	
خالہ	۳	(۴)
پھوپھی	۲	

تنبیہات:

(ا) ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے' اس لئے کہ اصحاب الفروض کے حصص سے جو بچ جاتا ہے' وہ بھی ان کے فروض کے مطابق ان پر رد کر دیا جاتا ہے' الّا یہ کہ ذوی الفروض میں فقط خاوند' یا بیوی ہو تو باقی (ان پر رد نہیں ہوتا) بلکہ ذوی الارحام کو دے دیا جاتا ہے۔

مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اور مادری یا پدری بھائی اور پھوپھی چھوڑ گیا۔ اس صورت میں کل ترکہ اس کا مادری یا پدری بھائی لے گا' پھوپھی چونکہ ذوی الارحام سے ہے لہٰذا اسے کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح ایک شخص ماں اور خالہ چھوڑ گیا تو کل ترکہ بطور فرض و رد ماں کو ملے گا' خالہ محروم رہے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص بیوی اور بھائی کی بیٹی چھوڑ گیا تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور باقی بھائی کی بیٹی کا ہے' اس لئے کہ اسے اس کے باپ یعنی میت کے بھائی کے قائم مقام قرار دیا گیا جو کہ عصبہ ہے اور اصحاب الفروض سے بچا ہوا سب سمیٹ لیتا ہے۔

(۲) متفرق ذوی الارحام کے اجتماع کی صورت میں اصحاب الفروض اور عصبات کی طرح اقرب (قریب ترین رشتہ دار) ابعد (دور کے رشتہ دار) کے لئے حاجب ہو گا' جیسے سگا بھائی باپ کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ البتہ درجہ و قرب میں برابری کی صورت میں ایک دوسرے پر برتری نہیں ہو گی' بلکہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ کے قاعدے کے مطابق ان پر جائیداد تقسیم ہو گی۔ مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اور نواسی' نواسی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑ گیا' تو کل مال نواسی کا ہے' اس لئے کہ وہ اقرب ہے اور باقی محروم ہیں' کیونکہ وہ میت سے نواسی کی نسبت ابعد ہیں۔

ایک اور مثال: کوئی شخص حقیقی اور پدری بھتیجی چھوڑ کر مر گیا تو کل مال حقیقی بھتیجی لے گی' اس لئے کہ اس کا باپ دوسری کے باپ (پدری بھائی) کے لئے حاجب ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ جس کے قائم مقام ہوتا ہے' وہ اسی کا حکم لیتا ہے۔ چنانچہ وارث بننے یا محروم ہونے میں وارث کے واسطے والا وارث ہے اور غیر وارث کے واسطے والا وارث نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص فوت ہو گیا اور پوتی کی بیٹی اور نواسے کا بیٹا

چھوڑ گیا۔ تو کل مال پوتی کی بیٹی لے گی۔ نواسے کا بیٹا محروم ہے' اس لئے کہ یہ دونوں اگرچہ درجہ میں برابر ہیں کہ ہر ایک میت تک دو واسطوں سے مل جاتا ہے' مگر پوتی کی بیٹی وارث کی اولاد ہے' لہٰذا وہ وارث ہے اور نواسے کا بیٹا چونکہ غیر وارث کی اولاد ہے لہٰذا وہ محروم ہے' اس لئے کہ پوتی وارث ہے اور نواسہ وارث نہیں ہے۔

آٹھویں فصل

قسم اور نذر بیان

[اس میں دو مادے ہیں]

پہلا مادہ

قسم کا بیان

* قسم کی تعریف:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے "اسماء حسنیٰ" اور صفات کی قسم اٹھانا یمین اور حلف کہلاتا ہے' جیسا کہ کوئی یہ کہے "اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا۔" یا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔" یا "قسم ہے اس ذات کی جو دلوں کو بدلنے والا ہے" وغیرہ۔

* جائز اور ناجائز قسمیں:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ناموں کی قسم اٹھانا جائز ہے' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے درج ذیل قسمیں ثابت ہیں۔ "اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" اسی طرح یہ بھی ثابت ہے "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔" جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کی عزت و غلبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے کہا:

«وَعِزَّتِكَ لاَ يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلاَّ دَخَلَهَا»(سنن ترمذي وصححه)

"تیری عزت و عظمت کی قسم ہے جو بھی اس بہشت کا سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہو گا۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء و صفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم جائز نہیں ہے' چاہے وہ شرعاً قابل تعظیم ہی ہو' جیسا کہ کعبۃ اللہ اور نبی ﷺ کی قسم' یا شرعاً قابل تعظیم نہ ہو (جیسا کہ وطن' اس کی مٹی یا شہیدوں کے لہو کی قسم وغیرہ)' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو حلف اٹھاتا ہے' وہ اللہ کا حلف اٹھائے یا خاموش رہے۔"

اسی طرح آپ کا فرمان ہے:

«لاَ تَحْلِفُوْا إِلاَّ بِاللهِ، وَلاَ تَحْلِفُوْا إِلاَّ وَأَنْتُمْ صَادِقُوْنَ»(سنن أبي داود وسنن نسائی)

''اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ اٹھاؤ اور حلف (قسم) صرف اس صورت میں اٹھاؤ جب تم سچے ہو۔''

اور فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد)

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

اور فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم)

''غیر اللہ کا حلف اٹھانے والے نے کفر کیا۔''

* قسم کی اقسام:

قسم کی تین قسمیں ہیں:

(ا) غموس' یعنی جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا' مثلاً ایک شخص کہتا ہے ''اللہ کی قسم یہ چیز میں نے پچاس میں خریدی ہے'' جبکہ اس نے یہ چیز پچاس میں نہیں خریدی یا یہ کہے ''اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے'' جبکہ اس نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس حلف کو ''غموس'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ قسم اٹھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان (ذیل) میں یہی قسم مراد ہے:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''جو شخص کسی معاملہ میں جھوٹی قسم اٹھاتا ہے' تاکہ وہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال حاصل کر لے' وہ اللہ کو ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہو گا۔''

یمین غموس (جھوٹی قسم) کا حکم یہ ہے کہ اس میں کفارہ دینا[1] کافی نہیں ہے' بلکہ توبہ اور استغفار بھی ضروری ہے' اس لئے کہ یہ ''گناہ کبیرہ'' ہے' بالخصوص جب اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان کا مال ہتھیا لیا گیا ہو۔[2]

* لغو قسم:

جو بلا ارادہ و قصد مسلمان کی زبان پر جاری ہو جائے' جیسا کہ «لاَ وَاللهِ وَبَلٰى وَاللهِ» کے الفاظ غیر

---

(۱) امام شافعیؒ یمین غموس میں بھی کفارے کے قائل ہیں (مؤلف)

(۲) اس صورت میں مال بھی اس کے مالک کو واپس کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

ارادی طور پر منہ سے نکل جاتے ہیں' اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«اَللَّغْوُ فِي الْيَمِيْنِ كَلاَمُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهِ لاَ وَاللهِ»(صحيح بخاري)

"نجی گفتگو میں انسان کا یہ کہنا "نہیں نہیں اللہ کی قسم" لغو قسم ہے۔"

اس طرح یہ بھی "لغو قسم" میں داخل ہے کہ قسم کے وقت انسان سمجھتا رہتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے' مگر بعد ازاں واضح ہوا کہ امر واقعہ ایسے نہیں تھا۔

اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں گناہ ہے نہ کفارہ' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ﴾

(المائدة٥/ ٨٩)

"اللہ تم سے "لغو قسم" کا مؤاخذہ نہیں کرے گا البتہ تم نے جو ارادی قسمیں کھائی ہیں' ان کا مواخذہ کرے گا۔"

* یمین منعقدہ:

یعنی مستقبل میں کسی کام کے کرنے پر حلف (قسم کھانا) جیسا کہ ایک مسلمان کہے: "اللہ کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا" یا "اللہ کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا۔" پھر اگر اسے پورا نہیں کر سکے گا تو اسے اس قسم توڑنے پر مؤاخذہ ہو گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"اور جو تم نے بارادہ قسمیں کھائی ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ کرے گا۔"

اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص حلفیہ کام کو پورا نہیں کرے گا' وہ گناہ گار اور اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس کام کو کر لے تو گناہ اور کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

* کفارہ کس طرح ساقط ہوتا ہے؟

قسم والے سے کفارہ اور گناہ کا سقوط دو طریقوں سے ممکن ہے:

(ا) جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی ہے' اگر اس کی خلاف ورزی بھول کر ہو جائے' یا غلطی سے یا مجبوری سے تو اس صورت میں کفارہ اور گناہ نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«رُفِعَ عَنْ أُمَّتِيْ الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ»(سنن ابن ماجة)

"میری امت سے خطا' نسیان اور جبر و اکراہ والے کاموں کا گناہ اٹھا دیا گیا ہے۔"

(۴) "مجلس قسم میں قسم اٹھانے والا اگر ان شاء اللہ کہہ دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ حَلَفَ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْنَثْ»(سنن ترمذي، سنن نسائی)

"حلف میں جو شخص انشاء اللہ کہہ دے (پھر وہ کوشش سے باوجود قسم پوری نہ کر سکے تو) وہ قسم توڑنے والا نہیں ہے۔"

اور اسی وجہ سے اس پر نہ تو کفارہ ہے اور نہ ہی وہ گناہ گار ہے۔

* نیک کام بجالانے کی خاطر قسم توڑنا:

اگر کوئی مسلمان کوئی ایک اچھا کام نہ کرنے کی قسم کھا لیتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس کار خیر کو سرانجام دے اور قسم کا کفارہ ادا کر دے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلُوا۟ ٱللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَـٰنِكُمْ أَن تَبَرُّوا۟ وَتَتَّقُوا۟ وَتُصْلِحُوا۟ بَيْنَ ٱلنَّاسِ﴾ (البقرة۲/ ۲۲٤)

"اور اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ کہ نیکی اور پرہیز گاری نہ کرو اور لوگوں میں صلح صفائی نہ کراؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَّمِيْنِكَ»(صحيح مسلم)

"جب تو کسی بات پر قسم اٹھائے اور (پھر) اس کا غیر اس سے بہتر جانے تو بہتر کام کر اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔"

* قسم ڈالنے والے کی بات پوری کر دو:

مسلمان جب کسی کو قسم دے کر کہے کہ یہ کام کر' تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی قسم پوری کر دے اور اسے قسم میں حانث (قسم توڑنے والا) بننے سے بچائے۔ خصوصاً جبکہ اس کام کو کرنا ممکن بھی ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے دوسری عورت کو کھانے کے لئے کھجوریں دیں۔ اس نے کچھ کھا لیں تو پہلی نے اس پر قسم ڈال دی کہ وہ بقیہ کھجوریں بھی کھائے' مگر اس نے بقیہ کھجوریں کھانے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبِرِّيْهَا فَإِنَّ الإِثْمَ عَلَى الْمُحْنِثِ»(مسند أحمد٦/ ١١٤، ورجاله ورجال الصحيح)

"اس کی قسم پوری کر' بے شک اس کا گناہ اس پر ہو گا جو (امکان کے باوجود) قسم پوری نہ کرائے۔"

* قسم کا دارومدار قسم اٹھانے والے کی نیت پر ہے:

قسم کے پورا ہونے یا نہ ہونے میں قسم اٹھانے والے کی نیت کا اعتبار ہو گا[1] اس لئے کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر مرد کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرتا ہے۔ چنانچہ جس نے حلفاً یہ کہا کہ میں زمین پر نیند نہیں کروں گا اور مراد یہ لی کہ بستر پر نیند نہیں کروں گا تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہے' اگر بستر پر نہیں سوتا اور جس نے حلفیہ کہا کہ میں اس روئی کا کپڑا نہیں پہنوں گا اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ چادر کے انداز میں نہیں اوڑھوں گا اور اس نے روئی کا قمیص بنا کر استعمال کیا تو وہ قسم سے منحرف ہونے والا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ ارادہ نہ ہو تو وہ حلف سے منحرف ہونے والا ہو جائے گا۔

* کفارۂ قسم:

قسم کا کفارہ چار طرح کا ہے:

(۱) دس مساکین کو کھانا کھلانا' یعنی فی مسکین کے حساب سے ایک مد (تقریباً دس چھٹانک) کھانا دے دیا جائے یا ایک جگہ بلا کر ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے' یا ہر ایک کو روٹی سالن کے ساتھ دے دی جائے۔

(۲) دس مساکین کے لئے لباس مہیا کر دیا جائے' جس سے نماز میں کفایت ہو جائے۔ اگر عورت کو دے تو پھر قمیص اور ساتھ اوڑھنی بھی ہونی چاہیئے' اس لئے کہ یہی اس کے لئے نماز میں کفایت کرتا ہے۔

(۳) مومن غلام (یا لونڈی) آزاد کرنا۔

(۴) تین دن لگاتار روزے رکھنا اگر لگاتار نہ رکھ سکے تو متفرق ایام میں بھی جائز ہیں۔

روزے کا حکم اس صورت میں ہے' جب طعام یا لباس' یا غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنۡ أَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُونَ أَهۡلِيكُمۡ أَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ أَوۡ تَحۡرِيرُ رَقَبَةٖۖ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٖۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيۡمَٰنِكُمۡ إِذَا حَلَفۡتُمۡۚ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے عیال کو کھلاتے ہو' یا انہیں لباس مہیا کرنا' یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے اس کی طاقت نہیں ہے تو وہ تین دن

---

(۱) ہاں اگر کوئی دوسرا قسم اٹھوائے جو قسم کا وہی مفہوم معتبر ہو گا جو اٹھوانے والا چاہتا ہے۔ اگر قسم اٹھانے والے نے توریہ کے طور پر کوئی اور مفہوم مراد لیا تو وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو گا۔ مثلاً ایک شخص کی رقم گم ہو گئی اسے جس پر شک تھا اس سے قسم اٹھوائی اس نے قسم اٹھائی کہ رقم میرے پاس نہیں ہے اور نیت یہ کی کہ میری جیب میں نہیں ہے اگرچہ گھر میں ہے تو اس نے جھوٹی قسم اٹھائی۔ واللہ اعلم (ع' ر)

روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔"

دوسرا مادہ

نذر کا بیان

* نذر کی تعریف:

نذر یہ ہے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی کام کو اپنے اوپر لازم کر لے جو پہلے اس پر لازم نہیں تھا' مثلاً یہ کہے کہ میں اللہ کے لئے ایک دن کا روزہ رکھوں گا یا دو رکعت نماز پڑھوں گا۔

* نذر کا حکم:

جس نذر میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا مطلوب ہو' وہ نذر مباح ہے' جیسا کہ روزہ کی نذر' یا خیرات کی نذر اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

البتہ مقید نذر ناجائز ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو اتنے روزے رکھوں گا' یا خیرات کروں گا' اس لئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

«نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّذْرِ ، وَقَالَ إِنَّهُ لاَ يَرُدُّ شَيْئًا ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنْ مَالِ الْبَخِيْلِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے "نذر" سے منع کیا ہے اور فرمایا "یہ کسی چیز کو رد نہیں کرتی' البتہ اس کے ذریعہ بخیل سے اس کا مال نکالا جاتا ہے۔"

اگر "نذر" میں غیر اللہ کی رضا بھی مطلوب ہے تو وہ حرام ہے۔ جیسا کہ اولیاء کرام کی قبروں کے لئے نذر یا صالحین کی ارواح کے لئے نذر ونیاز' مثلاً یوں کہے کہ میرے فلاں سردار! اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو میں تیری قبر پر جانور ذبح کروں گا' یا خیرات کروں گا' اس لئے کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے اور شرک ہے' جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ ۞ وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔"

* نذر کی اقسام:

(ا) نذر مطلق: اور وہ یہ کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مسلمان کسی نیکی کا مطلقاً التزام کرے۔ مثلاً کہے کہ میں اللہ کے لئے تین روزے رکھوں گا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔

اس نذر کا حکم یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِعَهۡدِ ٱللَّهِ إِذَا عَٰهَدتُّمۡ ﴾ (النحل١٦/ ٩١)

"اور اللہ سے جب عہد کرو تو اسے پورا کرو۔"

اور فرمایا: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج ۲۲/ ۲۹)

"اور چاہیئے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں۔"

(۲) **نذر مطلق غیر معین:** مثلاً مسلمان یہ کہے کہ اللہ کے لئے میرے اوپر نذر ہے اور یہ متعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے "کفارۂ یمین" کی صورت میں پورا کیا جائے۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمِّهِ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ»(صحيح مسلم)

"نذر کا کفارہ جب اسے متعین نہ کرے' قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔" [۱]

ایک رائے یہ ہے کہ عبادات میں جو کم سے کم نذر ہو سکتی ہے' اس کی ادائیگی کی جائے' مثلاً دو رکعت نماز' یا ایک دن کا روزہ۔ [۲]

(۳) **اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فعل پر مقید نذر:** مثلاً یہ کہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی' یا فلاں غائب کو واپس کر دیا تو اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤں گا' یا اتنے دن روزے رکھوں گا۔

اگرچہ یہ انداز نذر ناپسندیدہ ہے' مگر اسے پورا کرنا لازم ہے' یعنی جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے تو اس پر وہ عبادت لازم ہو جاتی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيْعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح بخاري)

"جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانتا ہے' وہ اسے پورا کرے۔"

اور اگر اللہ نے اس کی حاجت پوری نہیں کی تو پھر نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۴) **مخلوق کے فعل کے ساتھ مقید نذر:** اسے "نذر لجاج" بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا' یا اپنے مال میں سے اتنی خیرات کروں گا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ نذر والے کو اختیار ہے' چاہے اسے پورا کرے' یا قسم کا کفارہ ادا کرے' جب نذر سے متعلق کام میں وہ "حانث" ہو جائے۔ اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

---

(۱) «لَمْ يُسَمِّهِ» "اسے متعین نہ کرے" یہ لفظ اصل روایت میں نہیں' بلکہ مدرج ہے' مگر اس کا معنی درست ہے' اس لئے کہ نذر مطلق وہ ہوتی ہے' جسے متعین نہ کیا گیا ہو۔ (مؤلف)

(۲) مگر حدیث کے مقابلے میں اس رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (ع' ر)

«لاَ نَذْرَ فِيْ غَضَبٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ»(رواه سعيد في سننه)

"غصہ میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔"

کیونکہ یہ "نذر لجاج" عام طور پر غصہ کے وقت ہوتی ہے' جب مخاطب کو کسی کام سے روکنا مطلوب ہوتا ہے' یا اس کے کرنے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔

(۵) **نذر معصیت:** کسی حرام کام کے ارتکاب کی نذر' یا کسی فرض کے ترک کی نذر۔ مثلاً کسی مومن کو مارنے کی نذر یا نماز چھوڑ دینے کی نذر۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایفاء حرام ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيْعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلاَ يَعْصِهِ»(مسند أحمد، سنن ترمذي، سنن ابن ماجة، سنن أبي داود وسنن نسائي)

"جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اسے پورا کرے اور جو اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔"

البتہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نافرمانی کی نذر والا "کفارۂ یمین" ادا کرے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ»(رواه أبوداود وسنده لا بأس به)

"نافرمانی میں کوئی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔"

(۶) ایسی نذر جو مسلمان کی ملکیت میں نہیں' یا اس کو پورا کرنے کی اس میں استطاعت نہیں۔ مثلاً یوں کہے کہ میں فلاں کا غلام آزاد کروں گا' یا ہزاروں من سونا خیرات کروں گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں "کفارۂ یمین" ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

«لاَ نَذْرَ فِيْمَا لاَ يَمْلِكُ»(مصنف عبدالرزاق وسنن نسائي)

"وہ جس کا مالک نہیں ہے' اس میں نذر نہیں۔"

(۷) **حلال چیز کو حرام قرار دینے کی نذر:** اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ نے جو اشیاء حلال قرار دی ہیں' وہ نذر سے حرام نہیں ہوں گی' جبکہ بیوی اس سے مستثنیٰ ہے' اگر اسے حرام قرار دیا ہے تو اس پر "کفارۂ ظہار" ہے (یعنی ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا) جب تک کفارہ ادا نہیں کرے گا' عورت کے قریب نہیں جا سکتا اور عورت کے علاوہ امور میں "قسم کا کفارہ" ہے۔

تنبیہ:

کل مال کی خیرات کی نذر کی صورت میں تہائی مال کی خیرات کافی ہو گی۔ اگر "نذر لجاج" کی صورت

ہے تو اس پر کفارۂ یمین ہے۔

اگر اطاعت کی نذر ماننے والا نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے نیابتاً نیکی کا وہ کام کر سکتا ہے۔ صحیح سند سے ثابت ہے کہ ایک عورت نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا میری ماں نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی اور اسے پورا کیے بغیر فوت ہو گئی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

نویں فصل

ذبح' شکار' کھانوں اور مشروبات کا بیان

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ

ذبح کا بیان

(ا) ذکاۃ کی تعریف:

جن جانوروں کا کھانا حلال ہے' انہیں ذبح' یا نحر کرنا "ذکاۃ" کہلاتا ہے۔

* کن جانوروں کو ذبح اور کن کو نحر کیا جاتا ہے؟:

بکری' بھیڑ اور پرندوں کی ہمہ اقسام کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۰۷)

"اور ہم نے اس کو ذبح عظیم (یعنی مینڈھا) عوض میں دیا۔"

اسی طرح گائے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ﴾ (البقرۃ ۲/ ٦٧)

"اللہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔"

البتہ اس کا "نحر" بھی جائز ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گائے کا نحر (سینہ کے قریب سے کاٹنا) بھی ثابت ہے' بنا بریں اس کو حلال کرنے کی دو جگہیں ہوئیں ذبح کی جگہ اور نحر کی جگہ۔ اونٹ کو صرف نحر کیا جاتا ہے' ذبح نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو کھڑا کر کے سینہ کے قریب سے کاٹا تھا اور اس کا بایاں ہاتھ بندھا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

* ذبح اور نحر کی تعریف:

"ذبح" حلق اور نرخرا کی رگیں کاٹنا اور "نحر" "لبہ" (سینے کے بالائی حصہ) میں چھرا گھونپنا ہے' لبہ گردن کے نیچے قلادہ کی جگہ کو کہتے ہیں' اس جگہ "آلہ ذبح" گھونپا جائے تو دل کو جا لگتا ہے' جس سے جانور کی فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔

* ذبح اور نحر کا طریقہ:

ذبح یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ کر کے ڈال دیا جائے' پھر تیز چھری کے ساتھ "بسم اللہ واللہ اکبر" کہہ کر جلدی سے حلقوم' شاہ رگ اور رگیں کاٹ دے۔

اور نحر اس طرح کہ اونٹ کو کھڑا کر کے بائیں ہاتھ سے باندھ دیا جائے' پھر اس کے سینہ کے گڑھے میں جو قلادہ (پٹا ڈالنے کی جگہ) کے متصل ہے' تیز دھار آلہ مارتا رہے' یہاں تک کہ اس کی جان نکل جائے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹنی بٹھا کر ذبح کرنا چاہتا ہے' تو انہوں نے کہا کہ "اسے کھڑا کر اور باندھ لے یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔"

* ذبح کے درست ہونے کی شرائط:

(۱) آلہ ذبح تیز ہو:

جس سے سارا خون نکل جائے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ اللهِ فَكُلْ، لَيْسَ الْعَظْمَ وَالظُّفُرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو (جانور ایسے آلے سے ذبح کیا جائے جو) خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھاؤ (جبکہ) ناخن اور ہڈی (کے ساتھ ذبح کرنا درست) نہیں۔"

(۲) "بسم اللہ واللہ اکبر" یا صرف "بسم اللہ" پڑھے:

اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"جس جانور پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے' اسے نہ کھاؤ۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھاؤ۔"

(۳) حلق کے ساتھ شاہ رگ اور دونوں جانب کی رگیں ایک ہی بار کاٹ دے۔

(۴) ذبح کرنے والا مسلمان، عاقل اور بالغ ہو، یا سمجھدار لڑکا۔ نیز عورت اور کتابی بھی ذبح کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمۡ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔"

اور ان کے طعام سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔

(۵) کنوئیں میں گر جانے، یا جانور کے بھاگ جانے کی وجہ سے اگر ذبح ممکن نہیں ہے، تو اس کے جسم کے کسی حصہ پر زخم لگا دیا جائے، جس سے خون کا اجراء ہو جائے تو یہ "ذبح" شرعاً درست ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا، ایک آدمی نے اس کو تیر مارا اور گرا لیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هٰذَا فَافْعَلُوْا بِهِ هٰكَذَا» (صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ان جانوروں میں وحشی جانوروں کی طرح بھاگنے والے (بھی) ہوتے ہیں، چنانچہ ان میں جو ایسا کرے تو ان کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

علماء نے ان سب جانوروں کو جن کی ذبح معروف طریقہ سے نہیں ہو سکتی، مذکورہ طریقہ پر ہی قیاس کیا ہے۔

تنبیہات:

(۱) اگر ذبیحہ کے پیٹ میں حمل ہے، اس کی تخلیق بھی پوری ہو چکی ہے اور اس کے بال اگ چکے ہیں تو ماں کا ذبح اس کا ذبح ہے اور اس کو کھانا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«كُلُوْهُ إِنْ شِئْتُمْ، فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ»(مسند أحمد وسنن أبي داود وهو حسن)

"اگر چاہو تو کھا سکتے ہو، اس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح ہے۔"

(۲) بھول کر اگر "بسم اللہ" نہ پڑھ سکے تو ذبح میں کوئی نقص نہیں ہے، اس لئے کہ "نسیان" میں امت محمد ﷺ پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

«رُفِعَ عَنْ أُمَّتِيْ الخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ»(معجم طبراني وسنده صحيح)

"میری امت سے خطا، نسیان اور جس کام میں ان پر جبر کیا جائے معاف ہے۔"

اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے:

«ذَبِيْحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ، ذُكِرَ اسْمُ اللهِ أَوْ لَمْ يُذْكَرْ، إِنَّهُ إِنْ ذَكَرَ لَمْ يَذْكُرْ إِلاَّ

اسْمَ اللهِ»(سنن أبي داود مرسلا وهو صحيح)
"مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے' اللہ کا نام ذکر کرے یا نہ کرے' اس لئے کہ اگر وہ ذکر کرے گا تو اللہ ہی کا نام ذکر کرے گا۔"[1]

(۳) ذبح میں اس حد تک مبالغہ کہ جانور کی گردن پوری کٹ جائے صحیح نہیں ہے۔ اگر اتفاقیہ ہو جائے تو بلا کراہت اسے کھانا جائز ہے۔

(۴) ذبح کرنے والا اگر ذبح کے آداب کی مخالفت کرے کہ جن جانوروں کو "ذبح" کیا جاتا ہے' ان کا "نحر" کردے' یا "نحر" والے جانور کو "ذبح" کردے تو مع الکراہت[2] (ناپسندیدگی کے ساتھ) اسے کھانا جائز ہے۔

(۵) بیمار جانور یا جس کا گلا گھٹ جائے' یا جسے چوٹ لگ جائے' یا پہاڑ سے گر جائے' یا جسے سینگ لگ جائے' یا جسے درندے نے کھالیا ہو' اگر زندہ مل جائے اور ذبح کرنے سے اس کی روح خارج ہوئی نہ کہ مذکورہ اسباب سے تو اس کا کھانا جائز ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٣)
"مگر وہ جسے تم نے ذبح کرلیا۔"

یعنی جس میں تمہیں روح محسوس ہوئی اور ذبح کرکے اس کی روح جدا کی تو وہ حلال ہے۔

(٦) ذبح کی تکمیل سے پہلے اگر ذبح کرنے والا اپنا ہاتھ کھینچ لے اور کافی دیر بعد پھر ذبح کرے تو علماء ایسے ذبیحہ کے نہ کھانے کا (حکم) فرماتے ہیں۔ الاّ یہ کہ پہلی بار ذبح کا عمل پورا کردیا گیا تھا۔ تو تب جائز ہے۔

دوسرا مادہ

شکار کا بیان

* شکار کی تعریف:

خشکی میں رہنے والا وحشی جانور (جو گھر کا پالتو نہ ہو)' یا پانی میں ہی رہنے والے جانور کو حاصل کرنا شکار

---

(۱) ترک بسم اللہ نسیاناً ہے' تب ہی درست ہے' وگرنہ اللہ کا نام اگر عمداً ترک کردیا جائے تو اس کے نہ کھانے کا حکم ہے۔ (الاثری)

(۲) کراہت سے مراد یہ ہے کہ بچا جائے تو ثواب ہے نہ بچا جائے تو گناہ نہیں' اسے کراہت تنزیہی کہتے ہیں اور کبھی کراہت کا لفظ' حرمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اسے کراہت تحریمی کہتے ہیں مکروہ تحریمی کا ارتکاب سخت گناہ ہے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

کہلاتا ہے۔

* شکار کا حکم:

حج یا عمرہ کے "محرم" کے علاوہ سب لوگ شکار کر سکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (المائدة ٥/ ٢)

"اور جب احرام سے حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو شکار کر سکتے ہو۔"

البتہ لہو و لعب اور محض مشغلہ کے طور پر اس کو اپنانا درست نہیں ہے۔

* شکار کی اقسام:

شکار دو قسم کا ہے' ایک بحری شکار۔ یعنی سمندر میں رہنے والے جانور مچھلی وغیرہ کو پکڑنا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ محرم اور غیر محرم سب کے لئے حلال ہے۔ ان جانوروں میں البتہ آبی (سمندری) انسان اور آبی خنزیر حلال نہیں ہیں' اس لئے کہ یہ نام میں انسان اور خنزیر کے ساتھ شریک ہیں' جن کا کھانا حرام ہے۔

اور دوسرا بری شکار۔ اس کی بہت سی اجناس ہیں۔ جنہیں شریعت نے مباح قرار دیا ہے وہ مباح ہیں اور جن سے منع کر دیا ہے' وہ ممنوع ہیں۔

* شکار کا ذبح کرنا:

سمندری شکار کی موت ہی اس کا ذبح ہے' بس اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اسے زندہ نہ کھایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ: اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ»(سنن بيهقى ومستدرك حاكم وهو صحيح)

"دو مردہ چیزیں ہمارے لئے حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی۔"

اور بری جانور اگر زندہ ہاتھ لگ جائے تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہے' ذبح کئے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ الْمُعَلَّمِ وَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ»(صحيح بخارى وصحيح مسلم)

"اور جو تو نے نہ سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کیا اور (پھر) ذبح کر لیا تو اسے کھا لے۔"

اگر مردہ ملے تو اس کا کھانا اس وقت جائز ہے' جب وہ درج ذیل شرائط پر پورا اترتا ہو:

(۱) شکار کرنے والا ایسا شخص ہو جو ذبح کر سکتا ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ مسلمان' عاقل اور سمجھدار ہو۔

(۲) تیر چلاتے وقت' یا کتا چھوڑتے وقت اس نے "بسم اللہ" پڑھی ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَا صِدْتَّ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلْ، وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ غَيْرِ الْمُعَلَّمِ وَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ»(أيضًا)

"جو تو نے کمان (یا گولی) کے ساتھ شکار کیا اور اس پر اللہ کا نام لیا تو کھا اور جو تو نے نہ سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کیا اور ذبح کر لیا تو کھا۔"

(۳) آلہ شکار تیز ہونا چاہیئے جو جلد کو پھاڑ دے' اگر دھار دار اور تیز نہیں ہے' جیسا کہ لاٹھی' یا پھر تو اس کے ساتھ ذبح کیا ہوا شکار کھانا حلال نہیں ہے' اس لئے کہ وہ چوٹ لگنے سے مرے ہوئے جانور کے حکم میں ہے۔ الاّ یہ کہ جانور زندہ مل جائے اور اسے ذبح کر لیا جائے تو پھر اس کا کھانا حلال ہے۔

معراض (چوڑائی کے بل لگنے والے آلہ) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا أَصَابَ بِالْعَرْضِ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ»(صحيح مسلم)

"جب "معراض" کا چوڑائی والا حصہ لگے تو نہ کھا' اس لئے کہ یہ جانور چوٹ لگنے سے مرا ہے۔"

اگر حملہ کرنے والا کتا' باز یا شکرا ہو تو اس کا سدھایا ہوا ہونا ضروری ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"اور جو شکاری درندے تم نے شکار کرنے کو سدھائے ہوں (اور) جن کو تم شکار کی تعلیم دیتے ہو' جس طرح کہ اللہ نے تم کو تعلیم دی ہے' جو وہ تمہارے واسطے محفوظ رکھیں تو وہ تم کھا لیا کرو اور اس پر اللہ کا ذکر کیا کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ ثُمَّ كُلْ»(صحيح بخاري)

"اور جو تو سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار کرے' اس پر اللہ کا نام ذکر کر' پھر کھا۔"

تنبیہ:

سدھائے ہوئے جانور بالخصوص کتے کی پہچان یہ ہے کہ بلانے پر فوراً تعمیل کرے۔ شکار پر جھپٹنے کا اشارہ دیا جائے تو جھپٹے' روکا جائے تو رک جائے۔ البتہ کتے کے علاوہ کسی اور جانور میں رکنے والی صفت ناممکن ہے۔

(۴) شکار پکڑنے میں شکاری کتا دوسرے کتوں کے ساتھ نہ مل گیا ہو' اس لئے کہ پھر یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ شکار کو کس نے پکڑا ہے؟ جس پر اللہ کا نام لیا گیا' یا کسی اور کتے نے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قُتِلَ فَلاَ تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لاَ تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اگر تو اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا دیکھے جبکہ شکار قتل ہو گیا ہے تو نہ کھا' اس لئے کہ تو نہیں جانتا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟"

(۵) شکار میں سے کتے نے کھایا نہ ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِلاَّ أَنْ يَأْكُلَ الْكَلْبُ فَلاَ تَأْكُلْ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کتا شکار میں سے کھالیتا ہے تو تو نہ کھا' مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے اسے پکڑا ہے۔"

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"اس سے کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لئے روک لیا ہے۔"

تنبیہات: شکار اگر نظروں سے اوجھل ہو جائے اور بعدازاں وہ مل جائے' جبکہ اسے تیر کا نشان لگا ہے اور دوسرا کوئی نشان اس پر نہیں ہے تو اس کا کھانا جائز ہے' جب تک تین راتیں اس پر نہ گزر جائیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلْ مَا لَمْ يُنْتِنْ»(صحيح مسلم)

"جب تک بدبو دار نہ ہو' کھا سکتے ہو۔"

جانور شکار کر لیا جائے اور وہ پانی میں گر کر مرجائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے' اس لئے کہ وہ پانی کے سبب سے مرا ہے' تیر کی وجہ سے نہیں۔

شکاری جانور کے پکڑنے سے اگر شکار کا کوئی عضو الگ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے' اس لئے کہ وہ زندہ جانور سے جدا کیا ہوا عضو ہے اور آپ کا فرمان ہے:

«وَمَا قُطِعَ مِنْ حَيٍّ فَهُوَ مَيِّتٌ»(مسند أحمد وسنن ترمذي)

"زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے' وہ مردار ہے۔"

تیسرا مادہ

کھانے کا بیان

الف۔ کھانے کے مسائل:

* طعام کی تعریف:

"طعام" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بطور خوراک کھائی جائے۔ مثلاً دانے' کھجور اور گوشت۔

* کھانے کا حکم:

ہر قسم کے طعام میں اصل حلت (حلال ہونا) ہے' جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (البقرة٢/ ٢٩)

"اللہ ہی نے جو کچھ زمین میں ہے' سب تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔"

ان میں وہی اشیاء حرام ہوں گی' جن کی حرمت کتاب و سنت یا "قیاس صحیح" سے ثابت ہو گی۔ کیونکہ شریعت نے کئی چیزیں اس لئے حرام کی ہیں کہ وہ جسم کے لئے نقصان دہ ہیں' یا عقل کے لئے تباہ کن۔ جبکہ پہلی امتوں پر بعض چیزیں امتحان کے طور پر بھی حرام کی گئی تھیں۔ اللہ جل مجدہ فرماتا ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء٤/ ١٦٠)

"یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے بعض چیزیں ان پر حرام کر دیں' جو ان کے لئے حلال تھیں۔"

* ممنوع کھانوں کی اقسام:

(ا) کتاب اللہ کی رو سے ممنوع:

(۱) دوسرے کا مال جو ملکیت کی کسی بھی شکل سے صارف کے لئے مباح نہیں ہوا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ (البقرة٢/ ١٨٨)

"اور اپنے اموال باطل ذرائع سے نہ کھاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فَلَا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَا شِيَةَ أَحَدٍ إِلاَّ بِإِذْنِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"بلا اجازت کوئی دوسرے کے جانور کا دودھ نہ نکالے۔"

(۲) اپنی طبعی موت مرنے والا جانور' اس میں گلا گھونٹا ہوا جانور' چوٹ لگا ہوا' دیوار سے گرنے والا اور درندے کا کھایا ہوا سب داخل ہیں۔

(۳) ذبح کے وقت بہنے والا خون۔ اسی طرح "ذبیحہ" کے خون کے علاوہ کوئی اور خون' بہے یا نہ بہے' کم ہو یا زیادہ۔

(۴) خنزیر کا گوشت' خون اور چربی وغیرہ جملہ اجزاء سب حرام ہیں۔

(۵) وہ چیز یا جانور جس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔

(٦) وہ جانور جو کسی تھان (بت) پر ذبح کئے جائیں۔ نیز قبروں اور ایسے قبوں پر ذبح ہونے والے

جانور کہ جو عبادت غیر اللہ کی علامت و امارت کے لئے بنائے جائیں' سب اس میں داخل ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدة ۵/ ۳)

"مردہ جانور' خون' خنزیر کا گوشت اور جسے غیر اللہ کے لیے پکارا جائے'[1] جو گلا گھونٹ کر اور جو (عصا' پتھر) کی چوٹ سے مرے' جو گر کر یا سینگ لگ کر مرے اور جس کو درندہ کھا جائے' سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور جو بتوں پر ذبح کیا جائے یہ سب تمہارے لئے حرام ہیں۔"

مذکورہ بالا کی حرمت "کتاب عزیز" سے ثابت ہے۔

(۲) سنت رسول اللہ ﷺ کی رو سے ممنوع:

(ا) گھریلو یا پالتو گدھا حرام ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِيْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھے کے گوشت سے منع کر دیا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی ہے۔"

(ا) اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) کسی جانور وغیرہ کو کسی پاک روح کی طرف منسوب کر کے شہرت دے دی جائے (مثلاً پیر جیلانیؒ کا بکرا وغیرہ) پھر اس جانور کی تعظیم کی جائے یا اس کا گوشت خیرات کر کے ثواب اس پاک روح کو ھدیہ کیا جائے' اس لیے نہیں کہ وہ پاک روح ثواب کی محتاج ہے بلکہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور انعام و اکرام ایسا بنا دیا ہے کہ وہ مخلوق کی ضروریات کو جانتی اور اس کی فریادوں کو سنتی ہے چنانچہ وہ ہمارے اس ھدیہ' ثواب سے خوش ہو کر ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے گی خواہ اللہ کی دی ہوئی غیبی طاقت' تصرف اور اختیار سے یا اللہ سے سفارش کر کے' اس عقیدے اور طریقے سے جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے پکارا اور نامزد کیا جائے گا وہ اس آیت کریمہ کی زد میں آ کر حرام ہو جائے گا کیونکہ یہ عقیدہ کتاب و سنت کے مزاج کے خلاف' حقیقت سے دور' وہم اور شرک اکبر پر مبنی ہے اور جو جانور خالق کی بجائے مخلوق کی نذر ہو جائے وہ تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو بھی حلال نہیں ہو گا۔

(ب) ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھنے کی بجائے (یا تکبیر پڑھنے کے ساتھ ساتھ) غیر اللہ کا نام لیا جائے یہ بھی شرک اکبر ہے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

(۲) پالتو گدھوں کی حرمت پر قیاس کر کے خچر بھی حرام ہے' اس لئے کہ یہ اس بارے میں گدھے کے حکم میں ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلْخَيْلَ وَٱلْبِغَالَ وَٱلْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا ﴾ (النحل ۸/۱۶)

"اور گھوڑے' خچر اور گدھے تمہاری سواری کے لئے (پیدا کئے۔)"

"دلیل خطاب" (مفہوم مخالف) سے ان کی حرمت ثابت ہوتی ہے' مگر گھوڑے کو رسول اللہ ﷺ کی صریح نص سے حلال قرار دیا گیا ہے' کیونکہ آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دی' جیسا کہ مذکورہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے۔ لہٰذا گھوڑا حلال ہے۔

(۳) کچلی والے درندے۔ جیسا کہ شیر' چیتا' ریچھ' ہاتھی' بھیڑیا' کتا' گیدڑ اور لومڑ' سنجاب وغیرہ' سب درندے کچلی والے حرام ہیں۔ اسی طرح پنجہ میں دبوچ کر کھانے والے پرندے' جیسا کہ شکر یا باز' عقاب' شاہین چیل' باشق (ایک شکاری پرندہ)' الو وغیرہ وغیرہ' پرندے جو جھپٹ کر پنجہ سے شکار کرتے ہیں' اس لئے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطُّيُوْرِ»(صحيح مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے کچلی والے درندوں اور پنجہ میں پکڑ کر کھانے والے پرندوں (کے کھانے) سے منع کیا ہے۔"

(۴) چوپاؤں اور جانوروں میں سے وہ جانور جو انسانی فضلہ کھانے کا عادی ہو جائے' اسی طرح مرغی بھی ہے'[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ لُحُوْمِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا»(رواه أبوداود)

"نبی کریم ﷺ نے غلاظت کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ سے منع کیا ہے۔"

(۵) "جلالہ" (پلیدی کھانے والی گائے) بھی حرام ہے' اگر اس کو نجاست سے دور رکھیں تاکہ اس کا گوشت یا دودھ درست ہو جائے۔ تب گوشت یا دودھ استعمال کرنا جائز ہے۔

(۳) نقصانات سے بچاؤ کی بنیاد پر ممنوع:

(۱) ہر قسم کے زہر۔ اس لئے کہ زہر جسم کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

(۲) مٹی' خاک' پتھر اور کوئلہ۔ اسلئے کہ یہ چیزیں نقصان دہ ہیں اور (انکے کھانے میں) فائدہ نہیں۔

---

(۱) ہم جانوروں کو طاہر چیزیں کھلانے کے مکلف نہیں ہیں اگر مرغی گندگی کھاتی ہے تو بھی حلال ہے رسول اکرم ﷺ نے اسے تناول فرمایا تھا۔ (مسند احمد ۴/ ۳۹۷ و ۴۰۱) (محمد عبدالجبار)

(۳) وہ گندی چیزیں جن سے طبیعت فطری طور پر کراہت محسوس کرتی ہے۔ جیسا کہ حشرات (کیڑے مکوڑے) وغیرہ' اس لئے کہ ایسی چیزیں بیماریوں کا سبب بنتی ہیں اور بدن میں ایذا رسانی کا باعث ہوتی ہیں۔

(۴) نجاستوں سے بچاؤ کی بنیاد پر ممنوع:

(ا) ہر کھانے اور پینے کی چیز جس میں کوئی پلید چیز مل جائے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«فِيْ الْفَأْرَةِ تَقَعُ فِيْ السَّمْنِ، إِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوا الْبَاقِيَ، وَإِنْ كَانَ ذَائِبًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ»(رواه أبوداود بسند صحيح وأصله في البخاري)

"چوہا گھی میں گر جائے' اگر گھی منجمد ہے تو چوہا اور اس کا اردگرد پھینک دو اور باقی کھا لو اور اگر گھی پگھلا ہوا ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ (سارا انڈیل دو)۔"

(۲) جو چیزیں طبعاً نجس ہیں' جیسا کہ انسانی فضلہ اور (گدھے کی) لید وغیرہ' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۵۷)

"اور اللہ تعالیٰ ان پر خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔"

(۴) مجبور کے لئے ممنوعات کی اباحت:

اگر جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو شدید بھوک کی وجہ سے زہر کے علاوہ دیگر جملہ ممنوعات لاچار کے لئے مباح قرار دی گئی ہیں' تاکہ وہ ان سے اپنی زندگی بچا سکے' چاہے وہ غیر کی ملکیت ہو' یا مردار اور خنزیر کا گوشت یا کوئی اور ممنوع چیز۔ بشرطیکہ ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے' اور بقدر جان بچانے کے ہی کھائے اور یہ کہ وہ اس کو ناپسند سمجھے اور لذت حاصل کرنے کے لئے استعمال نہ کرے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَمَنِ ٱضْطُرَّ فِى مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (المائدة۵/ ۳)

"پھر جو کوئی بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور گناہ کی طرف میلان نہ کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔"

ب- پینے کے مسائل:

* مشروب کی تعریف:

بہنے والی چیز جو پی جاتی ہیں' مشروب کہلاتی ہیں۔

* مشروب کا حکم:

کھانے کی چیزوں کی طرح پینے کی چیزیں بھی مباح ہیں' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (البقرة٢/ ٢٩)

"وہی تو ہے جس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔"

البتہ وہ چیزیں حرام ہیں' جن کی حرمت پر شرعی نص موجود ہے۔ جیسا کہ:

(ا) شراب:

اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

"شراب' جوا' بت اور قسمت کے تیر سب پلید ہیں اور شیطانی کاموں میں سے ہیں۔ پس ان سے اجتناب کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ وَآكِلَ ثَمَنِهَا»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وإسناده صحيح)

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' بیچنے والے' خریدنے والے' نچوڑنے والے' نچوڑنے میں مدد کرنے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھائی گئی ہے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت کی ہے۔"

(۲) بہنے والی عام چیزیں اور الکوحل پر مشتمل اشیاء' جو کہ نشہ آور ہیں' اس لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ»(صحيح مسلم)

"تمام نشہ دینے والی چیزیں شراب ہیں اور ہر شراب حرام ہے۔"

(۳) دو چیزیں ملا کر بنایا ہوا نبیذ:

یعنی پکی ہوئی تازہ کھجور اور جس پر پکنے کا ابھی نشان ظاہر ہو رہا ہو۔ اسی طرح کشمش اور تازہ کھجور کو ایک ہی برتن میں پانی ڈال کر میٹھا مشروب تیار کر لیا جائے' اس میں نشہ پیدا ہو یا نہ ہو' ممنوع ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«لاَ تَنْتَبِذُوا الزَّهْوَ وَالرُّطَبَ جَمِيْعًا، وَلاَ تَنْتَبِذُوا الزَّبِيْبَ وَالرُّطَبَ جَمِيْعًا،

وَلٰكِنِ انْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى حِدَتِهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''زہوہ (سرخی مائل) اور ''رطب'' (پکی ہوئی تازہ) کھجوروں کا اکٹھا نبیذ نہ بناؤ' کشمش اور تازہ کھجور کا اکٹھا نبیذ نہ بناؤ' البتہ ہر ایک کا الگ الگ نبیذ بنا سکتے ہو۔''

اس لئے کہ دونوں کے اختلاط سے اس میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حرام تک پہنچانے والے ذریعہ کے طور پر اس سے منع فرمادیا ہے۔

(۴) جن جانوروں کا کھانا حرام ہے' ان کا پیشاب بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ وہ پلید ہیں اور پلید چیز حرام ہے۔

(۵) جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا ان کا دودھ بھی اسی قبیل میں داخل ہے' ماسوائے انسان کے دودھ کے کہ یہ (بچہ) کے لئے حلال ہے۔

(۶) وہ تمام چیزیں جو انسانی جسم کے لئے مضر ہیں' جیسا کہ زہریلی گیسیں[1] وغیرہ۔

(۷) دھویں والے مشروبات مثلاً تمباکو' چرس اور سگریٹ وغیرہ' اس لئے کہ ان میں سے بعض انسانی جسم کے لئے مضر ہیں اور بعض نشہ آور ہیں اور بعض بدبودار جن سے انسان اور فرشتوں کو ایذا پہنچتی ہے اور ان صفات کی حامل اشیاء شرعاً ممنوع ہیں۔

* مشروبات میں سے ''مضطر'' کے لئے بعض مباح اشیاء:

جس کے گلے میں کوئی چیز اٹک جائے' اس کے لئے جائز ہے کہ اگر اسے کوئی حلال چیز میسر نہیں تو شراب استعمال کر لے اور اگر جان نکلنے کا خطرہ ہے' جیسا کہ اسے پیاس سے مرنے کا اندیشہ ہے تو وہ بھی حرام مشروبات استعمال کر سکتا ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۱۹)

''مگر جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ۔''

---

(۱) ہوائی سیال جو ہر جیسا کہ پاکستان میں سوئی گیس (الاثری)

دسویں فصل

جنایات کا بیان

[اس میں چار مادے ہیں]

پہلا مادہ

انسانی جان پر جنایت

* جنایت علی النفس کی تعریف:

کسی انسان پر اس انداز کی ظلم و زیادتی کہ اس کے جسم سے جان نکل جائے' یا بعض اعضاء تلف (بیکار) ہو جائیں یا جسم پر زخم لگ جائے۔

* انسانی جان پر جنایت کا حکم:

ناحق طور پر قتل کرنا یا کسی عضو کو تلف کر دینا' یا جسم پر زخم لگانا حرام ہے۔ اس لئے کہ کفر کے بعد مومن کے قتل سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو عمداً کسی مومن کو قتل کر دیتا ہے' اس کی سزا جہنم ہے' وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا اس پر غضب ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔"

نیز فرمایا: «لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»(صحيح بخاري)

"مومن اپنے دین میں بڑھتا ہے' جب تک کہ کسی حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔"

* نفس پر جنایت کی اقسام:

نفس پر جنایت کی درج ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) قتل عمد:

یعنی جنایت کرنے والا جان بوجھ کر قتل کے ارادہ سے کسی کو لوہے کی چیز' یا لاٹھی یا پتھر مارے' یا اوپر سے پھینک دے' یا پانی میں ڈبو دے' یا آگ میں جلا دے' یا گلا گھونٹ دے' یا زہردار چیز کھلا دے اور وہ اسی وجہ سے مرجائے' یا اعضاء تلف کر دے' یا بدن کے کسی حصہ پر زخم لگائے۔

اس "ارادی جنایت" کا حکم یہ ہے کہ اس میں قصاص لازم ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ﴾ (المائدة٥/ ٤٥)

"اور ہم نے تورات میں ان پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُوْدٰى، وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس کا قتل ہو جائے' وہ دو میں سے ایک بات چن لے' چاہے تو اسے دیت [1] (مخصوص مالی معاوضہ) ادا کی جائے' یا قصاص لے دیا جائے۔"

آپ کے ایک اور فرمان میں ہے:

«مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدٰى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ يَقْتَصَّ أَوْ يَأْخُذَ الْعَقْلَ أَوْ يَعْفُوَ، فَإِنْ أَرَادَ رَابِعَةً فَخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ»(رواه أحمد وأبوداود وابن ماجة وفي سنده ضعف، والعمل عليه وأصله في الصحيحين)

"جس کا خون ہو جائے یا (اعضاء میں) زخم' تو اسے تین میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص لے' یا دیت قبول کر لے' یا پھر معاف کر دے' اگر وہ چوتھی بات کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو۔"

(۲) قتل شبہ عمد:

جس میں جنایت کرنے والے (مجرم) نے صرف سزا کا ارادہ کیا تھا' قتل یا زخم کا نہیں۔ مثلاً کسی کو لاٹھی سے معمولی ضرب لگاتا ہے' جس سے عادتاً انسان قتل نہیں ہوتا' یا تھپڑ مارتا ہے' یا اسکے ساتھ سر ٹکراتا ہے' یا معمولی پانی میں پھینکتا ہے' یا اسکے سامنے چیختا ہے' یا اسے دھمکی دیتا ہے اور وہ مرجاتا ہے۔

---

(۱) دیت کے احکامات آ رہے ہیں۔

اس قسم کی جنایت میں قصور وار کے "عاقلہ" (وہ رشتہ دار جو دیت بھریں) پر دیت ہے اور جنایت کرنے والے (مجرم) پر کفارہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ﴾ (النساء ٤/ ٩٢)

"اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو (اس کا کفارہ یہ ہے کہ) مومن غلام آزاد کیا جائے اور اس (مقتول) کے اہل کو دیت دی جائے۔ الاّ یہ کہ وہ معاف کر دیں۔"

(۳) قتل خطا:

ایک مسلمان جائز اور مباح کام کر رہا ہے۔ مثلاً تیر اندازی' یا شکار' یا گوشت کے ٹکڑے کرنا وغیرہ' مگر اس میں غلطی سے کوئی انسان قتل ہو جائے یا زخمی ہو جائے۔

اس قسم کی کوتاہی کی سزا دوسری قسم میں مذکور سزا کی طرح ہے' البتہ اس میں دیت ہلکی ہے اور کوتاہی کرنے والا عنداللہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس "شبہ عمد" میں دیت مغلظہ (یعنی بھاری دیت) ہے اور وہ گناہ گار بھی ہے۔

دوسرا مادہ

احکام جنایات

الف۔ قصاص کے واجب ہونے کی شرائط:

قتل یا اعضاء کے ضیاع یا زخم میں قصاص کا واجب ہونا درج ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

پہلی شرط: یہ ہے کہ مقتول معصوم ہو' اگر وہ شادی شدہ زانی ہے' یا مرتد ہے' یا کافر ہے تو پھر قصاص نہیں ہے' بلکہ اس کا خون اس کے اپنے جرائم کے نتیجہ میں ضائع ہے۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ قاتل مکلف' یعنی عاقل و بالغ ہو' اگر وہ نابالغ ہے' یا مجنون ہے تو مکلف نہ ہونے کی وجہ سے اس پر قصاص نہیں ہے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے نابالغ' مجنون اور سوئے ہوئے کو مرفوع القلم [1] قرار دیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تیسری شرط: یہ ہے کہ دین' آزادی اور غلامی میں قاتل اور مقتول دونوں برابر ہوں' [2] اس لئے کہ کافر

(۱) اس کی نیت نہیں ہوتی لہٰذا نیکی یا بدی کا بدلہ نہیں لکھا جاتا (محمد عبدالجبار)

(۲) دونوں کافر یا مسلمان ہوں' آزاد یا غلام ہوں۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

کے بدلہ میں مسلمان کو اور غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ»(مسند أحمد وسنن ترمذي وهو حسن)

"کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔"

اور اس لئے بھی کہ غلام کی حیثیت ان جانوروں کی سی ہے' جن کی قیمت مقرر کی جاتی ہے لہٰذا اس کی قیمت (دیت) کی ادائیگی کی جائے گی (قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا) اور اس لئے بھی کہ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لاَّ يُقْتَلَ حُرٌّ بِعَبْدٍ»(سنن دارمی)

"سنت یہی ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے۔"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ:

«لاَ يُقْتَلُ حُرٌّ بِعَبْدٍ»(سنن بيهقى وسنده حسن)

"غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہ کیا جائے۔"

چوتھی شرط: یہ ہے کہ قاتل مقتول کا والد' ماں' یا دادا اور دادی نہ ہو' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«لاَ يُقْتَلُ وَالِدٌ بِوَلَدِهِ»(مسند أحمد وسنن ترمذي وصححه ابن الجارود)

"اولاد کے بدلے میں والد کو قتل نہ کیا جائے۔"

ب۔ قصاص لینے کی شرائط:

قصاص درج ذیل شروط کے پورا ہونے کے بعد لیا جا سکتا ہے:

(۱) جس کے لئے قصاص لینا ہے' اس کا مکلف یعنی عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے' اگر وہ نابالغ یا مجنون ہے تو مجرم کو پابند رکھا جائے گا کہ بچہ کے بالغ ہونے یا مجنون کے افاقہ کے بعد وہ چاہیں تو قصاص لیں' یا دیت قبول کریں' یا معاف کر دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی بات مروی ہے۔

(۲) خون کے مستحقین (مقتول کے ورثاء) قصاص لینے پر متفق ہوں' اگر کسی ایک نے معاف کر دیا تو پھر قصاص نہیں ہو گا اور جس نے قصاص معاف نہیں کیا' دیت میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا۔

(۳) قصاص لینے میں ظلم وزیادتی سے بچا جائے' یعنی اسی طرح کا زخم لگایا جائے (جس طرح کا مجرم نے لگایا تھا) اور قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کیا جائے' نیز قتل کرنے والی حاملہ عورت کو قصاص میں وضع حمل اور مدت رضاعت سے پہلے قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایک عورت نے کسی عورت کو عمداً قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَمْ تُقْتَلْ حَتَّى تَضَعَ مَا فِيْ بَطْنِهَا إِنْ كَانَتْ حَامِلاً، وَحَتَّى تَكْفُلَ

وَلَدَهَا»(سنن ابن ماجة)

"اگر یہ حاملہ ہے تو "وضع حمل" اور اپنے بچے کی کفالت سے پہلے اسے قتل نہ کیا جائے۔"

(۴) قصاص سلطان' یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہونا چاہیئے' تاکہ ظلم و تعدی نہ ہو[1] سکے۔

(۵) قصاص تیز دھار آلہ سے لیا جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ قَوَدَ إِلاَّ بِالسَّيْفِ»(رواه ابن ماجة وسكت عنه السيوطى)

"قصاص صرف تلوار سے لیا جاتا ہے۔"

ج۔ قصاص' دیت اور معاف کرنے میں اختیار:

مسلمان کے لئے قصاص لینا ثابت ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ قصاص لے' یا دیت قبول کر لے' یا پھر معاف کر دے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ﴾ (البقرة۲/ ۱۷۸)

"جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو معروف طریقہ سے پیروی کی جائے (دیت طلب کی جائے) اور (قاتل یا اس کے عاقلہ) نیکی اور خاموش خلقی کے ساتھ اس کی ادائیگی کریں۔"

نیز فرمان ربانی ہے: ﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ﴾ (الشورى۴۲/ ۴۰)

"پس جو معاف کرتا ہے اور اصلاح کرتا ہے' اس کا اجر اللہ پر ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُوْدَى، وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس کا قتل ہو جائے تو اسے دو چیزوں میں اختیار ہے چاہے تو اسے دیت دی جائے یا قصاص دلایا جائے۔"

نیز فرمایا: «مَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَظْلِمَةٍ إِلاَّ زَادَهُ اللهُ بِهَا عِزًّا»(مسند أحمد)

---

(۱) یاد رہے کہ مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ اسلامی عدالت کرتی ہے وہی کسی حد کے نفاذ کی مجاز ہے اگر کوئی شخص از خود قانون ہاتھ میں لے کر کسی پر کوئی حد جاری کرتا ہے تو وہ مجرم ہو گا اگر اسلامی عدالتیں نہیں ہیں عام عدالتیں ہیں تو بھی مظلوم ان میں جا سکتا ہے اسے جتنا حق ملتا ہے لے لے باقی حق اسے قیامت کے دن مل جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (محمد عبدالجبار)

"جو مرد ظلم کو معاف کر دیتا ہے' اللہ اس کے بدلے اس کی عزت بڑھا دیتا ہے۔"

تنبیہ:

(۱) جو وارث دیت قبول کر لے تو قصاص لینے میں اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قبول دیت کے بعد اگر اس نے قصاص کا مطالبہ کیا تو اسے یہ حاصل نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ انتقام لینے پر تل جائے اور قاتل کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ البتہ قصاص اختیار کرنے کے بعد بھی فیصلہ بدل کر وہ دیت لینا قبول کر سکتا ہے۔

(۲) قاتل کے مر جانے کے بعد "اولیاء مقتول" صرف دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں' اس لئے کہ قاتل کی موت کی وجہ سے قصاص ممکن نہیں رہا ہے' یہ اس لئے بھی کہ قصاص میں غیر قاتل (قاتل کی بجائے اس کے کسی عزیز) کو قتل نہیں کیا جا سکتا' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِۦ سُلْطَـٰنًا فَلَا يُسْرِف فِّى ٱلْقَتْلِ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ مَنصُورًا ﴾

(بنی اسرائیل ۱۷/ ۳۳)

"اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے' ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اسے چاہیئے کہ (قصاص کے وقت قاتل کے) قتل میں زیادتی نہ کرے۔"

"قتل میں زیادتی" کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ غیر قاتل کو قتل کر دے۔

(۳) قاتل خطا اور شبہ عمد دونوں پر کفارہ ہے' چاہے مقتول ماں کے پیٹ میں بچہ ہے' یا بڑا آزاد ہے یا غلام۔ ایسے قتل کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہیں پاتا تو دو ماہ لگاتار روزے رکھنے ہیں' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ (النساء ٤/ ٩٢)

"اور ایک مومن گردن کا آزاد کرنا ہے۔ جو نہیں پاتا وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے حضور توبہ کے طور پر ہے اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔"

تیسرا مادہ

اعضائے جسم پر جنایت

* جنایت اعضاء کی تعریف:

کوئی انسان دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور اس کی آنکھ نکال دیتا ہے' ٹانگ توڑ دیتا ہے' یا ہاتھ کاٹ دیتا ہے تو یہ "اعضائے جسم" پر جنایت ہے۔

* جنایت اعضاء کا حکم:

قصور وار نے اگر جان بوجھ کر اور ارادے سے یہ کام کیا ہے اور وہ مظلوم اس کا بیٹا' یا بیٹی نہیں اور اسلام اور آزادی میں دونوں برابر ہیں تو ظالم سے قصاص لیا جائے گا۔ اس طرح کہ جو عضو اس نے توڑا یا کاٹا ہے جانی (مجرم) کا وہی عضو توڑا یا کاٹا جائے گا اور اگر اس نے زخم لگایا ہے تو اسے زخمی کیا جائے گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ﴾ (المائدة٥/ ٤٥)

"زخموں میں بھی قصاص ہے۔"

الآیہ کہ "صاحب حق" (قصاص لینے کی بجائے) دیت قبول کر لے' یا معاف کر دے۔

* اعضاء پر جنایت کا قصاص لینے کی شرائط:

اعضاء کا قصاص لینے کی درج ذیل شرطیں ہیں:

(۱) قصاص لینے میں حد سے تجاوز کا خطرہ نہ ہو' اگر یہ خطرہ موجود ہے تو قصاص نہیں ہے۔

(۲) قصاص لینا ممکن ہو' اگر ممکن نہیں تو دیت لی جائے۔

(۳) جس عضو کو قصاص میں کاٹنا چاہتے ہیں' وہ نام اور محل (جگہ) میں ضائع یا بیکار ہونے والے عضو کے مماثل ہونا چاہیئے' لہٰذا بائیں عضو کے بدلے میں دایاں عضو نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ہی پاؤں کے بدلے میں ہاتھ اور (اگر کسی کی چھ انگلیاں ہوں تو) زائد انگلی کے بدلہ میں اصلی انگلی نہیں کاٹی جائے گی (دیت دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ع' ر)۔

(۴) دونوں عضو صحت اور کمال میں برابر ہونے چاہئیں' لہٰذا تندرست ہاتھ کے بدلہ میں شل ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ تندرست آنکھ کے بدلے کانی آنکھ نکالی جائے گی۔

(۵) اگر زخم سر یا چہرہ میں لگا ہے' جسے "شجہ" کہتے ہیں تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ اسی طرح ٹوٹی ہڈی اور معدہ تک پہنچنے والے زخم میں بھی قصاص نہیں ہے' مگر ان میں دیت واجب ہے۔

تنبیہ:

اگر ایک شخص کو قتل کرنے' یا اس کے جسم کے کسی عضو کو ناکارہ کرنے میں ایک جماعت شریک ہے تو سب سے قصاص لیا جائے گا' اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سات آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا تو انہوں نے سب کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا:

«لَوْ تَمَالأَ عَلَيْهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ جَمِيْعًا»(مؤطا الإمام مالك وأصله في صحيح البخاري)

"اگر اس کے قتل پر صنعاء شہر کے (تمام) لوگ مجتمع ہوتے تو میں اس کے عوض سب کو قتل کر

دیتا۔"

"جنایت" کے بڑھ جانے کی صورت میں اضافہ کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کی انگلی کاٹ دی اور زخم مندمل نہیں ہوا اور ہاتھ شل ہو گیا تو قصاص' یا دیت اس (نتیجے) کے مطابق ہو گی۔

قصاص میں زخم بڑھ جائے تو وہ ضائع ہے۔ مثلاً ایک شخص نے قصاص میں دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور وہ مر گیا تو قصاص لینے والا ضامن نہیں' الا یہ کہ اس نے قصاص لینے میں تجاوز کیا ہو۔ مثلاً اس نے کند آلہ کے ساتھ کاٹا ہے یا زہر آلود آلہ استعمال کیا ہے' تو پھر وہ ضامن ہو گا۔

زخم یا عضو کے بیکار ہونے کی صورت میں ان کے ٹھیک ہونے سے پہلے مجرم سے قصاص نہیں لیا جاتا' اس لئے کہ نبی ﷺ نے زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لینے سے منع کیا ہے (دارقطنی ضعیف مرسل)[1]

کیونکہ زخم کے جسم میں سرایت ہونے کی صورت میں باقی جسم کے تلف ہونے کا امکان موجود ہے۔

اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور زخم ختم ہونے سے پہلے قصاص لے لیا' پھر زخم کے پھیلاؤ کی وجہ سے عضو ضائع ہو گیا تو اب وہ دوبارہ قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس نے حکم نبوی کی خلاف ورزی کر کے قصاص لینے میں جلد بازی کی ہے۔

چوتھا مادہ — دیت کا بیان

* دیت کی تعریف:

"مستحق خون"[2] کو جو مال (جنایت کے) عوض میں دیا جائے' وہ دیت ہے۔

* دیت کا حکم:

دیت شریعت اسلامیہ میں ثابت ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) اس کی حکمت یہ ہے کہ ایک بار کئے گئے جرم کی شرعی سزا ایک ہی دفعہ دی جا سکتی ہے دو دفعہ نہیں لہٰذا جانی کو فوری سزا دینے کی بجائے اس بات کا انتظار کیا جائے گا کہ مظلوم کا زخم درست ہو جائے اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو اس کے مطابق جانی سے قصاص یا دیت لی جائے گی لیکن اگر زخم بگڑ گیا تو بگاڑ کے حساب سے قصاص یا دیت میں اضافہ ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر زخمی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا تو یہ قتل کا کیس بن جائے گا۔ (محمد عبدالجبار)

(۲) مستحق خون: مقتول کا وارث یا زخمی جسے قصاص یا دیت لینے یا معاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) (ع'ر)

﴿ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُواْ ﴾ (النساء٤/ ٩٢)

"اور اولیاء (مقتول کے ورثاء) کو دیت دی جائے' الآیہ کہ وہ معاف کر دیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُوْدٰى، وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس کا آدمی مارا جائے' اسے دو چیزوں کے درمیان اختیار ہے کہ اسے دیت دی جائے یا قصاص ولایا جائے۔"

* دیت کس پر واجب ہوتی ہے؟

جس نے کسی کو خود' یا کسی طرح عمداً قتل کیا ہے تو اس کے مال پر دیت عائد ہوتی ہے اور اگر قتل "شبہ عمد" ہے یا "قتل خطا" ہے تو دیت "عاقلہ" پر ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے۔ جب دو عورتیں لڑ پڑیں' ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اسے اور اس کے پیٹ میں بچے کو قتل کر دیا' تو آپ نے قاتلہ کے "عاقلہ" پر دیت پڑنے کا فیصلہ دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

"عاقلہ" سے مراد وہ جماعت ہے جو اس کی طرف سے دیت ادا کرے گی اور اس میں اس کے آباؤ اجداد' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' چچا اور چچوں کے بیٹے شامل ہیں۔ ہر ایک اپنی حالت کے مطابق (اپنے حصے کی) ادائیگی کرے گا اور تین سال کی مدت کی قسطیں ان پر لاگو ہوں گی' وہ ہر سال دیت کا ایک تہائی ادا کریں گے اور اگر ایک ہی بار اور فوراً ادائیگی کر سکتے ہیں تو بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

* دیت کس سے ساقط ہے؟

والد اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارتا ہے اور وہ قتل ہو جائے' یا حاکم وقت کسی کو تعزیر و تادیب کے طور پر سزا دیتا ہے اور وہ مرجائے' اسی طرح استاد اپنے شاگرد کو تادیبی سزا دیتا ہے اور وہ مرجائے تو ان صورتوں میں دیت نہیں ہے (قصاص تو بالا ولی نہیں ہے)' بشرطیکہ تادیب کے لئے معروف حدود سے تجاوز نہ کیا ہو۔

* دیات کا تعین

الف۔ دیت نفس:

اگر مرنے والا آزاد اور مسلمان تھا تو اس کی دیت ایک سو اونٹ یا ایک ہزار مثقال[1] سونا' یا بارہ ہزار

(۲) عرف میں مثقال ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے کم اور زیادہ بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درہم چاندی' یا دو سو گائے' یا دو ہزار بھیڑ بکریاں ہیں۔

اور اگر قتل "شبہ عمد" ہے تو دیت مغلظہ ہو گی' یعنی سو اونٹوں میں چالیس حاملہ اونٹنیاں بھی ہوں گی اور اگر "قتل خطا" ہے تو دیت مغلظہ نہیں' بلکہ خفیف ہو گی' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ وَإِنَّ قَتْلَ خَطَإِ الْعَمْدِ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا وَالْحَجَرِ، فِيْهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ، مِائَةٌ مِنَ الإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُوْنَ مِنْ ثَنِيَّةٍ إِلَى بَازِلِ عَامِهَا، كُلُّهُنَّ خَلِفَةٌ»(أصحاب السنن والبخاري في التاريخ)

شبہ عمد کا مقتول جو لاٹھی' چابک' یا پتھر سے قتل ہوا' اس کی دیت مغلظہ ہے' یعنی ایک سو اونٹ' ان میں چالیس پانچ سال سے نویں سال تک کی حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔"

اور اگر "قتل عمد" ہے اور "اولیاء مقتول" دیت پر راضی ہو گئے ہیں تو وہ دیت سے زیادہ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں' اس لئے کہ وہ قصاص کا حق رکھتے تھے' لہٰذا وہ قصاص سے کم تر کوئی بھی مطالبہ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں' چاہے وہ دیت سے زیادہ ہے۔ دیت کے اس تعین کی دلیل حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔

فرماتے ہیں: «فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَى أَهْلِ الإِبِلِ مِائَةً مِّنَ الإِبِلِ، وَعَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ، وَعَلَى أَهْلِ الشَّاةِ أَلْفَيْ شَاةٍ»(رواه أبوداود وفي سنده ضعف)

"رسول اللہ ﷺ نے اونٹ والوں پر ایک سو اونٹ اور گائے والوں پر دو سو گائے اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں مقرر کی تھیں۔"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «إِنَّ رَجُلاً قُتِلَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفَ دِرْهَمٍ»(سنن أبي داود، سنن نسائی، سنن ابن ماجة وسنن ترمذي)

"ایک مرد قتل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر کی۔"

اسی طرح عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی دستاویز میں جسے تمام امت نے قبول کیا ہے' یہ الفاظ ہیں:

«وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِيْنَارٍ»(سنن نسائی وصححه جماعة منهم الحاكم وأحمد)

"اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار ہے۔"

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ہوتا ہے۔ گو اونٹوں کی قیمت میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے پھر بھی دیت میں اصل معیار اونٹ ہی ہیں باقی چیزیں ان کی عدم موجودگی میں ان کے بدل اور قیمت کی حیثیت رکھتی ہیں یہ قیمت عہد نبوی کے مطابق ہے آج کل موجودہ قیمت کا اعتبار ہو گا واللہ اعلم۔ (محمد عبدالجبار)

ان پانچ مقررہ دیات میں سے جو بھی قاتل حاضر کرے گا' مقتول کے ولی کو اس کا قبول کرنا لازم ہو گا۔

مسلمان آزاد عورت کی دیت مسلمان مرد کی دیت سے نصف ہے۔

مؤطا امام مالکؒ میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"یہ بات معروف رہی ہے کہ عورت کی دیت تہائی تک مرد کے برابر ہے' اس سے زائد میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہو جاتی ہے۔"[1]

ذمی یہودی یا نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور ان کی عورتوں کی دیت ان کی اپنی دیت سے بقدر نصف ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«عَقْلُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ»(سنن ترمذي وحسنه)

"کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔"

غلام کی دیت اس کی قیمت ہے' چاہے جتنی بھی ہو جائے' اس لئے کہ اگر وہ مقتول ہے تو اس کے قتل کی صورت میں مالک کو اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ عورت کے پیٹ میں جنین' چاہے لڑکا ہے' یا لڑکی تو اس (جنین) کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیصلہ میں فرمایا تھا کہ جنین میں ایک غلام یا لونڈی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جنین (بچہ) پیٹ میں ہی مر جائے' لیکن اگر زندہ پیدا ہو گیا اور پھر مر گیا تو اس میں قصاص ہے' یا پھر پوری دیت ہے۔

تنبیہ: بعض علماء نے جنین (پیٹ میں بچہ) کی دیت اس کی ماں کا دسواں حصہ بھی کہا ہے۔ بنا بریں امام مالک نے اس کی قیمت پچاس دینار' یا چھ سو درہم قرار دی ہے۔

ب۔ اعضاء کی دیت کا تعین:

درج ذیل اعضاء میں (ایک مقتول کی) پوری دیت ہے:

(۱) عقل زائل ہو جائے۔

(۲) دونوں کانوں کے ضائع ہونے سے قوت سماعت ختم ہو جائے۔

(۳) دونوں آنکھوں کے ضیاع سے بینائی زائل ہو جائے۔

---

(۱) یعنی اگر ایسا زخم ہے جس کی دیت تہائی (کل دیت کا تیسرا حصہ) ہے تو اس میں مرد و عورت برابر ہیں ----- لیکن اگر زخم کی دیت تہائی سے زیادہ بنتی ہے تو پھر ایک مرد کے زخم کی جتنی دیت ہو گی اس سے آدھی دیت عورت کے زخم کی ہو گی۔ (محمد عبدالجبار)

(۴) زبان یا ہونٹ کٹنے سے آواز ختم ہو جائے۔

(۵) ناک کٹنے سے سونگھنے کی قوت زائل ہو جائے۔

(۶) آلۂ تناسل یا خصیتین کٹنے سے قوت جماع مفقود ہو جائے۔

(۷) پیٹھ کی ہڈی ٹوٹنے سے کھڑا ہونے' یا بیٹھنے سے معذور ہو جائے۔ اس لئے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی دستاویز میں' جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا' تحریر ہے:

«إِنَّ فِي الأَنْفِ إِذَا أُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةَ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةَ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةَ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةَ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةَ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةَ، وَفِي العَيْنَيْنِ الدِّيَةَ»(سنن نسائى وصححه جماعة من أهل الحديث)

''ناک پوری کٹ جائے تو اس میں پوری دیت ہے' زبان میں دیت ہے' ہونٹوں میں دیت ہے' خصیتین میں دیت ہے' آلۂ تناسل میں دیت ہے' پیٹھ میں دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے۔''

اعضاء میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف (۲/۱) ہے اور زخموں میں مرد کی تہائی دیت سے زائد میں نصف دیت ہے اور اگر تہائی یا تہائی سے کم ہو تو اس کے زخم کی دیت مرد کے زخم کی دیت کے برابر ہے۔

ج- جن چیزوں میں نصف دیت واجب ہوتی ہے:

(۱) ایک آنکھ میں (۲) ایک کان میں (۳) ایک ہاتھ میں (۴) ایک پاؤں میں (۵) ایک ہونٹ میں (۶) ایک خصیہ میں (۷) ایک ابرو میں (۸) عورت کے ایک پستان میں۔

تنبیہ:

ایک انگلی کے کٹنے میں دس اونٹ دیت ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«دِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ أَوِ الرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ: عَشْرٌ مِنَ الإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ»(سنن ترمذي وصححه)

''ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے' یعنی ہر انگلی کے لئے دس اونٹ ہیں۔''

اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے کہ:

«وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الإِبِلِ»(سنن أبي داود، سنن ترمذي وسنن نسائى وإسناده حسن)

"اور دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔"

* سر، چہرہ اور مختلف اعضاء کے زخموں کا بیان:

(ا) شجاج کی تعریف:

سر یا چہرے کے زخم کو "شجہ" کہتے ہیں، جس کی جمع "شجاج" ہے۔ سلف صالحینؒ کے ہاں یہ زخم دس ہیں۔

پانچ کی دیت کا شارع علیہ السلام سے بیان مذکور ہے اور پانچ کی دیت کی تحدید منقول نہیں ہے۔

* وہ پانچ زخم جن کی دیات مذکور ہیں:

(ا) ہڈی ظاہر کرنے والا زخم

وہ زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔ اس کی دیت پانچ اونٹ ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ مِنَ الإِبِلِ»(سنن أبي داود، سنن ترمذي وسنن نسائی وإسناده حسن)

"ہڈی ظاہر کرنے والے زخموں میں پانچ اونٹ ہیں۔"

(۲) ہڈی توڑ دینے والا زخم

اس میں دس اونٹ دیت ہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْجَبَ فِي الْهَاشِمَةِ عَشْرًا مِنَ الإِبِلِ»(سنن بيهقي، سنن دارقطني ومصنف عبدالرزاق بسند صحيح)

"ہڈی توڑنے والے زخم میں نبی کریم ﷺ نے دس اونٹ واجب کئے ہیں۔"

(۳) ہڈی کو اپنی جگہ سے بدل دینے والا زخم

یعنی وہ زخم جس سے ہڈی اپنی جگہ چھوڑ دے، اس میں پندرہ اونٹ ہیں، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الإِبِلِ»(سنن نسائی وسنن دارمي ومسند أحمد)

"ہڈی کو جگہ سے ہٹا دینے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔"

(۴) دماغ کی جھلی تک پہنچنے والا زخم:

جو زخم دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے۔ اس میں کل دیت کی تہائی (۳/۱) ہے۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ»(سنن نسائی، سنن أبي داود وسنن دارمي)

"اور دماغ کی جھلی تک پہنچنے والے زخم میں ایک تہائی دیت ہے۔"

(۵) دماغ کی جھلی پھٹ جانے کی صورت میں:

جس سے دماغ کی جھلی پھٹ جائے' یا زخم اس سے بھی گہرا ہو جائے اور اس کا حکم بھی اوپر والے (نمبر۴) کی طرح ہے' یعنی ایک تہائی دیت۔

وہ پانچ زخم جن کی دیات مذکور نہیں ہیں:

(۱) الحارصة: جس سے جلد پر خراش آ جائے اور خون نہ بہے۔

(۲) الدامية: جس سے چمڑا کٹ جائے اور خون بہائے۔

(۳) الباضعة: جس سے گوشت کٹ جائے' مگر گہرا نہ ہو۔

(۴) المتلاحمة: جس سے گوشت کٹ کر گہرا زخم بھی ہو جائے۔

(۵) السمحاق: جس سے گوشت پورا کٹ جائے' البتہ ہڈی کی اوپر کی جھلی محفوظ رہے۔

ان پانچوں زخموں کا اہل علم کے ہاں حکم یہ ہے کہ اس طرح اندازہ لگایا جائے کہ مثلاً جسے زخم لگا ہے اگر وہ غلام ہے تو (مالک کو) اس کی قیمت ادا کی جائے۔ دونوں حالتوں میں [1] زخم کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو کمی ہوئی وہ جارح (زخمی کرنے والے) پر ڈال دی جائے۔ اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ ہڈی ظاہر کرنے والے زخم کو معیار بنا لیا جائے' اس میں پانچ اونٹ ہیں' جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تو جو زخم ہڈی ظاہر کرنے والے زخم کے پانچویں حصہ کے برابر ہے' اس کی دیت ایک اونٹ اور جو تین خمس (۵/۳) کی طرح ہے' اس میں تین اونٹ اور اس کا صحیح اندازہ وہ ماہر ڈاکٹر ہی لگا سکیں گے جو اس مضمون میں سپیشلسٹ ہیں۔

ب- جراح

* جراح کی تعریف:

سر اور چہرہ کے علاوہ جسم کے کسی حصہ میں زخموں کو "جراح" کہتے ہیں۔

---

(۱) یعنی زخم کی دیت احادیث میں مذکور ہے یا غیر مذکور دونوں صورتوں میں --- (ع' ر)

* جراح کا حکم:

((الجائفة)) یعنی وہ زخم جو پیٹ کے اندرون حصہ تک پہنچ جائے' اس میں پوری دیت کی تہائی (۱/۳) ہے' جیسا کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ»(سنن نسائی، سنن أبي داود وسنن دارمي)

''اور پیٹ کے اندر پہنچنے والے زخم میں ایک تہائی دیت ہے۔''

اور اس پسلی میں' جو ٹوٹ کر جڑ جائے' ایک اونٹ ہے۔

اگر بازو' پنڈلی کی ہڈی یا ہاتھ کی کلائی ٹوٹ کر درست ہو جائے تو اس میں سے ہر ایک میں دو اونٹ ہیں' اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں یہی فیصلہ کیا ہے۔

مذکورہ زخموں کے علاوہ دیگر زخموں میں عدالت فیصلہ کرے گی' یا انہیں ہڈی ظاہر کرنے والے زخم پر قیاس کر لیا جائے۔

* جنایت کس طرح ثابت ہو گی؟

قتل کے علاوہ دیگر ''جنایات'' کا اثبات دو طرح سے ممکن ہے:

(۱) جانی (مجرم) خود ''اعتراف جنایت'' کر لے۔

(۲) یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے۔

رہا قتل تو اس کا اثبات مجرم کے اعتراف' دو عادل گواہوں اور قسامت سے بھی ہوتا ہے' بشرطیکہ ملوث ہونے کی معقول وجہ موجود ہو۔ مثلاً قاتل اور مقتول کے مابین عداوت معروف و مشہور ہو وغیرہ۔

قسامت:

ایک شخص مقتول پایا گیا اور ''اولیاء مقتول'' ایک مرد' یا جماعت پر دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے قتل کیا ہے اور لوگوں میں ان کی عداوت بھی معروف ہے' جس سے اس ظن کو تقویت مل رہی ہے کہ یہ شخص اس عداوت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔

یا قاتل اور مقتول کے مابین عداوت معروف نہیں ہے' البتہ ایک گواہ موجود ہے' جو قتل کی شہادت دیتا ہے۔ چونکہ ''دعویٰ دم'' (اور نتیجۃً مستحق دم بننے) کے لئے دو گواہ ضروری ہیں' لیکن ایک گواہ سے وہ شخص ملوث ضرور قرار پاتا ہے' جس کے نتیجہ میں ''قسامت'' متعین ہو گئی۔ اب مقتول کے مرد ورثاء (عورتیں نہیں) پچاس قسموں کے ساتھ کسی ایک شخص پر خون کا اثبات کریں گے (قسمیں اٹھائیں گے کہ فلاں شخص ہی قاتل ہے) اور ان پر قسموں کی تقسیم وراثت کے انداز پر ہو گی۔ حلف کے بعد ''مدعیٰ علیہ'' پر خون ثابت ہو جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا' یا اس کے ''عاقلہ'' دیت ادا کریں گے۔ اگر

مقتول کے کچھ ورثاء حلف اٹھانے سے انکار کر دیں تو ان سب کا استحقاق ختم ہو جائے گا اور پھر "مدعیٰ علیہ" پچاس حلف دے کر خون سے بری ہو جائے گا۔ لیکن اگر "مدعیٰ علیہ" کے خلاف کوئی قتل کی وجہ موجود نہیں ہے، جس سے وہ ملوث ہوتا نظر آتا ہو تو ایک حلف کے ذریعہ ہی وہ بری قرار پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک قتل کا قضیہ پیش ہوا تو آپ نے اس میں "قسامت" کا فیصلہ دیا اور "اولیاء دم" (مقتول کے ورثاء) کو فرمایا:

«أَتَحْلِفُوْنَ وَتَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ؟»

"کیا تم حلف اٹھا کر اپنے صاحب، یا قاتل (کے خون) کے مستحق بن سکتے ہو؟"

مقتول کے ورثاء نے عرض کیا کہ ہم جس واقعہ میں موجود نہیں تھے، اس پر حلف کس طرح دے سکتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

«فَتُبَرِّئُكُمُ الْيَهُوْدُ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا»(صحيح بخاري)

"پھر پچاس قسموں کے ساتھ یہودی (جن پر قتل کا الزام ہے) تم سے (یعنی تمہارے قتل کے الزام سے) بری ہو جائیں گے۔"

اس پر ورثاء نے جواب دیا "یہ تو کافر ہیں، ان کی قسم کا ہم کیسے اعتبار کریں" چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (مقتول) کی دیت خود (بیت المال سے) ادا کر دی۔

گیارہویں فصل

حدود کا بیان

[اس میں نو مادے ہیں]

پہلا مادہ

حد خمر

* "حد" کی تعریف:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جن کاموں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے لوگوں کو ضرب (مار)، یا قتل کے ذریعے باز رکھنا حد کہلاتا ہے اور حدود اللہ سے مراد وہ محارم (حرام کردہ چیزیں) ہیں، جن سے اجتناب کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

"خمر" کی تعریف: جملہ نشہ آور مشروبات شرعاً "خمر" ہیں، اس لئے کہ

آپ کا ارشاد ہے: «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ»(صحيح مسلم)

"ہر نشہ دینے والی چیز "خمر" ہے اور "خمر" حرام ہے۔"

* شراب پینے کا حکم:

شراب کم ہو' یا زیادہ اس کا پینا حرام ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ (المائدة٥/ ٩١)

"کیا تم اس سے باز آئے ہو؟"

اور فرمایا: ﴿فَاجْتَنِبُوهُ﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

"اس سے اجتناب کرو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ شَارِبَ الْخَمْرِ وَبَائِعَهَا»(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وهو صحيح الإسناد)

"اللہ نے شراب پینے والے اور بیچنے والے پر لعنت کی ہے۔"

اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پینے والے پر مسجد کے صحن میں حد لگائی ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

* شراب کی حرمت میں حکمت:

شراب کو حرام قرار دے کر شریعت نے مسلمان کے دین' عقل' بدن اور مال کی حفاظت کی ہے۔

* شرابی کا حکم:

جس پر اپنے اعتراف' یا دو عادل گواہوں کے ذریعے شراب پینا ثابت ہو جائے' اس کی پیٹھ پر ۸۰ درے مارنے چاہئیں' اگر وہ آزاد ہے اور اگر غلام ہے تو چالیس درے۔ اس لئے کہ لونڈیوں کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (النساء٤/ ٢٥)

"ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے۔"

یاد رہے کہ غلام کو اس بارے میں لونڈی پر قیاس کیا جاتا ہے اور اسے نصف سزا دی جاتی ہے۔

* شرابی پر وجوب حد کی شرائط:

شراب پینے والے پر "نفاذ حد" کے لئے (یعنی حد لگانے کی) شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان' عاقل' بالغ

اور بااختیار ہو' شراب کی حرمت کا اسے علم ہو اور تندرست ہو' بیمار نہ ہو۔ البتہ بیمار سے "حد" ساقط نہیں ہوگی۔ جب تندرست ہو گا' تب اس پر "حد" قائم کی جائے گی۔

* شرابی پر بار بار حد نہیں قائم کی جائے گی:

ایک مسلمان پر کئی بار شراب پینا ثابت ہو جائے (اس کے بعد معاملہ قاضی تک پہنچا) تو ایک ہی حد کافی ہے' البتہ "حد" کی اقامت کے بعد اگر دوبارہ شراب پینا ثابت ہو جائے تو دوبارہ حد نافذ ہو گی۔

* شرابی پر حد قائم کرنے کا طریقہ:

شرابی کو زمین پر بٹھا دیا جائے اور درمیانی چابک کے ساتھ جو نہ بہت سخت ہو' نہ بہت خفیف' اسے ۸۰ بار مارا جائے اور عورت بھی اس حکم میں مرد کی طرح ہے' البتہ پردہ کے لئے اس پر کپڑا ڈالا جائے' مگر اس انداز کا نہیں کہ اس کو ضرب کی اذیت سے محفوظ رکھے۔

تنبیہ:

سخت سردی اور سخت گرمی میں شراب نوشی پر "حد" نہ لگائی جائے۔ بلکہ معتدل موسم اور فضا کے لطیف ہونے کا انتظار کیا جائے۔ اسی طرح نشہ کی حالت میں بھی "حد" نہ لگائی جائے اور نہ بیماری کی حالت میں' بلکہ اس کے افاقہ اور تندرستی کا انتظار کیا جائے۔

دوسرا مادہ

حد قذف کا بیان

* قذف کی تعریف:

کسی کو زنا' فحش کاری یا لواطت (اغلام یعنی لڑکوں کے ساتھ بدفعلی) کا الزام دینا "قذف" ہے۔

* قذف کا حکم:

قذف کبیرہ گناہوں میں سے ہے' اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جھوٹی الزام تراشی کرنے والوں کو فاسق کہا' ان کا عادل [1] ہونا ساقط کر دیا اور ان پر "حد" کا نفاذ واجب قرار دیا ہے۔

ارشاد عالی ہے: ﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا

---

(۱) کسی شخص کی عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق صحیح العقیدہ ہو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور عموماً صغیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہو۔ شرابی ساقط العدالت ہوتا ہے جس کی وجہ سے کسی معاملے میں اس کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

لَهُمْ شَهَٰدَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٤﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور ٢٤/ ٤۔٥)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں' ایسے لوگوں کو اسی (٨٠) درے رسید کرو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکردار ہیں' مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

* حد قذف کی مقدار:

اس کی حد اسی (٨٠) درے ہیں' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَٱجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً﴾ (النور ٢٤/ ٤)

''ان کو اسی درے مارو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے امی عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کو اسی (٨٠) درے رسید کئے تھے۔ (صحیح بخاری)

* حد قذف کی حکمت:

مسلمان کی عزت و ناموس کا تحفظ اور اس کی کرامت و سلامتی کی حفاظت' اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں بے حیائی کے پھیلاؤ کی روک تھام اور مسلمانوں میں رذیل کاموں کی شہرت کو ختم کرنا بھی مطلوب ہے' جبکہ مسلمان معاشرہ پاک اور بے داغ ہوتا ہے۔

* ''حد قذف'' کی اقامت کی شرائط:

کسی پر ''حد قذف'' نافذ کرنے کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(١) الزام لگانے والا مسلمان عاقل اور بالغ ہو۔

(٢) جس پر الزام لگا ہے' وہ عفیف و پاک دامن ہو۔ لوگوں میں اس کی شہرت گندی نہ ہو۔

(٣) جس پر الزام لگا ہے وہ ''حد'' کا مطالبہ کرے۔ اس لئے کہ یہ اسی کا حق ہے' چاہے اس حق کو استعمال کرے' یا معاف کردے۔

(٤) الزام لگانے والا چار گواہ الزام کی سچائی پر پیش نہ کرسکے۔

ان چار شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو ''حد'' نافذ نہیں ہوگی۔

زنا کا بیان

* زنا کی تعریف:

عورت کی قبل یا دبر میں حرام وطی کرنا زنا کہلاتا ہے۔

* زنا کا حکم:

کفرو شرک اور "قتل نفس" کے بعد زنا کبیرہ گناہ ہے اور علی الاطلاق بہت بڑی بے حیائی' جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

ارشاد جل شانہ ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴾(بنی إسرائیل ۱۷/ ۳۲)

"اور زنا کے قریب نہ جاؤ' یہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔"

زانی کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے "حد" مقرر کی ہے' ارشاد ہے:

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ ۖ ﴾ (النور ۲٤/ ۲)

"زانی مرد اور عورت ہر ایک کو سو درے مارو۔"

اور ایک آیت مبارکہ' جس کا حکم باقی اور تلاوت منسوخ[1] ہے' میں فرمایا:

«وَالشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ، نَكَالاً مِنَ اللهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو دونوں کو رجم سنگسار) کر دو' یہ اللہ کی طرف سے (ان کی) سزا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا (یعنی جب وہ زنا کرتا ہے تو ایمان سے خالی ہو جاتا ہے)۔"

بڑے گناہوں کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

«أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔"

---

(۱) یعنی اس آیت کریمہ میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ آج بھی ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے اگرچہ اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسے قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

* زنا کی حرمت کی حکمت:

اسلامی معاشرہ کی پاکیزگی کی حفاظت' عام مسلمانوں کی عزتوں اور ان کے نفوس و ارواح کی طہارت و کرامت کا باقی رکھنا اور شرف نسب کو اختلاط [1] کی غلاظت سے بچانا اور محفوظ کرنا "حرمت زنا" کے مقاصد میں سے ہے۔

* حد زنا کیا ہے؟:

اگر زانی غیر شادی شدہ ہے' یعنی زنا سے پہلے اس نے کسی عورت کے ساتھ شرعی نکاح نہیں کیا' جس کے بعد اسے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ اور مجامعت حاصل ہوئی ہو' تو ایسی صورت میں اسے ایک سو درے اور ایک سال کے لئے شہر سے جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ نیز غیر شادی شدہ عورت کی سزا بھی یہی ہے' البتہ اگر کسی خرابی کا امکان ہے تو اسے شہر بدر نہیں کیا جائے گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور ٢٤/ ٢)

"زانی مرد اور عورت کو سو سو درے مارو۔"

اور اگر زانی مرد یا عورت شادی شدہ ہے تو اسے موت تک سنگسار کیا جائے (پتھر مارے جائیں)۔

آیت مبارکہ' جس کی تلاوت منسوخ ہے' میں ہے:

«وَالشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ، نَكَالاً مِنَ اللهِ، وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں لازماً رجم کر دو' اللہ کی طرف سے یہ عبرت ہے اور وہی غالب' حکمت والا ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے غامدیہ رضی اللہ عنہا اور ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح یہودی مرد اور عورت کو سنگسار کرنے کا فیصلہ ارشاد فرمایا۔

* زانی پر حد قائم کرنے کی شرائط:

(ا) زانی مسلمان اور عاقل و بالغ ہو' جس نے یہ جرم اپنے اختیار سے کیا ہو۔ جبر و اکراہ کے نتیجہ میں نہیں۔ اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَالنَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ،

(ا) نسب کا اختلاط: کسی بچے یا بچی کے والد کا تعین نہ ہونے پائے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

وَالْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ»(سنن ابن ماجة)

"تین (اشخاص) مرفوع القلم ہیں نابالغ بالغ ہونے تک' سویا ہوا جاگنے تک اور مجنون افاقہ ہونے تک۔"

نیز فرمایا: «رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ»(معجم طبراني وسنده صحيح)

"میری امت کو بھول چوک اور جس چیز پر وہ مجبور کئے جائیں' معاف کر دیا گیا ہے۔"

(۲) "جرم زنا" قطعی طور پر ثابت ہو' یا مجرم خود اقرار کرے کہ اس نے زنا کیا ہے' جبکہ وہ طبعی طور پر درست حالت میں ہے یا چار عادل گواہ شہادت دیں کہ انہوں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے' جبکہ مرد کی شرم گاہ عورت کی شرم گاہ میں تھی جس طرح کہ سرمہ کی سلائی سرمہ دانی اور رسی کنویں میں ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّٰتِي يَأۡتِينَ ٱلۡفَٰحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمۡ فَٱسۡتَشۡهِدُواْ عَلَيۡهِنَّ أَرۡبَعَةٗ مِّنكُمۡۖ﴾ (النساء٤/ ١٥)

"اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحش کاری کرتی ہیں تو ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو نے اس عورت سے جماع کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں' تو آپ نے فرمایا:

«كَمَا يَغِيْبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحَلَةِ وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ»(سنن أبی داود)

"جس طرح سلائی سرمہ دانی میں غائب ہو جاتی ہے؟ اور رسی کنویں میں؟"

یا حمل نمایاں ہو جائے اور پوچھنے پر عورت ایسی کوئی واضح بات نہ کہہ سکے جس سے اس سے "حد" ساقط ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ وہ اغواء ہو گئی تھی' یا شبہ کی بنا پر اس سے وطی ہو گئی تھی' یا اسے زنا کی حرمت کا علم نہیں تھا' اگر وہ کسی انداز کا شک و شبہ پیش کر دیتی ہے تو اس پر حد لاگو نہیں ہو گی' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ»(ابن عدي وسكت عنه السيوطي)

"شبہات کی صورت میں حدود ہٹا دو۔" (نافذ نہ کرو)

نیز ایک عجلانی کی عورت کے بارے میں آپ نے فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اگر میں کسی کو بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اسے ضرور کر دیتا۔"[1]

(۴) اور وہ "اقرار زنا" سے رجوع نہ کر چکا ہو' اگر "حد" لگنے سے پہلے اپنی تکذیب کرے اور کہے میں نے زنا نہیں کیا تو اس پر حد نہیں لگے گی۔ اس لئے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کو جب پتھر لگے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے "اسے پکڑا اور مارا اور وہ فوت ہو گیا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا' گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرار کو اعتراف زنا سے رجوع قرار دیا' یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ بھاگتے ہوئے ماعز رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ۔ میری قوم نے مجھے قتل کیا ہے اور دھوکا میں رکھا ہے' انہوں نے تو مجھے کہا تھا کہ آپ قتل کا حکم نہیں دیں گے۔" (صحیح بخاری)

* زناکاروں پر حد قائم کرنے کا طریقہ:

زمین میں گڑھا کھودا جائے۔ زانی کو اس میں کھڑا کیا جائے اور سینہ تک اسے دبا دیا جائے اور پھر پتھر مارے جائیں' یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ یہ کارروائی امام اور مسلمانوں کی ایک جماعت جو چار سے کم نہ ہوں' کے سامنے سرانجام پائی جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (النور ۲۴/ ۲)

"اور ان کی سزا کے وقت ایمان والوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیئے۔"

نیز اس بارے میں عورت اور مرد کا حکم برابر ہے' البتہ عورت کے کپڑے باندھ دیئے جائیں' تاکہ وہ ننگی نہ ہو۔

یہ حد رجم قائم کرنے کے لئے ضابطہ کار ہے' غیر شادی شدہ کو درے مارنے کا طریقہ وہی ہے جو "قذف" اور شراب نوشی کی حد کا ہے۔

تنبیہ:

لواطت کا بیان: لواطت کی "حد" بھی سنگسار کرنا ہے۔ اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا فرق نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لَوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ»(سنن أبي

---

(۱) یہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی انہوں نے اس پر بدکاری کی تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا چنانچہ وہ عورت قسم کھا کر حد رجم سے بچ گئی مگر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو واضح ہو گیا کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی تھی اس بنا پر آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ (محمد عبدالجبار)

داود وسنن ترمذي وهو صحيح)

"جس کو تم "قوم لوط" والا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"

جانوروں کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو بدترین تعزیری سزا دینی چاہیئے اور قید کیا جائے' اس لئے کہ وہ "بالا جماع" فحش کاری کا مرتکب ہوا ہے اور تعزیری سزا اس کی منحرف فطرت کو درست کرنے کے لئے ہے۔

بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ بد فعلی کرنے والے اور جانور دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ مگر وہ صحیح اسناد کے ساتھ ثابت نہیں ہوئے' لہٰذا علماء نے عدالت کی صوابدیدی تعزیری سزا پر ہی اکتفا کیا ہے' جس سے اس کے فاسد مزاج کی درستی ہو جائے۔

غلام اور لونڈی زنا کریں تو ان کی سزا فقط درے ہیں' چاہے شادی شدہ ہی ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ﴾ (النساء٤/ ٢٥)

"ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔"

چونکہ موت آدھی نہیں ہو سکتی' لہٰذا اس سے مراد پچاس درے ہیں' رجم نہیں۔

ان کا مالک یہ "حد" لگائے گا اور اگر مالک انہیں "عدالت مجاز" میں پیش کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کالی لونڈی کے پاس بھیجا' تا کہ میں اس پر حد زنا قائم کروں' تو میں نے اسے "حالت نفاس" (پھلہ) میں پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے حکم دیا:

«إِذَا تَعَالَتْ مِنْ نِّفَاسِهَا فَاجْلِدْهَا خَمْسِيْنَ»(صحيح مسلم)

"نفاس سے فارغ ہو گئی تو اس کو پچاس درے لگانا۔"

اور فرمایا: «إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو وہ اس پر "حد" لگائے اور اسے طعن و تشنیع نہ کرے۔" (اس لئے کہ شرعی سزا نے اسے پاک کر دیا ہے۔ ع' ر)

چوتھا مادہ

سرقہ (چوری) کی حد کا بیان

(۱) سرقہ کی تعریف:

کسی کا محفوظ مال مخفی طریقہ سے ہتھیا لینا۔ مثلاً دکان یا مکان میں داخل ہو کر کپڑے' یا اجناس' یا سونا اور

چاندی وغیرہ لے جائے' "سرقہ" کہلاتا ہے۔

(۲) چوری کا حکم:

یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓاْ أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلًا مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ (المائدة٥/ ٣٨)

"چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو' یہ اللہ کی طرف سے ان کے کام (چوری) کی سزا ہے اور اللہ غالب' حکمت والا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے چور پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ چور پر لعنت کرے' کہ وہ انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔"[1]

آپ نے چوری کرتے وقت چور کے ایمان کی نفی کی ہے' فرمایا:

«لَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"چور چوری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔"

اور آپ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ (ہاتھ کاٹنا) اللہ کی حدود میں سے ایک "حد" ہے' جس کو بلا امتیاز ہر ایک پر لاگو کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»(صحيح مسلم)

"مجھے اس ذات کی قسم ہے' جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میری بیٹی فاطمہ بھی اگر چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

* چوری کس طرح ثابت ہوتی ہے؟:

ملزم خود اعتراف کر لے کہ اس نے چوری کی ہے۔ مگر اس اعتراف کی بنیاد' مار کٹائی یا زجر و توبیخ پر نہ ہو' بلکہ وہ اپنی مرضی اور اختیار سے اعتراف کرے' یا دو عادل گواہ موجود ہوں جو گواہی دیں کہ اس

(۱) اس کا مفہوم یہ ہے کہ چور انڈے جیسی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے چوریاں شروع کرتا ہے اور ایک ایسا موقع آتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹ جاتا ہے۔ (محمد عبدالجبار)

نے چوری کی ہے۔

اگر "حد" کی اقامت سے پہلے وہ اپنے اعتراف سے منحرف ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' البتہ چوری شدہ مال کی ضمانت اس پر ہو گی۔[1] نیز ایسی صورت میں مستحب یہی ہے کہ اسے انحراف کی تلقین کی جائے' تاکہ اسکا ہاتھ بچ سکے' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«اِدْرَؤُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(رواه ابن عدي)

"جس حد تک ہو سکے شبہات کی بنا پر حدود ساقط کر دو۔"

* قطع ید کی شرطیں:

(۱) چور مکلف اور عاقل و بالغ ہو۔ حدیث میں ہے کہ تین (اشخاص) مرفوع القلم ہیں' جن میں مجنون اور نابالغ بھی ہیں۔

(۲) چوری کرنے والا "مسروقہ مال" کے مالک کا والد' بیٹا' خاوند اور بیوی نہ ہو' اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کے مال میں حقوق ہوتے ہیں۔

(۳) "مسروقہ مال" میں چور کی ملکیت کا شبہ نہ ہو۔ مثلاً ملزم مقروض تھا اور اس نے "مرتہن" (جس کے پاس مقروض' قرض کے عوض کوئی چیز گروی رکھے) کے پاس اپنی ہی گروی رکھی ہوئی چیز چوری کر لی' یا ملزم مزدور تھا اور اس نے "ٹھیکے دار" کے پاس سے اپنی اجرت اٹھالی ہو۔

(۴) "مسروقہ مال" حرام مال نہ ہو۔ مثلاً شراب یا "آلات موسیقی" وغیرہ' بلکہ "مباح مال" کی چوری میں ہاتھ کاٹنا ہے' جو قیمت میں چوتھائی (۱/۴) دینار (سونا) کے برابر ہے' اس لئے کہ آپ کا ارشاد ہے:

«لاَ تُقْطَعُ الْيَدُ إِلاَّ فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا»(صحيح مسلم)

"نہ ہاتھ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار (۱/۴) یا اس سے زیادہ میں"

(۵) "مال مسروق" محفوظ جگہ سے اٹھایا گیا ہو' مثلاً مکان' دکان' باڑہ اور صندوق وغیرہ سے' جس میں مال کو محفوظ سمجھا جاتا ہے۔

(۶) جھپٹی مار کر مال نہ چھینا گیا ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کے ہاتھ سے مال چھین کر بھاگ جائے۔ اس میں "قطع" نہیں ہے۔ اسی طرح غصب یعنی زبردستی یا لوٹ کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر بھی "قطع ید"

---

(۱) کیونکہ اس کے انحراف کا فائدہ صرف یہ ہے کہ اس کا ہاتھ بچ گیا مگر اس سے وہ چوری کے الزام سے بری نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر چوری کا نہ اعتراف ہے نہ گواہ ہیں مگر مال برآمد ہو گیا تو اس مال لے لیا جائے گا اور بس۔ (محمد عبدالجبار)

(ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلاَ مُنْتَهِبٍ وَلاَ مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ»(رواه الترمذي وابن ماجة وصححه)

"خیانت کرنے والے' لوٹ اور جھپٹ کر مال لینے والے پر "قطع" نہیں ہے۔" (ان کی سزا اور ہے)

* چور پر کیا واجب ہے؟:

(۱) چور "مسروقہ مال" کا ضامن ہے۔ اگر اس کے پاس موجود ہے تو ادائیگی کرے اور اگر مال تلف ہو گیا ہے تو بھی اس کے ذمہ قرض ہے' وہ اس کی ادائیگی کرے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر اس کا ہاتھ کٹے گا' اس لئے کہ "حدود" اللہ تعالیٰ کے محارم ہیں (جنہیں کوئی معاف نہیں کر سکتا) اگر مذکورہ شرائط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر "قطع" میں قانوناً توقف (تعطل) ہو جائے تو بھی وہ مالک کو "مال مسروقہ" کی ادائیگی ضرور کرے گا' خواہ مالک' صاحب ثروت ہے' یا تنگ دست اور مال تھوڑا ہے' یا زیادہ۔

* ہاتھ کاٹنے کا طریقہ:

چور کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی جوڑ سے کاٹ دی جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے:

«فَاقْطَعُوْا أَيْمَانَهُمَا»

"ان کے دائیں ہاتھ کاٹ دو۔"

پھر کھولتے گرم تیل میں اسے داغ لگا دیا جائے' تاکہ خون بہنا بند ہو جائے اور یہ مستحب ہے کہ کٹے ہاتھ کو چور کی گردن میں چند دن تک لٹکا دیا جائے' تاکہ وہ لوگوں کے لئے عبرت بنے۔

* ان چیزوں کا بیان جن میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا:

"غیر محفوظ" مال اٹھانے میں ہاتھ نہیں کٹتا اور جس مال کی قیمت چوتھائی دینار سے کم ہے' اس میں بھی "قطع" نہیں ہے' اسی طرح درخت کے پھل میں "قطع" نہیں اور نہ کھجور کے خرما میں۔ اگر بھوکا آدمی باغ سے پھل' کھانے کے علاوہ اپنے ساتھ بھی لے جا رہا ہے تو پھل کی دگنی قیمت اس سے وصول کی جائے اور تادیب کے طور پر مارا بھی جائے' ہاں اگر پھل وہیں باغ میں کھا لیا تو اس میں کوئی سزا نہیں ہے' اس لئے کہ عام چراگاہوں میں چرنے والے جانوروں کے چوری کئے جانے کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

«فِيْهَا ثَمَنُهَا مَرَّتَيْنِ، وَضَرْبُ نَكَالٍ، وَمَا أُخِذَ مِنْ عَطَنِهِ فَفِيْهِ الْقَطْعُ، إِذَا

بَلَغَ مَا يَأْخُذُ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ»(مسند أحمد وسنن نسائی)

"ان (کی چوری) میں دگنی قیمت ہے (جو چور سے وصول کی جائے گی) اور عبرت کے لئے مار پیٹ ہے اور اگر جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ سے کوئی جانور (چرا کر) لے جاتا ہے تو اس میں "قطع" ہے' جب اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو جائے۔"

پھر سوال ہوا کہ پھلوں اور جن چیزوں کو ان کے شگوفوں سے حاصل کیا جائے' کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

تو فرمایا: «مَنْ أَخَذَ بِفَمِهِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَمَا احْتَمَلَ فَعَلَيْهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَيْنِ، وَضَرْبُ نَكَالٍ، وَمَنْ أَخَذَ مِنْ أَجْرَانِهِ فَفِيْهِ الْقَطْعُ إِذَا بَلَغَ مَا يُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ»(مسند أحمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجة، سنن ترمذي وحسنه ومستدرك حاكم وصححه)

"جو شخص پھل کھا لیتا ہے اور اٹھا کر نہیں لے جاتا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور جو ساتھ لے جائے اس پر دگنی قیمت اور عبرت کے لئے ضرب لگانا ہے اور جو پھل کو "حفاظت گاہ" سے اٹھاتا ہے' اس میں "قطع" ہے' اگر اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو۔"

تنبیہات:

اگر "صاحب مال" چور کو حاکم کے پاس لے جانے سے پہلے معاف کر دے تو قطع ید نہیں ہے۔ اگر حاکم مجاز کے پاس لے گیا تو پھر کوئی سفارش مفید نہیں ہو گی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حضور چور پیش کر دیا اور پھر اس کو معاف کرنے لگا تو آپ نے فرمایا:

«فَهَلَّا كَانَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِيْ بِهِ»(أصحاب السنن وصححه الحاكم وابن الجارود)

"میرے پاس لانے سے پہلے کیوں اس کو معاف نہیں کیا؟"

حاکم کے پاس پہنچ جانے کے بعد "حدود" میں سفارش کرنا حرام ہے' اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللهَ فِي أَمْرِهِ»(رواه أبوداود والحاكم وصححه)

"جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے آگے حائل ہو گئی تو اس نے اللہ جل شانہ کے حکم کی مخالفت کی ہے۔"

اور آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: «أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللهِ»(صحیح بخاري و مسلم)

"تم اللہ کی ایک "حد" میں سفارش کر رہے ہو؟"

گھر پر حملہ کر کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کی سزا "محاربین" کی سزا کی طرح (قتل) ہے۔

پانچواں مادہ

اہل محاربت کی حد کا بیان

* اہل محاربت کی تعریف:

مسلمانوں میں سے ایک ٹولی طاقت اور قوت حاصل کر کے عام لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھائیں' ان کے راستے مسدود کر دیں' لوگوں کو قتل کریں اور ان کے اموال لوٹ لیں تو وہ "محاربین" ہیں۔

* محارب لوگوں کے احکام:

(ا) ان کو پہلے سمجھایا جائے اور توبہ کی اپیل کی جائے' اگر توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جائے' اگر انکار کریں تو ان سے اعلان جنگ کیا جائے اور ان کے ساتھ لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ان کے مقتولین کا خون ضائع ہے اور ان پر حملہ آور مسلمانوں کے مقتولین شہید ہیں' اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۹)

"اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔"

(۲) جو محارب توبہ سے پہلے گرفتار ہو جائے' اس پر حد نافذ ہو گی' یعنی قتل' پھانسی یا دونوں ہاتھ کاٹنا' یا دونوں پاؤں (یا ایک ہاتھ اور مخالف سائڈ کا پاؤں)' یا جلاوطنی۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ﴾ (المائدة۵/ ۳۳)

"ان لوگوں کی سزا' جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ "محاربت" کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں' یا سولی پر لٹکائے جائیں' یا مختلف اطراف سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں' یا ان کو علاقہ بدر کر دیا جائے۔"

جب قبیلہ عرینہ کے کچھ افراد نے صدقہ کے اونٹ لوٹ لئے' چرواہے کو قتل کر دیا اور بھاگ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی انداز کی سزا دی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مذکورہ بالا سزاؤں میں سے امام کو اختیار ہے کہ جو چاہے نافذ کرے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ "محاربین" نے اگر قتل کیا ہے تو انہیں قتل کیا جائے' مال لوٹا ہے تو ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور علاقہ بدر کیا جائے اور اگر خون نہیں کیا اور مال نہیں لوٹا تو لوگوں کو ہراساں کرنے پر انہیں قید کی سزا دی جائے۔

(۳) "محاربین" گرفتاری سے پہلے اگر محاربہ ترک کر کے تائب ہو جائیں اور خود کو حکومت کے سپرد کر دیں تو ان سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے' البتہ حقوق العباد ان پر باقی رہیں گے۔ قتل کئے ہیں تو قصاص لیا جائے گا اور اموال لوٹے ہیں تو ان کے ضامن ہوں گے۔ الا یہ کہ ان سے دیت لی

جائے' یا معاف کر دیئے جائیں۔ یہ سب احکام اللہ کے دین میں نافذ ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُواْ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُواْ عَلَيْهِمْۖ فَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٣٤)

"مگر تمہارے ان پر قدرت پانے (یعنی انہیں گرفتار کرنے) سے پہلے اگر وہ توبہ کر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ بھی جائز ہے کہ امام ان کی طرف سے دیت ادا کر دے' یا لوگوں کو ان کے اموال کی ادائیگی کر دے' اگر ان (تائب شدہ محاربین) کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

چھٹا مادہ

اہل بغاوت کا بیان

اہل بغاوت کون ہیں؟:

طاقت اور قوت کی مالک وہ جماعت جو کسی معقول توجیہ کی بنیاد پر امام کی اطاعت سے نکل جائے۔ مثلاً ان کے خیال میں امام کافر یا ظالم ہے اور اس بنیاد پر وہ اس کی اطاعت ترک کر دیں اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کریں۔

باغیوں کے احکام:

(ا) امام کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ساتھ رابطہ قائم کرے' ان کے اعتراضات اور خروج (بغاوت) کے اسباب معلوم کرے۔ اگر وہ امام یا دیگر کسی عامل (حاکم) کے ظلم و ستم کا تذکرہ کریں تو ان کی داد رسی کرنی چاہیے' اگر کسی شبہ اور تاویل[1] کی بنیاد پر بغاوت کر چکے ہیں تو امام ان کے شبہات زائل کرے اور حق کا دلائل کے ساتھ اثبات و اظہار کرے۔ اس کے بعد اگر وہ حق کو اپنا لیتے ہیں تو ان کا رجوع قبول کیا جائے' تاہم اگر انکار کرتے ہیں تو جملہ مسلمان متفق ہو کر ان کے ساتھ لڑائی کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُواْ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَهُمَاۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِۚ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ٩)

"اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو ان کے مابین صلح کراؤ اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتی ہے' اس کے ساتھ لڑو' یہاں تک کہ وہ

(ا) یعنی بعض آیات یا احادیث کا ایک غلط مفہوم ان کے ذہنوں میں بیٹھ گیا جس کی وجہ سے وہ اپنی بغاوت کو جائز یا واجب سمجھتے ہیں واللہ اعلم۔ (ع' ر)

اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔"

(۲) ان پر تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور نہیں ہونا چاہیئے کہ جس سے وہ کلی طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔ جیسا کہ ہوائی حملہ یا تباہ کن گولہ باری۔ لڑائی صرف اس حد تک ہونی چاہیئے کہ ان کی طاقت کمزور ہو جائے اور وہ اطاعت پر مجبور ہو جائیں۔

(۳) ان کے بچے' عورتیں قتل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے اموال لوٹنے جائز ہیں۔

(۴) ان کے زخمی پر حملہ نہ کیا جائے' قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور بھاگنے والے کو نہ مارا جائے' اس لئے کہ علی رضی اللہ عنہ نے "جنگ جمل" کے موقع پر فرمایا:

«لاَ يُقْتَلَنَّ مُدْبِرٌ، وَلاَ يُجْهَزُ عَلَى جَرِيْحٍ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ»(رواه سعيد بن منصور ومعناه ابن إبى شيبة والحاكم والبيهقى)

"بھاگنے والے کو قتل نہ کیا جائے' زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے۔"

(۵) اگر باغیوں کو شکست ہو اور جنگ بند ہو جائے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ کوئی اور مطالبہ ہو گا۔ البتہ توبہ اور حق کی طرف رجوع کریں گے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات۹/٤۹)

"اگر وہ رجوع کریں تو انصاف کے ساتھ ان کے مابین صلح کراؤ اور انصاف کرو' یقیناً اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

تنبیہ:

اگر مسلمانوں کے دو گروہ تاویل کے بغیر' محض عصبیت' یا مال یا منصب کے لئے لڑتے ہیں تو اس صورت میں دونوں ظالم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے جان و مال کے نقصان کا ضامن ہے۔

ساتواں مادہ — بطور حد کن لوگوں کو قتل کیا جائے گا؟

الف۔ مرتد:

* **مرتد کی تعریف:** دین اسلام ترک کر کے کسی دوسرے دین' مثلاً نصرانیت' یہودیت' یا لادینیت (بے دینی) مثلاً الحاد اور اشتراکیت کو اپنانے والا مرتد ہے' جبکہ وہ عاقل ہے اور اس نے یہ تبدیلی کسی جبر

کے بغیر اپنے ارادۂ و اختیار سے کی ہے۔

* **مرتد کا حکم:** مرتد کو اسلام میں واپس آنے کی تین دن تک دعوت دی جائے اور اس بارے میں سختی کی جائے، اگر وہ اسلام میں واپس آ جائے تو بہتر، ورنہ اسے بطور حد تلوار کے ساتھ قتل کر دیا جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ»(صحيح بخاري)

"جو اپنا دین تبدیل کرے، اس کو قتل کر دو۔"

اور آپ کا ارشاد ہے: «لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ بِإِحْدٰى ثَلاَثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِيْـنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"تین طریقوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے، شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنا دین ترک کر کے جماعت[1] سے جدا ہونے والا۔"

* **بعد از قتل مرتد کا حکم:**

قتل کے بعد اس کو غسل نہ دیا جائے، اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اور مسلمان ورثاء اس کا مال تقسیم نہ کریں، بلکہ اس کا سارا ترکہ مسلمانوں کے لئے ہے، جسے امت کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَـٰسِقُونَ ﴾ (التوبة ٩/ ٨٤)

"اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کیا ہے اور اس حال میں مرے ہیں کہ اللہ کے حکم سے نکل چکے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، وَلاَ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

---

(۱) یعنی جماعت صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے عقائد و اعمال سے انحراف کرنے والا، کیونکہ صحیح اسلام وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، نبی اکرم ﷺ نے اس کی تعلیم دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے سمجھا، اپنایا اور پھیلایا۔ (ع، ر)

"کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہے۔"

* موجب کفر اقوال و عقائد کا بیان:

جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ یا اس کے رسولوں میں سے کسی رسول' یا فرشتوں میں سے کسی فرشتہ کو گالی دیتا ہے' وہ کافر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یا الوہیت کا انکار کرنے والا' اسی طرح انبیاء و رسل علیہم السلام میں کسی رسول کا منکر بھی کافر ہے' جبکہ وہ شخص بھی کافر ہے جو ہمارے سردار خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی آمد کا قائل ہو۔[1]

شریعت کے اجماعی فرائض میں سے کسی فریضہ' مثلاً نماز زکوٰۃ' روزہ' حج' اطاعت والدین اور جہاد کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

شریعت میں ثابت شدہ حرام کام جس کی حرمت پر اجماع ہے' کو مباح (جائز) سمجھنے والا' مثلاً زنا' شراب پینا' چوری' قتل نفس اور جادو وغیرہ کو جائز سمجھنے والا کافر ہے۔

قرآن کی کسی سورت' آیت' یا ایک حرف کا منکر بھی کافر ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت' مثلاً اس کے حی' علیم' سمیع' بصیر اور رحیم ہونے کا جس نے انکار کیا' وہ کافر ہے۔

دین کے فرائض و سنن کا استخفاف کرنے والا' ان کو حقیر اور گھٹیا سمجھنے والا' قرآن پاک کو غلاظت کی جگہ پھینکنے والا' اس کو پاؤں کے نیچے روندنے والا اور اس کی توہین و حقارت کا مرتکب بھی کافر ہے۔

جو کوئی موت کے بعد اٹھنے اور قیامت کے دن کے عذاب و انعام کا انکار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ سب معنوی چیزیں ہیں' وہ کافر ہے۔

اور جو یہ باور کرائے کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ' انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں یا بڑے بڑے اولیاء کو عبادت معاف ہے' وہ کافر ہے۔

مذکورہ بالا (احکام) مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے:

---

(۱) یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ کے بعد کسی اور شخص کو بھی نبوت ملی ہے۔ یاد رہے کہ قیامت کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں بلکہ بہت پہلے تاج نبوت پہنا کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے جب وہ نازل ہوں گے تو نبی اور رسول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عادل حکمران کے طور پر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر نازل ہوں گے اور خالصتاً دین محمدی کی اطاعت کریں گے اور اسی کو نافذ کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔ (ع' ر)

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

"کہہ دو کیا اللہ' اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا تم مذاق اڑاتے تھے؟ معذرت نہ کرو' تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔"

اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات' صفات' شریعت اور رسولوں کا استہزاء و استخفاف کرنے والا کافر ہے۔

* مذکورہ اقوال وعقائد کی وجہ سے کافر قرار پانے والے شخص کا حکم:

اسے اولاً توبہ کرنے کو کہا جائے' اگر اپنے قول و عقیدہ سے توبہ کر لے تو بہتر' ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اور موت کے بعد اس کا حکم مرتد والا ہے۔ علماء فرماتے ہیں "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی توہین اور سب و شتم کا مرتکب فوراً قتل کر دیا جائے' اسے توبہ کے لئے بھی نہ کہا جائے" جبکہ چند دیگر علماء کے نزدیک اس کو توبہ کے لئے کہا جائے' توبہ کر لے تو قبول کی جائے نیز وہ دوبارہ «لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ» کا اقرار کرے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے معافی کا طلبگار بنے اور سچی توبہ کرے۔

تنبیہ:

کسی کی دھمکی یا ڈر سے "کلمہ کفر" کہنے والا' جس کا دل ایمان پر مطمئن ہو' مسلمان ہے' اس کے ذمہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُۥ مُطْمَئِنٌّۢ بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلْكُفْرِ صَدْرًا ﴾

(النحل١٦/ ١٠٦)

"مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر مؤاخذہ نہیں ہے) اور لیکن جو کفر کے لئے سینہ کھول دیتا ہے (اس پر مؤاخذہ ہے)"

ب- زندیق کا بیان:

* زندیق کی تعریف:

جو شخص ظاہر میں کلمہ گو ہو' مگر اس کے دل میں کفر ہو' مثلاً موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتا' رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہے' یا قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتا تو وہ زندیق ہے۔[1]

---

(۱) منافق اور زندیق میں فرق یہ ہے کہ منافق اسلام کے صحیح عقائد و اعمال کا اظہار کرتا ہے مگر اس کے دل میں تصدیق و ایمان کی دولت نہیں ہوتی جب کہ زندیق بعض خلاف اسلام عقائد و اعمال کو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

* زندیق کا حکم:

پورے وثوق کے ساتھ جب اس کا علم ہو جائے تو اسے بطور حد قتل کر دیا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس سے توبہ طلب کی جائے اور یہی بہتر رائے ہے' اگر وہ "عقائد باطلہ" سے رجوع کر لے تو بہتر' ورنہ قتل کر دیا جائے اور موت کے بعد اس کے احکام مرتد کی طرح ہیں' کہ وہ غسل نہ دیا جائے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

ج۔ ساحر (جادوگر) کا بیان:

* ساحر کی تعریف:

جو سحر اور جادو سکھاتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ ساحر اور جادوگر ہے۔

* جادوگر کا حکم:

اس کے عمل کو دیکھا جائے کہ اگر اس کے اعمال و اقوال میں کفریہ باتیں ہیں تو اسے قتل کر دیا جائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ»(سنن ترمذي وسنن دارقطني مرفوعًا وموقوفًا)

"جادوگر کی حد' اسے تلوار کے ساتھ قتل کرنا ہے۔"

اگر اس کے اقوال و اعمال میں (بظاہر) کفریہ امور نہیں ہیں تو اس کو تعزیری سزا دی جائے اور توبہ کے لئے کہا جائے۔ توبہ کر لے تو بہتر ورنہ وہ قتل کر دیا جائے' (تاکہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور) اس لئے بھی کہ یہ کسی نہ کسی فعل اور قول میں کفر کا مرتکب ضرور ہوتا ہے' جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ﴾ (البقرة٢/ ١٠٢)

"اور وہ کسی کو جادو سکھاتے ہیں تو پہلے یہ کہتے ہیں کہ ہم تو آزمائش ہیں' تو کفر نہ کر۔"

اور ارشاد عالی ہے: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ (البقرة٢/ ١٠٢)

"اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ جو اس جادو کو خریدتا (اپناتا) ہے' اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) دل و جان سے قبول کرتا اور ان کی دعوت دیتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے پر اصرار بھی کرتا ہے حالانکہ ان عقائد و اعمال کی وجہ سے اس کا اسلام سے رشتہ کٹ چکا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (ع' ر)

د- تارک نماز کا بیان:

* تارک نماز کی تعریف:

جو مسلمان استخفاف (تحقیر) کے طور پر یا انکار کر کے پانچ نمازیں ترک کر دے وہ تارک نماز ہے۔

* تارک نماز کا حکم:

اس کو بار بار نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور اس وقت تک انتظار کیا جائے کہ نماز کا وقت ختم ہونے میں ایک رکعت پڑھنے کا وقت باقی ہو۔ اگر نماز پڑھ لے تو بہتر' ورنہ اسے بطور حد قتل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِن تَابُوا۟ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ﴾ (التوبة ٩/ ١١)

"اگر وہ (کفار) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں' یہاں تک کہ وہ ایک اللہ کے معبود ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں' جب وہ یہ کام کریں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لئے ہیں' مگر اسلامی حقوق (معاف نہ ہوں گے جو جرم کرے گا اسے سزا ملے گی)"

تنبیہ:

تارک نماز کو ایک رکعت کے بقدر وقت باقی رہنے تک انتظار اور اس کے بعد توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کرنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے' جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے لئے تین دن تاخیر کے قائل ہیں۔

ضروریات دین میں سے کسی بات کے انکار پر کفر کی صورت میں لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار بھی ضروری ہے' جس کے انکار پر کفر صادر ہوا۔

مرتد' زندیق اور جادوگر کو بطور "حد" قتل کیا جائے۔ اس "حد" سے مراد شرعی سزا ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ»(سنن ترمذي وسنن دارقطني مرفوعًا وموقوفًا)

"جادوگر کی سزا تلوار کے ساتھ قتل کرنا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ زندقہ' ارتداد اور سحر کی وجہ سے اس کو یہ شرعی سزا دی جا رہی ہے' اس لئے کہ یہ تمام کفریہ امور ہیں اور جس کی موت کفر کی حالت میں آئے مسلمان اس کے وارث نہیں ہوتے اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جاتا۔

آٹھواں مادہ

تعزیر کا بیان

* تعزیر کی تعریف:

ضرب' (یعنی مار پیٹ) طعن و تشنیع' بائیکاٹ' یا جلاوطنی کے انداز کی سزائیں' تعزیر میں شامل ہیں۔

* تعزیر کا حکم:

جس نافرمانی کی سزا شریعت نے متعین نہیں کی اور نہ اس میں کفارہ ہے' اس میں تعزیری سزا واجب ہے۔ جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے نصاب چوتھائی (۴/۱) دینار سے کم مالیت کی چوری' یا کسی اجنبی عورت کو صرف ہاتھ لگانا' اس کو بوسہ دینا' یا کسی مسلمان کو ایسی گالی دینا جس میں "حد قذف"[1] نہیں ہے' یا زخمی کرنے یا عضو توڑنے سے کم کسی کو مارنا وغیرہ۔

* تعزیر کے احکام و مسائل:

(۱) تعزیر میں اگر مارا جا رہا ہے تو دس ضربات سے زیادہ نہ لگائی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لاَ يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرَةِ أَسْوَاطٍ إِلاَّ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ تَعَالٰى»(صحیح بخاري وصحیح مسلم)

"حدود کے علاوہ امور میں دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں۔"

(۲) "عدالت مجاز" تعزیری سزا کا فیصلہ اپنی صوابدید کے مطابق کرے' اگر نافرمان کو ڈانٹ اور زجر و توبیخ ہی کافی ہے تو اس پر اکتفا کیا جائے' اگر ایک دن اور رات کے لئے مقید کرنا مناسب ہے تو زیادہ سزا دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر معمولی جرمانہ اسے جرم سے باز رکھ سکتا ہے تو بھاری جرمانہ عائد نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ تعزیر میں اصل مقصود مجرم کی اصلاح و تادیب ہے' نہ کہ اس کو عذاب دینا اور اس سے انتقام لینا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو محض اپنے اس فرمان سے تادیب کی تھی:

---

(۱) یاد رہے کہ کسی کو حرامزادہ کہنے کا مطلب اس کی ماں پر زنا کی تہمت لگانا ہے لہٰذا کہنے والے کو اپنی سچائی پر چار گواہ پیش کرنا ہوں گے وگرنہ وہ گنہگار ہے اور اسے حد قذف (۸۰ درے) لگیں گے۔ (ع' ر)

«إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ»(صحيح بخاري)

"تو ایک ایسا مرد ہے جس میں جاہلیت ہے۔"

اور فرمایا: «قُوْلُوْا لِمَنْ بَاعَ وَاشْتَرٰى فِي الْمَسْجِدِ لاَ أَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ»(سنن ترمذي)

"جو شخص مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے' اسے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔"

اور جو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرنے کے لئے اعلان کرے اس کو فرمایا:

«لاَ رَدَّ اللهُ عَلَيْكَ ، فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا»(صحيح مسلم)

"اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ کرے' اس لئے کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔"

اور جیسا کہ آپ نے ان تین صحابہ کے بائیکاٹ کا حکم دیا تھا' جو بغیر کسی عذر کے جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے اور اسی پر اکتفا کیا۔ (صحیح بخاری)

مخنثوں کو مدینہ سے نکال دیا اور ایک الزام میں ایک شخص کو دن' رات قید رکھا۔ (احمد و ابوداؤد' ترمذی۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے)

نیز آپ نے کھجور لے جانے والے کو دگنے جرمانے کا فیصلہ دیا اور اسی طرح کی دیگر تعزیری سزائیں جو آپ سے ثابت ہیں اور ان میں مقصود صرف مسلمان کی تادیب و تربیت تھی۔

بارہویں فصل

قضاء اور شہادت کا بیان

[اس میں تین مادے ہیں]

پہلا مادہ

احکام قضاء کا بیان

* قضاء کی تعریف:

احکام شریعت کے بیان اور ان کے نافذ کرنے کو "قضاء" کہا جاتا ہے۔

* قضاء کا حکم:

یہ فرض کفایہ ہے اور امام پر لازم ہے کہ وہ ہر شہر میں ایک قاضی مقرر کرے' جو احکام شریعت بیان کرے اور لوگوں سے ان پر عمل درآمد کرائے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَحِلُّ لِثَلاَثَةٍ يَكُوْنُوْنَ فِيْ فَلاَةٍ مِنَ الأَرْضِ إِلاَّ أَمَّرُوْا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ»(رواه أحمد وله متابعات وشواهد قاضية بصحته)

''جنگل میں رہنے والے تین آدمیوں کے لئے بھی بغیر امیر کے رہنا جائز نہیں ہے۔''

* منصب قضاء کی اہمیت:

عہدہ قضاء ایک نازک منصب ہے اور شان و فضل کے اعتبار سے بہت بڑا ہے' اس لئے کہ اس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نیابت اور رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا پہلو ہے اور آپ نے اس کی نازک ذمہ داریوں کا اظہار بایں الفاظ فرمایا ہے:

«مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ»(رواه الترمذي وصححه)

''جسے قاضی بنا دیا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح ہوا۔''

اور فرمایا: «اَلْقُضَاةُ ثَلاَثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ وَقَضٰى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ وَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ»(سنن أبي داود، سنن ابن ماجة، سنن الترمذي ومستدرك حاكم وصححه)

''قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے' حق کی معرفت حاصل کر کے فیصلہ کرنے والا جنتی ہے اور جو حق دریافت ہونے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کرے' وہ جہنمی ہے اور ''علم قضاء'' سے ناواقف' فیصلہ کرنے والا بھی جہنمی ہے۔''

اور آپ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

«يَاعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

''اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت کا سوال نہ کرنا' بغیر سوال اگر تو امیر بنایا گیا تو اس پر تیری مدد کی جائے گی اور اگر مانگنے سے تجھے امارت ملی تو تو اسی کے حوالہ ہو جائے گا۔'' (اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہو گی)

اور فرمایا: «سَيَحْرِصُوْنَ عَلَى الإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ»(صحيح بخاري)

''عنقریب لوگ امیر بننے کی حرص کریں گے اور عنقریب یہ امارت قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی' کیونکہ دودھ پلانے والی اچھی اور چھڑوانے والی بری ہوتی ہے۔''[1]

* مانگنے والے کو عہدۂ قضاء نہ دیا جائے:

منصب قضاء پر اس شخص کو فائز نہ کیا جائے جو اس کا طلب گار یا حریص ہو' اس لئے کہ قضاء ایک بھاری ذمہ داری اور عظیم امانت ہے۔ لہٰذا وہی اس کا سوال کرے گا' جو اس کی اہمیت نہیں سمجھتا اور کیا توقع ہے کہ وہ خیانت نہیں کرے گا؟ جس کے نتیجہ میں ناقابل برداشت حد تک دینی و اجتماعی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّا وَاللهِ لاَ نُوَلِّيْ هٰذَا الْعَمَلَ أَحَدًا يَسْأَلُهُ أَوْ أَحَدًا يَحْرِصُ عَلَيْهِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اللہ کی قسم! ہم یہ منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیں گے' جو اس کا طلب گار یا حریص ہو۔"

نیز فرمایا: «إِنَّا لَنْ نَّسْتَعْمِلَ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ہم کسی ایسے شخص کو عامل ہرگز نہیں بنائیں گے' جو اس کی درخواست کرے۔"

* قاضی کے منصب قضاء پر فائز ہونے کی شرائط:

یہ منصب اسی شخص کو دیا جائے جو درج ذیل صفات کا حامل ہو:

اسلام' عقل' بلوغت' آزادی' کتاب و سنت کا علم' قضاء کے بارے میں علم' عدالت ظاہری اور حواس: مثلاً کان' آنکھ اور زبان کی سلامتی۔[۲]

* قاضی کے اخلاق:

اسے معاملات میں سخت ہونا چاہیئے' مگر درشتی کی حد تک نہیں۔ نرم خو ضرور ہو' مگر کمزوری سے مبرا ہو' تا کہ کوئی اس سے غلط امید وابستہ نہ کرے اور "صاحب حق" اس سے خائف نہ ہو۔ اسے حلیم الطبع ہونا چاہیئے' مگر اتنا نہیں کہ "کم عقل" ' جھگڑالو اس پر چڑھ دوڑیں' حوصلہ مندی سے معاملہ فہمی کی استعداد رکھتا ہو' سمجھدار اور ذکی ہو' مگر خود پسند نہ ہو اور نہ ہی دوسروں کو حقیر جاننے والا ہو۔

اسے چاہیئے کہ شہر کے درمیان ایک وسیع جگہ میں "مجلس قضاء" منعقد کرے جو فریقین اور گواہوں کے لئے تنگ نہ ہو۔ دیکھنے' بٹھانے اور آنے' جانے میں فریقین کے مابین برابری کرے' اس بارے میں کسی فریق کو دوسرے پر فوقیت نہ دے۔

قاضی کی مجلس میں فقہاء اور کتاب و سنت کے ماہرین حاضر ہوں' تا کہ مشکل مسائل میں ان سے

---

(۱) اسی طرح دنیاوی مفادات کا حصول اچھا لگتا ہے اور ان کا حساب کتاب برا لگتا ہے۔ (محمد عبدالجبار)

(۲) بینائی کا ہونا منصب قضاء کے لئے شرط نہیں ہے۔ (الاثری)

مشورہ و مراجعت کر سکے۔

* قاضی کن چیزوں سے اجتناب کرے؟:

قاضی اپنے منصب کے تحفظ کے لئے بالخصوص امور ذیل کو ملحوظ رکھے:

(۱) بحالت غصہ' بیماری' بھوک' پیاس' گرمی' سردی' ملال اور طبیعت کی سستی اور کاہلی کے وقت فیصلہ نہ کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ يَقْضِيَنَّ حَاكِمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"کوئی حاکم فریقین میں غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔"

(۲) گواہوں کی موجودگی کے بغیر فیصلہ نہ کرے۔

(۳) اپنے اور ان قرابت داروں کے متعلق جن کے لیے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' فیصلہ نہ کرے۔

(۴) فیصلہ میں رشوت قبول نہ کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ»(مسند أحمد، سنن أبي داود وسنن الترمذي وصححه)

"فیصلہ میں رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔"

(۵) منصب قضاء سے پہلے جن کے ہدایا اور تحفے اس کو نہیں ملتے تھے' اب ان سے وصول نہ کرے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا، فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ»
(سنن أبي داود ومستدرك حاكم وسنده ضعيف وله شاهد في مسلم)

"جس کو ہم عامل بنائیں اور اس کو تنخواہ دیں' اس کے علاوہ جو وہ لے گا خیانت ہو گی۔"

* قاضی کی ذمہ داریاں:

(۱) تمام دعووں اور جھگڑوں میں فریقین کے مابین فیصلہ کرے اور دلائل کے تضاد یا غیرواضح ہونے کی صورت میں فریقین کی رضامندی سے صلح کرائے۔

(۲) ظالموں اور بدکرداروں کو دبائے اور مظلوموں اور حق داروں کی مدد اور ان کی داد رسی کرے۔

(۳) خون اور زخموں میں "حدود" قائم کرے اور فیصلہ جات صادر کرے۔

(۴) نکاح' طلاق اور خرچہ جات کے بارے میں فیصلہ جات۔

(۵) یتیموں' دیوانوں' غیرحاضر اور ممنوع التصرف لوگوں (جنہیں مالی تصرف سے روک دیا گیا ہو) کے

اموال کے تحفظ کے انتظامات۔

(۶) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے محکمہ کا کنٹرول جس کے ذریعہ اچھائی کا حکم جاری کیا جاتا ہے اور برائی سے روکا جاتا ہے۔

(۷) جمعہ اور عیدین کی امامت۔

* قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟

درج ذیل چار طریقوں سے قاضی لوگوں کے حقوق کا تحفظ اور فیصلہ صادر کرے گا:

(۱) اقرار:

"مدعی علیہ" "مدعیٰ" کا مطالبہ تسلیم کر لے تو "مدعی" کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔"

(۲) دلیل:

(ثبوت دعویٰ) یعنی گواہوں کی گواہی سے دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِىْ، وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ»(سنن البيهقي وإسناده صحيح)

"ثبوت مدعی پیش کرے اور قسم اس پر ہے جو (دعوے کی صحت سے) انکار کرے۔"

اور فرمایا: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِيْنُهُ» (صحيح مسلم)

"(مدعی کے) دو گواہ ہوں یا (مدعی علیہ کی) قسم کا اعتبار کرو۔"

کم از کم دو گواہ ہونے چاہئیں' اگر دو نہیں ہیں تو ایک گواہ اور "مدعی" کی قسم سے بھی دعویٰ ثابت ہو جائے گا' اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ»(صحيح مسلم)

"نبی کریم ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر فرمایا۔"

(۳) قسم:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

«اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِىْ، وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ»(سنن البيهقي وإسناده صحيح)

"ثبوت دینا مدعیٰ کی ذمہ داری ہے اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے (الزام تسلیم نہ کرے)۔"

مدعی اپنے دعویٰ پر ثبوت پیش نہ کر سکے تو "مدعیٰ علیہ" ایک قسم اٹھا کر دعویٰ (الزام) سے بری ہو جائے گا۔

(۴) انکار:

"مدعیٰ علیہ" اگر قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو قاضی بطور "اتمام حجت" کہے "تو نے قسم اٹھالی تو بری ہو جائے گا' ورنہ فیصلہ تیرے خلاف ہو گا" پھر بھی اگر وہ انکار کرے تو اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے' البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مدعیٰ علیہ" کے "انکار حلف" کی صورت میں "مدعی" اپنے دعویٰ پر قسم اٹھائے گا اور اگر وہ حلف اٹھالیتا ہے تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعِيْ فِي الْقَسَامَةِ»

"نبی ﷺ نے "قسامت" کے اثبات کے لئے "مدعی" کو قسم اٹھانے کا کہا۔"

* فیصلہ کی کیفیت اور اس کا طریقہ:

جھگڑنے والے دونوں فریق حاضر ہوں تو انہیں اپنے سامنے بٹھائے اور سوال کرے! "تم میں "مدعی" کون ہے؟ وہ اپنا دعویٰ سنائے اور تحریر کرے اور گواہوں کا اظہار کرے۔" پھر "مدعی علیہ" سے دریافت کرے کہ "تو اس دعویٰ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" اگر وہ "اقرار دعویٰ" کر لے تو اس کے مطابق فیصلہ دے' لیکن اگر وہ دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو "مدعی" سے اس کے گواہ طلب کرے' اگر وہ پیش ہو کر گواہی دیدیں تو اس کے مطابق فیصلہ صادر کر دے' لیکن اگر گواہ پیش کرنے کے لیے کچھ مدت کی درخواست کرے تو تاریخ متعین کر دے جس میں وہ انہیں حاضر کر سکے۔ اگر اس کے باوجود گواہ نہ لا سکے تو "مدعیٰ علیہ" کو قسم کا حکم دے' اگر وہ قسم اٹھا لے تو اس کے لیے برأت کا فیصلہ دے' اگر انکار کرے تو "اتمام حجت" کے طور پر کہے کہ اگر تو حلف نہیں اٹھائے گا تو فیصلہ تیرے خلاف ہو گا۔" پھر بھی حلف سے انکار کرے تو دعویٰ کے اثبات (الزام کے درست ہونے) کا فیصلہ کر دے' مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے قبل "مدعی" سے حلف لے' اس کے حلف کے بعد دعویٰ کے اثبات کا فیصلہ کرے' اس کی بنیاد صحیح مسلم میں مروی یہ حدیث ہے:

«عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ: حَضْرَمِيٌّ وَكِنْدِيٌّ، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى أَرْضٍ لِّيْ، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِيْ وَفِيْ يَدِيْ، وَلَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَلَكَ يَمِيْنُهُ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! الرَّجُلُ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ،

فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلاَّ ذٰلِكَ»(صحیح مسلم)

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو مرد ایک حضرمی اور دوسرا کندی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا "یا رسول اللہ! اس نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے" کندی نے کہا "یہ میری اپنی زمین ہے' جس پر میرا قبضہ ہے' اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔" آپ نے حضرمی کو کہا "تو ثبوت پیش کر کہ یہ زمین تیری ہے" اس نے کہا "کوئی ثبوت نہیں" آپ نے فرمایا "وہ قسم اٹھائے گا۔" حضرمی نے کہا "یہ فاجر آدمی ہے' قسم کی پرواہ نہیں کرتا اور غیر محتاط ہے" آپ نے فرمایا "تجھے اس کے حلف پر ہی اعتماد کرنا پڑے گا۔"

تنبیہات:

(۱) گواہوں کے عادل ہونے کا قاضی کو ذاتی طور پر علم ہو تو ان کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے۔

(۲) پردہ دار عورت پر دعویٰ کی صورت میں ضروری نہیں کہ وہ قاضی کی عدالت میں خود حاضر ہو' بلکہ اس کی نیابت اس کا مقرر کردہ وکیل بھی کر سکتا ہے۔

(۳) اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا' اس لئے کہ عدالت کی غیر جانبداری کے لئے یہ ضروری ہے' بلکہ وہ گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرے گا۔ اس لئے بھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اگر میں کسی مرد کو اللہ کی حدود پامال کرتے دیکھ لوں تو اکیلا اس کی گرفت نہیں کروں گا' جب تک میرے ساتھ دوسرا گواہ نہیں ہو گا۔" (مسند احمد)

(۴) "مدعیٰ علیہ" کا "مجلس قضاء" میں حاضر ہونا ضروری ہے' جب تک وہ خود یا اس کا وکیل حاضر نہ ہو' قاضی فیصلہ صادر نہ کرے۔ اگر "مدعیٰ علیہ" غائب ہو تو اس سے خود حاضر ہونے یا اپنا وکیل بھیجنے کا مطالبہ کرے۔

(۵) حدود کے علاوہ دیگر معاملات میں ایک قاضی کی تحریر' دوسرے قاضی کی طرف معتبر سمجھی جاتی ہے' وہ اس پر دو گواہوں کی گواہی ثبت کرے۔

(۶) "مدعی" جب تک دعویٰ تحریری شکل میں پیش نہ کرے' قاضی دعویٰ کی سماعت نہ کرے۔ مثلاً "مدعی" کہتا ہے میں نے فلاں سے کچھ لینا ہے' یا میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے اتنی چیز لینی ہے' بلکہ وہ دعویٰ کا تعین کرے اور حتمی انداز میں "مدعیٰ علیہ" پر تحریری دعویٰ کرے۔

(۷) قاضی کا ظاہری فیصلہ نفس الامر میں کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں بنا سکتا' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيْ بِنَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ

شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنْ نَّارٍ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)
"میں انسان ہوں' (غیب نہیں جانتا) تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو' ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنی دلیل پیش کرنے میں تیز طرار ہو اور میں اپنی شنید کے مطابق فیصلہ کر دوں' چنانچہ جس کے لئے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے' کیونکہ میں نے اس کے لئے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا ہے۔"

(۸) دونوں کے ثبوت میں اگر تعارض ہے اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے تو (متنازع) چیز کو دونوں میں تقسیم کر دے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ فیصلہ ثابت ہے۔
(سنن ابی داود سنن بیہقی و مستدرک حاکم)

دوسرا مادہ

شہادت کا بیان

* شہادت کی تعریف:

کسی نے جو دیکھا یا سنا' اس کو صحیح طور پر بیان کرنا "شہادت" ہے۔

* شہادت کا حکم:

جس طرح گواہی ادا کرنا "فرض کفایہ" ہے' اسی طرح "امر واقعہ" کا گواہ بننا بھی "فرض کفایہ" ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ ﴾
(البقرة۲/ ۲۸۲)

"اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ اگر دو آدمی میسر نہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔"

اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا۟ ٱلشَّهَـٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ ۗ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۳)

"اور گواہی نہ چھپاؤ' جو اسے چھپائے گا' یقیناً اس کا دل گناہ گار ہو گا۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْ يَأْتِيْ بِشَهَادَةٍ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا»(صحيح مسلم)

"کیا میں تمہیں اچھے گواہ کی خبر نہ دوں؟ وہ ہے جو سوال سے پہلے گواہی پیش کر دے۔"

* گواہوں کی شرائط:

گواہ کے لئے مسلمان' عاقل' بالغ اور عادل ہونا شرط ہے اور اس پر کسی قسم کی تہمت بھی نہ ہو' یعنی ایسا نہ ہو جس کی گواہی کسی معقول وجہ سے قبول نہیں ہوتی۔ مثلاً اس کا (فریقین میں سے کسی ایک سے)

نسبی تعلق ہے یا ایک دوسرے کے لئے میاں بیوی کی گواہی کی صورت بن رہی ہے یا ایسی گواہی جس میں گواہ کو نفع حاصل ہو رہا ہے یا اس سے نقصان دور ہو رہا ہے یا گواہ اپنے مخالف کے خلاف شہادت دے رہا ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلاَ خَائِنَةٍ وَلاَ ذِىْ غِمْرٍ عَلٰى أَخِيْهِ، وَلاَ تَجُوْزُ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لأَهْلِ الْبَيْتِ»(رواه أحمد وأبوداود والبيهقي وقال في التلخيص: سنده قوى)

"خیانت کرنے والے مرد اور عورت کی گواہی نافذ نہیں اور نہ عداوت والے کی اس کے بھائی کے خلاف اور نہ خاندان کے نوکر کی گواہی ان (خاندان والوں) کے لئے جائز ہے۔"

* شہادت کے احکام:

(۱) شاہد اسی چیز کی گواہی دے' جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا ہے۔ ایک شخص نے شہادت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«تَرَى الشَّمْسَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ عَلٰى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ أَوْدَعْ»(رواه ابن عدي بسند ضعيف)

"سورج کو دیکھ رہے ہو؟اس نے کہاہاں! فرمایا "اس کے مثل پرگواہ بن' ورنہ گواہی ترک کردے۔"

(۲) بیماری دور نہ ہونے یا موت کی وجہ سے "امرواقعہ" کا "شاہد" عدالت میں نہ آسکے تو اس کی "شہادت" پر دوسرے شاہدوں کی گواہی معتبر ہوگی۔[1] جبکہ اس کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہ ہو سکے۔

(۳) شاہد کا تزکیہ دو عادل مرد کرینگے (یعنی اس کی صفائی دیں گے) کہ یہ شاہد عادل اور گواہی کے لیے مستند ہے۔ جبکہ قاضی شاہد کو نہ جانتا ہوں۔ اگر قاضی اس کے احوال جانتا ہے تو پھر تزکیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) اگر کسی گواہ کا دو مرد تزکیہ کریں اور دیگر مرد اس پر جرح کریں تو احتیاطاً جرح کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ (اور اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا)

(۵) جھوٹے گواہ کی تادیب ضروری ہے یعنی اسے ایسی سزا دی جائے کہ جھوٹی گواہی کی سوچ والا ہر شخص اس سے عبرت حاصل کرے۔

---

(۱) یعنی گواہ کہے گا کہ "فلاں فلاں بھی ادھر ہی تھے' اور قابل اعتماد بھی ہیں لہٰذا ان کی گواہی لے لو" واللہ اعلم۔ (ع' ر)

* گواہی کی اقسام:

(۱) زنا کے گواہ۔ اس میں چار گواہ ہونے چاہئیں' اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٥)

''ان عورتوں پر اپنے (مردوں) میں سے چار گواہ لاؤ۔''

لہٰذا چار گواہوں سے کم کافی نہیں ہوں گے۔

(۲) زنا کے علاوہ دیگر امور میں دو عادل گواہ کافی ہیں۔

(۳) اموال کے دعووں میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٢)

''اگر دو مرد گواہ نہیں ہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں۔''

(۴) احکام میں ایک گواہ اور ایک قسم کافی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«قَضٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ»(صحيح مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے۔''

(۵) حمل اور ماہواری پر دو عورتوں کی گواہی کافی ہے' اس لئے کہ ان امور پر عورتیں ہی (صحیح طور پر) اطلاع پا سکتی ہیں۔[1]

تیسرا مادہ

اقرار کا بیان

* اقرار کی تعریف:

کسی کا یہ اعتراف کہ میں نے فلاں کی اتنی چیز دینی ہے۔ مثلاً وہ کہے ''زید کے میرے پاس پچاس ہزار درہم ہیں'' یا ''فلاں سامان فلاں کی ملکیت ہے۔''

* کس شخص کا اقرار قبول کیا جائے گا؟

عاقل و بالغ شخص کا اقرار قبول کیا جاتا ہے۔ مجنون' نابالغ اور مجبور و مقہور لڑکے کا اقرار معتبر نہیں ہے' جیسا کہ آپ کے فرمان میں ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَالنَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَالْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ»(رواه البخاري وأصحاب السنن بمعناه)

---

(۱) رمضان المبارک اور شوال کے چاند کے لیے ایک مومن کی گواہی کافی ہے۔ (ع' ر)

"تین اشخاص مرفوع القلم ہیں بچہ جوان ہونے تک' سویا ہوا بیدار ہونے تک اور دیوانہ ہوش آنے تک۔"

نیز ارشاد فرمایا: «رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»(رواه الطبراني بسند صحيح)

"میری امت سے خطا' نسیان اور جس پر انہیں مجبور کیا جائے' معاف ہے۔"

* اقرار کا حکم:

اقرار کرنے سے اقرار کردہ چیز اس کے ذمے ثابت ہو جاتی ہے' جبکہ وہ عاقل' بالغ اور خود مختار ہو' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"اگر وہ عورت اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔"

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے اعتراف کے نتیجہ میں اس پر حد کا فیصلہ لاگو کرنے کا حکم دیا ہے۔

* بعض احکام اقرار:

مفلس یا "محجور علیہ" (جس کو مالی معاملات میں تصرف سے روک دیا گیا ہو) کا مالی معاملات میں اعتراف و اقرار لازم نہیں[1] ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مفلس قرض خواہوں سے حسد کی وجہ سے ان پر کوئی غلط الزام لگا دے' نیز اس لئے بھی کہ اگر "محجور علیہ" کا اقرار نافذ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس پر کوئی پابندی عائد ہی نہیں کی گئی۔ البتہ ان دونوں کا اقرار ان کے ذمہ رہے گا' جب بھی رکاوٹ دور ہو گی' ان کا اعتراف لاگو ہو جائے گا۔

* مفلس' محجور علیہ اور قریب المرگ مریض کا اقرار:

وارث کے حق میں "قریب المرگ" کا اقرار صحیح نہیں ہے' الاّ یہ کہ وہ اپنے اقرار پر ثبوت پیش کرے' اسلئے کہ اس وقت اس پر کسی وارث کو زیادہ دینے کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ مثلاً بیمار کہتا ہے کہ میرے فلاں بیٹے کا میرے پاس اتنا سرمایہ ہے' یہ ناقابل قبول ہے' اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن الدارمي)

"وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔"

---

(۱) یعنی اگر وہ اعتراف کرتے ہیں تو فوری طور پر اس پر عمل کروانا ضروری نہیں ہے۔ (حافظ صلاح الدین یوسف)

اسی طرح مریض کا وارث کے حق میں یہ کہنا کہ فلاں بیٹے کو میں نے اتنا دینا ہے۔ یہ درحقیقت وصیت کے معنی میں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے وارث کے لئے وصیت ممنوع قرار دی ہے' ہاں ورثاء اگر اس کی وصیت نافذ کریں تو یہ نافذ ہو جائے گی یا اس وصیت پر گواہ ثابت ہو جائیں کہ واقعی اس بیمار نے اتنی رقم اپنے فلاں بیٹے کو دینی ہے' تو پھر اس کا "اقرار" صحیح قرار دیا جائے گا۔

تیرھویں فصل

غلاموں کا بیان

[اس میں دو مادے ہیں]

پہلا مادہ

غلامی کے بارے میں

* غلامی کی تعریف:

کسی کی ملکیت میں آنا اور اس کا غلام ہونا "رق" کہلاتا ہے اور "رقیق" مملوک غلام کو کہتے ہیں۔ یہ مادہ رقۃ سے ماخوذ ہے' جو غلظۃ (درشتی) کی ضد ہے۔ اس لئے کہ غلام بھی اپنے آقا کے لئے نرم ہوتا ہے اور مملوک ہونے کی وجہ سے سخت رویہ نہیں اپنا سکتا۔

* غلامی کا حکم:

اس کا حکم جواز ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٣٦)

"اور جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ»(صحیح مسلم)

"جو اپنے غلام کو تھپڑ رسید کرتا ہے' اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔"

* غلامی کی تاریخ اور اس کے اسباب:

ہزاروں سالوں سے انسانوں میں غلامی کا وجود ملتا ہے اور دنیا کی قدیم ترین اقوام کے ہاں یہ موجود ہے۔ جیسا کہ مصری' چینی' ہندوستانی' یونانی اور رومن اقوام۔ نیز آسمانی کتابوں توراۃ اور انجیل میں بھی اس کا ذکر ہے۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام (والدۂ اسماعیل علیہ السلام) سیدہ سارہ علیہا السلام کی لونڈی تھیں' جو شاہ

مصر نے ان کو ہدیہ میں دی تھیں' سیدہ سارہ علیھا السلام نے آگے ابراہیم علیہ السلام کو دے دی' وہ ان کے پاس رہیں اور ان کے بطن اطہر سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

کئی طریقوں سے انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا:

(۱) لڑائیوں میں مغلوب لوگ غالب و قاہر لوگوں کے غلام قرار پاتے' اور ان کی عورتیں اور بچے بھی غلام شمار ہوتے۔

(۲) تنگ دستی کی وجہ سے لوگ اپنے بچے فروخت کر دیتے تھے۔

(۳) ڈاکہ اور چوری کے ذریعے بھی لوگوں کو ہتھیایا اور غلام بنایا جاتا' جیسا کہ کئی یورپین اقوام افریقہ میں غالب آئیں اور انہوں نے افریقیوں کو گرفتار کر کے یورپ میں لے جا کر فروخت کر دیا۔

اسی طرح یورپین بحری قزاق سمندر میں گزرنے والی کشتیوں پر دھاوا بول دیتے اور ان کے سواروں کو گرفتار کر کے یورپ کی منڈیوں میں لے جا کر فروخت کر دیتے اور قیمت کھا جاتے تھے۔

اسلام نے جو اللہ کا سچا دین ہے' یہ سب اسباب ممنوع قرار دیئے۔ صرف ایک سبب بحال رہا' یعنی جنگ کے ذریعہ غلام بنانا اور اسلام کا یہ اقدام انسانیت کے لئے رحمت ثابت ہوا' اس لئے کہ جنگی انتقام میں لوگ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیتے تھے' اسلام نے انہیں غلام بنا کر رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ زندہ رہیں اور پھر ان کی آزادی کی صورتیں پیدا کی جائیں۔[1]

لڑنے والے دشمنوں کے بارے میں بھی اسلام نے احسان کر کے انہیں چھوڑ دینے کا حکم دیا یا فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے کی تجویز دی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) امیر لشکر یا امام انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دے گا۔ گویا اسلام نے صرف کافر جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی صورت جائز قرار دی ہے جبکہ باقی دو صورتیں ناجائز قرار دی ہیں۔ عصر حاضر میں مسلم ممالک جنگی قیدیوں کی بابت اگر کسی عالمی معاہدے کی پابندی قبول کر چکے ہوں تو وہ اس کی پابندی کریں گے ورنہ غلام بنانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ حقیقی اسلامی جہاد کی صورت پیدا ہو جائے جیسا کہ جہاد افغانستان میں روسی افواج سے برسرپیکار مسلم مجاہدین کے لیے بعض علماء کرام نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا بھی تھا۔

باقی جہاں تک جرائم پیشہ افراد کی طرف سے مختلف ممالک سے سمگل شدہ عورتوں کی تجارت کا تعلق ہے تو اس طریقے سے کسی عورت کو لونڈی بنانا درست نہیں ہے ایسے لوگ سخت گنہگار ہیں۔ حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ انہیں عبرتناک سزا دے اور مظلوموں کو ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلا کر ان کے گھروں تک پہنچائے اگر وہ ایسا نہیں کرتی اور کوئی مسلمان کسی وجہ سے اپنے طور پر ایسی کسی مظلوم عورت' مرد یا بچے کو خرید کر اس کے گھر پہنچاتا ہے تو یہ غلام یا لونڈی کی آزادی کے قائم مقام ہو گا' بلکہ اس سے بھی زیادہ' واللہ اعلم۔ (ع' ر)

﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَضَرْبَ ٱلرِّقَابِ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا۟ ٱلْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتَّىٰ تَضَعَ ٱلْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ﴾ (محمد٤٧/ ٤)

"جب تم کافروں کو جنگ میں ملو تو ان کی گردنیں اڑاؤ' جب خوب خون ریزی کرلو تو ان (زندہ بچ جانے والوں) کو مضبوطی سے باندھو' پھر احسان کرکے یا فدیہ (عوضانہ) لے کر (انہیں) چھوڑ دینا' یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے۔"

* غلاموں کے ساتھ مسلمانوں اور دیگر اقوام کا معاملہ اور برتاؤ:

مسلم امہ کے علاوہ دنیا کی تمام اقوام غلاموں کے بارے میں قریب قریب ایک ہی انداز اپنائے ہوئے تھیں۔ ان کے ہاں غلام کو ہر چیز اور جملہ اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور بلاسبب اسے بھوکا رکھنا' مارکٹائی کرنا اور طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لینا ایک عام وطیرہ تھا' اسے آگ سے داغ دیا جاتا اور اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے تھے' نیز اس کو "آلہ روح" گردانا گیا اور "زندہ سامان" کا نام دیا جاتا تھا۔

اسلام نے اس کو انسانی شرف و عزت سے نوازا' اس کو مارنا' قتل کرنا حرام قرار دیا' بلکہ اس کو گالی دینے اور توہین و تذلیل کرنے سے بھی منع کیا اور اس کے ساتھ احسان و مروت کا حکم دیا۔ بطور مثال چند ایک نصوص ملاحظہ ہوں:

(ا) اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا وَبِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْجَارِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْجَارِ ٱلْجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلْجَنۢبِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ۗ ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور والدین' رشتہ داروں' یتیموں' مساکین' قریبی ہمسایہ' دور کا ہمسایہ' پہلو کے ساتھی اور جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں' ان سب کے ساتھ احسان کرو۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هُمْ إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ عَلَيْهِ»(صحيح مسلم)

"یہ تمہارے بھائی اور تمہارے خادم ہیں' جنہیں اللہ نے تمہاری ملکیت میں دیا۔ جس کے قبضہ میں اس کا بھائی ہو' وہ جو کھاتا ہے اسے کھلائے' جو پہنتا ہے' اسے بھی پہنائے اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہ دو' اگر ایسے کام کا مکلف بنایا ہے تو ان کے ساتھ تعاون (بھی) کرو۔"

اور فرمایا: «مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ»(صحيح مسلم)

"جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے' یا ضرب لگائے تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کردے۔"

اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام نے غلام آزاد کرنے کا عمومی حکم دیا ہے اور اس کے لئے ترغیب و تشویق کو اپنایا ہے' درج ذیل امور اس پر شاہد ہیں:

* قتل خطا اور دیگر معاصی میں غلام آزاد کرنا گناہ کا کفارہ بنایا' جیسا کہ ظہار' قسم اور روزہ توڑنے میں۔
* غلاموں میں سے جو قسط وار عوضانہ ادا کر کے آزاد ہونا چاہے' اس کی اجازت دے دی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِىٓ ءَاتَىٰكُمْ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور تمہارے مملوک غلاموں میں جو "مکاتبت" کا مطالبہ کریں' ان سے مکاتبت کر لو' اگر تم ان میں اچھائی دیکھتے ہو اور ان کو اللہ کے مال میں سے دو' جو اس نے تمہیں دیا ہے۔"

* زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف غلام آزاد کرنے میں تعاون کرنا بھی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ۞ إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ (التوبة٩/ ٦٠)

"صدقات فقراء' مساکین اور اس میں کام کرنے والوں کے لئے اور جن کی تالیف قلب[1] مطلوب ہے اور غلام آزاد کرنے میں اور مقروض لوگوں کے لئے اور اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کے لئے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے' اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔"

* اگر کسی وجہ سے غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے تو آزادی اس کے تمام اجزاء میں سرایت کر آتی ہے' اس لئے کہ مسلمان جب کسی مقصد کے لئے غلام کا نصف یا ثلث آزاد کرتا ہے تو اسے شرعی حکم ہے کہ باقی کی قیمت ادا کر کے پورا غلام آزاد کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَّهُ فِيْ عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطٰى شُرَكَاؤَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جس نے غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے تو

---

(۱) کسی کو اس لئے مال دینا تا کہ اگر کافر ہے تو اسلام لے آئے' لا چکا ہے تو اس پر قائم رہے۔ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

منصفانہ قیمت طے کر کے اس کے حصہ داروں کو اس کی قیمت ادا کرے اور (اس طرح پورا) غلام آزاد ہو جائے گا۔"

* مالک اپنی لونڈی سے ہم بستری کر سکتا ہے۔ تا کہ "ام ولد" (یعنی اس کے بچے کی ماں) ہونے کی صورت میں اس کی آزادی ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا أَمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ»(سنن ابن ماجة ومستدرك حاكم بسند ضعيف، وعليه العمل عند الجمهور)

"جو لونڈی اپنے سردار کی اولاد پیدا کرلے' وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے۔"

غلام کو اگر کسی نے مارا تو اس پر اسے آزادی کا پروانہ مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَّهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ أَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ أَنْ يُعْتِقَهُ»(مسند أحمد، سنن أبي داود، سنن الترمذي وسنن ابن ماجة وهو صحيح)

"جو اپنے غلام کو ناکردہ کام پر "حد" لگاتا ہے' یا بلا وجہ تھپڑ مارتا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔"

* اگر کسی غلام کا مالک اس کا قرابت دار بن گیا تو وہ غلام آزاد ہو گیا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ»(صحيح مسلم)

"جو شخص "ذی رحم" (قرابت دار) کا مالک ہو جائے تو وہ (غلام) آزاد ہے۔"

تنبیہ:

اس قول کا جواب کہ اسلام نے مسلمانوں پر غلام آزاد کر دینے کو فرض کیوں نہیں قرار دیا کہ پھر کوئی بھی مسلمان اس حکم سے سرتابی نہ کر سکتا؟

اس بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ اسلام کی آمد کے وقت غلام لوگوں کی ملک میں تھے اور یہ بات "عادلہ شریعت" اور انسان کی جان' مال اور عزت کے محافظ دین کے مناسب نہیں تھی کہ وہ لوگوں پر فرض قرار دے کہ اپنے اموال اپنی ملکیت سے نکال دیں اور پھر بہت سے غلاموں کے حق میں بھی یہ بات بہتر نہ تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں' اس لئے کہ جو بچے' عورتیں کما نہیں سکتے تھے' وہ کس کے سہارے زندگی بسر کرتے؟ اس لئے ان کو مسلمان مالک کے قبضہ اور تحویل میں رکھا تا کہ ان کی خوراک' لباس اور دیگر ضروریات زندگی مہیا ہوں۔ یہ صورتحال ان کے حق میں اس سے ہزار درجہ بہتر تھی کہ انہیں محسن اور اچھے گھریلو ماحول سے نکال کر قطع تعلقی اور محرومی کے جہنم میں دھکیل دیا جاتا۔

دوسرا مادہ

غلاموں کے احکام

الف۔ غلاموں کی آزادی:

* آزادی کی تعریف:

مملوک غلام کو آزاد کر دینا اور اسے غلامی کی ذلت سے نکالنا عتق (آزادی) ہے۔

* آزاد کرنے کا حکم:

غلام آزاد کرنا مندوب اور مستحب ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ (البلد۹۰/ ۱۳)

"گردن آزاد کرنا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ، حَتَّى إِنَّهُ لَيُعْتِقُ الْيَدَ بِالْيَدِ وَالرِّجْلَ بِالرِّجْلِ وَالْفَرْجَ بِالْفَرْجِ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص کسی مومن غلام کو آزاد کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے عوض آزاد کرنے والے کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھ کے عوض ہاتھ اور پاؤں کے عوض پاؤں اور شرم گاہ کے عوض شرم گاہ کو آزاد کر دیتا ہے۔"

* آزاد کرنے کی حکمت:

انسان کو غلامی کے نقصانات سے بچانا' تا کہ وہ اپنی جان اور منافع کا مالک بن جائے اور اپنے ارادہ و اختیار کے مطابق اپنی جان اور منافع کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔

* آزادی کے احکام:

(۱) مالک کے صریح لفظ "میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے' یا تو آزاد ہے" وغیرہ کہنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کنائی الفاظ سے بھی' بشرطیکہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے جائیں' غلام آزاد قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ "میں نے تیرا راستہ کھلا کر دیا ہے"' یا "میرا تیرے اوپر کوئی اختیار نہیں ہے" وغیرہ۔

(۲) عاقل و بالغ جو اپنے معاملات کو خوش اسلوبی سے سمجھتا ہے' کا آزاد کرنا ہی معتبر ہے' جو اپنے مال میں تصرف کرنے کا مجاز ہے۔ بنا بریں مجنون' نابالغ بچہ اور کم عقل جس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی

ہے' اپنا غلام آزاد نہیں کر سکتے' اس لئے کہ یہ اپنے مال میں تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

(۳) اگر غلام دو یا زیادہ آدمیوں کی "مشترکہ ملکیت" میں ہے اور ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ آزاد کرنے والا مال دار ہے تو وہ باقیوں کے حصص بھی ان کی قیمت ادا کر کے آزاد کرے گا۔ لیکن اگر تنگ دست ہے تو جتنا اس نے آزاد کیا وہ آزاد ہے باقی غلام' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَأَعْطَى شُرَكَاؤَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِلاَّ فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"جو شخص "مشترک غلام" میں اپنا حصہ آزاد کرتا ہے اور اس کے پاس (پورے) غلام کی قیمت بھی ہے پھر اس نے اپنے دیگر حصہ داروں کو ان کے حصے کی منصفانہ قیمت ادا کر دی تو وہ سارا آزاد ہو جائے گا ورنہ جتنا آزاد ہو گا سو ہو گیا۔"

(۴) اگر کوئی شخص اپنا غلام آزاد کرنا کسی شرط کے ساتھ مشروط کرتا ہے' تو شرط کے پائے جانے پر وہ آزاد ہو گا' ورنہ نہیں' مثلاً کہتا ہے کہ "اگر میری عورت نے بچہ جنم دیا تو تو آزاد ہے"' چنانچہ بچہ جنم دیتے ہی وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

(۵) جو اپنے غلام کا اکیلا مالک ہے اور اس نے اس کا کچھ حصہ آزاد کر دیا تو' اس کا باقی بھی آزاد ہو جائے گا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عام ہے:

«مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَّهُ فِي عَبْدٍ. . . . .»(الحديث)

"جس نے غلام میں موجود اپنے حصے کو آزاد کیا......"

اسی طرح آپ کا یہ فرمان: «مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَّهُ فِي مَمْلُوْكٍ فِيْهِ مِنْ مَالِه. .»(الحديث)

"جس نے اپنے مال سے غلام میں موجود اپنے حصے کو آزاد کیا....."[1]

(۶) "مرض الموت" میں ایک یا زیادہ غلام آزاد کرتا ہے تو ایک تہائی جائیداد کے اندر وہ آزاد ہوں گے۔ اس لئے کہ "مرض الموت" میں غلام آزاد کرنا وصیت کی مانند ہے اور وصیت تہائی سے زائد میں جائز نہیں ہے۔

---

(۱) یعنی جب ایک مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا جائے تو اسلام دیگر حصہ داروں کو اس کی قیمت دے کر پورا غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو جو' ایک ہی مالک کا غلام ہے اگر اسے جزوی آزادی مل جائے تو اسلام اس کی مکمل آزادی کو کیوں نہیں چاہے گا؟ (ع' ر)

ب- تدبیر کا بیان:

* تدبیر کی تعریف:

غلام کی آزادی کو مالک کی موت کے ساتھ معلق کرنا تدبیر کہلاتا ہے۔ مثلاً مالک غلام کو یہ کہے کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے۔ ایسا غلام مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

* تدبیر کا حکم:

غلام "مدبر" کرنا جائز ہے' الا یہ کہ مالک کی ملکیت میں اس غلام کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہ ہو تو پھر تدبیر ناجائز[1] ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«إِنَّ رَجُلاً أَعْتَقَ مَمْلُوْكًا عَنْ دُبُرٍ فَاحْتَاجَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ يَشْتَرِيْهِ مِنِّيْ؟ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِاللهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ، وَقَالَ أَنْتَ أَحْوَجُ مِنْهُ» (صحيح بخاري وصحيح مسلم وسنن ترمذي)

"ایک شخص نے اپنا غلام موت کے بعد آزاد کرنے کا کہا اور پھر وہ خود محتاج ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "مجھ سے یہ غلام کون خریدتا ہے؟" چنانچہ آپ نے آٹھ سو درھموں کے عوض اسے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دیا اور یہ رقم غلام کے مالک کو دے دی اور فرمایا (اس محتاجی میں) "تو اس کا زیادہ مستحق ہے۔"

* تدبیر میں حکمت:

مسلمان کے لئے سہولت اور آسائش پہنچانا مطلوب ہے کہ ایک شخص غلام آزاد کرنا چاہتا ہے مگر وہ زندگی میں اس کی خدمت کا بھی ضرورت مند ہے' اگر وہ اسے اپنی زندگی کے بعد آزاد کر دے' تو آزادی کے ثواب کا مستحق ہو جائے گا اور زندگی بھر اس کی خدمت بھی اسے حاصل رہے گی۔

* تدبیر کے احکام:

(ا) مالک اپنے غلام کو جب یہ کہے کہ "تو میرے بعد آزاد ہے" یا "میں نے تجھے مدبر قرار دیا ہے" یا "جب میں مرجاؤں گا تو تو آزاد ہے" وغیرہ تو وہ غلام "مدبر" قرار پاتا ہے۔

(ا) کیونکہ یہی غلام اس کا کل ترکہ ہے جب یہی آزاد ہو گیا تو اس کی تجہیز و تکفین کا کیا بنے گا؟ اگر مقروض ہے تو قرض کہاں سے ادا ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ورثا کو کیا ملے گا؟ واللہ اعلم۔ (ع' ر)

(۲) موت کے بعد مدبر تہائی میں سے آزاد ہو گا۔ [1] اگر تہائی میں آزاد نہیں ہو سکتا تو بقدر تہائی وہ آزاد ہو گا (سارا نہیں)۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ اور ائمہؒ کا مسلک یہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا حکم وصیت کی طرح ہے اور وصیت کا نفاذ تہائی میں سے ہو سکتا ہے۔

(۳) "تدبیر" کو شرط سے بھی معلق کیا جا سکتا ہے' لہٰذا شرط کے پائے جانے سے غلام مدبر ہو گا' ورنہ نہیں' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ»(صحيح بخاري، سنن أبي داود وسنن الترمذي)

"مسلمان اپنی طے (شدہ) شرطوں کی پابندی کریں۔"

مثلاً مالک کہتا ہے "اگر میں اس بیماری میں فوت ہو گیا تو تو آزاد ہے" چنانچہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گیا تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اگر فوت نہ ہوا تو وہ آزاد نہیں ہو گا۔

(۴) "مدبر" کو ادائیگی قرض یا کسی اور ضرورت کے تحت فروخت کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ (ابھی گزرا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کی ضرورت کی بنا پر اس کا "مدبر غلام" فروخت کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی "مدبرہ" لونڈی کو جس نے ان پر جادو کر دیا تھا فروخت کر دیا تھا۔ اسے امام شافعی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

(۵) "لونڈی مدبرہ" اگر حاملہ ہے تو اس کا حمل بھی اس کے ساتھ مدبر ہے' مالک کی موت سے وہ بھی آزاد ہو جائے گا' اس لئے کہ عمر اور جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«وَلَدُ الْمُدَبَّرِ بِمَنْزِلَتِهَا»(المغني)

"مدبر کی اولاد بھی اس کے حکم میں ہے۔"

(۶) مالک اپنی مدبرہ لونڈی سے ہم بستری کر سکتا ہے' اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت میں ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۶)

"مگر اپنی بیوی یا مملوکہ لونڈیوں (سے جماع کرنے میں) انھیں ملامت نہیں ہے۔"

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم "مدبرہ لونڈی" کے ساتھ وطی کے جواز کے قائل ہیں۔

(۷) اگر "مدبر" نے اپنے مالک کو قتل کر دیا تو وہ آزاد نہیں ہو سکے گا اور اس کی تدبیر باطل قرار پائے گی' تاکہ "مدبر" اپنے مالکوں کو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے قتل نہ کر سکیں۔

---

(۱) یعنی اگر کل ترکے کی تہائی' اس غلام کی قیمت کے برابر ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور ---- (ع' ر)

ج۔ مکاتبت کا بیان:

* مکاتب غلام کی تعریف:

مالک اپنے جس غلام کے ساتھ معاہدہ کر لے کہ اگر تو مجھے اتنی اقساط میں اتنا مال ادا کر دے تو تو آزاد ہے اور اس کی تحریر ہو جائے۔ اس صورت میں جملہ قسطیں ادا کرنے کے بعد وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

* مکاتبت کا حکم:

غلام کے ساتھ اس انداز کا معاہدہ کرنا مستحب ہے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَبۡتَغُونَ ٱلۡكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡ فَكَاتِبُوهُمۡ إِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيهِمۡ خَيۡرٗاۖ وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ ٱللَّهِ ٱلَّذِيٓ ءَاتَىٰكُمۡۚ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور تمہارے جو غلام تم سے مکاتبت[1] چاہیں اگر تم ان میں خیر محسوس کرو تو ان سے مکاتبت کر لو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دیا ہے ان کو بھی دو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعَانَ غَارِمًا أَوْ غَازِيًا أَوْ مُكَاتَبًا فِيْ كِتَابَتِهِ، أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(مسند أحمد ومستدرك حاكم وسنده صحيح)

"جو شخص مقروض یا غازی یا مکاتب کے ساتھ تعاون کرتا ہے' اسے اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا۔"

* مکاتب کے احکام:

(۱) مکاتبت کی آخری قسط ادا کرنے پر غلام آزاد ہو جائے گا۔

(۲) جب تک غلام نے ایک درہم بھی ادا کرنا ہے' وہ غلام ہے۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول یہی ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ»(سنن أبي داود وسنن البيهقي بسند حسن)

"مکاتب جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہے۔"

(۳) مالک پر لازم ہے کہ وہ مکاتب کے ساتھ تعاون کرے' تاکہ وہ قسطیں ادا کر کے آزاد ہو سکے۔ اس لئے کہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) مکاتبت اس تحریری معاہدہ کو کہا جاتا ہے جو مالک اور غلام کے مابین قسطیں ادا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ (الاثری)

﴿ وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ ٱللَّهِ ٱلَّذِىٓ ءَاتَىٰكُمْ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے' ان کو بھی دو۔"

(۴) اگر غلام ایک ہی بار' یا چند اقساط میں پوری قسطیں جمع کرانا چاہے تو مالک پر لازم ہے کہ وہ قبول کرلے اور اسے آزاد کردے' الا یہ کہ اس کا اس میں نقصان ہوتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی فیصلہ مروی ہے۔ (المغنی)

(۵) غلام کے قسطیں ادا کرنے سے پہلے اگر مالک فوت ہو جائے تو غلام مالک کے ورثاء کو بقیہ اقساط ادا کردے گا اور اگر ادائیگی نہ کرسکا تو وہ مالک کے ورثاء کا غلام قرار پائے گا۔

(۶) مالک غلام کو سفر اور کام کرنے سے نہیں روک سکتا۔ البتہ وہ اسے شادی کرنے سے منع کرسکتا ہے' اس لئے کہ آپ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا عَبْدٍ تَـزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيْهِ فَهُوَ عَاهِرٌ»(مسند أحمد)

"جو غلام اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے' وہ زانی ہے۔"

(۷) مالک اپنی مکاتبہ لونڈی سے وطی نہیں کرسکتا' اس لئے کہ مکاتبت کی وجہ سے وہ اس کی خدمت نہیں کرے گی اور نہ اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے اور وطی بھی ان منافع میں سے ہے جو "مکاتبت" کی وجہ سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ جمہور ائمہ رحمہم اللہ کی رائے یہی ہے۔

(۸) مکاتب اگر قسط ادا نہ کرسکے اور دوسری قسط کا وقت ہو جائے تو مالک اسے عاجز قرار دے کر غلام بنا سکتا ہے' اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مکاتب کو اس وقت "رقیق" بنایا جائے' جب لگاتار دو قسطیں اس پر آجائیں اور وہ ادا نہ کرسکے۔"

(۹) مکاتبہ لونڈی کا بچہ بھی اس کے ساتھ آزاد ہو جائے گا' اگر اس نے اپنی پوری قسطیں ادا کردیں' لیکن اگر قسطیں ادا کرنے سے قاصر رہی تو بچہ بھی اس کے ساتھ غلام قرار پائے گا۔ چاہے "مکاتبت" کے وقت حمل تھا' یا "مکاتبت" کے بعد لونڈی حاملہ ہوئی۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

(۱۰) "مکاتب" عاجز ہو جائے تو اس کے ہاتھ میں جو مال ہے' وہ سب مالک کی ملکیت ہو جائے گا' الا یہ کہ اسے زکوٰۃ میں سے مال دیا گیا ہو تو اس صورت میں مالدار مالک اس کو نہیں لے گا' کیونکہ زکوٰۃ کے مستحق فقراء و مساکین ہیں (مالدار مالک نہیں)۔

د۔ ام ولد کا بیان:

* ام ولد کی تعریف:

وہ لونڈی جس کے ساتھ اس کا مالک ہم بستر ہوا اور اس سے اولاد پیدا ہوگئی' "ام ولد" کہلاتی ہے۔

* لونڈی سے جماع کرنے کا حکم:

لونڈی کا مالک اس سے ہم بستر ہو سکتا ہے تو جب اولاد پیدا ہو گی وہ ''ام ولد'' بن جائے گی' اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾

(المعارج ۷۰/ ۲۹-۳۰)

''اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ سے مجامعت کی' جن سے ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا:

«أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا»(سنن ابن ماجة وسنن الدارقطني وهو معلول)

''اس کے بچہ نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔''

اسی طرح ہاجرہ علیہا السلام (اسماعیل علیہ السلام کی والدہ) حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی لونڈی تھیں۔

* لونڈی سے مجامعت کی حکمت:

(۱) لونڈی کے ساتھ شفقت کہ اس کی شہوانی حاجت براری کا قانونی انتظام ہو۔[1]

(۲) ''ام ولد'' ہونے کی صورت میں مالک کی وفات کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہو گی۔

(۳) بیوی کے انداز پر مالک کے ساتھ رہنے سے گھر کے ایک فرد کی حیثیت اختیار کر جائے گی اور صفائی' لباس' خوراک اور بستر میں ''سردار مالک'' کے ہاں قابل اعتناء ہو گی۔

(۴) جو مسلمان آزاد عورت سے نکاح کرنیکی استعداد نہیں رکھتا' وہ لونڈی کے ساتھ نباہ اور مجامعت کی صورت میں اچھی زندگی بسر کر سکتا ہے۔[2] یہ بھی اس پر تخفیف اور رحمت کی ایک صورت ہے۔

---

(۱) اگر مالک اس کی خدمت کا محتاج ہے جس کی وجہ سے نہ وہ اسے آزاد کرتا ہے اور نہ ہی کسی سے اس کی شادی کرتا ہے اور اسے اس سے ہم بستر ہونے سے بھی روک دیا جائے تو لونڈی لازماً بدکاری کی راہ اختیار کرے گی اس کا حل اسلام نے یہ نکالا کہ مالک کو اس سے ہم بستر ہونے کی قانونی اجازت دے دی' یہ اجازت صرف مالک کو ہے نہ کہ اس کے کسی عزیز کو۔ (ع' ر)

(۲) کیونکہ آزاد عورت کی نسبت لونڈی کے حقوق کی ادائیگی آسان ہے۔ (ع' ر)

* ام ولد کے احکام:

(۱) جملہ امور' مثلاً خدمت' وطی' آزادی' حد' پردہ اور نکاح میں یہ مکمل لونڈی کی طرح ہے' البتہ اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی بیع سے منع کیا ہے۔ (موطا امام مالک عن عمر رضی اللہ عنہ موقوفا)

اور اس لئے بھی کہ اس کی بیع کا جواز' اس متوقع آزادی کے منافی ہے جو اسے مالک کی موت کی صورت میں حاصل ہو جائے گی۔

(۲) مالک کی موت کے نتیجہ میں یہ آزاد قرار پائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَيُّمَا أَمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ عَنْ دُبُرٍ مِّنْهُ»(سنن ابن ماجة)

"جو لونڈی اپنے سردار کا بچہ جنم دے چکی ہے' وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے۔"

(۳) لونڈی کا بچہ مکمل تخلیق و تصویر کے بعد اگر ساقط ہو جائے تو بھی وہ "ام ولد" ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ مِنْ سَيِّدِهَا فَقَدْ عَتَقَتْ، وَإِنْ كَانَ سِقْطًا»(المغني)

"جب لونڈی اپنے سردار سے بچہ جنم دے' خواہ وہ ناتمام ہی ہو تو وہ آزاد ہو جائے گی۔"

(۴) ام ولد مسلمہ ہے' یا کافرہ' وہ آزاد ہو گی۔ تاہم بعض علماء کافرہ کی آزادی کے قائل نہیں ہیں مگر نص کا عموم اس میں فرق نہیں کرتا اور جمہور کا مسلک بھی یہی ہے۔

(۵) مالک کی وفات کے بعد ام ولد آزاد ہو گی' لیکن اس کے ساتھ جو مال ہے' وہ مالک کے ورثاء کا ہے' اس لئے کہ سردار کی موت سے پہلے وہ لونڈی تھی اور لونڈی کا مال سردار کی ملکیت ہوتا ہے' جو اب ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

(۶) مالک کی وفات کے بعد ام ولد ایک ماہواری بطور "استبراء رحم" انتظار کرے گی' اس لئے کہ وہ آزادی کے بعد اس کی ملکیت سے خارج ہو رہی ہے۔

ھ- ولاء کا بیان:

* ولاء کی تعریف:

آزادی کے نتیجے میں غلام کا معتق (آزاد کرنے والا) کے ساتھ جو تعلق و رشتہ قائم ہوتا ہے' اس کو

ولاء کہتے ہیں اور آزاد کرنے والا اس کا "عصبہ" قرار پاتا ہے۔ غلام کے مرتے وقت اگر اس (غلام) کا کوئی "عصبہ نسبی" نہیں ہے تو یہ معتق (آزاد کرنے والا) اور اس (کی عدم موجودگی میں اس) کے عصبات (رشتہ دار) اس آزاد شدہ غلام کے وارث ہوتے ہیں' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"ولاء کا حق اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا ہے۔"

* ولاء کا حکم:

ولاء مشروع اور جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵)

"یہ غلام تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔"

اور آپ کا فرمان ہے: «إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»(صحيح بخاري وصحيح مسلم)

"وراثت ولاء اس کے لئے ہے جس نے (غلام کو) آزاد کیا ہے۔"

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

«اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ»(معجم الطبراني، سنن البيهقي ومستدرك حاكم وسنده صحيح)

"ولاء نسب کے تعلق کی طرح ایک تعلق ہے۔ اسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔"

* ولاء کے احکام:

(۱) جس طرح بھی غلام آزاد ہوا ہو "مکاتبت" کے ذریعے' یا "تدبیر" کی صورت میں' یا کسی اور ذریعہ سے (بہر صورت) ولاء اس شخص کے لئے ہو گی جس نے اسے آزاد کیا۔

(۲) ولاء نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ ہبہ کی جا سکتی ہے۔ بنا بریں یہ تعلق بیع و ہبہ وغیرہ کے ذریعہ کسی اور کی طرف منتقل بھی نہیں کیا جا سکتا'[1] اس لئے کہ یہ ایک "نسب" ہے اور "نسب" فروخت کی جانے والی چیز نہیں ہے اور نہ کسی حال میں اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ آپ کا فرمان عالی ہے:

---

(۱) یعنی آزاد کرنے والا اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ولاء کا حق دار نہیں بنا سکتا نہ پیسے کے لالچ میں' نہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔ (ع' ر)

«اَلْوَلاَءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لاَ يُبَاعُ وَلاَ يُوْهَبُ» (أيضًا)

"ولاء نسب کی طرح ایک تعلق ہے' جسے نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔"

(۳) ولاء میں آزاد کرنے والا مرد ہے' یا عورت' وہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا وارث ہو گا۔ اگر وہ (آزاد کرنے والا) زندہ موجود نہیں تو اس کے عصبہ نسبی وارث ہوں گے وہ بھی مرد' عورتیں وارث نہیں ہوں گی۔ جیسا کہ "علم میراث" میں اس کی توضیح ہو چکی ہے۔

وَاللهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ، وَسَبِيْلُهُ أَهْدٰى وَأَقْوَمُ، وَصَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

ISBN: 9960-9562-0-2